بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد چہاردہم

14

1. بروز جمعہ، عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق
2. اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق
3. شبلی اور فراہی کی تکفیر کا مسئلہ
4. مولانا آزاد: چند سوالات کے جوابات
5. ناقابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم

مصنف

مُفتی محمّد رضوان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 14

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...بروز جمعہ، عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق

(2)...اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق

(3)...شبلی اور فراہی کی تکفیر کا مسئلہ

(4)...مولانا آزاد: چند سوالات کے جوابات

(5)...نا قابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www,idaraghufran.org

نام کتاب: علمی و تحقیقی رسائل (جلد14)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: جمادی الاولیٰ 1442ھ - دسمبر 2020ء

صفحات: 684

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

از صفحہ نمبر	نام رسائل
18	پیشِ لفظ ''مجلسِ فقہی'' ادارہ غفران، راولپنڈی
21	(1)...بروز جمعہ عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق
317	(2)...اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق
367	(3)...شبلی اور فراہی کی تکفیر کا مسئلہ
495	(4)...مولانا آزاد: چند سوالات کے جوابات
627	(5)...نا قابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم
4	تفصیلی فہرست رسالہ اول
10	تفصیلی فہرست رسالہ دوم
12	تفصیلی فہرست رسالہ سوم
14	تفصیلی فہرست رسالہ چہارم
16	تفصیلی فہرست رسالہ پنجم

تفصیلی فہرست رسالہ اول

(بروز جمعہ عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق)

مضامین — صفحہ نمبر

تفصیلی فہرست رسالہ دوم

(اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق)

صفحہ نمبر	مضامین
321	تمہید (من جانبِ مؤلف)
322	اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق
//	سوال:
//	جواب:
324	سورہ ھوداور''تفسیر معارفُ القرآن'' کا حوالہ
326	سورہ اسراء، سورہ کہف اور سورہ انبیاء کا حوالہ
330	سورہ مومنون، جاثیہ، قٓ، انفطار اور سورہ زلزلہ کا حوالہ
332	سورہ اسراء کا حوالہ
333	سورہ حآقہ کا حوالہ
337	سورہ انشقاق کا حوالہ
342	تفسیر معارف القرآن کا حوالہ

تفصیلی فہرست رسالہ سوم

(شبلی اور فراہی کی تکفیر کا مسئلہ)

تفصیلی فہرست رسالہ چہارم

(مولانا آزاد: چند سوالات کے جوابات)

تفصیلی فہرست رسالہ پنجم

(ناقابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

”مجلسِ فقہی“ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی و تحقیقی رسائل کی چودہویں جلد کے رسائل و مضامین بحمداللہ تعالیٰ، تدوین، تحقیق، مراجعت اور کتابت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

اس سے پہلی جلدوں میں شائع شدہ مضامین ورسائل، الحمدُ للہ تعالیٰ، علمی و تحقیقی میدان میں مفید ثابت ہوئے۔

چودہویں جلد میں درجِ ذیل پانچ تحقیقی رسائل شامل ہیں:

(1)...بروز جمعہ، عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق

(2)...اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق

(3)...شبلی اور فراہی کی تکفیر کا مسئلہ

(4)...مولانا آزاد: چند سوالات کے جوابات

(5)...نا قابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم

مزید کئی رسائل و مضامین پر بھی بحمداللہ تعالیٰ نظرِ ثانی وغیرہ کا کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو اپنی رضا کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

اراکینِ مجلس نے اس جلد کے رسائل ومقالات کا بالاستیعاب مطالعہ وملاحظہ کیا، اور جن مقامات پر کسی رکن کو مصنف کی رائے سے اختلاف، یا اس پر کوئی شبہ پیدا ہوا، وہاں دلائل کے اعتبار سے مناقشہ کیا گیا، اور اطمینان اور شرح صدر کے بعد راجح موقف مذکور ہوا، نیز اراکینِ مجلس نے مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی۔

ان جلدوں میں شائع ہونے والے مضامین ورسائل میں کسی خاص گروہ کی طرف داری اور تعصب کے بجائے، علمی وتحقیقی دیانت داری اور غیر جانب داری کوملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اور دلائل کی روشنی میں جوموقف راجح معلوم ہوا، اسی کواختیار کیا گیا ہے، اگر چہ وہ اپنی سابقہ تحقیق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے پاک فرما کراس سلسلے کوآگے بڑھائے، اوراس مجموعہ کواپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اور علمی، فقہی وکلامی دنیا میں امتِ مسلمہ کی دنیاوآخرت کی صلاح وفلاح اور افراط وتفریط سے حفاظت اور اعتدال کے قائم ہونے کا باعث بنائے، اور غلط فہمی، لاعلمی، یاتعصب وغیرہ کی بناء پرمسلمانوں میں جومختلف قسم کی بے اعتدالیاں پیداہوگئی ہیں، ان کا خاتمہ فرمائے، اور اس کاوِش کو جملہ اراکینِ مجلسِ فقہی کے لیے مغفرت اور ترقی درجات کاذریعہ بنائے۔آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ناظم)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(9)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

یکم/صفر المظفر/1442ھ 19/ستمبر/2020ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

بروز جمعہ عذابِ قبر منقطع ہونے کی تحقیق

جمعہ ورمضان میں، عذابِ قبر نہ ہونے اور جمعہ کے دن عذاب، منقطع ہونے کا حکم

جمعہ ورمضان میں فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت اور شہادت کے اجر پر کلام

اس سلسلہ میں پیش کردہ دلائل وروایات کا تحقیقی واسنادی جائزہ

اوراس سلسلہ میں مختلف اہلِ علم حضرات کے اقوال

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

عوامُ الناس میں کثرت سے اور بہت سے اہلِ علم حضرات میں یہ بات مشہور ہے کہ جو مسلمان بھی جمعہ کے دن، یا شبِ جمعہ میں، یا رمضان کے مہینے میں فوت ہوجائے، تو وہ شہید شمار ہوتا ہے اور وہ تا قیامت ہر طرح کے شدید وخفیف عذابِ قبر و برزخ سے مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے، خواہ وہ متقی و پرہیزگار ہو، یا فاسق وفاجر اور شرابی و کبابی ہو، اس سلسلہ میں سب کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی کے ساتھ علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ کے فتاویٰ شامی وغیرہ میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بھی مذکور ہے کہ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں کسی کافر ومشرک کو بھی قبر وبرزخ میں عذاب نہیں دیا جاتا، اور جب بھی کسی عام دن میں کوئی فوت ہوتا ہے، تو اگر مومن ہو تو فوت ہونے کے بعد پہلے جمعہ کا دن آنے پر اس سے تا قیامت ہر طرح کا قبر و برزخ کا عذاب اُٹھالیا جاتا ہے، خواہ وہ شخص زندگی میں ان سخت سے سخت قسم کی بداعمالیوں اور گناہوں میں کیوں نہ مبتلا رہا ہو، جن پر قبر و برزخ کے ہولناک عذاب کا صحیح، صریح وکثیر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

اس خیال کا مآل اور حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی فاسق وفاجر شخص، جمعرات کے دن فوت ہوا، تو اگلے دن، یا کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد جمعہ کا دن شروع ہونے پر اس سے ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھالیا جائے گا، چنانچہ اگر کوئی فاسق وفاجر مسلمان، جمعرات کو سورج غروب ہونے سے چند لمحات پہلے دفن ہوا، تو سورج غروب ہوتے ہی وہ تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر و برزخ سے محفوظ ہوجائے گا، اور کوئی بھی بڑے سے بڑے گناہ کا مرتکب مسلمان، فوت ہونے

کے بعد ایک ہفتہ سے زیادہ عذابِ قبر و برزخ میں مبتلا نہ ہوگا۔

چنانچہ جو فاسق و فاجر مثلاً سود خور، غیبت، یا چغل خوری کا عادی، یا پیشاب سے حفاظت نہ کرنے والا، یا زانی وغیرہ، جمعہ کا دن گزر کر فوت ہوا، تو وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں اگلا جمعہ شروع ہونے تک تو عذابِ قبر میں مبتلا ہوسکتا ہے، لیکن اس کے بعد تا قیامت قبر و برزخ کے عذاب سے محفوظ و مامون ہو جائے گا، اب گویا کہ اس کے لئے عذابِ قبر و برزخ سے حفاظت کے لئے نہ تو فکر کرنے اور دعاء کرنے کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی اس مقصد کے لئے دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے کی ضرورت ہوگی۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کے فتاویٰ شامی کے حوالہ سے ہندوستان و پاکستان کے بعض علماء واہلِ افتاء کے اردو فتاویٰ اور فقہ کی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے، اور ہمارے یہاں نقل در نقل چلتے رہنے کی وجہ سے اس قول پر نہ صرف یہ کہ بہت سے لوگ مطمئن ہیں، بلکہ بعض اہلِ علم کی طرف سے اس قول کی تائید میں ایک عرصہ سے دور دراز کے دلائل جمع کر کے تقویت بہم پہنچانے کا سلسلہ بھی جاری ہے، جیسا کہ تقریباً ہر سلسلے میں اس قسم کے مسائل میں آج کل روایتی طور پر عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔

حالانکہ فتاویٰ شامی میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، اور اس قول کی بہت سے محقق علماء نے تردید کی ہے اور اس کو نصوص کے خلاف اور باطل تک قرار دیا گیا ہے۔

لیکن موجودہ دور کے بہت سے علماء ومفتیانِ کرام کا فتاویٰ شامی پر اعتقاد واعتماد اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسری فقہ کی کتاب کی تحقیق کو قبول کرنے کے لیے تیار وآمادہ نہیں، بلکہ بعض اہلِ علم حضرات تو یہاں تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ اگر کوئی صاحبِ علم، فتاویٰ شامی میں مذکور رائے کے خلاف فتویٰ دے، تو اس کو فتویٰ سمجھنے اور ماننے کے لئے ہی تیار نہیں، اس پر مزید یہ کہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کو ''خاتمۃُ المحققین'' قرار

دے کر، ان کے بعد ان کی کسی رائے کے خلاف علمی وفقہی تحقیق، یا قول اختیار کرنے والے کی شان میں زبان درازی بھی کرنے سے نہیں چوکتے، خواہ اس کی رائے اصولِ فقہ یعنی کتابُ اللہ، سنتِ رسولُ اللہ، اجماعِ امت، یا قیاس کے زیادہ موافق ومطابق کیوں نہ ہو، جیسا کہ اس مسئلہ میں بھی بعض اہلِ علم کی طرف سے اس قسم کا طرزِ عمل سامنے آتا ہے۔

حالانکہ اولاً تو علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ ایک صدی کا فقہ حنفی کی مخصوص جہت سے مجدد قرار دیا جاسکتا ہے، اور ان کے زمانے میں اور ان کے بعد مختلف اقسام وانواع کے مجددین کی آمد میں شرعاً وعادتاً کوئی مانع نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ایک مقام پر ہے کہ:

''ہر صدی پر ایک ''مجدد'' ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ کبھی ایک، کبھی دو، کبھی کئی کئی بھی ہوتے ہیں'' (ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۱۱، ص ۲۱۵، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: 2001ء)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک صدی میں کئی مجدد ہوں، مثلاً کوئی شخص ایک جزوِ دین کی اصلاح کے لیے ہے، اور دوسرا، دوسرے جزو کی اصلاح کے لیے، مثلاً ایک شخص تفسیر کے اندر جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہو، اس کی اصلاح کے لیے ہو، اور دوسرا شخص حدیث کے اندر غلو کی اصلاح کے لیے ہو ''وعلیٰ ھٰذا'' (ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۱۰، ص ۳۵۱، ملفوظ نمبر ۲۵۸، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اور یہ طرزِ عمل کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی رائے تو درست اور ان کے برخلاف ان کے بعد کسی محقق کی رائے کا اعتبار نہ ہو، اس طرح معصومیت اور خاتمیت کا نظریہ تو کسی نبی، بلکہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص رکھا جاسکتا ہے، کسی اور بزرگ، یا شخصیت کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ ہرگز درست نہیں۔

قرآن وسنت کے مضبوط دلائل سے کفار کو روزانہ قبر و برزخ کے عذاب ہونے کا ثبوت ملتا ہے، جس میں کسی خاص دن، یا خاص مہینہ میں عذاب کی تخفیف، یا عذاب کا استثناء مذکور نہیں، اس کے علاوہ صحیح احادیث وروایات کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی بعض گناہ گار لوگوں کو عذابِ قبر میں مبتلا دیکھا اور ان کی قبروں پر تازہ شاخ گاڑی اور فرمایا کہ شاید ان کے عذاب میں اس وقت تک تخفیف کر دی جائے، جب تک یہ شاخ خشک نہ ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاخ کے خشک ہونے کے بعد دوبارہ عذاب کا سلسلہ جاری ہو جائے گا، نہ یہ کہ جمعہ کا دن آنے پر ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھالیا جائے گا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اور اس کے علاوہ معراج کی رات میں کئی قسم کے لوگوں کو برزخ وقبر کے مختلف الانواع عذاب میں مبتلا پایا اور ان کے ساتھ بار بار عذاب کے عمل کا اعادہ وتکرار دیکھا اور بعض گناہگاروں کے متعلق تا قیامت اس طرح کا عذاب جاری رہنے کی تصریح فرمائی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کی بداعمالیوں پر قبر کے عذاب میں مبتلا ہونے کا حکم لگایا، اس طرح کی تمام نصوص سے علامہ ابومعین نسفی رحمہ اللہ کے مذکورہ موقف کا تعارض ومعارضہ لازم آتا ہے، لیکن آج اس قسم کے بعض اقوال کو لے کر ان تمام نصوص اور ان تصریحات کو نظر انداز کرنا ٹھنڈے پیٹوں گوارا کیا جاتا ہے، اور ان اقوال کو شریعت کے مطابق وموافق قرار دینے کے لئے دور دراز کی تاویلات کا سہارا پکڑا جاتا اور کمزور ترین احادیث وروایات کو تنکوں کا سہارا دے کر ڈوبنے سے بچانے، بلکہ مُردہ میں جان ڈالنے، یا بیتِ عنکبوت قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر اس طرح کی باتوں اور کوششوں کے نتیجہ میں مختلف شکوک وشبہات لازم آنے کے علاوہ، عذابِ قبر وبرزخ کا خوف اور ڈر لوگوں کے دلوں سے کم ہوتا جاتا ہے، بالخصوص بے باک لوگوں کو گناہوں پر مزید جرأت بڑھتی ہے۔

اور اگر کوئی مشہور فاسق وفاجر، مثلاً گلوکار، فلمی اداکار، جمعہ، یا ماہِ رمضان میں فوت ہو جائے، تو

اس کے مغفور وشہید اور تا قیامت برزخ وقبر کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہوجانے کے دعوے کی بناء پر مذکورہ گناہوں کی تخفیف بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

چنانچہ ہمارے دیار ودور میں چند اسی قسم کے مشہور فساق، جمعہ کے دن، یا ماہِ رمضان میں فوت ہوئے، ان کے فوت ہونے کے بعد ان کا ذرائعِ ابلاغ پر رمضان، یا جمعہ کے دن فوت ہونے کی وجہ سے مغفور اور شہید تک ہونے کا چرچا کیا گیا، اور اس سلسلہ میں پیش کیے جانے والے دلائل اور علماء کے اقوال کا حوالہ دیا گیا، اور مزید براں ان کی دوسرے دنوں، یا مہینوں میں فوت ہونے والے نیک صالح لوگوں پر فضیلت وبرتری بھی ظاہر کی گئی۔

اس قسم کی بے اعتدالیوں کو دیکھ کر احادیث وروایات اور محدثین ومحقق اہلِ علم حضرات کے اقوال وتشریحات کی روشنی میں بندہ نے ایک مضمون میں معتدل تحقیق کی تھی، اور اس کو اختصار کے ساتھ اپنی بعض تالیفات مثلاً ’’ماہِ رمضان کے فضائل واحکام‘‘ اور ’’جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام‘‘ میں ذکر کیا تھا۔

پھر اس کے بعد اس مضمون کو قدرے اضافے کے ساتھ بصورتِ رسالہ شائع کرنے کا خیال ہوا، جس کا ابتدائی مسودہ بھی تیار ہوگیا۔

لیکن ابھی اس کی مستقل رسالہ کی صورت میں اشاعت نہ ہوئی تھی کہ ’’جمعہ کے دن موت کی فضیلت‘‘ کے عنوان سے ایک عالم فاضل صاحب کا مستقل رسالہ نظر سے گزرا، جس میں رطب ویابس دلائل وروایات اور اقوال اور کئی غیر متعلقہ چیزوں، مثلاً جمعہ کے دن کے مختلف فضائل کو جمع کیا گیا تھا، اور مختلف کتب سے ایک ایک روایت وعبارت کو نقل کر کے نمبر شمار بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی، جبکہ جمعہ کے دن کی فضیلت کا معاملہ بالکل الگ ہے، اور وہ مستند نصوص سے ثابت ہے، جس کا ذکر بندہ نے اپنی مفصل ومدلل تالیف ’’جمعہ مبارکہ کے فضائل و احکام‘‘ میں کر دیا ہے۔

اسی کے ساتھ مذکورہ عالم فاضل صاحب کی طرف سے اپنے اس مضمون پر موجودہ دور کی

روایتی چند تائیدات وتصدیقات بھی حاصل کر کے شامل کی گئی تھیں، جن میں اس مضمون اور مضمون نگار کو غیر معمولی طور پر سراہا گیا تھا، اس مضمون کو ملاحظہ کر کے محسوس ہوا کہ اس سلسلہ میں بعض مشاہیر اصحابِ علم میں بھی کئی قسم کی روایتی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جن کو انہوں نے اخلاص ونیک نیتی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ روایتی طور پر قبول کر رکھا ہے، بلکہ ان کو ''صواب'' سمجھنے کی وجہ سے ان کے تحفظ ودفاع میں بھی وہ کمر بستہ نظر آتے ہیں، دوسری طرف اس قسم کے مضامین سے کئی شکوک وشبہات لازم آتے ہیں، اور عامۃ الناس میں پائے جانے والے غلو اور بے اعتدالیوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اس لئے اس موضوع پر مزید کچھ تفصیل سے کلام کرنے کی ضرورت ہے۔

اختلاف اس چیز سے نہیں کہ کسی موضوع سے متعلق، کسی صاحبِ علم کی طرف سے اپنے علمی رجحان کا اظہار نہ کیا جائے، بلکہ اختلاف اس چیز سے ہے کہ کمزور اقوال ودلائل، یا غیر معتبر اسناد سے مروی احادیث وروایات، یا بعض مجمل ومبہم اور مختصر نصوص کو لے کر ان کے مقابلہ میں مضبوط دلائل، صحیح وقوی احادیث وروایات اور مفصل اور واضح نصوص میں مذکور قیودات و تصریحات کو نظر انداز کر دیا جائے، یا معاشرہ اور عوام میں پائی جانے والی غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کو نظر انداز کر کے صرف اپنے سلسلہ کی روایتی ایک، یا چند کتابوں میں کسی بات کو دیکھ کر کوئی عام حکم بیان کر دیا جائے۔

یہ طریقہ ''حَفِظْتَ شَیْئًا وَ غَابَتْ عَنْکَ اَشْیَاءُ'' والی بات ہے۔

نیز عرف ورواج اور اپنی بات کے معاشرہ پر پڑنے والے اثرات سے نابلد ہو کر ''امر بالمعروف اور نهی عن المنکر'' کا شوق دراصل تبلیغ کے اس اصولِ حکمت کے خلاف ہے، جس کا قرآن وسنت میں حکم آیا ہے، عربی کا یہ مقولہ ایسے ہی موقع کے لئے مشہور ہے کہ:

''مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اَحْوَالَ زَمَانِهٖ فَهُوَ جَاهِلٌ''۔

اسی طرح کسی موضوع کو بیان کرتے وقت اس کے کسی مخصوص وجزوی مفید پہلو، یا قول کو

اجاگر کرنا اور دوسرے ضروری پہلوؤں اور دوسرے اہم اقوال کو نظر انداز کردینا بھی مناسب طریقہ نہیں، اس سے بعض اوقات مخصوص جزوی فوائد تو حاصل ہوجاتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرے کئی اہم نقصانات اور مفاسد بھی لازم آ کر:

''وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا''

کا مصداق بن جاتے ہیں۔

ہمارے یہاں ایک عرصہ سے تعصّب وتحزّب کی مسموم فضا کے باعث یہ طرزِ عمل، بعض اہلِ علم حضرات میں اور ان کے واسطہ سے ان کے متبعین ومعتقدین اور محبین میں بھی بہت پسند کیا جانے لگا ہے کہ اپنے اپنے سلسلہ کے بزرگوں اور اکابر میں سے اگر کسی نے کسی خاص ماحول، یا خاص شخص کے حق میں کوئی فتویٰ، یا حکم کسی مصلحت کی بنا پر جاری، یا بیان کردیا، یا پھر ان کو اس مسئلہ کی مکمل تحقیق کی نوبت نہیں آئی، تو ان بزرگوں کے بعد آنے والے، ان کے متبعین و معتقدین اور محبین نے اس فتوے، یا حکم کو تعصّب وتحزّب کی خاطر کسی کمی وزیادتی کے بغیر ایسا اصلِ کلی بنالیا کہ اب اس کے خلاف جو بھی تحقیق سامنے آئے، اسے یکسر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کسی ایک شخصیت، یا چند اشخاص کے قلم یا زبان سے نکلے ہوئے چند کلمات کی خاطر نہ جانے کتنی تاویلاتِ بعیدہ کا سہارا حاصل کیا جاتا اور نصوص کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اور نہ جانے کتنے لوگوں کی گمراہی یا نصوص سے تعارض وغیرہ کے متعلق شکوک و شبہات کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور احادیث وروایات کی اسناد کے متعلق احتیاط کے پہلو کو نظر انداز کرکے، کمزور ترین اسناد کو تنکے کا سہارا دے کر، یا کسی روایت میں موجود کمزور ومجروح راویوں، بلکہ ایسی روایتوں کی سند ہی کی بحث کو چھوڑ کر صرف معتبر ومضبوط راویوں کے حالات کو نمایاں کرکے ان روایات کو معتبر قرار دینے کے طرزِ عمل کو ترجیح دی جاتی ہے، جو کہ عند اللہ خطرناک روِش ہے اور دین کا معاملہ کو کسی شخصیت، یا مسلک کی معصومیت اور اس کی اونچ نیچ کے بجائے، شریعت کے دلائل کے تناظر میں دیکھنا ہی اصل انصاف ودیانت

داری بلکہ حقیقی دین داری کا تقاضا ہے۔

زیرِ بحث مسئلہ میں بھی بعض حضرات کی طرف سے اسی طرح کی غیر معتدل روش سامنے آئی، چنانچہ ان حضرات کی طرف سے جمعہ کے دن اور ماہِ رمضان میں فوت ہونے والے ہر مسلمان کو خواہ کوئی کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو، اور زندگی بھر اپنے اختیار سے اعمال کتنے ہی برے کیوں نہ کرتا رہا ہو، اس کو صرف جمعہ کے دن یا ماہِ رمضان میں فوت ہونے کی وجہ سے، جو کہ انسان کا غیر اختیاری فعل ہے، یا کسی بھی دوسرے دن اور دوسرے مہینہ میں فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ و رمضان آنے پر علی الاطلاق تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر و برزخ سے مامون و محفوظ ہونے، بلکہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر اس کے شہید کا درجہ پانے کا گویا کہ سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے، اور اس دعوے کے لیے دور دراز کے قیاسات اور ان مجمل و مبہم، یا کمزور احادیث و روایات، یا اقوال کو مستدل بنایا جاتا ہے، جن میں جمعہ کے دن یا رمضان میں جہنم کو تیز نہ کیے جانے، یا جہنم کے دروازے بند کیے جانے، جمعہ کے دن سب مسلمانوں کی مغفرت کیے جانے، یا رمضان و جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے شہید ہونے یا عذابِ قبر سے بچالیے جانے کا ذکر آیا ہے۔

حالانکہ اولاً تو شریعت کے مستند دلائل سے مذکورہ عقیدہ کا ثبوت مشکل ہے، اور اس طرح کی احادیث و روایات پر سند، یا ان کی مذکورہ مدعا پر دلالت کے اعتبار سے کلام کی گنجائش ہے، اور ان احادیث کی اسناد، یا ان سے اخذ کردہ دلالت و مفہوم کا مسئلہ اتنا واضح نہیں کہ ان کو بلا تامل صحیح قرار دیا جائے، بلکہ ان کو عقائد کے باب میں نا قابلِ اعتبار اور ضعیف قرار دینے کی بھی گنجائش ہے، وہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک دلائل کی رُو سے معتبر ہونا راجح ہو، اور کسی کے نزدیک ضعیف و نا قابلِ اعتبار ہونا راجح ہو، لیکن معتبر ہونے اور تسلیم کرنے کے باوجود بھی ان سے مذکورہ موقف بلا تاویل واحتمال اتنی قطعیت و حتمیت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا، جس کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے، اور اس کو مستقل موضوع بنا کر اس کی عوام میں

ایک مہم کے طور پر تبلیغ وتشہیر کی جاتی ہے، اور مختلف شکوک وشبہات اور مفاسد و بے اعتدالیوں کے پیدا ہونے کا بیٹھے بٹھائے سبب بنا جاتا ہے، اور صرف جمعہ کے دن فوت ہونے پر ہر فاسق وفاجر کو شہید اور تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کی سند، یا سرٹیفکیٹ فراہم کر کے، پھر اوپر سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر مغفور، یا جنت کا سرٹیفکیٹ فراہم نہیں کیا جا سکتا۔

حالانکہ کسی کو عذابِ قبر سے محفوظ اور ساتھ ہی مغفور اور شہید قرار دے کر اس کے جنت کا مستحق ہونے کی نفی کرنا، کمان سے نکلے ہوئے تیر کے واپس ہونے کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مبحوث فیہ مسئلہ سے زیادہ مضبوط اور صحیح سند سے بہت سی احادیث ایسی مروی ہیں کہ جن میں کئی اختیاری اعمال پر جنت کے واجب و لازم ہوجانے اور جہنم کے حرام ہوجانے، یا عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر آیا ہے، لیکن ان احادیث کے پیشِ نظر کوئی بھی اس طرح سے حتمی وقطعی انداز میں یہ دعویٰ اور اس کی تبلیغ وتشہیر نہیں کرتا کہ محض ان اعمال کی وجہ سے ایسا شخص بھی، جو کئی قسم کے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو، توبہ وتلافی کے بغیر فوت ہونے کی صورت میں ہمیشہ کے لئے عذابِ قبر سے محفوظ، یا ابتداءً (بغیر سزا پائے) جنت کا مستحق ہوجاتا ہے، یا ہمیشہ کے لیے جہنم سے بری ہوجاتا ہے، بلکہ اس میں کئی قسم کے احتمالات اور قیودات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ایک غیر اختیاری فعل اور وہ بھی جو کہ مذکورہ احادیث کے مقابلہ میں کمزور اور متنازع اسناد سے مروی ہو، اس میں عذابِ قبر سے صرف کامل مومن کے محفوظ ہونے، یا شدید عذاب سے محفوظ ہونے، یا مخصوص وقت میں عذاب سے محفوظ ہونے کے مختلف احتمالات کو نظر انداز کر کے، اس کے شہید ہونے اور عذابِ قبر سے دائمی طور پر محفوظ ہوجانے، اور اس سے بڑھ کر ہر مسلمان کے فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ، یا رمضان آنے پر ہمیشہ کے لیے قبر و برزخ کے عذاب سے بری ہونے اور غیر مسلم کو بھی جمعہ و رمضان میں عذابِ قبر نہ

ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے، جبکہ فوت شدہ لوگوں میں کتنے افراد ایسے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جن پر صحیح اور مضبوط و مستند احادیث میں شدید و مدید عذابِ قبر ہونے کی وعیدوں کا ذکر آیا ہے۔

اسی طرح صحیح اور مضبوط سند سے مروی احادیث میں ایسے اعمالِ صالحہ وحسنہ کا ذکر آیا ہے کہ ان کی وجہ سے عذابِ قبر سے حفاظت اور جنت کے واجب اور جہنم کے حرام ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اگر کوئی شخص ان اعمالِ صالحہ وحسنہ کو انجام دے کر فوت ہو، اس کے متعلق ہمیشہ کے لیے عذاب سے محفوظ رہنے اور ابتداء سے جنت میں داخل ہونے کا اس طرح کا امتیازی نوعیت کا نہ عقیدہ رکھا جاتا اور نہ چرچا کیا جاتا، جس طرح کا عقیدہ صرف جمعہ، یا رمضان میں فوت ہونے والے کے متعلق رکھا جاتا ہے، اور اس کا چرچا کیا جاتا ہے۔

ان حالات کا مشاہدہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ جمعہ کے دن، یا ماہِ رمضان میں عذابِ قبر کے منقطع، یا مرتفع ہونے اور ان ایام واوقات میں فوت ہونے کی فضیلت سے متعلق پیش کیے جانے والے دلائل، احادیث، روایات واقوال، اور اس سلسلہ میں سامنے آنے والے مزید نکات کو الگ الگ کچھ شرح وبسط کے ساتھ تحریر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس موضوع کے تمام پہلو سامنے رہیں، اور اختیاری اعمالِ سیئہ وحسنہ کی اہمیت دلوں سے نہ نکلے، اور غیر اختیاری چیزوں کو اختیاری چیزوں پر فوقیت نہ دی جائے، اور قرآن وسنت کے اہم اصولوں کو چند جزوی چیزوں سے متاثر کرنے کے سلسلہ کا کسی درجہ میں سدِ باب ہو۔

اس لیے بندہ نے اس موضوع پر کچھ تفصیل کے ساتھ کام کیا، جس کو اب شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حق وصواب اور اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ فقط

محمد رضوان خان

22/محرم الحرام/1440ھ 03/اکتوبر/2018ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

عذابِ قبر کے متعلق ''ابو معین نسفی'' کا قول

اور اس کی توضیح وتردید

ہماری معلومات کے مطابق پانچویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالمِ دین علامہ ابومعین نسفی حنفی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے یہ نظریہ اور تصور پیش کیا کہ جمعہ اور رمضان کے مہینہ میں کسی کافر کو بھی قبر و برزخ میں عذاب نہیں ہوتا، بلکہ کسی فاسق و فاجر مسلمان کے فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ آنے، یا رمضان کا مہینہ شروع ہونے کے بعد قبر و برزخ کا عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اور پھر تا قیامت وہ عذاب لوٹ کر نہیں آتا، اپنے اس قول کی انہوں نے کوئی معقول شرعی دلیل پیش نہیں کی، اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن جو مسلمان بھی فوت ہو، خواہ وہ فاسق و فاجر کیوں نہ ہو، وہ تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

علامہ ابومعین نسفی رحمہ اللہ کے اس موقف کو جس طرح بعد کے بعض حضرات کی طرف سے بلا تردید وتاویل نقل اور قبول کیا جاتا رہا، اسی طرح محققین کی طرف سے اس قول پر تردید و تنقید کا سلسلہ بھی جاری رہا، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

''ابو معین نسفی'' کا حوالہ

میمون بن محمد المعروف ابومعین نسفی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: 508ہجری) اپنی کتاب ''بحر

الکلام‘‘ میں فرماتے ہیں:

و قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر و سؤال منكر و نكير حق، و ضيق القبر حق سواء كان مومناً أو كافراً أو مطيعاً أو فاسقاً. لكن اذا كان كافراً فعذابه يدوم فى القبر الى يوم القيامة، ويرفع عنهم العذاب يوم الجمعة، و شهر رمضان بحرمة النبى عليه الصلاة و السلام.

لأنهم ما داموا فى الأحياء لا يعذبهم الله تعالىٰ فى الدنيا بحرمة النبى عليه الصلاة و السلام.

فكذلك فى القبر يرفع عنهم العذاب يوم الجمعة و كل شهر رمضان بحرمة النبى عليه الصلاة والسلام.

فيعذب اللحم متصلاً بالروح و الروح متصلاً بالجسد، فتتألم الروح مع الجسد و ان كان خارجاً عنه.

ثم ان المومن على وجهين: ان كان مطيعاً لا يكون له عذاب القبر ويكون له ضيقة فيجد هول ذلك و خوفه لما أنه قد تنعم بنعمة الله تعالىٰ ولم يشكر النعمة.

و ان كان عاصياً يكون له عذاب القبر و ضيقه لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة، ثم لا يعود العذاب الى يوم القيامة.

وان مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة و ضيقة كذلك ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود الى يوم القيامة.

و تكون الروح مع الجسد، و كذلك اذا صار تراباً تكون روحه متصلة بترابه فيتألم الروح والتراب معاً (بحر الكلام، ص ۲۴۹ الى ۲۵۱،

الباب الخامس، المبحث الاول" سؤال القبر و عذابه"، مطبوعة: مكتبة دار الفرفور،
الطبعة الثانية 1421هجرى)

ترجمہ: اور اہلُ السنۃ والجماعۃ نے فرمایا کہ قبر کا عذاب اور منکر نکیر (فرشتوں) کا سوال حق ہے، اور دفن ہونے کے بعد قبر کا تنگ ہونا حق ہے، خواہ مؤمن ہو، یا کافر ہو، یا نیک ہو، یا بدکار ہو۔

لیکن اگر کافر ہو، تو اس کا عذابِ قبر قیامت تک باقی رہتا ہے، لیکن کافروں سے جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذابِ قبر اُٹھالیا جاتا ہے۔

کیونکہ جب تک وہ (کفّار) زندہ لوگوں میں شامل تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذاب نہیں دیا۔

پس اسی طریقہ سے قبر میں بھی اُن (کُفّار) سے عذاب، جمعہ کے دن اور ہر رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اُٹھالیا جاتا ہے۔

پھر (قبر میں) عذاب، گوشت پوست کے وجود کو روح کے ساتھ متصل ہونے کی حالت میں اور روح کو جسم کے ساتھ متصل ہونے کی حالت میں دیا جاتا ہے، اور روح، جسم کے ساتھ تکلیف محسوس کرتی ہے، اگرچہ روح، جسم سے خارج کیوں نہ ہو۔

پھر مؤمن کی دو قسمیں ہیں، ایک تو مطیع وفرمانبردار (یعنی نیک صالح اور متقی) اُس کو تو قبر میں عذاب نہیں ہوتا، البتہ اُس کو (دفن کے بعد) قبر کی تنگی (ضغطۂ قبر) کا احساس ہوتا ہے، پس وہ (یعنی مطیع وفرمانبردار مومن) اس کی دہشت اور خوف کو محسوس کرتا ہے، کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کیا، لیکن نعمتوں کا (کماحقہٗ) شکر ادا نہیں کیا۔

اور اگر وہ مؤمن گناہ گار (ونافرمان وبدکار) ہو، تو اس کو قبر کا عذاب اور اس کی تنگی

ہوتی ہے، لیکن اس (گناہ گار مومن) کا عذابِ قبر، جمعہ کے دن، منقطع (وختم) ہوجاتا ہے، پھر قیامت تک وہ عذاب لوٹ کرنہیں آتا۔

اور اگر (گناہ گار ونافرمان) مؤمن ، جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجائے، تو اس کو عذاب اور تنگی اسی مذکورہ (مؤمن متقی) کی طرح ایک لمحہ کے لئے ہوتی ہے، پھر اس کا عذاب، منقطع (وختم) ہوجاتا ہے، اور قیامت تک لوٹ کرنہیں آتا۔

اور (قبر میں) روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے، اور اسی طریقہ سے جب وہ (یعنی جسمِ انسانی) مٹی ہوجائے، تو اس کی روح کا تعلق اس کی مٹی (والے جسم) کے ساتھ ہوتا ہے، اور روح اور مٹی (والا جسم) دونوں ایک ساتھ تکلیف محسوس کرتے ہیں (بحرالکلام)

علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول سے مندرجہ ذیل چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(1)...... ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے نزدیک کافروں کو جمعہ کے دن اور ماہِ رمضان میں عذاب نہیں ہوتا۔

(2)...... ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے نزدیک گناہ گار و نافرمان مومن سے فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ آنے پر عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے، جو پھر قیامت تک لوٹ کرنہیں آتا۔

(3)...... گناہ گار ونافرمان مومن، جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہو، تو اس کو دفن کے بعد ایک لمحہ کے لیے قبر کی تنگی کی تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد تاقیامت اس کو قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔

علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ نے کافر کو جمعہ کے دن اور ماہِ رمضان میں عذابِ قبر نہ ہونے کی جو دلیل پیش کی، اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کو زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے

عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ انفال میں ہے کہ:

”وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ“

اس کا تقاضا یہ ہے کہ فوت ہونے کے بعد بھی جمعہ اور ماہِ رمضان میں کفار کو عذابِ قبر نہ ہو۔

لیکن علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کی اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے، کیونکہ اولاً تو اگر نبی صلی اللہ علیہ کی برکت سے کفار، قبر و برزخ کے عذاب سے نجات پانے کے مستحق ہوں، تو پھر اس میں جمعہ و رمضان کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے، جب مقیس علیہ یعنی دنیا میں ان ایام واوقات کی خصوصیت نہیں، تو مقیس، یعنی قبر و برزخ میں کیا خصوصیت ہوگی، بلکہ اس دلیل اور قیاس کا تقاضا یہ ہوگا کہ کفار دنیا کی طرح، قبر و برزخ میں دوسرے ایام واوقات میں بھی عذاب سے محفوظ ہوں، **و لا قائل لہٗ۔**

دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار کے اندر موجود ہونے سے اُن کے ساتھ موجود ہونا، یعنی معیتِ مکانی مراد ہے، کیونکہ اس صورت میں کفار کو عذاب ہونے کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کا بھی متاثر ہونا لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم فرما کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ مکہ سے الگ فرما دیا، تو پھر اُن کو عذاب میں مبتلا کیا گیا، جس کا سورہ انفال کی مذکورہ آیت کے بعد والی آیت میں متصلاً ہی ذکر آیا ہے، چنانچہ سورہ انفال کی دونوں آیات، درجِ ذیل الفاظ میں ہیں:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا أَوْلِيَآءَهٗ إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورة الانفال، رقم الآيات ۳۳، ۳۴) [1]

---

[1] قال تعالى (وما كان الله ليعذبهم) بما سألوه (وأنت فيهم) لأن العذاب إذا نزل عم ولم تعذب أمة إلا بعد خروج نبيها والمؤمنين منها (وما كان الله معذبهم وهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب برزخ میں کفار اپنے علاحدہ مقامِ عذاب میں پہنچ گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے الگ اعلیٰ علیین والے مقام میں فائز کیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی معیت کہاں باقی رہ گئی کہ اس علت کو متعدی کرکے برزخ میں کفار کے عذاب کے مرتفع ہونے کا حکم لگایا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يستغفرون) حيث يقولون في طوافهم غفرانك غفرانك وقيل هم المؤمنون المستضعفون فيهم كما قال تعالى (لو تزيلوا لعذبنا الذين كفروا منهم عذابا أليما)(وما لهم أ) ن (لا يعذبهم الله) بالسيف بعد خروجك والمستضعفين وعلى القول الأول هى ناسخة لما قبلها وقد عذبهم الله ببدر وغيره (وهم يصدون) يمنعون النبى صلى الله عليه وسلم والمسلمين (عن المسجد الحرام) أن يطوفوا به (وما كانوا أولياءه) كما زعموا (إن) ما (أولياؤه إلا المتقون ولكن أكثرهم لا يعلمون) أن لا ولاية لهم عليه(تفسير الجلالين،سورة الانفال، رقم الآيات ٣٣، ٣٤)

فاختلفوا فى تأويلها فقال الضحاك وجماعة وكذا اخرج ابن جرير عن ابن الزى تأويلها وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم مقيم بين أظهرهم بيان لموجب إمهالهم والتوقف لاجابته دعائهم واللام لتاكيد النفى والدلالة على ان تعذيبهم عذاب استيصال والنبى بين أظهرهم خارج عن عادة الله تعالى غير مستقيم فى قضائه خصوصا حال كونك فيهم وقد بعثت رحمة للعلمين وفيه اشعار بانهم يرصدون بالعذاب إذا هاجرت من بينهم قالوا نزلت هذه الآية على النبى صلى الله عليه وسلم وهو مقيم بمكة ثم خرج من بين أظهرهم وبقيت بها بقيته من المسلمين يستغفرون الله فانزل الله وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون يعنى فيهم من يستغفرون وهم المسلمون ثم خرج أولئك من بينهم فعذبوا واذن الله فى فتح مكة وهو العذاب الأليم الذى وعدهم ويدل على ان كون المؤمنين بينهم واستغفارهم منعهم من العذاب قوله تعالى ولولا رجال مؤمنون ونساء مومنات لم تعلموهم الى قوله لو تزيلوا لعذبنا الذين كفروا منهم عذابا أليما قال ابن عباس لم يعذب الله قرية حتى يخرج النبى منها والذين أمنوا ويلحق بحيث يوم فقال وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون يعنى المسلمين فلما خرجوا قال الله تعالى ما لهم ان لا يعذبهم الله اى ما لهم مما يمنع تعذيبهم إذا زال ذلك وكيف لا يعذبون وهم يصدون الناس عن المسجد الحرام وحالهم ذلك ومن صدهم الجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الهجرة فعذبهم الله يوم بدر قال ابو موسى الأشعرى كان فيكم أمانان وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون فاما النبى صلى الله عليه وسلم فقد مضى والاستغفار كائن فيكم الى يوم القيامة (التفسير المظهرى، ج٤ص ٦٠، ٦١، سورة الانفال، تحت رقم الآية ٣٤)

’’الدرُّالمختار ‘‘اور’’ردُّ المحتار‘‘ کاحوالہ

’’الدرُّالمختار ‘‘میں ہے:

ویأمن المیت من عذاب القبرِ ومن مات فیه أو فی لیلته أمن من عذاب القبر، ولا تسجر فیه جهنم (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۱۶۵، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة)

ترجمہ: اور میت کو جمعہ کے دن عذابِ قبر سے امن حاصل ہوجاتا ہے، اور جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہو، وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہوجاتا ہے، اور جمعہ کے دن جہنم کو دہکایا نہیں جاتا (الدرالمختار)

جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کی روایات، سند کے اعتبار سے غیر معمولی کمزور ہیں، جن کی تفصیل آگے الگ فصل میں آتی ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے’’الدرّالمختار ‘‘ کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے’’ردُّ المحتار ‘‘ میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے موقف کو مِن وعَن نقل کیا ہے، جس میں جمعہ ورمضان میں کفار کو عذاب نہ ہونے اور مومن کو جمعہ کا دن شروع ہونے پر ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے مامون ومحفوظ ہوجانے اور جمعہ کے دن فوت شدہ ہر مومن کو تا قیامت عذابِ قبر نہ ہونے کا ذکر ہے۔ [۱]

---

[۱] قال أهل السنة والجماعة :عذاب القبر حق وسؤال منکر ونکیر وضغطة القبر حق لکن إن کان کافرا فعذابه یدوم إلی یوم القیامة ویرفع عنه یوم الجمعة وشهر رمضان فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد، وإن کان خارجا عنه، والمؤمن المطیع لا یعذب بل له ضغطة یجد هول ذلک وخوفه والعاصی یعذب ویضغط لکن ینقطع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها ثم لا یعود وإن مات یومها أو لیلتها یکون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم یقطع، کذا فی المعتقدات للشیخ أبی المعین النسفی الحنفی من حاشیة الحنفی ملخصا (قوله ولا تسجر) فی جامع اللغة :سجر التنور أحماه (ردالمحتار، ج۲، ص۱۶۵ ،کتاب الصلاۃ،باب الجمعة)

اورآگے آتا ہے کہ بہت سے حضرات نے علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی تردید کی ہے، یااس پراشکال ظاہر کیا ہے اور ملاعلی قاری نے اس پر عمدہ مناقشہ کیا ہے۔

لیکن علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی نہ تو تردید کی، اور نہ ہی اس پر کوئی اشکال ظاہر کیا، جس کی وجہ سے بعد میں کئی عربی واردو فتاویٰ کی کتب میں اسی موقف کو مِن وعَن نقل کر دیا گیا، اور اس کے نتیجہ میں بہت سے عوام کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق بن گیا۔

’’غمز عیون البصائر‘‘ کا حوالہ

علامہ حموی رحمہ اللہ نے بھی ’’غمز عیون البصائر‘‘ میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کا موقف ذکر کیا ہے، جس کے بعد علامہ حموی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

’’قیل یشکل کلامہ فی حق الکفار لقولہ تعالی فلا یخفف عنھم العذاب اللّٰھم إلا أن یراد بالتخفیف رفع العذاب بالکلیة‘‘

یعنی’’کہا گیا ہے کہ ابو معین نسفی کے قول پر کفار کے حق میں اشکال لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ کفار سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ اِلَّا یہ کہ تخفیف سے بالکلیہ عذاب کا مرتفع ہونا مراد لیا جائے‘‘ [1]

---

[1] قولہ :ویأمن المیت فیہ من عذاب القبر .

أقول :قال أھل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال منکر ونکیر وضغطة القبر حق سواء کان مؤمنا أو کافرا مطیعا أو فاسقا لکن إذا کان کافرا فعذابہ یدوم إلی یوم القیامة ویرفع العذاب عنھم یوم الجمعة وشھر رمضان بحرمة النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فکذلک فی القبر یرفع عنھم العذاب یوم الجمعة وکل رمضان بحرمتہ فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فتتألم الروح مع الجسد وإن خارجا منہ ثم المؤمن علی وجھین إن کان مطیعا لا یکون لہ عذاب ویکون لہ ضغطة فیجد ھول ذلک وخوفہ وإن کان عاصیا یکون لہ عذاب القبر وضغطة القبر لکن ینقطع عنہ عذاب القبر یوم الجمعة ولیلة الجمعة ثم لا یعود العذاب إلی یوم القیامة .

وإن مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة یکون لہ العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم ینقطع عنہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن علامہ حموی کا مذکورہ جواب، یا توجیہ شافی معلوم نہ ہوئی، کیونکہ قرآن مجید کی کئی آیات میں کفار سے عذاب کی تخفیف کی صاف نفی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں ایک مقام پر کفار سے عذاب کی تخفیف نہ ہونے اور ان کی مدد نہ کیے جانے کی صراحت ہے۔ [1]

اور سورہ بقرہ ہی میں ایک مقام پر کفار کے دائمی عذاب میں مبتلا رہنے اور تخفیف نہ ہونے اور مہلت نہ دیے جانے کی صراحت ہے۔ [2]

اور سورہ آلِ عمران میں بھی کفار کے ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہنے اور ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے اور مہلت نہ دیے جانے کی صراحت ہے، سوائے اُن کے جنہوں نے زندگی میں ہی توبہ اور اصلاح کر لی، لیکن جو کفر کی حالت میں فوت ہوگئے، اُن کی طرف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العذاب كذا فى المعتقدات للشيخ أبى المعين النسفى الحنفى .

قيل يشكل كلامه فى حق الكفار لقوله تعالى (فلا يخفف عنهم العذاب) اللهم إلا أن يراد بالتخفيف رفع العذاب بالكلية .

قوله :ومن مات فيه أو فى ليلته إلى آخره .

فى التجنيس والمزيد من مات يوم الجمعة يرجى له فضل ؛ لأن لبعض الأيام فضلا على البعض (انتهى)

وفى جامع المضمرات والمشكلات :وسئل أبو نصر عمن مات يوم الجمعة أو بمكة هل يرجى له فضل ؟ قال :نعم ؛ لأن لبعض المكان والزمان على البعض فضلا فهذا يدل على إرادة السعادة والفضيلة.

وجاء فى الأخبار عن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال (ثلاث يعصمهم الله تعالى من عذاب القبر المؤذن والشهيد والمتوفى ليلة الجمعة) (انتهى)(غمزعيون البصائر، ج۴، ص ۷۲، ۷۳، الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق،القول فى احكام يوم الجمعة)

[1] أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ۸۶)

[2] إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ . خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (سورة البقرة ، رقم الآيات ۱۶۱، ۱۶۲)

سے کوئی عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ ؎۱

اور سورہ نحل میں بھی کفار سے عذاب کی تخفیف نہ ہونے اور ان کو مہلت نہ دیے جانے کی صراحت ہے، بلکہ اسی کے ساتھ کفار کے کفر اور بداعمالیوں کی وجہ سے ''زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُوْنَ '' کی تصریح ہے۔ ؎۲

اور سورہ فاطر میں کفار سے عذاب کی تخفیف نہ ہونے کی صراحت کے بعد اس کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ ''كَذٰلِكَ نَجْزِىْ كُلَّ كَفُوْرٍ'' ؎۳

اور سورہ غافر میں کافروں کی طرف سے جہنم کے نگرانوں سے یہ درخواست مذکور ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف کردی جائے، لیکن کافروں کی اس درخواست کی تردید کی گئی ہے۔ ؎۴

البتہ معتبر نصوص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے باعث، جس کافر کے لیے عذاب کی تخفیف ثابت ہو، اس کا استثناء الگ مسئلہ ہے، جیسا کہ ابوطالب وغیرہ کے لیے نبی صلی اللہ

؎۱ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ . إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ . إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ (سورة آلِ عمران، رقم الآيات ٨٩ الىٰ ٩١)

؎۲ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ .وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ. وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ .الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ (سورة النحل، رقم الآيات ٨٥ الىٰ ٨٨)

؎۳ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ .وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (سورة فاطر، رقم الآيات ٣٦،٣٧)

؎۴ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ. قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (سورة غافر، رقم الآيات ٤٩،٥٠)

علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب میں تخفیف کا ذکر معتبر احادیث میں آیا ہے، مگر یہ تخفیف بھی عذابِ جہنم سے بالکلیہ نجات کی شکل میں حاصل نہ ہوگی۔ ۱؎

۱؎ ومنها شفاعته صلى الله عليه وسلم فى تخفيف العذاب عن عمه أبى طالب حتى جعل فى ضحضاح من نار يغلى منه دماغه، أخرجه البخارى (3883)ومسلم (209)، وهذا التخفيف مخصص لقول الله عز وجل:"والذين كفروا لهم نار جهنم لا يقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها" (شرح حديث جبريل فى تعليم الدين،لعبد المحسن العباد البدر،ص ۵۴، ومن الإيمان باليوم الآخر الإيمان بالشفاعات التى وردت فى الكتاب والسنة)

وقوله: (مالم ييبسا) يعني: ما دامت الرطوبة موجودة، وهذا يعنى أنه يخفف العذاب بسبب الرطوبة التى فى الجريدتين، ومعنى هذا: أن التخفيف مؤقت وليس بدائم، وهذا يبين أن التخفيف إنما هو فى حق المسلمين وليس فى حق الكفار؛ لأن الكفار لا يخفف عنهم العذاب، كما قال الله عز وجل: "والذين كفروا لهم نار جهنم لا يقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها كذلك نجزى كل كفور" والذى خفف عنه عذاب النار هو أبو طالب عم رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ بسبب شفاعته له، وهى شفاعة فى التخفيف، والذى حصل له مستثنى مما جاء فى هذه الآية، وهذا التخفيف الذى حصل له قد جاء بيانه فى الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: (إنه فى ضحضاح من نار، عليه نعلان من نار يغلى منهما دماغه) وهو أخف الناس (شرح سنن ابى داوٗد للعباد، جز۷ص۱۸، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول، شرح حديث: كان لا يستتر من بوله)

وأيضا من شفاعاته صلى الله عليه وسلم التى اختص بها: شفاعته فى عمه أبى طالب فى أن يخفف عنه العذاب، فصار أخف أهل النار عذابا، وهو يرى أنه ليس هناك أحد أشد منه، وذلك أنه خفف عنه العذاب فكان فى ضحضاح من نار، أو له نعلان من نار يغلى منهما دماغه.

فالنبى صلى الله عليه وسلم شفع له فخفف عنه العذاب فصار فى ضحضاح من نار، ولولا شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لكان فى الدرك الأسفل من النار مع الكفار الذين هم أمثاله.

وقد قال الله عز وجل: " فما تنفعهم شفاعة الشافعين " أى: الكفار، وهذا الحديث يدل على حصول النفع لـ أبى طالب، ولكن هذه شفاعة خاصة تستثنى من هذا النفى فى قوله:"فما تنفعهم شفاعة الشافعين"

ثم إن النفع الذى استثنى من هذه الآية إنما هو فى التخفيف، وأما الإخراج فإنها باقية على عمومها فلا يخرج كافر من النار ويدخل الجنة، بل الكفار باقون فى النار أبد الآباد، ولكنها نفعت فى التخفيف.

فإذا يكون الجمع بين ما ورد فى القرآن من قوله: " فما تنفعهم شفاعة الشافعين" وبين ما جاء من شفاعته لـ أبى طالب أن هذه شفاعة خاصة أخرجت من ذلك العام، ولكن بالنسبة للتخفيف وليس للإخراج.

والأوضح أن شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لـ أبى طالب تكون مخصصة لقول الله عز وجل:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس قرآن مجید کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے نہ تو علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی تائید کی جاسکتی، جو کہ جمعہ و رمضان میں کفار سے عذاب کے بالکلیہ مرتفع ہونے کے قائل ہیں، اور نہ ہی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی اس تاویل کی تائید کی جاسکتی، جو علامہ حموی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے، لہٰذا قرآن مجید کی تصریحات سے علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول پر اشکال اپنی جگہ برقرار ہے۔ [1]

اور ہم مجبور ہیں کہ علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول پر قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کو مقدم رکھیں۔

علامہ سیوطی کا حوالہ

علامہ جلال الدین سیوطی ''شرحُ الصدور'' میں فرماتے ہیں:

قال العلماء عذاب القبر هو عذاب البرزخ أضيف إلى القبر لأنه الغالب وإلا فكل ميت وإذا أراد الله تعالى تعذيبه ناله ما أراد به قبر أو لم يقبر ولو صلب أو غرق فى البحر أو أكلته الدواب أو حرق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

”والذين كفروا لهم نار جهنم لا يقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها“ فإن هذه دالة على أن الكفار لا يخفف عنهم من عذابها، وقد جائت شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم فى أبى طالب ودلت على حصول التخفيف، وتكون تلك الآية عامة وهذا الحديث مخصصا (شرح سنن ابى داؤد للعباد، جزء ۵۳۷ ص ۳، كتاب السنة، باب فى الشفاعة، شرح حديث شفاعتى لأهل الكبائر من أمتى)

[1] فلا يخفف عنهم أى لا يفتر عنهم ساعة واحدة .ولا هم ينظرون أى لا يؤخر عنهم بل يأخذهم سريعا من الموقف بلا حساب (تفسير ابن كثير، ج۴، ص ۵۰۹، سورة النحل)

وإذا رأى الذين ظلموا العذاب فلا يخفف عنهم والمعنى أن المشركين إذا رأوا العذاب ووصلوا إليه، فعند ذلك لا يخفف عنهم العذاب ولا هم أيضا ينظرون أى لا يؤخرون ولا يمهلون، لأن التوبة هناك غير موجودة، وتحقيقه ما يقوله المتكلمون من أن العذاب يجب أن يكون خالصا عن شوائب النفع، وهو المراد من قوله :”فلا يخفف عنهم العذاب “ويجب أن يكون العذاب دائما وهو المراد من قوله :ولا هم ينظرون (تفسير الكبير للرازى، ج ۲۰ ص ۲۵۵، سورة النحل)

حتى صار رمادا أو ذرى فى الريح ، ومحله الروح والبدن جميعا باتفاق أهل السنة .وكذا القول فى النعيم.

قال إبن القيم ثم عذاب القبر قسمان دائم وهو عذاب الكفار وبعض العصاة ،ومنقطع وهو عذاب من خفت جرائمهم من العصاة فإنه يعذب بحسب جريمته ثم يرفع عنه وقد يرفع عنه بدعاء أو صدقة أو نحو ذلک.

قال اليافعى فى روض الرياحين بلغنا أن الموتى لا يعذبون ليلة الجمعة تشريفا لهذا الوقت قال ويحتمل إختصاص ذلک بعصا ة المسلمين دون الكفار.

وعمم النسفى فى بحر الكلام فقال إن الكافر يرفع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها وجميع شهر رمضان .

قال وأما المسلم العاصى فإنه يعذب فى قبره ولكن يرفع عنه يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود إليه إلى يوم القيامة وإن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر كذلک ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود إليه إلى يوم القيامة إنتهى.

وهذا يدل على أن عصاة المسلمين لا يعذبون سوى جمعة واحدة أو دونها وأنهم إذا وصلوا إلى يوم الجمعة إنقطع ثم لا يعود.

وهو يحتاج إلى دليل (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور،ص ۱۸۱، باب عذاب القبر)

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ ''قبر کا عذاب'' درحقیقت ''برزخ کا عذاب'' ہے، برزخ

کے عذاب کو قبر کی طرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ غالب قبر ہی ہوتی ہے، ورنہ ہر مُردہ جس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق عذاب پہنچ جاتا ہے، چاہے اسے قبر میں دفن کیا گیا ہو، یا قبر میں دفن نہ کیا گیا ہو، اگرچہ سولی دے دیا گیا ہو، یا سمندر و پانی میں غرق ہوگیا ہو، یا اس کو جانوروں نے کھالیا ہو، یا جل کر راکھ ہوگیا ہو، یا ہوا میں ذرہ ذرہ ہوکر اڑ گیا ہو۔

اور برزخ یا قبر کا عذاب، روح اور جسم، دونوں کے مجموعے کو ہوتا ہے، اس پر اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے، اور یہی حکم، عذاب کے مقابلہ میں راحت ونعمت حاصل ہونے کا بھی ہے (یعنی جو قبر و برزخ میں راحت ونعمت کا مستحق ہوتا ہے، خواہ وہ قبر میں دفن کیا جائے، یا قبر میں دفن نہ کیا جائے، بلکہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی ہو، بہرحال وہ راحت ونعمت کا مستحق ہوتا ہے، اور یہ راحت ونعمت اس کی روح اور بدن دونوں کے مجموعے کو حاصل ہوتی ہے)

ابنِ قیم کہتے ہیں کہ قبر کے عذاب کی دو قسمیں ہیں، ایک دائمی جو کہ کفار کا عذاب ہے، اور بعض گناہ گاروں کا عذاب ہے، اور دوسرے منقطع (اور ختم) ہونے والا، اور وہ ایسا عذاب ہے، جو گناہ گاروں کے جرائم کی حیثیت سے ہلکا کردیا جاتا ہے، کیونکہ گناہ گار کو اس کے جرم کے مطابق عذاب دیا جاتا ہے، پھر اس سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اور کبھی مؤمن سے عذاب، دعاء کی برکت سے، یا صدقہ کی برکت سے، یا اس کے علاوہ کسی اور نیک عمل کی برکت سے اٹھالیا جاتا ہے۔

یافعی نے ''روض الریاحین''میں فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ مُردوں کو جمعہ کی رات میں اس وقت کی برکت وشرافت کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا، یافعی نے فرمایا کہ احتمال یہ بھی ہے کہ یہ گناہ گار مسلمانوں کے ساتھ خاص ہو، اور اس میں کفار شامل نہ ہوں۔

لیکن (ابومعین) نسفی (المتوفی 508ہجری) نے ''بحر الکلام'' میں اس کو (مسلمانوں کے علاوہ کافروں کے ساتھ بھی) عام رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ کافر سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اور پورے رمضان میں بھی اٹھالیا جاتا ہے۔

اور نسفی نے یہ بھی فرمایا کہ گناہ گار مسلمان کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، لیکن اس سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے، پھر قیامت تک اس پر عذاب لوٹ کر نہیں آتا۔

اور (نسفی کا) یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کو صرف ایک جمعہ (یعنی ایک ہفتہ) یا اس سے بھی کم وقت کے لیے عذاب ہوتا ہے، اور (گناہ گار مسلمان فوت ہونے کے بعد) جب جمعہ کے دن تک پہنچتے ہیں، تو ان سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اور پھر (وہ تا قیامت) لوٹتا نہیں۔

مگر یہ قول (شرعی) دلیل کا محتاج ہے (شرح الصدور)

''روض الریاحین'' کا پورا نام ''روض الریاحین فی حکایات الصالحین'' ہے جو عبداللہ بن اسعد یافعی (المتوفیٰ 768ہجری) کی تالیف ہے۔ [1]

---

[1] روض الریاحین، فی حکایات الصالحین:لعبد الله بن أسعد الیافعی.
المتوفی: سنة 768، ثمان وستین وسبعمائة.
جمع (919 /1)فیه: خمسمائة حکایة (کشف الظنون، ج ۱، ص ۹۱۸، باب الراء المهملة)
الیافِعی:(۶۹۸هـ - ۷۶۸هـ = ۱۲۹۸ م - ۱۳۶۷ م)
عبد الله بن أسعد بن علی الیافعی، عفیف الدین: مؤرخ، باحث، متصوف، من شافعیة الیمن.
نسبته إلی یافع من حمیر .ومولده ومنشأه فی عدن .حج سنة 712هـ وعاد إلی الیمن .ثم رجع إلی مکة سنة 718فأقام، وتوفی بها .من کتبه "مرآة الجنان، وعبرة الیقظان، فی معرفة حوادث الزمان – ط "أربعة مجلدات، و "نشر المحاسن الغالیة، فی فضل مشایخ الصوفیة أصحاب المقامات العالیة – ط "و "الدر النظیم فی خواصّ القرآن العظیم – ط "رسالة، و "مرهم العلل المعضلة – ط "و "روض الریاحین فی مناقب الصالحین – ط "و "أسنی المفاخر فی مناقب الشیخ عبد القادر – خ "(الاعلام للزرکلی، ج۴، ص ۷۲، حرف العین، تحت الترجمة: الیافعی)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابو معین نسفی کے قول کی دلیل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اور ان کو علامہ ابو معین نسفی کے قول کی کوئی دلیل نہیں ملی۔

ہمیں بھی علامہ ابو معین نسفی کے قول کی شرعی مستند دلیل سے تائید نہیں ملی، بلکہ علامہ ابو معین نسفی کا قول دلائلِ شرعیہ کے موافق معلوم نہ ہوا، جیسا کہ پہلے گزرا اور آگے بھی آتا ہے۔

علامہ مناوی کا حوالہ

علامہ عبدالرؤف مناوی نے ''فیض القدیر ''میں امام یافعی کی ''روض الریاحین ''اور علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کی ''بحر الکلام '' کتاب سے دونوں قول نقل کیے ہیں، اور علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول پر یہ کہہ کر شبہ ظاہر کیا ہے کہ ''ویحتاج لدلیل ''یعنی یہ قول دلیل کا محتاج ہے ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ مناوی بھی علامہ ابو معین نسفی کے قول کی دلیل نہیں پاتے، اسی لیے وہ اس قول کی دلیل کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں، اور دلیل ندارد ہے۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی کا حوالہ

علامہ مرتضیٰ زبیدی نے بھی ''احیاء العلوم '' کی شرح میں یافعی اور نسفی رحمہما اللہ کے دونوں قول ذکر کر کے، علامہ نسفی کے قول پر یہ کہہ کر شبہ ظاہر کیا ہے کہ:

---

[1] وفی روض الریاحین: بلغنا أن الموتی لا یعذبون لیلة الجمعة تشریفا للوقت .قال: ویحتمل اختصاص ذلک بعصاتنا دون الکفار.

وعمم النفی فی بحر الکلام فقال: الکافر یرفع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها وجمیع رمضان وأما المسلم العاصی فیعذب فی قبره لکن ینقطع عنه یوم الجمعة ولیلتها ثم لا یعود إلیه إلی یوم القیامة وإن مات یوم الجمعة أو لیلتها یکون له عذاب ساعة واحدة وضغطة القبر کذلک ثم ینقطع عنه العذاب ولا یعود إلی یوم القیامة اھ .قال السیوطی: وهذا یدل علی أن عصاة المسلمین لا یعذبون سوی جمعة واحدة أو دونها فإذا وصلوا إلی یوم الجمعة انقطع ثم لا یعود ویحتاج لدلیل (فیض القدیر للمناوی، ج۴ص ۳۰۹، تحت رقم الحدیث ۵۴۰۸)

”وهو يحتاج الى دليل“

”یعنی ابو معین نسفی کا قول دلیل کا محتاج ہے“ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ مرتضٰی زبیدی بھی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول سے مطمئن نہیں، اور وہ بھی ان کے اس قول کی دلیل نہیں پاتے۔

شیخ نورالدین عزیزی کا حوالہ

شیخ نورالدین عزیزی نے بھی ”الجامع الصغير“ کی شرح ”السراج المنير“ میں امام یافعی کی ”روض الرياحين“ اور علامہ ابو معین نسفی کی ”بحر الكلام“ کتاب سے دونوں قول نقل کیے ہیں، اور علامہ ابو معین نسفی کے قول پر یہ کہہ کر شبہ ظاہر کیا ہے کہ:

”وهو يحتاج إلى دليل ولا دليل لما قاله النسفي“

یعنی ابو معین نسفی کا قول دلیل کا محتاج ہے، اور ان کے قول کی کوئی دلیل نہیں۔ [2]

---

[1] قال ابن القيم ثم عذاب القبر قسمان قسم دائم وهو عذاب الكفار وبعض العصاه ومنقطع وهو عذاب من خفت جرائمهم من العصاه فانه يعذب حسب جريمته ثميرفع عنه وقد يرفع عنه بدعاء او صدقه او نحو ذلک .

وقال اليافعى فى روض الرياحيين بلغنا ان الموت لا يعذبون ليله الجمعه تشريفا لهذا الوقت قال ويحتمل اختصاص ذلک بعصاه المسلمين دون الكفار.

وعمم النفى فى بحر الكلام وقال ان الكافر يرفع عنه العذاب يوم الجمعه وليلتها وجميع شهر رمضان واما المسلم العاصى فانما يعذب فى قبره لكن يرفع عنه يوم الجمعه وليلتها ثم لا يعود اليه الى يوم القيامة واما من مات يوم الجمعه او ليلتها يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطه القبر كذلک ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود الى يوم القيامة انتهى وهذا يدل على ان عصا المسلمين لا يعذبون سوى جمعه واحده او دونيها وانهم اذا وصلوا الى يوم الجمعه انقطع ثم لا يعود وهو يحتاج الى دليل(اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، ج١٠، ص٣٩٨، كتاب ذكر الموت ومابعده،الباب السابع فى حقيقة الموت وما يلقاه الميت فى القبر،بيان عذاب القبر وسؤال منكر ونكير، الناشر: مؤسسة التاريخ العربى، بيروت، لبنان، ١٤١٤هـ 1994م)

[2] وقال اليافعى فى روض الرياحين بلغنا أن الموتى لا يعذبون ليلة الجمعة تشريفاً لهذا الوقت قال ويحتمل اختصاص ذلک بعصاة المؤمنين دون الكفار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ علی بن احمد بن محمد عزیزی بھی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول سے مطمئن نہیں، اور وہ بھی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی شرعی دلیل نہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

''حاشیۃُ الطحطاوی علی المراقی'' کا حوالہ

احمد بن اسماعیل طحطاوی نے ''حاشية الطحطاوی علی المراقی'' میں ابو معین نسفی کا قول نقل کر کے فرمایا کہ:

''وناقش فيه المنلا علی وقال إن ذلک غير ثابت فی الأحاديث''

''یعنی ابو معین نسفی کے قول پر ملا علی قاری نے مناقشہ کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ احادیث میں یہ بات ثابت نہیں''۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعمم النسفی فی بحر الكلام فقال أن الكافر يرفع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها وجميع شهر رمضان ثم لا يعود إليه إلى يوم القيامة وإن مات ليلة الجمعة أو يوم الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر كذلک ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود إليه إلى يوم القيامة أهـ وهذا يدل على أن عصاة المسلمين لا يعذبون سوى جمعة واحدة أو دونها وأنهم إذا وصلوا إلى يوم الجمعة انقطع ثم لا يعود وهو يحتاج إلى دليل ولا دليل لما قاله النسفی (السراج المنير شرح الجامع الصغير فی حديث البشير النذير، ج ۱، ص ۳۰۱، حرف الهمزة)

[1] قال أبو المعين فی أصوله قال أهل السنة والجماعة عذاب القبر وسؤال منكر ونكير حق لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم فی القبر إلى يوم القيامة ويرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وشهر رمضان لحرمة النبی صلى الله عليه وسلم .

ثم المؤمن على ضر بين أن كان مطيعا لا يكون له عذاب القبر ويكون له ضغطة فيجد هول ذلک وخوفه لما أنه كان يتنعم بنعمة الله تعالى ولم يشكر النعمة .

وإن كان عاصيا يكون له عذاب وضغطة القبر لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلة الجمعة ولا يعود العذاب إلى يوم القيامة .

وإن مات ليلة الجمعة أو يوم الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود إلى يوم القيامة من مجمع الروايات والتتارخانية كذا فی الشرح وناقش فيه المنلا على وقال إن ذلک غير ثابت فی الأحاديث (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص ۵۲۴، كتاب الصلاة ، باب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ احمد بن اسماعیل طحطاوی رحمہ اللہ بھی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول سے مطمئن نہیں، اور وہ اس سلسلہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کے مناقشہ کو نظر انداز نہیں کرتے۔
شاید علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کی نظر سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کا مناقشہ نہ گزر سکا ہو، اس لئے انہوں نے رد المحتار میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کا قول تو ذکر کر دیا، لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ کے مناقشہ کا ذکر نہیں کیا۔
علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا مناقشہ ''شرح فقه اکبر '' کے حوالہ سے آگے آتا ہے۔

''النبراس'' کا حوالہ

درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی مشہور کتاب شرح عقائد کی شرح ''النبراس'' میں ہے:

الصحيح ان عذابهم غير منقطع الى يوم القيٰمة كما نطق بالاحاديث.

وذكر النسفي في بحرالكلام ان الكافر يرفع عنه العذاب ليلة الجمعة ويومها وجميع شهر رمضان، ولبعض عصاة المؤمنين.

قال النسفي في بحرالكلام المؤمن العاصي يعذب في قبره لكن ينقطع عنه يوم الجمعة وليلها ثم لايعود اليه، الٰى يوم القيامة انتهى.

وقال السيوطي هذا يحتاج الىٰ دليل.

قلت السيوطي اعرف النسفي بالاحاديث والآثار وفي الحديث ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم سأل جبريل وميكائيل في الرؤيا عن رجل يدق راسه بحجر فقالا انه الرجل يأخذ القرآن في رفضه وينام عن الصلاة المكتوبة يفعل به هذا الى يوم القيامة، رواه

البخاری (النبراس علیٰ شرح العقائد، صفحہ ۳۱۴، و ۳۱۵، الکلام فی المعاد للوجوب معنیین، مطبوعة: مکتبة رشیدیة، کوئٹہ)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کا (قبر و برزخ میں) عذاب، قیامت تک منقطع نہیں ہوگا، جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اور نسفی نے ''بحر الکلام'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ کافر سے عذاب، جمعہ کی رات میں اور جمعہ کے دن میں اور رمضان کے پورے مہینے میں اٹھالیا جاتا ہے، اور بعض گناہ گار مسلمانوں سے بھی۔

نسفی نے ''بحر الکلام'' میں فرمایا کہ گناہ گار مومن کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، لیکن جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں منقطع ہوجاتا ہے، پھر وہ قیامت تک لوٹ کر نہیں آتا، نسفی کی بات ختم ہوئی۔

اور سیوطی نے فرمایا کہ نسفی کی یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سیوطی، نسفی کے مقابلہ میں احادیث وآثار سے زیادہ متعارف ہیں، اور حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل اور میکائیل سے خواب میں اس آدمی کے بارے میں سوال کیا، جس کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ ایسا شخص ہے، جس نے قرآن کو نظر انداز کردیا تھا، اور فرض نماز ترک کرکے سوجاتا تھا، اس کے ساتھ قیامت تک یہی عمل کیا جاتا رہے گا، اس کو بخاری نے روایت کیا (النبراس)

صاحبِ نبراس نے اپنی عبارت کے آخر میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، وہ صحیح بخاری کی ''**کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین**'' میں موجود ہے، جس میں جھوٹ بولنے والے کے کلّے چیرے جانے اور قرآن کا علم حاصل ہونے والے کے رات کو پڑ کر سوجانے اور دن میں عمل نہ کرنے کی وجہ سے سر کچلے جانے اور ان کے ساتھ قیامت تک

اسی طرح ہوتے رہنے کی صراحت ہے، جس سے علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ [1]

احسنُ الفتاویٰ کا حوالہ

مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے ''احسنُ الفتاویٰ جلد ۴، صفحہ ۲۰۷، و ۲۰۸، بابُ الجنائز'' میں پہلے ''ردُّ المحتار'' کے حوالہ سے علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق، سنہ 1386 ہجری میں فتاویٰ تحریر کیے تھے۔

پھر اس کے بعد سنہ 1422 ہجری میں ''النبراس'' کے قول کے مطابق حکم بیان کیا۔

چنانچہ 16 صفر 1422 ہجری کے تحریر کردہ ایک فتوے میں فرماتے ہیں:

> اس سے متعلق اور بھی کئی استفتاء آئے ہیں، لہٰذا اس کی پوری تحقیق کی گئی، تو ثابت ہوا کہ ''نبراس'' کی تحقیق صحیح ہے، جوابِ اوّل پر میں شروع ہی سے مطمئن نہ تھا۔
>
> ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ابوالمعین نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو (شرح الفقہ الاکبر میں) بلا دلیل قرار دیا ہے (احسنُ الفتاویٰ جلد ۱۰، صفحہ ۴۳۴، بابُ الجنائز، بعنوان ''بروزِ جمعہ عاصی سے عذابِ قبر مرتفع ہونے کی تحقیق''، مطبوعہ: الحجاز، پبلشر، کراچی، سنِ طبع ۱۴۳۱ ہجری)

مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آخر میں ''النبراس'' اور ملا علی قاری کے موقف کو ترجیح دی ہے، اور انہوں نے اس سے متعلق اپنے سابق فتاویٰ سے رجوع کرلیا ہے۔

---

[1] قلت :طوفتمانی اللیلة، فأخبرانی عما رأیت، قالا :نعم، أما الذی رأیته یشق شدقه، فکذاب یحدث بالکذبة، فتحمل عنه حتی تبلغ الآفاق، فیصنع به إلی یوم القیامة، والذی رأیته یشدخ رأسه، فرجل علمه الله القرآن، فنام عنه باللیل ولم یعمل فیه بالنهار، یفعل به إلی یوم القیامة، والذی رأیته فی الثقب فهم الزناة، والذی رأیته فی النهر آکلوا الربا(صحیح البخاری،عن سمرة بن جندب،رقم الحدیث،١٣٨٦ ، کتاب الجنائز،باب ما قیل فی أولاد المشرکین)

تاہم مفتی صاحب موصوف نے جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کے پہلو سے اس فتوے میں صراحت کے ساتھ تعرض نہیں کیا، جبکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس پہلو سے بھی تعرض فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

محمد بن احمد سفارینی کا حوالہ

محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان سفارینی حنبلی اپنی تالیف ''البحور الزاخرة فی علوم الآخرة'' میں لکھتے ہیں:

قال الحکیم الترمذی (فی نوادرالاصول) ومن مات یوم الجمعة فقد انکشف الغطاء عما له عند اللّٰه لأن یوم الجمعة لا تسجر فیه جهنم وتغلق أبوابها ولایعمل سلطان النار مایعمل فی سائر الایام، فإذا قبض اللّٰه عبدا من عبیده فوافق قبضه یوم الجمعة کان ذلک دلیلا لسعادته وحسن ما به ؟لانه لم یقبض فی هذا الیوم العظیم الا من کتب له السعادة عنده فذلک یقیه فتنة القبر لان سببها انما هوتمییز المنافق من المؤمن، انتهیٰ.

قلت: والمراد ان کان من اهل الایمان والتقویٰ.والا فکم من منافق یموت یوم الجمعة وکم من فاسق بل وکافر ولاینفعه ذلک.

والاولٰی السکوت عن التعلیل بل کل من اخبر نبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلیلتق بالقبول والتبجیل من غیرتاویل ولاتعلیل (البحور الزاخرة فی علوم الآخرة، ج ۱، ص ۱۹۳، الباب الاول فی ذکر حال المیت عند نزوله قبره الخ، مطلب قراءة تبارک الملک أمان من عذاب القبر، الطبعة الاولیٰ:

۱۴۳۸ ھجری، مطبوعة: دار غراس للنشر والتوزیع، الکویت)

ترجمہ: حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا، تو اس کا پردہ ہٹ جائے گا ان چیزوں سے، جو اللہ کے پاس ہیں، کیونکہ جمعہ کے دن جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، اور جمعہ کے دن جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور جمعہ کے دن جہنم کا داروغہ وہ عمل نہیں کرتا، جو دوسرے ایام میں کرتا ہے، پس جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی روح قبض کرتا ہے، اور اس کی روح قبض کرنا جمعہ کے دن کے موافق ہو جاتا ہے، تو یہ اس کی سعادت کی دلیل اور اس کے اچھے انجام کی دلیل شمار ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ، عظیم دن کے اندر اسی بندہ کی روح کو قبض کرتا ہے، جس کے لیے سعادت کو مقدر فرماتا ہے، پس اس وجہ سے اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جاتا ہے، کیونکہ اس کا سبب منافق کو مومن سے ممتاز کرنا ہے، حکیم ترمذی کی بات ختم ہوئی۔

علامہ سفارینی کہتے ہیں کہ، میں کہتا ہوں کہ اگر جمعہ کے دن فوت ہونے والے مذکورہ لوگوں سے اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ مراد ہوں، تو کوئی شبہ نہیں، ورنہ تو کتنے منافق جمعہ کے دن فوت ہوتے ہیں، اور کتنے فاسق بلکہ کافر لوگ جمعہ کے دن فوت ہوتے ہیں، جن کو جمعہ کے دن فوت ہونے سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اور بہتر یہ ہے کہ اس کی علت سے سکوت اختیار کیا جائے، بلکہ جس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہو (اور وہ معتبر ذریعے سے معلوم ہوئی ہو) اس کو قبول کیا جائے، اور بغیر کسی تاویل اور تعلیل کے اس کو اختیار کیا جائے (البحور الزاخرۃ)

علامہ سفارینی کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ انہیں حکیم ترمذی کے موقف، بالخصوص ان کی طرف سے جمعہ کے دن عذاب کے مرتفع ہونے کی علت سے علی الاطلاق اتفاق نہیں۔

حکیم ترمذی نے جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے عذابِ قبر کے مرتفع ہونے کی جو علت

بیان کی ہے، اس سے ہمیں بھی اتفاق نہیں ہوسکا۔ کیونکہ اولاً تو جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کی حدیث سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں۔

دوسرے جہنم کو جمعہ کے روز دہکائے جانے کا ذکر جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ نہ ہونے کے حکم کی علت کے طور پر وارد ہوا ہے۔

تیسرے صحیح احادیث میں ہر دن زوال کے وقت جہنم کے دہکائے جانے اور اس وقت جہنم کے دروازے کھول دیے جانے اور اس کی وجہ سے اس وقت میں نماز کے مکروہ ہونے کی تصریح آئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دن زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، لیکن اس کے باوجود ہر دن زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں عذابِ قبر کا انکار نہیں کیا جاتا، بلکہ قرآن وسنت میں آلِ فرعون اور دوسرے لوگوں کو صبح وشام آگ پر پیش کیے جانے کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور حکیم ترمذی کی بیان کردہ علت کا تقاضا یہ ہوگا کہ دوسرے دنوں میں زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی قبر کا عذاب نہ ہو، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، اسی طرح اگر جمعہ کے دن کسی کی وفات، اس کی سعادت ونیک بختی کی دلیل ہو، تو کوئی کافر، بلکہ فاسق جمعہ کے دن فوت نہ ہو۔

لہٰذا جمعہ کے دن فاسق وفاجر، بلکہ کافر سے عذاب کے مرتفع ہونے کا قول، بلکہ جمعہ کے دن فاسق وفاجر کے فوت ہونے پر عذاب نہ ہونے کا قول اپنی مذکورہ تعلیل وتفصیل کے ساتھ محلِّ تامل ہے، البتہ اگر کوئی مومن ومتقی جمعہ کے دن فوت ہو، تو جمعہ کی برکت سے اس کے ہمیشہ کے لئے عذابِ قبر کا مرتفع ہونا محلِ تامل ومحلِ کلام نہیں۔

محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان سفارینی حنبلی اپنی تالیف ''**البحور الزاخرة فی علوم الآخرة**'' میں ہی لکھتے ہیں:

وذكر اليافعي فيه (روض الرياحين) ايضاً قال بلغنا ان الموتىٰ لا

یعذبون لیلة الجمعة تشریفا لهذا الوقت، قال ویحتمل اختصاص ذلک بعُصاة المسلمین دون الکفار.

وعمم النسفی فی بحر الکلام فقال ان الکافر یرفع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها وجمیع شهر رمضان.

واما المسلم العاصی فانه یعذب فی قبره، لکن ینقطع عنه یوم الجمعة ولیلتها ثم لا یعود الیه الیٰ یوم القیامة، قال وان مات لیلة الجمعة او یومها یکون له العذاب ساعة واحدة وضغطه القبر کذلک ثم ینقطع عنه العذاب ولا یعود الیه، انتهیٰ.

قلت: وهذا انما هو مجرد زعم لادلیل علیه فیجب ان یطرح ولا یصغی له من ذاق شیئا من حدیث الصادق المصدوق صلی الله علیه وسلم.

فانه جزم بان عذاب القبر یرفع فی جمیع شهر رمضان وقد علمت ان الحدیث ضعیف (کما قال ابن رجب، ناقل) والضعیف لایبنیٰ علیه مثل هذا الاصل العظیم.

ثم انهٗ تجازف فزعم ان الکافر یُرفع عنه العذاب ایضا، وقد علمتَ مافیه مما ذکرنا آنفا فی کلام المحقق.

ثم انهٗ علی مازعم لاتعذب عصاة المسلمین الا جمعة واحدة، هذا علیٰ مازعم اکثرهم عذابا، لانهم اذا اتت علیهم لیلة الجمعة انقطع عنهم ذلک ثم لایعود.

وما احسن هذا لوکان له دلیل یعول علیه او مستند یستند الیه لکن مجرد الزعم والحدس لایثبت به مثل هذا واللّٰه اعلم (البحور

الزاخرة فی علوم الآخرة، ج ۱، ص ۲۴۶، الباب الثانی فی عذاب القبر ونعیمه، الطبعة الاولیٰ: ۱۴۳۸ هجری، مطبوعة: دار غراس للنشر والتوزیع، الكویت)

ترجمہ: اور ''**یافعی**'' نے ''**روضُ الریاحین**'' میں ہی ذکر کیا ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ مُردوں کو جمعہ کی رات میں اس وقت کی شرافت کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا، اور فرمایا کہ احتمال یہ ہے کہ یہ گناہ گار مسلمانوں کے ساتھ خاص ہو، نہ کہ کفار کے ساتھ۔

اور ابو معین نسفی نے ''**بحر الکلام**'' میں اس کو عام رکھا ہے، اور کہا کہ کافر سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں اور پورے ماہِ رمضان میں عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔

اور گناہ گار مسلمان کو قبر میں عذاب تو دیا جاتا ہے، لیکن جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں اس سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، پھر اس کی طرف قیامت تک، عذاب لوٹ کرنہیں آتا، اور نسفی نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی جمعہ کی رات میں یا جمعہ کے دن میں فوت ہوجائے، تو اس کو ایک لمحہ کے لیے عذاب اور قبر کی تنگی کا اسی (مومن، متقی کی) طرح احساس ہوتا ہے، پھر اس سے عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے، اور وہ قیامت تک لوٹ کرنہیں آتا، نسفی کی بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نسفی کا صرف گمان ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، پس ضروری ہے کہ جس نے صادق، مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ذائقہ چکھا ہو، وہ اس قول کو پھینک دے، اور اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

کیونکہ نسفی نے یہ گمان کیا ہے کہ قبر کا عذاب پورے ماہِ رمضان میں اٹھالیا جاتا ہے، اور آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ اس بارے میں حدیث ضعیف ہے (جیسا کہ ابنِ رجب نے فرمایا) اور ضعیف حدیث پر (عقیدہ کے سلسلہ میں) اتنے

بڑے اصول کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔

پھر نسفی نے اپنے تخمینے اور اندازے سے یہ گمان بھی کر لیا کہ کافر سے بھی (ماہِ رمضان میں) عذاب کو اٹھا لیا جاتا ہے، اور ہم نے ابھی جو کچھ محقق کے کلام میں ذکر کیا، اس سے اس کی حقیقت معلوم ہو چکی۔

پھر نسفی نے یہ بھی گمان کیا کہ گناہ گار مسلمانوں کو صرف ایک ہفتہ عذاب دیا جاتا ہے، یہ وہ بات ہے، جس کا انہوں نے گناہ گار مسلمانوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ گمان کیا ہے، کیونکہ جب ان پر جمعہ کی رات آ جائے گی، تو ان کا عذاب ختم ہو جائے گا، پھر لوٹ کر نہیں آئے گا (اور یہ بات ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر ایک ہفتے میں جمعہ کا دن واقع ہوتا ہے)

اور کیا ہی اچھی بات ہوتی، اگر اس کی کوئی معقول دلیل ہوتی، یا مستند سند ہوتی، لیکن صرف گمان اور اندازے سے اس جیسی (غیب اور عقیدے کی) چیزیں ثابت نہیں کی جا سکتیں۔ واللہ اعلم (البحور الزاخرۃ)

علامہ سفارینی نے بڑی صفائی کے ساتھ کسی تاویل کے بغیر علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے قول کی تردید بیان کر دی ہے۔

علامہ سفارینی نے مذکورہ عبارت میں علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے موقف کے مندرجہ ذیل اجزاء سے اختلاف کیا ہے۔

(1)...... ماہِ رمضان میں ہر مسلمان سے عذابِ قبر اٹھا لیے جانے سے۔

(2)...... کافر کے ماہِ رمضان میں عذابِ قبر نہ ہونے سے۔

(3)...... گناہ گار مومنوں کے فوت ہونے کے بعد جمعہ کا دن آنے پر تا قیامت عذابِ قبر اٹھا لیے جانے سے۔

جبکہ جمعہ کے دن فوت شدہ مومن کو تا قیامت عذاب نہ ہونے کے متعلق ان کا موقف اس

سے پہلی عبارت میں گزر چکا ہے۔
جہاں تک یافعی کی اس بات کا تعلق ہے کہ انہیں جمعہ کی رات میں مردوں کو عذابِ قبر نہ ہونے کی بات پہنچی ہے، اور یافعی، اس کو مسلمان گناہ گاروں کے ساتھ خاص رکھنے کے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں، تو ہمیں گناہ گار، مومنوں کو ہر جمعہ کے دن عذاب نہ ہونے کی بات بھی کسی مضبوط سند سے دستیاب نہیں ہوئی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری، عقائد کی کتاب ''شرح فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں کہ:

وَاَمَّا مَاقَالَہُ الشَّیْخُ اَبُوالْمُعِیْنِ فِیْ اُصُوْلِہٖ عَلٰی مَانَقَلَ عَنْہُ الْقَوْنَوِیُّ مِنْ اَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ سَوَاءٌ کَانَ مُؤْمِنًا اَمْ کَافِرًا اَمْ مُطِیْعًا اَمْ فَاسِقًا وَلٰکِنْ اِذَا کَانَ کَافِرًا فَعَذَابُہٗ یَدُوْمُ فِی الْقَبْرِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَیُرْفَعُ عَنْہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَشَھْرَ رَمَضَانَ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّہٗ مَادَامَ فِی الْاَحْیَاءِ لَا یُعَذِّبُھُمُ اللّٰہُ لِحُرْمَتِہٖ فَکَذٰلِکَ فِی الْقَبْرِ یُرْفَعُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَکُلَّ رَمَضَانَ لِحُرْمَتِہٖ فَفِیْہِ بَحْثٌ لِاَنَّہٗ یَحْتَاجُ اِلٰی نَقْلٍ صَحِیْحٍ اَوْ دَلِیْلٍ صَرِیْحٍ فَالصَّوَابُ مَا قَالَہُ الْقَوْنَوِیُّ مِنْ اَنَّ الْمُؤْمِنَ اِنْ کَانَ مُطِیْعًا لَا یَکُوْنُ لَہٗ عَذَابٌ وَ یَکُوْنُ لَہٗ ضَغْطَۃٌ فَیَجِدُ ھَوْلَ ذٰلِکَ وَ خَوْفَہٗ لِمَا اَنَّہٗ کَانَ یَتَنَعَّمُ بِنِعَمِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ لَمْ یَشْکُرِ الْاِنْعَامَ حَقَّہٗ......وَاِنْ کَانَ عَاصِیًا یَکُوْنُ لَہٗ عَذَابُ الْقَبْرِ وَضَغْطَۃُ الْقَبْرِ لٰکِنْ یَنْقَطِعُ عَنْہُ عَذَابُ الْقَبْرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَلَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ وَلَا یَعُوْدُ الْعَذَابُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَاِنْ مَاتَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوْ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ یَکُوْنُ لَہُ الْعَذَابُ سَاعَۃً وَاحِدَۃً

وَضَغْطَةَ الْقَبْرِ ثُمَّ يَنْقَطِعُ عَنْهُ الْعَذَابُ وَلاَ يَعُوْدُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنْتَهٰى. فَلَا يَخْفٰى اَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيْ الْعَقَائِدِ هُوَ الْاَدِلَّةُ الْيَقِيْنِيَّةُ وَاَحَادِيْثُ الْاٰحَادِ لَوْ ثَبَتَتْ اِنَّمَا تَكُوْنُ ظَنِّيَّةً اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِذَا تَعَدَّدَ طُرُقُهُ بِحَيْثُ صَارَ مُتَوَاتِرًا مَعْنَوِيًّا فَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ قَطْعِيًّا.

نَعَمْ ثَبَتَ فِيْ الْجُمْلَةِ اَنَّ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يُرْفَعُ الْعَذَابُ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا اَعْرِفُ لَهُ اَصْلاً وَكَذَا رَفْعُ الْعَذَابِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَهَا مُطْلَقًا عَنْ كُلِّ عَاصٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاِنَّهُ بَاطِلٌ قَطْعًا (شرح فقہ اکبر لملا علی القاری، صفحہ ۱۲۳، الناشر: مکتبہ حقانیہ، بشاور، الباکستان)

ترجمہ: اور رہی وہ بات جو شیخ ابو معین نے اپنے اصول میں ذکر فرمائی ہے، جس کو ان سے قونوی نے نقل کیا ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے، چاہے مومن ہو، یا کافر ہو، یا مطیع ہو، یا فاسق ہو، لیکن اگر کافر ہو، تو اس کا عذابِ قبر قیامت تک جاری رہتا ہے، اور اس کا عذاب، جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے روک لیا جاتا ہے، اس لئے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے، اس وقت تک اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے ان کو عذاب نہیں دیا، اسی طریقہ سے قبر میں کافروں سے جمعہ کے دن اور پورے رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے عذاب کو روک لیا جاتا ہے۔

تو اس میں بحث ہے، کیونکہ یہ بات نقلِ صحیح، یا دلیلِ صریح کی محتاج ہے۔

پس صواب وہ ہے، جو قونوی نے فرمایا کہ اگر مطیع و متقی مومن ہو، تو اس کو قبر کا عذاب نہیں ہوتا، بلکہ اس کو قبر دباتی ہے، جس سے اس کو خوف و دہشت محسوس ہوتی ہے، کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتا رہا، لیکن ان نعمتوں

کا کماحقہٗ شکر ادا نہیں کیا............(پھر قونوی نے نسفی کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا) اور اگر گناہ گار مومن ہوتا ہے، تو اسے قبر کا عذاب اور قبر کا بھینچنا ہوتا ہے، لیکن اس سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں عذابِ قبر کو روک لیا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب لوٹ کر نہیں آتا، اور اگر جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہو جائے، تو اس کو ایک لمحہ کے لئے عذاب ہوتا ہے اور قبر بھینچتی ہے، پھر اس کے بعد عذاب کو ہٹا لیا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب لوٹایا نہیں جاتا، قونوی کا (نسفی کی طرف سے نقل کردہ) کلام ختم ہوا۔

تو یہ بات مخفی نہیں کہ عقائد میں اعتبار یقینی دلائل کا ہوتا ہے، اور احادیثِ آحاد اگر ثابت ہوں، تو وہ صرف ظنی درجے کی ہوتی ہیں (ان سے قطعیت کا حصول اور یقین کا اثبات نہیں ہوتا) مگر یہ کہ جب یہ اتنی متعدد اور کثیر سندوں سے منقول ہوں کہ تواترِ معنوی کے درجے میں آجائیں، تو پھر وہ قطعی بن جاتی ہیں۔

البتہ فی الجملہ (احادیث سے) یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہو جائے، تو اس سے عذاب کو اٹھا لیا جاتا ہے، مگر یہ بات کہ قیامت تک اس کی طرف عذاب کو لوٹایا نہیں جاتا، مجھے اس کی اصل معلوم نہیں ہو سکی (اور اس سلسلہ میں مذکور روایات سے حتمی انداز میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمعہ کے دن، یا رات میں کوئی مسلمان بھی فوت ہونے والا تا قیامت مطلق عذابِ قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے)

اور اسی طرح جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مطلقاً ہر گناہ گار سے عذاب کا رفع ہونا، اور پھر قیامت کے دن تک لوٹ کر نہ آنا، تو یہ بات قطعی طور پر باطل ہے (کیونکہ یہ دعویٰ احادیثِ صحیحہ کی دلالت کے خلاف ہے) (شرح فقہ اکبر)

ملا علی قاری کی اس مدلل عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(1)...... شیخ ابو معین کا یہ قول کہ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں کافروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔

اس کے لئے نقلِ صحیح، یا دلیلِ صریح کی ضرورت ہے، جو کہ موجود نہیں۔

(2)...... یہ کہنا کہ اگر گناہ گار شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے، تو اس کو ایک ساعت کے لئے عذاب ہوتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب کو نہیں لوٹایا جاتا۔

یہ بات محلِ کلام ہے، کیونکہ عقائد میں دلائلِ قطعیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور خبرِ واحد ظنی ہوا کرتی ہے، البتہ اگر اخبارِ آحاد مختلف سندوں سے مروی ہوں کہ جو تواترِ معنوی کا درجہ حاصل کرلیں، تو پھر قطعیت کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں (اور مذکورہ عقیدہ کے لئے اس طرح کا ثبوت نہیں)

(3)...... احادیث سے اتنی بات ثابت ہے کہ جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے سے عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے۔

لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اس کے بعد پھر قیامت تک عذاب نہیں دیا جاتا، یہ صرف ایک احتمال ہے، جبکہ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ صرف اس جمعہ کے دن، یا آئندہ ہر جمعہ کے دن عذاب اٹھایا جاتا ہو، یا عذاب کی شدت دور کردی جاتی ہو، لہٰذا ان تمام احتمالات کو نظر انداز کر کے ایک احتمال پر پختہ عقیدہ صحیح نہیں۔

(4)...... یہ کہنا کہ کسی بھی مسلمان کے فوت ہونے کے بعد جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں ہر گناہ گار سے مطلقاً عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے (خواہ وہ کسی بھی دن فوت ہوا ہو) اور پھر اس کے بعد تا قیامت عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔

اس بات کا نصوص سے کوئی ثبوت نہیں، بلکہ یہ بے بنیاد بات ہے۔

ملا علی قاری کی اس عبارت سے ابو معین کے کلام کا مرجوح ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بات تواترِ معنوی کی حد سے نیچے کے درجے سے ثابت

ہو، وہ پختہ عقیدہ کا فائدہ نہیں دیتی، اگرچہ اس سے ظنیت، یا فضیلت وغیرہ کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہو۔

ملاعلی قاری نے مذکورہ بات تو عقائد کے باب میں فرمائی ہے، کیونکہ ''شرح فقہ اکبر'' عقائد کی کتاب ہے۔

لیکن مشکاۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں جمعہ کے فضائل کے باب میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے میں اطلاق وتقیید کے احتمالات ہونے میں اطلاق کے احتمال کو اولیٰ قرار دیا ہے، جس کی بظاہر وجہ عقائد اور فضائل کے باب کا فرق ہے۔

کیونکہ ضعیف احادیث کے بارے میں فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں مذکور مضمون وفضیلت کا عقیدہ رکھنا تو جائز نہیں ہوتا، البتہ خیالِ فضیلت کا احتمال رکھنے میں حرج نہیں ہوتا۔

لیکن آج کل عوام تو درکنار بہت سے خواص بھی اس فرق کو نہیں سمجھتے، جس کی مزید تفصیل جمعہ کے دن فوت شدہ کے عذابِ قبر سے حفاظت کے بیان میں آتی ہے۔ [1]

---

[1] احسن الفتاویٰ میں ہے:

''ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

(1) اس میں یہ شرط ہے کہ اس عمل کو سنت نہ سمجھا جائے۔

اور حال یہ ہے کہ عوام تو درکنار خواص بلکہ مشہور علماء اور مقتدیٰ حضرات بھی ایسے اعمال کو سنت سمجھتے ہیں، بالخصوص شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''ما ثبت بالسنة'' کا نام دیکھ کر اس میں مذکورہ سب اعمال کو مسنون سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں بھی اکثر روایات اسی قسم کی ہیں۔

(2) یہ شرط بھی ہے کہ روایتِ ضعیفہ سے کوئی حکم شرعی ثابت نہ کیا جائے۔

اور اعتقادِ فضیلت حکمِ شرعی ہے، البتہ خیالِ فضیلت حکمِ شرعی نہیں۔

(3) یہ شرط بھی ہے کہ روایت میں ضعفِ شدید نہ ہو۔

اور فضائل سے متعلقہ اکثر روایات کا حال یہ ہے کہ صرف ضعیفہ شدیدہ ہی نہیں، بلکہ موضوعہ ہیں، بیشتر کے موضوع ہونے کی تو اصحابِ فن نے تصریح فرمائی ہے'' (احسن الفتاویٰ، ج: ۱۰، ص: ۱۲۳، کتاب التفسیر الحدیث، بعنوان: عمل بالحدیث الضعیف میں مفاسد، مطبوعہ: الحجاز پبلشرز، کراچی، سنِ طباعت: ۱۴۳۱ ہجری)

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ نے جمعہ ورمضان میں قبر و برزخ کے ہر طرح کا عذاب منقطع ہونے اور ہر طرح کے مومن عاصی کے فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ آنے پر تا قیامت عذابِ قبر مرتفع ہونے اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن عاصی سے تا قیامت عذاب مرتفع ہونے کا جو حکم لگایا ہے، اس مجموعی موقف سے محققین کو اختلاف ہے، اور علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کا یہ موقف متعدد نصوص کے خلاف ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(باب نمبر 1)

رمضان میں عذابِ قبر سے حفاظت کی تحقیق

جہاں تک علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ ماہِ رمضان میں فوت ہونے والے مومن کو قبر و برزخ میں قیامت تک عذاب نہیں ہوتا، بلکہ کافر کو بھی ماہِ رمضان میں عذاب نہیں ہوتا، تو اس قول کے جو دلائل بیان کیے جاتے ہیں، ان کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت

دیلمی کی ''مسند الفردوس'' میں عمران بن حصین کی سند سے مذکور ہے کہ دو شخصوں کو ان کی قبروں میں عذاب نہیں ہوتا، ایک تو وہ جو جمعہ کے دن فوت ہو، اور دوسرے وہ جو رمضان میں فوت ہو۔ [1]

لیکن اولاً تو ہمیں عمران بن حصین کی مذکورہ حدیث کی سند نہیں ملی، اور دیلمی کی ''الفردوس'' جو بغیر سند کے مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے، اس میں صرف اتنی ہی عبارت ہے، جس کا ذکر کیا گیا۔

بعض نے اس حدیث کی نسبت شمس الدین بخاری کی ''المنتقٰی'' کی طرف کی ہے، مگر سند انہوں نے بھی ذکر نہیں کی۔ [2]

---

[1] عمران بن حصین :اثنان لا یعذبان فی قبورھم من مات یوم الجمعة ومن مات فی رمضان(الفردوس بمأثور الخطاب،للدیلمی ، رقم الروایة ۱۶۷۵ ، باب الالف)

[2] حدیث:" اثنان لا یعذبان فی قبورھما: من مات فی یوم الجمعة، ومن مات فی رمضان "فی "المنتقی من حدیث شمس الدین البخاری ."(التخریج الصغیر والتحبیر الکبیر،مطبوع ضمن مجموع رسائل ابن عبد الھادی، ج۳ص ۱۳۱، رقم الحدیث ۷۶، حرف الھمزة)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتنی اہم بات پر اس وقت تک عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی جا سکتی، جب تک مستند طریقہ پر یہ بات دستیاب نہ ہو۔
دوسرے مذکورہ روایت میں جمعہ اور ماہِ رمضان کے اندر فوت ہونے والے کی قید ہے، اور غیر جمعہ وغیر رمضان میں فوت ہونے والا اس سے خارج ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

علامہ ابنِ رجب حنبلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ مُردوں کو رمضان کے مہینہ میں عذاب نہیں ہوتا، لیکن ایک تو انہوں نے اس کی سند ذکر نہیں کی، دوسرے اس کی سند کو ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔ [1]
علامہ جلال الدین سیوطی نے ''شرح الصدور'' میں بھی علامہ ابنِ رجب حنبلی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے، جس کو بعض حضرات نے ''بیہقی'' کی تخریج سمجھ لیا ہے، حالانکہ بیہقی سے اس حدیث کی تخریج نہیں ملتی۔ [2]
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ، رمضان کے مہینہ کے پہلے دن کی صبح کسی بھی مسلمان کی مغفرت کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔
لیکن اس کی سند میں کذاب اور وضاع، راوی ہے۔ [3]

---

[1] فقد روی بإسناد ضعیف، عن أنس بن مالک :أن عذاب القبر یرفع عن الموتی فی شهر رمضان، (تفسیر ابنِ رجب الحنبلی"روائع التفسیر"ج۲،ص۳۷۵،سورة الواقعة)

[2] قال إبن رجب روی بإسناد ضعیف عن أنس بن مالک أن عذاب القبر یرفع عن الموتی فی شهر رمضان(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطی،ص۱۸۶، تحت رقم الحدیث ۱۶، باب ما ینجی من عذاب القبر)

[3] إن الله لیس بتارک أحدا من المسلمین صبیحة أول یوم من شهر رمضان إلا غفر له ."
موضوع.
رواه الخطیب (91/5) وعنه ابن الجوزی فی "الموضوعات "(190/2) من طریق سلام الطویل عن زیاد بن میمون عن أنس مرفوعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورہ روایت سے ماہِ رمضان میں ہر کسی کے عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کے عقیدہ پر استدلال درست معلوم نہ ہوا۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے موت کے لیے اچھے اوقات کا باب قائم کر کے اس کے ضمن میں حضرت ابنِ مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی چند احادیث ذکر کی ہیں، جن سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ انہوں نے ان روایات سے یہ سمجھ لیا کہ جس مسلمان کی بھی رمضان میں وفات ہو، وہ ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حالانکہ ان روایات سے یہ موقف ثابت نہیں ہوتا، جبکہ بعض روایات اس سلسلہ میں ضعیف، یا نا قابلِ اعتبار بھی ہیں، جن کی ذیل میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذا إسناد موضوع سلام الطويل اتهمه غير واحد بالكذب والوضع.
وشيخه زياد بن ميمون وضاع باعترافه.
ومن هذا الوجه أورده، وقال ابن الجوزى ما ملخصه :لا يصح، سلام متروك، وزياد كذاب.
وتعقبه السيوطى فى "اللآلىء" (2/101) بقوله: قلت :لـه طريق آخر، ثم ساق الحديث الآتى وهو موضوع أيضا فلم يصنع شيئا !وهو على الراجح نفس الطريق الأولى، كما سترى(سلسلة الأحاديث الضعيفة،تحت رقم الحديث ٢٩٦)

[1] باب أحسن الأوقات للموت:
وأخرج أبو نعيم عن إبن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وافق موته عند إنقضاء رمضان دخل الجنة ومن وافق موته عند إنقضاء عرفة دخل الجنة ومن وافق موته عند إنقضاء صدقة دخل الجنة.
وأخرج أحمد عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال لا إله إلا الله إبتغاء وجه الله ختم له بها دخل الجنة ومن صام يوما إبتغاء وجه الله ختم له به دخل الجنة ومن تصدق بصدقة إبتغاء وجه الله ختم له بها دخل الجنة.
وأخرج أبو نعيم عن خيثمة قال كان يعجبهم أن يموت الرجل عند خير يعمله إما حج وإما عمرة وإما غزوة وإما صيام رمضان.
وأخرج الديلمى عن عائشة رضى الله عنها قال قالت رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات صائما أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة(شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، لجلال الدين السيوطى،ص ٣٠٦،رقم الحديث ١ الىٰ ٤،باب أحسن الأوقات للموت)

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

مَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ رَمَضَانَ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ عَرَفَةَ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ صَدَقَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ (حلية الاولياء لابی نعيم، ج۵ ص ۲۳، تحت ترجمة "طلحة بن مصرف")

ترجمہ: جس کی موت، رمضان مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت، وقوفِ عرفہ مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت، صدقہ مکمل کرنے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا (حلیۃ الاولیاء)

مگر اس حدیث کی سند بھی اولاً تو غیر معمولی ضعیف ہے۔ [1]

ابونعیم اصبہانی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد غریب قرار دیا ہے۔ [2]

اس روایت کے ایک راوی ''نصر بن حماد'' پر محدثین نے غیر معمولی جرح فرمائی ہے، جس میں ''متروک'' اور ''یخطیٔ کثیراً'' اور ''ذاھب الحدیث'' اور ''لا یکتب حدیثہ'' اور ''غلو فی التشیع'' اور ''کذاب'' ہونے کی جرح بھی شامل ہے۔

---

[1] اس حدیث کی سند یہ ہے:

حدثنا عبد الله بن محمد، ثنا ابن سعيد الواسطی، ثنا محمد بن حرب الواسطی، ثنا نصر بن حماد، ثنا همام، ثنا محمد بن جحادة، عن طلحة بن مصرف، قال: سمعت خيثمة بن عبد الرحمن، يحدث عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

[2] چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

غريب من حديث طلحة، لم نكتبه إلا من حديث نصر، عن همام (حلية الاولياء لابی نعيم، ج۵ ص ۲۳، تحت ترجمة "طلحة بن مصرف")

مذکورہ راوی کے متعلق مزید تفصیل آ گے ”جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت کی روایات“ کے ضمن میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذیل میں آتی ہے۔ [1]

[1] نصر بن حماد بن عجلان البجلی......

قال عبد الله بن أحمد بن حنبل :سمعت يحيى بن معين يقول: نصر بن حماد كذاب .

وقال يعقوب بن شيببة:ليس بشيء .

وقال البخارى :يتكلمون فيه.

وقال مسلم :ذاهب الحديث.

وقال النسائى:ليس بثقة.

وقال أبو زرعة ، وصالح بن محمد الحافظ:لا يكتب حديثه.

وقال أبو حاتم ، وأبو الفتح الأزدى: متروك الحديث.

وقال ابن حبان :كان يخطء كثيرا، ويهم فى الإسناد، فلما كثر ذلک منه بطل الاحتجاج به.

وقال زكريا بن يحيى الساجى :يعد من الضعفاء.

وقال الدارقطنى :ليس بالقوى فى الحديث .

وروى له أبو أحمد بن عدى أحاديث عن شعبة، ثم قال: وهذه الأحاديث التى ذكرتها عن نصر، عن شعبة، وله غيرها عن شعبة كلها غير محفوظة، ومع ضعفه يكتب حديثه (تهذيب الكمال للمزى، ج ٢٩ ص ٣٤٢ الىٰ ٣٤٥، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٦٣٩٥)

ق -نصر "بن حماد بن عجلان البجلى أبو الحارث الحافظ الوراق البصرى.

روى عن شعبة ومسعر والمسعودى وهمام وموسى بن كردم وإسرائيل والربيع بن صبيح وأبى بكر الهذلى ومسلم بن خالد الزنجى ومقاتل بن سليمان وغيرهم .

وعنه أبناه أحمد ومحمد والحسن بن على الحلوانى ومحمد بن رافع النيسابورى وروح بن الفرج البزاز وهارون بن موسى المستملى ويحيى بن جعفر بن الزبرقان ومحمد بن إسحاق الصغانى ومحمد بن سعيد بن غالب وآخرون .

قال عبد الله بن أحمد عن يحيى بن معين كذاب.

وقال البخارى يتكلمون فيه .

وقال مسلم ذاهب الحديث .

وقال النسائى ليس بثقة .

وقال يعقوب بن شيبة ليس بشيء .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس روایت میں ''متھم بالکذب '' اور مذکورہ سخت جرح والا راوی ہو، وہ اگر موضوع نہ ہو، تو شدید ضعیف ہونے میں تو شبہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے اس کو فضیلت کے باب میں بھی اپنی شرائط کے ساتھ قبول کرنا درست نہیں ہوتا۔

دوسرے اس حدیث میں رمضان کے مکمل ہونے اور تیسرے جنت میں داخل ہونے کی قید لگی ہوئی ہے، جس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کوئی شخص رمضان میں کسی بھی وقت فوت ہوجائے، تو اس سے ہمیشہ کے لئے قبر کا عذاب اٹھالیا جاتا ہے، بلکہ اس میں کئی احتمالات ہیں، مثلاً یہ کہ جو شخص ماہِ رمضان کے اعمال مکمل کرنے، یعنی روزے وغیرہ رکھنے کے بعد فوت ہو، تو وہ ان اعمال کی برکت سے جنت میں داخل ہوگا، خواہ ابتداء ہی میں داخل ہو، یا اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد داخل ہو۔

کیونکہ نیک عمل کرنے کے بعد فوت ہونے کی اصولی فضیلت معتبر احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

پس مذکورہ حدیث سے ماہِ رمضان میں ہر مردہ کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے، یا ماہِ رمضان میں فوت ہونے والے سے تا قیامت عذاب اٹھالیے جانے کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال أبو زرعة وصالح بن محمد لا يكتب(تهذيب التهذيب،لا بن حجر العسقلانی، ج١٠، ص٤٢٥، تحت رقم الترجمة ٧٦٩)

نصر بن حماد البجلى أبو الحارث الوراق :

من أهل بغداد.

يروى عن شعبة وإسرائيل.

روى عنه العراقيون كان من الحفاظ، ولكنه كان يخطء كثيرا ويهم فى الاسانيد حتى يأتى بالاشياء كأنها مقلوبة، فلما كثر ذلک منه بطل الاحتجاج به إذا انفرد(المجروحين لابنِ حبان ، ج٣،ص ٥٤، تحت رقم الترجمة ١١١٥)

(حل) وكذا الديلمى (عن ابن مسعود) وفيه نصر بن حماد قال الذهبى :قال النسائى : ليس بثقة ومحمد بن حجاوة قال أعنى الذهبى :قال أبو عوانة الوضاح كان يغلو فى التشيع (فيض القدير للمناوى، ج٦ ص ٢٣٥ ، تحت رقم الحديث ٩٠٧١)

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَسُنَدُتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ إِلٰى صَدُرِيُ فَقَالَ: مَنُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ قَالَ حَسَنٌ: ابُتِغَاءَ وَجُهِ اللّٰهِ۔ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الُجَنَّةَ، وَمَنُ صَامَ يَوُمًا ابُتِغَاءَ وَجُهِ اللّٰهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الُجَنَّةَ، وَمَنُ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ابُتِغَاءَ وَجُهِ اللّٰهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الُجَنَّةَ "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۳۲۴) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اپنے سینے سے (تکیہ کے طور پر) سہارا دے رکھا تھا، اس دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (اللہ کی رضا کے لئے) ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار کرے اور اس کی زندگی اسی اقرار پر ختم ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو شخص اللہ کی رضا کے لئے ایک دن کا روزہ رکھے اور اسی پر اس کا اختتام ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو شخص اللہ کی رضا کے لئے صدقہ کرے اور اسی پر اس کا اختتام ہو، تو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا (مسند احمد)

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث سے یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو شخص بھی رمضان میں فوت ہو، وہ ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ کافر کے ماہِ رمضان میں عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا اس سے ثبوت ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے اللہ کی رضا کے لیے ایک روزہ رکھنے اور اس پر اس کا اختتام ہونے پر جنت میں داخل ہونے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، جس میں اولاً تو روزے کا ذکر

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد رجاله ثقات إلا أنه منقطع بين نعيم بن أبي هند وحذيفة .حسن: هو ابن موسى الأشيب، وعفان: هو ابن مسلم، وعثمان البتي: هو ابن مسلم البصري(حاشية مسند احمد)

ہے، جو کہ انسان کا اختیاری عمل ہے، مگر اس حدیث میں نہ تو رمضان کے مہینے کا ذکر ہے، اور نہ رمضان کے روزے کا ذکر ہے، اور اسی کے ساتھ اس میں عذابِ قبر سے حفاظت کا بھی ذکر نہیں، بلکہ جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے، اور جنت میں داخلہ، جو ابتداء ہی میں بھی ہوسکتا ہے، اور اپنے گناہوں کی سزا پا کر بعد میں بھی، اور اس حدیث میں اللہ کی رضا کے لیے ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ کر خاتمہ ہونے پر بھی اسی طرح جنت میں داخل ہونے کی فضیلت کا ذکر ہے، اور اسی حدیث میں اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کر کے خاتمہ ہونے پر بھی جنت میں داخل ہونے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

غرضیکہ مذکورہ تمام اعمال پر ایک ہی قسم کی فضیلت بتائی گئی ہے۔

بعض دوسری احادیث میں اس طرح کے کئی اعمال کو کسی دن انجام دینے پر بھی اسی طرح کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، جن میں ایک عمل مریض کی عیادت اور دوسرا عمل جنازہ میں شرکت اور تیسرا عمل ایک دن کا روزہ، اور چوتھا عمل جمعہ کے لیے جلدی جانا، اور پانچواں عمل غلام کو آزاد کرنا بیان کیا گیا ہے۔ [1]

لہٰذا مذکورہ حدیث سے جو فضیلت ثابت ہوتی ہے، وہ کئی قسم کے اعمال کرنے والوں کے حق میں ثابت ہوتی ہے۔

ان تمام اعمال کو نظر انداز کر کے ایک غیر اختیاری فعل، یا رمضان میں صرف فوت ہونے پر

---

[1] ذكر الخصال التى إذا استعملها المرء فى يوم الجمعة كان من أهل الجنة:

أخبرنا محمد بن الحسن بن قتيبة، قال: حدثنا حرملة بن يحيى، قال: حدثنا بن وهب قال: أخبرنى حيوة بن شريح، أن بشير بن أبى عمرو الخولانى أخبره أن الوليد بن قيس التجيبى حدثه.أن أبا سعيد الخدرى حدثه إنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " خمس من عملهن فى يوم كتبه الله من أهل الجنة: من عاد مريضا، وشهد جنازة، وصام يوما، وراح يوم الجمعة، وأعتق رقبة"(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۲۷۷۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده قوى .الوليد بن قيس التجيبى روى عنه جمع، وذكره المؤلف فى "الثقات"، وقال العجلى: مصرى تابعى ثقة، وباقى رجاله ثقات(حاشية ابنِ حبان)

تا قیامت عذابِ قبر سے حفاظت کا عقیدہ، اس حدیث سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح اس حدیث سے ماہِ رمضان میں سب لوگوں سے عذابِ قبر اٹھا لیے جانے اور مومن پر پھر تا قیامت عذاب کے لوٹ کر نہ آنے کا بھی ثبوت نہیں ہوتا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''شرحُ الصدور ''میں ''دیلمی'' کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جو روزہ رکھ کر فوت ہو گیا، تو اللہ اس کو قیامت کے دن تک روزہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔ [1]

لیکن اولاً تو اس کی سند دستیاب نہیں، دوسرے اس روایت میں رمضان کے اندر فوت ہونے، یا رمضان آنے پر کسی مسلمان کے عذابِ قبر کے ختم ہونے، یا کسی کافر سے رمضان میں عذابِ قبر ختم ہونے کا قطعاً ذکر نہیں، بلکہ اس حدیث میں روزہ رکھ کر فوت ہونے کی ایک اہم فضیلت یعنی قیامت تک روزہ کے ثواب کا ذکر ہے، جس میں نہ رمضان کے مہینہ کی قید ہے، اور نہ اس طرح کی کوئی اور قید ہے، جس سے زیرِ بحث مدعا ثابت ہو سکے۔

خیثمہ کی روایت

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''شرحُ الصدور ''میں مذکورہ مقام پر ''ابونعیم'' کے حوالہ سے حضرت خیثمہ تابعی کی ایک یہ روایت ذکر کی ہے کہ صحابۂ کرام اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ آدمی کی موت اچھا عمل کرنے کی حالت میں واقع ہو، مثلاً حج، یا عمرہ،

---

[1] عائشة: من مات صائما أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة (الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي، رقم الحديث ۵۵۵۷، باب الميم)

من مات صائما أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة . (الديلمي عن عائشة) .

(كنز العمال، رقم الحديث ۲۳۶۴۳، كتاب الصوم من قسم الأقوال، الباب الأول: في صوم الفرض، الفصل الأول: في فضل الصوم مطلقا)

یا جہاد، یا رمضان کا روزہ رکھ کر۔ [1]

لیکن اولاً تو یہ حضرت خیثمہ کی روایت ہے، جو کہ تابعی ہیں، یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ [2]

دوسرے اس روایت میں نیک عمل کرنے کی حالت میں، یا نیک عمل کر کے فوت ہونے کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے، جس میں ایک نیک عمل رمضان کا روزہ بھی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی مومن رمضان کے روزہ کی حالت میں، یا رمضان کا روزہ رکھ کر فوت ہو، تو اس نیک عمل کی برکت سے اس کے حسنِ خاتمہ کی امید ہے، کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار خاتمہ کی حالت کا ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا أبو حامد بن جبلة، ثنا محمد بن إسحاق، ثنا محمد بن الصباح، ثنا سفيان، عن مالک، عن طلحة، قال: قال خيثمة: كان يعجبهم أن يموت الرجل عند خير يعمله، إما حج، وإما عمرة، وإما غزوة، وإما صيام رمضان(حلية الاولياء لابی نعيم ، ج۴ص۱۱۵، تحت ترجمة :خيثمة بن عبد الرحمن ومنهم المطعم للإخوان، والمكرم للخلان: خيثمة بن عبد الرحمن .كان بالنعم واثقا، وللقائه تائقا .وقيل: إن التصوف الانتفاء من الأعراض للابتغاء من الأعواض)

[2] خيثمة بن عبد الرحمن بن أبی سبرة بفتح المهملة وسكون الموحدة الجعفی الكوفی ثقة وكان يرسل من الثالثة مات بعد سنة ثمانين (تقريب التهذيب، ج ا ص۲۷۷، رقم الترجمة ۱۷۷۹)

[3] عن سهل بن سعد الساعدی، قال: نظر النبی صلى الله عليه وسلم إلى رجل يقاتل المشركين، وكان من أعظم المسلمين غناء عنهم، فقال: من أحب أن ينظر إلى رجل من أهل النار، فلينظر إلى هذا فتبعه رجل، فلم يزل على ذلک حتى جرح، فاستعجل الموت، فقال بذبابة سيفه فوضعه بين ثدييه، فتحامل عليه حتى خرج من بين كتفيه، فقال النبی صلى الله عليه وسلم: إن العبد ليعمل، فيما يرى الناس، عمل أهل الجنة وإنه لمن أهل النار، ويعمل فيما يرى الناس، عمل أهل النار وهو من أهل الجنة، وإنما الأعمال بخواتيمها(صحيح البخاری، رقم الحديث ۶۴۹۳)

عن سهل بن سعد: أن رجلا من أعظم المسلمين غناء عن المسلمين، فی غزوة غزاها مع النبی صلى الله عليه وسلم، فنظر النبی صلى الله عليه وسلم فقال: من أحب أن ينظر إلى الرجل من أهل النار فلينظر إلى هذا فاتبعه رجل من القوم، وهو على تلک الحال من أشد الناس على المشركين، حتى جرح، فاستعجل الموت، فجعل ذبابة سيفه بين ثدييه حتى خرج من بين كتفيه، فأقبل الرجل إلى النبی صلى الله عليه وسلم مسرعا، فقال: أشهد أنک رسول الله، فقال: وما ذاک قال: قلت لفلان: من أحب أن ينظر إلى رجل من أهل النار فلينظر إليه وكان من أعظمنا غناء عن المسلمين، فعرفت أنه لا يموت على ذلک، فلما جرح استعجل الموت فقتل نفسه، فقال النبی صلى الله عليه وسلم عند ذلک: إن العبد ليعمل عمل أهل النار وإنه من أهل الجنة، ويعمل عمل أهل الجنة وإنه من أهل النار، وإنما الأعمال بالخواتيم(صحيح البخاری، رقم الحديث ۶۶۰۷)

لیکن اس سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ کوئی شخص نیک عمل نہ کرے، بلکہ وہ مثلاً رمضان کا فرض روزہ بھی ترک کردے، اور وہ صرف رمضان کے مہینہ میں کسی وقت فوت ہوجائے، تو وہ نیک عمل کیے بغیر، بلکہ رمضان کی بے حرمتی کرکے فوت ہونے پر ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے محفوظ ہوجائے؟

اس طرح کا عقیدہ ونظریہ مذکورہ روایت سے ثابت شدہ موقف کے مطابق وموافق ہونے کے بجائے اس کے بالکل خلاف ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

بعض حضرات نے رمضان کے مہینہ میں فوت ہونے کی صورت میں، یا رمضان کے مہینہ میں عذاب نہ ہونے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ماہِ رمضان کے اندر جنت کے دروازے کھول دیے اور جہنم کے دروازے بند کردیے جانے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

حالانکہ اس طرح کا عقیدہ ونظریہ نہ تو اس حدیث سے ثابت ہوتا، اور نہ کسی اور مستند

---

[1] چنانچہ فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

''حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جب رمضان شریف داخل ہوتا ہے، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں الخ'' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رمضان شریف میں مرتا ہے، وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم و علمه اتم و احکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ،

صحیح: عبداللطیف، ۳۰ ذیقعدہ ۵۸ھ

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج:۱ص:۶۳۰، کتاب الإیمان والعقائد، باب العقائد، مایتعلق باحوال القبور والارواح ''روح اور قبر کے احوال کا بیان''، بعنوان: جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی، سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء)

حدیث سے ثابت ہوتا۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّۃِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۲۷۷، کتاب الصوم، باب: هل یقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأی کله واسعا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے (بخاری)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اولاً تو جنت کے دروازے کھول دیے جانے سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھول دیے جانے کو بھی مراد لینا ممکن ہے، اسی وجہ سے بعض روایات میں آسمان کے دروازے، اور بعض روایات میں رحمت کے دروازے کھول دیے جانے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

---

[1] یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ محمودیہ ہی میں مذکورہ فتویٰ کے بعد کی تاریخ کا ایک سوال اور جواب درجِ ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

"رمضان میں فوت ہونے والے سے سوال نکیرین اور عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے اور پھر قیامت تک عذابِ قبر نہیں ہوتا، کیا اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کی تصریح کسی حدیث میں دیکھنا محفوظ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دار العلوم دیوبند، ۹،۱۰،۸۵ھ۔"

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج:اص:۶۳۱، کتاب الإیمان والعقائد، باب العقائد، مایتعلق باحوال القبور والارواح "روح اور قبر کے احوال کا بیان"، بعنوان: رمضان میں مرنے والے سے سوالِ قبر، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی، سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ (صحيح البخاری، رقم الحديث ١٨٩٩، كتاب الصوم، باب: هل يقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأى كله واسعا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان شروع ہوتا ہے، تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور شیطانوں کو قید کردیا جاتا ہے (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ١٠٧٩، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان، سنن النسائی، رقم الحديث ٢١٠٠)

ترجمہ: (رمضان کی آمد پر) رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (مسلم)

دوسرے جنت، یا رحمت وغیرہ کے دروازے کھول دیے جانے اور جہنم کے دروازے بند کردیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو مومن بندے نیک عمل کرکے اور گناہوں سے بچ کر اور توبہ واستغفار کرکے جنت میں جانا، یا جنت کا مستحق بننا چاہیں، تو ان کے لیے رمضان کے پورے مہینے میں یہ مواقع بہت آسانی سے میسر ہوتے ہیں، اور جنت کے راستوں پر چلنا آسان وسہل اور جہنم کے راستوں پر چلنا مشکل ہوتا ہے۔

اسی بات کو دروازے کھلنے اور بند کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] فتحت "بالتخفيف، وهو أكثر كما فى التنزيل، وبالتشديد لتكثير المفعول "أبواب السماء "قيل :فتحها كناية عن تواتر نزول الرحمة وتوالى طلوع الطاعة، ويؤيده رواية أبواب الرحمة، قال الزركشى :إلا أن يقال :إن الرحمة من أسماء الجنة، قال :والأظهر أنه على الحقيقة لمن مات فيه أو عمل عملا لا يفسد عليه، (وفى رواية " :فتحت أبواب الجنة ") ، وهو كناية عن فعل ما يؤدى إلى دخولها "وغلقت "بالتشديد أكثر "أبواب جهنم "وهو كناية عن امتناع ما يدخل إليها، لأن الصائم يتنزه عن الكبائر، ويغفر له ببركة الصيام الصغائر، وقد ورد :الصيام جنة ، قال التوربشتى :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جو اہلِ ایمان رمضان کے روزے رکھنے والے اس ماہ میں فوت ہوجائیں، ان کو اللہ روزوں کی برکت سے جنت کا مستحق اور جہنم سے محفوظ کر دیتا ہے، نہ یہ کہ ہر شخص، یہاں تک کہ فاسق وفاجر بھی، رمضان میں عذابِ قبر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فتح أبواب السماء كناية عن تنزيل الرحمة، وإزالة الغلق عن مصاعد أعمال العباد تارة ببذل التوفيق، وأخرى بحسن القول، وغلق أبواب جهنم عبارة عن تنزه أنفس الصائم عن رجس الفواحش، والتخلص من البواعث على المعاصي بقمع الشهوات، فإن قيل :ما منعكم أن تحملوا على ظاهر المعنى؟ قلنا :لأنه ذكر على سبيل المن على الصوام وإتمام النعمة عليهم فيما أمروا به وندبوا إليه، حتى صار الجنان فى هذا الشهر كأن أبوابها فتحت، ونعيمها أبيحت، والنيران كأن أبوابها غلقت وأنكالها عطلت، وإذا ذهبنا فيه إلى الظاهر لم يقع المن موقعه، ويخلو عن الفائدة لأن الإنسان ما دام فى هذه الدنيا فإنه غير ميسر لدخول إحدى الدارين(مرقاة المفاتيح ج۴ص ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، كتاب الصوم)

[1] ومعنى الباب إنما هو سبيل وطريق إلى فعل فعل كان سببا إلى فتح أبواب الجنة وغلق أبواب النار عنه؛ لأنه لا يدخل الإنسان الجنة والنار إلا بالفرج والنظر والبطن، فإذا عف، قيل :فتحت له أبواب الجنة، وإذا أساء ، قيل :فتحت له أبواب النار، فإذا كان فى شهر رمضان أمسك عن الطعام والشراب والمعاصى، فكأن أبواب النار غلقت عن هذا وفتحت له أبواب الجنة.

وكذلک قال أكثر الناس :إن معنى" :فتحت أبواب الجنة "أى كثرت الطاعات، "وغلقت أبواب النار "أى انقطعت المعاصى وقلت، وضربت لذلک الأبواب فى الوجهين مثلا.

قال الإمام الحافظ أبو بكر بن العربى :هذا مجاز جائز لا يقطع الحقيقة ولا يعارضها، وكلا المعنيين صحيح مليح موجودان(المسالِک فى شرح مُوَطا مالک،للقاضى ابن العربى المعافرى الاشبيلى، ج۴ص ۲۴۶، ۲۴۷، كتاب الصيام، باب جامع الصيام)

وفيه :(غلقت أبواو جهنم) وذلک كناية عن تنزه أنفس الصوام عن رجس الفواحش والتخلص من البواعث على المعاصى بقمع الشهوات، وإنما قال غلقت بالتشديد ولم يقل أغلقت؛ إرادة للمبالغة فى إتمام هذه المنة على الصوام .

فإن قيل ما منعكم أن تحملوه على ظاهر المعنى؛ قلنا :لأنه ذكر على سبيل المن على صوام شهر رمضان وإتمام النعمة عليهم فيما أمروا به وندبوا إليه، حتى صارت الجنان فى هذا الشهر كأن أبوابها فتحت ونعمها أبيحت، والنيران كأن أبوابها غلقت وأنكالها عطلت، والفائدة فى ذلک بينة ظاهرة .وإذا ذهبنا فيه إلى الظاهر لم تقع المنة موقعها من الأول بل تخلو عن الفائدة؛ لأن الإنسان مادام فى هذه الدار فإنه غير ميسر لدخول إحدى الدارين، فأى فائدة فى فتح أبواب الجنة وإغلاق أبواب النار، اللهم أن يحمل الأمر فيهما، على الظاهر على أنه تحقيق المعنى وتقرير أن يكون المفتوحة فى المعنى مفتوحة فى ظاهر الأمر، وعلى هذا المغلقة، أو يحمل ذلک على أن الأمر فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں ہر دن زوال کے وقت جہنم کے دروازے کھول دیے جانے کا ذکر آیا ہے۔

لیکن اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ روزانہ زوال کے علاوہ چونکہ جہنم کے دروازے بند رہتے ہیں، اس لیے روزانہ صرف زوال کے وقت تو عذابِ قبر ہوتا ہے، اور دوسرے اوقات میں مثلاً صبح وشام کے اوقات میں عذاب نہیں ہوتا، یا زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں فوت ہونے والا عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ یہ بات خود قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں فرعون اور اس کی آل کو صبح وشام عذاب پر پیش کیے جانے کا ذکر ہے، جس سے برزخ کا عذاب ہی مراد ہے، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ رمضان کے مہینے میں کسی بھی شخص کے فوت ہونے پر اس سے تا قیامت عذاب اٹھالیے جانے، یا رمضان کے مہینے میں تمام مُردوں سے خواہ وہ کافر ہوں، عذاب اٹھالیے جانے کا عقیدہ شریعت کی کسی مضبوط دلیل سے ثابت نہیں۔

اور اس سلسلہ میں پیش کردہ دلائل سے مذکورہ موقف ثابت نہیں ہوتا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كليهما متعلق بمن مات من صوام رمضان من صالحى أهل الإيمان وعصاتهم الذين استحقوا العقوبة، فإذا فتحت على أولئک تلک الأبواب كل الفتح أتاهم من روحها ونعيمها فوق ما كان يأتيهم، وإذا غلقت عن الآخرين أبواب النار لم يصيبهم من لفحها ومن سمومها؛ تنبيها على بركة هذا الشهر المبارک وتبينا لنا فنره(الميسر فى شرح مصابيح السنة،لشهاب الدين التُّورِبِشْتِى "المتوفى 661 :هجرى"ج۲،ص۴۵۶، كتاب الصوم)

(باب نمبر 2)

بروز جمعہ عذابِ قبر سے حفاظت کی تحقیق

گزشتہ باب میں ماہِ رمضان میں عذابِ قبر سے حفاظت کی تحقیق پیش کی گئی، اب جمعہ کے دن عذابِ قبر سے حفاظت کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

جمعہ کے دن کے بڑے عظیم الشان فضائل ہیں، جن کی تفصیل ہم نے اپنی مفصل و مدلل تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ محض جمعہ کے دن، یا جمعہ کی نماز کے مثلاً اِن جیسے فضائل کو لے کر، جمعہ کا دن باعثِ فضیلت ہے اور اس دن میں بڑے بڑے واقعات مثلاً آدم علیہ السلام کی ولادت اور وفات ہوئی، اس دن قیامت قائم ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ جمعہ کے دن برزخ وقبر میں عذاب نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ دعویٰ خاص ہو، تو دلیل کا خاص ہونا بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔

البتہ کئی روایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت، یا شہادت کا اجر پانے کا ذکر ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات نے ان احادیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے مجموعی طور پر جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت والی روایات کو حسن اور قابلِ اعتبار قرار دیا ہے، البتہ بعض احادیث وروایات کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر احادیث وروایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے پر نفسِ عذابِ قبر، یا فتنۂ قبر سے حفاظت وبرائت کا تو ذکر ہے، لیکن ان میں یہ صراحت نہیں کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا صرف جمعہ کے دن تک عذاب سے محفوظ رہتا ہے، یا پھر تا قیامت محفوظ ہوجاتا ہے، اور محفوظ ہر طرح

کے عذاب سے ہوتا ہے، یا صرف مخصوص وشدید عذاب سے محفوظ ہوتا ہے؟ اس لئے محدثین واہلِ علم حضرات کے اس بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ کئی قسم کے نیک اعمال پر جنت کے حصول اور جہنم سے حفاظت کا ذکر آیا ہے، بلکہ خود کلمہ ’’لا الٰــــہ الا اللہ‘‘ پڑھنے پر بھی جنت کے واجب ہونے کا ذکر آیا ہے، لیکن محض ان اعمال، یا ایمان کی وجہ سے علی الاطلاق جنت کا مستحق ہونے اور علی الاطلاق جہنم سے محفوظ ہونے کا حکم لگانے کے بجائے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ شخص مومن ومطیع تھا، یا توبہ کرکے، یا دوسرے اعمالِ صالحہ کرکے فوت ہوا، تو ابتداء سے ہی جنت کا مستحق اور جہنم سے محفوظ ہوجائے گا، ورنہ اصولی طور پر اپنے گناہوں کی سزا پاکر جنت کا مستحق ہوگا۔

وہ الگ بات ہے کہ اللہ اپنے فضل سے سزا دیے بغیر جنت میں داخل فرمادے۔

اسی طرح اگر ایمان اور دوسرے بہت سے اعمالِ صالحہ کی طرح جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت کی بھی تشریح وتوضیح کی جاتی، تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تھی، لیکن جب اس باب میں دوسرے ابواب کے برعکس اعمالِ صالحہ اور توبہ کی قیود ہٹا کر محض جمعہ کے دن فوت ہونے پر ہر فاسق وفاجر اور عذابِ قبر کے اسباب واعمال میں مبتلا اشخاص کو بھی تاقیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا عقیدہ بنایا گیا، اور اس کی تبلیغ وتشہیر کی جانے لگی، تو پھر اس پر کئی طرح کے شبہات واعتراضات اور مفاسد ومنکرات لازم آئے۔

آگے الگ الگ فصلوں میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(فصل نمبر 1)

جمعہ کے دن جہنّم کو تیز نہ کیے جانے کی روایات

بعض حضرات نے جمعہ کے دن کسی بھی مُردہ کو یہاں تک کہ کافر کو عذاب نہ ہونے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ جمعہ کے دن جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، یعنی تیز نہیں کیا جاتا۔

اورانہوں نے اس سلسلہ میں بعض روایات کا حوالہ دیا ہے۔

مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان روایات کی سندوں پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور ان کو ضعیف، یا شدید ضعیف قرار دیا ہے، اور اگر ان روایات کو سند کے اعتبار سے معتبر مانا جائے، تو بھی ان سے مذکورہ مدعا ثابت ہونے کے بجائے، جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل وغیرہ کا مکروہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ کئی مستند احادیث میں ہر دن زوال کے وقت ہی جہنم کو دہکائے جانے اور اس کی وجہ سے اس وقت نماز کے مکروہ ہونے کا ذکر آیا ہے، اور جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کا ذکر بھی اس دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ نہ ہونے کی علت کے طور پر آیا ہے، نہ کہ اس دن عذابِ قبر نہ ہونے کی علت کے طور پر۔

یہی وجہ ہے کہ بعض فقہائے کرام نے جمعہ کے دن جہنم کے دہکائے نہ جانے کی روایات کو سند کے اعتبار سے نا قابلِ استدلال قرار دیا، اور جنہوں نے قابلِ استدلال قرار دیا، انہوں نے ان روایات سے جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ نہ ہونے پر ہی استدلال کیا۔

ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت

امام طبرانی نے احمد بن محمد بن ہاشم بعلبکی سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور حسین بن

اسحاق تستری سے، انہوں نے **علی بن بحر** سے، انہوں نے **سوید بن عبدالعزیز** سے، انہوں نے **نعمان بن منذر** سے، انہوں نے **مکحول** سے، انہوں نے **عبداللّٰہ بن عمرو** سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کو ہر اس دن دہکایا جاتا ہے، جس دن اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں، سوائے جمعہ کے، کیونکہ جمعہ کے دن جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، اور نہ ہی اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ [۱]

اس روایت کو ابونعیم اصبہانی نے بھی "**حلیۃُ الاولیاء**" میں روایت کیا ہے، لیکن ابونعیم اصبہانی نے اس روایت کو عبداللہ بن عمرو بن العاص اور مکحول کی حدیث سے "**غریب**" قرار دیا ہے۔ [۲]

اس روایت میں "**مکحول**" کی "**عبداللہ بن عمرو**" سے سماعت کا ثبوت نہیں پایا جاتا، اور اس کے علاوہ اس روایت میں "**سوید بن عبدالعزیز**" راوی پائے جاتے ہیں، جن کو اکثر محدثین نے "**ضعیف**" قرار دیا ہے، اور ان پر سخت جرح کی ہے۔ [۳]

---

[۱] حدثنا أحمد بن محمد بن هاشم البعلبكى، ثنا أبى، ح، وحدثنا الحسين بن إسحاق التسترى، ثنا على بن بحر، قالا :ثنا سويد بن عبد العزيز، عن النعمان بن المنذر، عن مكحول، عن عبد الله بن عمرو، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إن جهنم تسعر كل يوم تفتح أبوابها إلا يوم الجمعة ,فإنها لا تسعر فى يوم الجمعة ولا تفتح أبوابها (مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ١٢٥٩)

[۲] حدثنا سليمان بن أحمد، ثنا الحسين بن إسحاق التسترى، ثنا على بن بحر قال: ثنا سويد بن عبد العزيز عن النعمان بن المنذر، عن مكحول، عن عبد الله بن عمرو، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إن جهنم تسعر فى كل يوم، وتفتح أبوابها إلا يوم الجمعة، فإنها لا تسعر يوم الجمعة، ولا تفتح أبوابها(حلية الاولياء لابى نعيم، ج۵ص۱۸۸، تحت ترجمة:مكحول الشامى ومنهم الإمام الفقيه الصائم المهزول إمام أهل الشام أبو عبد الله مكحول)

قال ابونعيم: غريب من حديث عبد الله ومكحول، لم نكتبه إلا من حديث النعمان(حواله بالا)

[۳] قال نبيل سعد الدين سَليم جَرَّار:

سويد بن عبدالعزيز ضعيف، ولا أظن مكحولاً سمع من عبدالله بن عمرو (حاشية الإيماء إلى زوائد الأمالى والأجزاء، ج۴، ص۳۴۵، تحت رقم الحديث ۳۷۲۰، مسند عبدالله بن عمرو بن العاص، الجنائز)

چنانچہ ''سوید بن عبدالعزیز'' کو ابنِ معین نے ایک روایت میں ''ضعیف'' اور ایک روایت میں ''لیس بشیئ'' اور ایک روایت میں ''لیس حدیثه بشیئ'' فرمایا ہے۔

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ ان کی عام احادیث کی ''ثقات'' سے تائید نہیں ہوتی، اور محدثین کی تصریح کے مطابق یہ ''ضعیف'' ہی ہیں۔ [1]

امام احمد بن حنبل نے ایک روایت میں ان کو ''متروکُ الحدیث'' قرار دیا ہے۔

اور محمد بن سعید نے ان کی روایت کردہ احادیث کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔

اور امام بخاری نے بھی ان کی حدیث میں ''مناکیر'' ہونے کا حکم لگایا ہے، اور امام بخاری نے ایک روایت میں فرمایا کہ ''فی حدیثه نظر لا یحتمل''۔

امام نسائی نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا، اور ان کے ثقہ ہونے کی نفی کی۔

اور ابن ابی حاتم نے ان کے متعلق فرمایا کہ ''لین الحدیث، فی حدیثه نظر''۔

اور دحیم نے ان کو ثقہ کہا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''وکانت لهٗ احادیث یغلط فیها'' البتہ ہیثم نے ان کی تحسین کی ہے۔ [2]

---

[1] سوید بن عبد العزیز: أبو محمد – واسطی – سکن حمص، ویقال: دمشق .مولی بنی سلیم.
قال ابن معین: کان قاضیا بدمشق بین النصاری.
ومرة قال: ضعیف .
ومرة قال: لیس بشیء.
ومرة: ولیس حدیثه بشیء.
وقال البخاری: سمع ثابتا عن الضحاک وحصین بن عبد الرحمن ویحیی بن سعید الأنصاری، فی بعض حدیثه نظر.
وقال أحمد: ضعیف.
وقال ابن عدی: وعامة أحادیثه مما لا یتابعه الثقات علیه، وهو ضعیف کما وصفوه(مختصر الکامل فی الضعفاء ، للمقریزی، ص۳۹۸، ۳۹۹،تحت رقم الترجمة ۸۴۷)

[2] ت ق: سوید بن عبد العزیز بن نمیر السلمی ،مولاهم، أبو محمد الدمشقی.
وقیل: أنه حمصی، أصله من واسط، وقیل: من الکوفة......
قال عبد الله بن أحمد بن حنبل :سألت أبی عن سوید بن عبد العزیز فقال: متروک الحدیث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محدثین کے مذکورہ اقوال کے پیشِ نظر اس حدیث کا ضعیف ہونا تو واضح ہے، لیکن اس کو شدید

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال أبو بكر الأثرم: سمعت أبا عبد الله وعنده الهيثم بن خارجة فذكرا سويد بن عبد العزيز، فقال أبو عبد الله للهيثم: كم كانت روايته عن حصين؟ فقال: أربع مئة أو ست مئة .قال أبو عبد الله: فيها أرى يخلط.

فقال: لا، كلها صحاح .فقال أبو عبد الله: أليس فيها سترة الإمام سترة لمن خلفه عن الشعبى، عن مسروق؟ وتبسم كأنه ينكره.

وقال أبو بكر الإسماعيلى: رأيت فى "تاريخ"أبى طالب أنه سأله، يعنى أحمد بن حنبل، عن شىء من حديث سويد عن سعيد بن عبد العزيز، وحفص بن ميسرة فضعف حديث سويد بن عبد العزيز من أجله لا من أجل سويد الأنبارى.

وقال عباس الدورى، وأبو بكر بن أبى خيثمة، وعبد الله بن أحمد الدورقى عن يحيى بن معين: ليس بشىء.

وقال المفضل بن غسان الغلابى ومعاوية بن صالح، عن يحيى: ضعيف.

وقال العلاء، عن يحيى فى موضع آخر: ليس بثقة.

وقال إبراهيم بن عبد الله بن الجنية، عن يحيى: ليس بثقة.

وقال محمد بن عوف الطائى، عن يحيى: لا يجوز فى الضحايا.

وقال محمد بن سعيد :كان يروى أحاديث منكرة.

وقال البخارى :فى حديثه مناكير أنكرها أحمد.

وقال فى موضع آخر:فى حديثه نظر لا يحتمل.

وقال أبو عبيد الآجرى:سمعت أبا داود قال: قال أبو مسهر: لقينى سويد بن عبد العزيز، فقال: تركت حديثى .فقلت: أو تدع ذاک الرأى.

وقال النسائى :ضعيف.

وقال فى موضع آخر: ليس بثقة.

وقال يعقوب بن سفيان:مستور، وفى حديثه لين.

وقال فى موضع آخر :ضعيف الحديث.

وقال عبد الرحمن بن أبى حاتم، عن أبيه: لين الحديث، فى حديثه نظر.

وقال سعيد بن عمرو البردعى: قال لى أبو حاتم:قلت لدحيم: كان سويد عندک ممن يقرأ إذا دفع إليه ما ليس من حديثه؟ قال: نعم.

وقال عثمان بن سعيد الدارمى، عن دحيم: ثقة، وكانت له أحاديث يغلط فيها.

وقال نعيم بن حماد: كان هشيم يحسن أمره.

وقال على بن حجر: سألت هشيما، قلت: شيخ من أهل واسط بالشام يقال له: سويد بن عبد العزيز؟ فأثنى عليه خيرا (تهذيب الكمال للمزوى، ج۱۲ ص۲۵۵ الیٰ ۲۶۱ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۲۶۴۴)

ضعیف قرار دیا جانا بھی جمہور محدثین کے اقوال کے پیشِ نظر قابلِ اعتراض نہیں، اور اس حدیث کی بنیاد پر کوئی اہم عقیدہ بنالینا، بہرحال درست نہیں۔

اور اگر بالفرض اس روایت کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا جائے، تو پھر دوسری احادیث میں جس حکم کے ذیل میں بطور علت کے جمعہ کے دن جہنم کے دہکائے نہ جانے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کو نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت

ابوداؤد نے محمد بن عیسیٰ سے، انہوں نے حسان بن ابراہیم سے، انہوں نے لیث سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے ابو الخلیل سے، انہوں نے ابوقتادہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار (یعنی زوال) کے وقت نماز کو مکروہ قرار دیا، سوائے جمعہ کے دن کے، اور فرمایا کہ جہنم کو جمعہ کے دن دہکایا نہیں جاتا۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ''مرسل'' قرار دیا، اور فرمایا کہ:

''ابوالخلیل نے ابوقتادہ سے سماعت نہیں کی''۔ [1]

نیز اس حدیث کی سند میں ''لیث بن ابی سلیم'' کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جس کے پیشِ نظر یہ حدیث ''ضعیف'' قرار دی گئی ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا محمد بن عيسى، حدثنا حسان بن إبراهيم، عن ليث، عن مجاهد، عن أبى الخليل،عن أبى قتادة، عن النبى صلى الله عليه وسلم، أنه كره الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة، وقال :إن جهنم تسجر إلا يوم الجمعة، قال أبو داود :هو مرسل، مجاهد أكبر من أبى الخليل، وأبو الخليل، لم يسمع من أبى قتادة(سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ١٠٨٣، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة ،باب الصلاة بوم الجمعة قبل الزوال)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لضعف ليث – وهو ابن أبى سليم – ثم إنه مرسل، لأن أبا الخليل –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ ابنِ ملقن نے ''البدر المنیر ''میں اس حدیث کو چار وجوہات کی بناء پر ''معلول'' قرار دیا ہے۔ [1]

اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے ''تلخیص الحبیر ''میں اس حدیث کو ''مرسل ''اور ''لیث

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واسمه صالح بن أبى مريم الضبعى– لم يسمع من أبى قتادة كما قال المصنف بإثر الحديث، وكذلك قال الترمذى .مجاهد: هو ابن جبر المكى.
وأخرجه الطبرانى فى "الأوسط(7725) "، والبيهقى 464 /2، والخطيب فى "تاريخ بغداد 260 /8 "من طريق حسان بن إبراهيم، بهذا الإسناد (حاشية سنن ابى داوٗد، تحت رقم الحديث ۱۰۸۳)

[1] هذا الحديث رواه أبو داود فى سننه من حديث حسان بن إبراهيم، عن ليث – وهو ابن أبى سليم – عن مجاهد، عن أبى الخليل عبد الله بن الخليل، عن أبى قتادة، عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه كره الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة، وقال: [إن] جهنم تسجر إلا يوم الجمعة .
وذكره الأثرم فى ناسخه (ومنسوخه) وقال: (فإن جهنم تسجر كل يوم نصف النهار، إلا يوم الجمعة) .
وهذا حديث معلول من أوجه:
أحدها: انقطاعه فيما بين أبى الخليل وأبى قتادة، نص عليه غير واحد .قال أبو داود: هو مرسل أبو الخليل لم يسمع من أبى قتادة، ومجاهد (أكبر) من أبى الخليل .وقال الأثرم فى ناسخه ومنسوخه : إنه معلول بأوجه؛ منها أن أبا الخليل لم يلق (أبا) قتادة (ورده) أيضا بالإرسال عبد الحق فى أحكامه والرافعى فى شرح المسند .
ثانيها: الطعن فى (راويه) وهو ليث بن أبى سليم، وقد أسلفنا كلام الحفاظ فيه فى باب الوضوء فى الكلام على حديث الفصل بين المضمضة والاستنشاق، وأعله به الأثرم فى ناسخه ومنسوخه وقال: أخبرت عن أبى عبد الله – يعنى: أحمد بن حنبل – أنه قدم جابر الجعفى عليه فى صحة الحديث .
ثالثها: أن منهم من (يوقفه) ذكره ابن عبد البر فى تمهيده حاكيا (له) عن بعضهم.
رابعها: ذكره الأثرم أيضا حيث قال: إنه لم يروه غير حسان بن إبراهيم.
قلت: هو (الكرمانى) قاضى كرمان من رجال الصحيحين، ووثقه أحمد وأبو زرعة وابن معين.)وقال) ابن عدى: قد حدث بإفرادات كثيرة، وهو عندى من أهل الصدق، إلا أنه يغلط فى الشيء، وليس (ممن) يظن به أنه يتعمد فى باب الرواية إسنادا ومتنا؛ وإنما هو وهم منه، وهو عندى لا بأس به .وقال ابن حبان: ربما أخطأ .وقال النسائى: ليس بالقوى.
(فائدة: تسجر – بالسين المهملة والجيم – توقد، قال الجوهرى: سجرت التنور أسجره سجرا إذا أحميته، ومنه: (وإذا البحار سجرت) (البدرالمنير فى تخريج الأحاديث والأثار الواقعة فى الشرح الكبير، ج۳ص ۲۷۲، ۲۷۳، كتاب الصلاة، باب اوقات الصلاة، الحديث الرابع بعد الأربعين)

بن ابی سلیم'' کی وجہ سے ''ضعیف'' قرار دے کر فرمایا کہ ''امام احمد نے جابر جعفی کو ان پر ترجیح دی ہے'' (جبکہ جابر جعفی، خود کمزور راوی ہیں) [1]

اور علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے ''ذخیرۃ الحفاظ'' میں اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے۔ [2]

نیز ناصر الدین البانی صاحب نے اس حدیث کو ''انقطاع'' اور لیث کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [3]

اور اگر پھر بھی کوئی اس حدیث کو معتبر قرار دینے پر زور دے، تو پھر اس حدیث سے اصل مسئلہ

---

[1] أبو داود والأثرم من حديث أبي قتادة ، وقال :مرسل ؛ أبو الخليل لم يسمع من أبي قتادة ، وفيه ليث بن أبي سليم وهو ضعيف ، قال الأثرم :قدم أحمد ، جابر الجعفي عليه في صحة الحديث (تلخيص الحبير في أحاديث الرافعي الكبير، ج ۱، ص ۴۸۰، تحت رقم الحديث ۲۷۴، كتاب الصلاة، باب اوقات الصلاة)

[2] حديث : الصلاة نصف النهار تكره إلا يوم الجمعة ، لأن جهنم كل يوم تسجر إلا يوم الجمعة .رواه حسان بن إبراهيم : عن ليث ، عن مجاهد ، عن أبي الخليل ، عن ابى قتادة .قال أحمد بن حفص السعدى : ذكر لأحمد بن حنبل هذا الحديث فقال : ذاك يروى عن المقبرى ، مرسل ، ولم يعبأ به .(ذخيرة الحفاظ ، ج۳ص ۱۵۵۱ ، تحت رقم الحديث ۳۴۴۴)

[3] باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال عن ليث عن مجاهد عن أبي الخليل عن أبي قتادة عن النبي صلى الله عليه وسلم :أنه كره الصلاة نصف النهار؛ إلا يوم الجمعة .وقال ":إن جهنم تسجر؛ إلا يوم الجمعة ."قال أبو داود " :هو مرسل؛ مجاهد أكبر من أبي الخليل، وأبو الخليل لم يسمع من أبي قتادة ."(قلت :هو مع إرساله ضعيف؛ ليث -هو ابن أبي سلُيم -وكان اختلط) . ؟إسناده: حدثنا محمد بن عيسى :ثنا حسّان بن إبراهيم عن ليث.

قلت :وهذا إسناد ضعيف؛ فيه علتان .الأولى :الانقطاع بين أبي الخليل وأبي قتادة -كما ذكر المؤلف، وأقره المنذري في "مختصره (۱۵/۲) "والأخرى :ليث -وهو ابن أبي سليم، -وهو ضعيف لسوء حفظه واختلاطه .والحديث أخرجه ابن عدي في "الكامل (۱/۹۹) "، والبيهقي (۱۹۳/۳)من طريقين آخرين عن حسان بن إبراهيم الكرماني ...به. وللحديث شاهد من حديث أبي هريرة:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس؛ إلا يوم الجمعة . أخرجه الشافعي(۱۴۸/۵۲/۱)عن إبراهيم بن محمد قال :حدثني إسحاق ابن عبد الله عن سعيد المقبري عنه . وهذا سند ضعيف جداً من أجل إبراهيم بن محمد وإسحاق؛ فإنهما متروكان. لكن هذا القدر صحيحُ المعنى؛ كما بينه العلامة ابن القيم في "زاد المعاد" (ضعيف ابى داؤد، تحت رقم الحديث ۲۰۰، كتاب الصلاة، باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز کے مکروہ نہ ہونے کا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ جمعہ کے دن کسی بھی کافر و مسلم کو قبر و برزخ میں عذاب نہ ہونے کا۔

اصل مسئلہ کو نظر انداز کر کے بلکہ اس کی تردید کر کے اس حدیث کے صرف ایک حصہ کو لے کر اس سے ایسی چیز کو ثابت کرنے کے درپے ہونا کہ جو نہ اس حدیث کا مدلول ہو، نہ ہی مطمحِ نظر، سخت حیرت کی بات کہلائے جانے کی مستحق ہوگی۔

واثلہ رضی اللہ عنہ کی روایت

امام طبرانی نے ''بشر بن عون'' کی سند سے، ''بکار بن تمیم'' سے، مکحول کی حضرت واثلہ سے مروی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کے لیے اذان کیوں دی جاتی ہے، جبکہ تمام دنوں میں اس سے منع کیا گیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بے شک اللہ، جہنم کو ہر دن زوال کے وقت دہکاتا ہے، اور جمعہ کے دن اس کو بجھا دیتا ہے۔ [1]

لیکن مذکورہ روایت میں ''بشر بن عون'' راوی کے بارے میں ابنِ حبان نے فرمایا کہ ''اس نے ''بکار بن تمیم'' سے، انہوں نے مکحول سے، انہوں نے واثلہ سے چھ سو

---

[1] حدثنا الوليد بن حماد الرملي، ثنا سليمان بن عبد الرحمن، ثنا بشر بن عون، ثنا بكار بن تميم، عن مكحول، عن واثلة قال :سأل سائل رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بال يوم الجمعة يؤذن فيها بالصلاة في نصف النهار وقد نهيت عن سائر الأيام؟، فقال : إن الله يسعر جهنم كل يوم في نصف النهار، و يخبتها في يوم الجمعة(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۴۴، ج۲۲ ص۶۰)

حدثنا الوليد بن حماد الرملي، ثنا سليمان بن عبد الرحمن، ثنا بشر بن عون، ثنا بكار بن تميم، عن مكحول عن واثلة، سأل سائل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال :يا رسول الله، ما بال يوم الجمعة يؤذن فيها بالصلاة في نصف النهار، وقد نهيت عن سائر الأيام؟ فقال :إن الله يسعر جهنم كل يوم في نصف النهار، ويخبتها في يوم الجمعة(مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۳۳۹۳)

احادیث کو روایت کیا ہے، جو تمام کی تمام موضوع اور من گھڑت ہیں، جن سے کسی حال میں احتجاج جائز نہیں"۔ [1]

نیز اس روایت میں "بشر بن عون" کے شیخ "بکار بن تمیم" بھی مجہول ہیں۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الكبير، وفيه بشر بن عون قال ابن حبان :روى مائة حديث كلها موضوعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٣٣٧١، باب الصلاة يوم الجمعة عند الزوال)

و قال ابن حبان:

بشر بن عون القرشي الشامي يروى عن بكار بن تميم عن مكحول روى عنه سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي روى عن بكار بن تميم عن مكحول عن واثلة نسخة فيها ستمائة حديث كلها موضوعة لا يجوز الاحتجاج به بحال (المجروحين، ج ١، ص ١٩٠، باب الباء، تحت رقم الترجمة: ١٣٣)

[2] قال ابن حجر:

بشر بن عون القرشي.شامي.

عن بكار بن تميم، عن مكحول.

وعنه سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي نسخة نحو مئة حديث كلها موضوعة.

منها: السيف والقوس في السفر بمنزلة الرداء.

ومنها: السحاق زنا النساء.

وهذه النسخة كلها عن مكحول، عن واثلة قاله ابن حبان وقال: حدثنا بالنسخة ابن قتيبة بعسقلان، حدثنا عبد الله بن الحسن الليثي، حدثنا سليمان بن عبد الرحمن.

أخبرنا أحمد بن هبة الله، أنبأنا عبد الرحيم بن السمعاني، أخبرنا أبو الأسعد بن القشيري، أخبرنا موسى بن عمران، أخبرنا محمد بن الحسين العلوي، أخبرنا محمد بن حمدويه الغازي، حدثنا عبد الله بن حماد الآملي، حدثنا سليمان بن عبد الرحمن، حدثنا بشر بن عون من قرية جوبر، حدثنا بكار بن تميم، عن مكحول، عن واثلة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مثل الجمعة مثل قوم غشوا ملكا فنحر لهم الجزر ثم جاء قوم فذبح لهم البقر ثم جاء قوم فذبح لهم الغنم ثم جاء قوم فذبح لهم الدجاج ثم جاء قوم فذبح لهم العصافير، انتهى .

وقال أبو حاتم: مجهول .ونقل ابنه عنه في ترجمة بكار بن تميم وعنه بشر بن عون: مجهولان.

وذكر ابن طاهر في تكملة الإكمال أن أحاديثه نسخة موضوعة (لسان الميزان، ج٢، ص ٣٠٤، ٣٠٥، تحت رقم الترجمة ١٤٩٥، حرف الباء، من اسمه بشر)

جس کی وجہ سے بعض حضرات نے مذکورہ روایت کو سند کے اعتبار سے موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے۔ [1]

غرضیکہ اولاً تو مذکورہ روایات میں سے بعض سند کے اعتبار سے ''شدید ضعیف'' یا ''ضعیف'' ہیں۔ [2]

دوسرے ان روایات کو معتبر مانا جائے، تو ان میں جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کو، جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ نہ ہونے کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، جس کی کئی اہلِ علم حضرات نے تصریح کی ہے۔ [3]

---

[1] (إن الله تعالى يسعر) أى يشدد لهب (جهنم كل يوم فى نصف النهار) أى وقت الاستواء (ويخبتها فى يوم الجمعة) لما خص به ذلك اليوم من عظيم الفضل وتفضيله على سائر الأيام ولعظم صلاة الجمعة الواقعة فيه حالتئذ ومن ثم ذهب الشافعية إلى عدم انعقاد صلاة لا سبب لها فى وقت الاستواء وحرمتها إلا يوم الجمعة فتنعقد ولا تحرم وساعة الإجابة مبهمة فى يوم الجمعة فلا يناسب المنع من العبادة والدعاء رجاء مصادفتها.

(طب عن واثلة) بن الأسقع قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بال يوم الجمعة يؤذن قبلها بالصلاة نصف النهار وقد نهيت فى سائر الأيام فذكره قال الهيثمى فيه بشر بن عون قال ابن حبان روى مئة حديث كلها موضوعة انتهى فكان على المصنف حذفه من الكتاب(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، ج۲ص ۳۳۰، تحت رقم الحديث ۱۹۱۲)

(طب) عن واثلة.قلت :هذا من نسخة بشر بن عون عن بكار بن تميم عن مكحول عن واثلة، وهى نسخة نحو مائة حديث كلها موضوعة كما قال ابن حبان، وسبب ورود الحديث ظاهر فى وضعه، فيلام المصنف على إيراده(المداوى لعلل الجامع الصغير وشرحى المناوى،لأحمد بن محمد بن الصدِّيق الغُمَارِى،ج۲،ص ۳۷۱،تحت رقم الحديث ۱۹۱۲/۹۲۵،حرف الهمزة)

[2] فإن قيل :روى أبو داود :عن مجاهد، عن أبى الخليل، عن أبى قتادة رضى الله عنه، عن النبى (صلى الله عليه وسلم) " : أنه كره الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة، وقال :إن جهنم تسجر إلا يوم الجمعة."

قيل له :هذا حديث منقطع، لأن أبا الخليل لم يسمع من أبى قتادة، فلا يعارض المسند المتصل(اللباب فى الجمع بين السنة والكتاب،لابى محمد جمال الدين الخزرجى المنبجى، ج۱،ص ۱۹۱،باب يكره التنفل بعد الفجر وبعد العصر)

[3] قال المناوى:

(الصلاة نصف النهار) أى عند الاستواء (تكره) تحريما لا تنزيها على الأصح وعليهما فلا تنعقد عند الشافعية (إلا يوم الجمعة) فإنها لا تكره (لأن جهنم كل يوم تسجر) أى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس طرح کی روایات کو معتبر قرار دیا جائے، تو یہ حنفیہ اوراکثر فقہائے کرام کے علاوہ شافعیہ کی دلیل بنتی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

توقد (إلا يوم الجمعة) فإنها لا تسجر فلا تحرم وبه فارقت حالة الاستواء فى بقية الأيام(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۴ص ۲۴۶، تحت رقم الحديث ۵۱۷۹)

و قال العينى:

واستثنى الشافعي وأبو يوسف يوم الجمعة خاصة لأن جهنم لا تسجر فيه، وفيه حديث لأبى داود :إن جهنم تسجر فيه إلا يوم الجمعة، وفيه انقطاع(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۵،ص ۸۳، كتاب مواقيت الصلاة،باب من لم يكره الصلاة ألا بعد العصر والفجر)

و قال ايضاً:

قوله" :تسجر "أى :إلا يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم، فلا تكره فيه الصلاة نصف النهار، هذا حاصل معنى الحديث، وهو من جملة متمسك من يجوز الجمعة قبل الزوال(شرح سنن أبى داود، لبدر الدين العينى، ج۴،ص ۴۲۲، كتاب الصلاة،باب : الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال)

و قال الصنعانى:

الصلاة نصف النهار تكره إلا يوم الجمعة؛ لأن جهنم كل يوم تسجر إلا يوم الجمعة ." (عد) عن أبى قتادة (ض)."

(الصلاة) أى نافلة .(نصف النهار) أى وسطه عند كون الشمس فى كبد السماء . (تكره) تحريما فلا تنعقد كما قالته الشافعية .(إلا يوم الجمعة) أى يكره كل يوم إلا يوم الجمعة أو إلا نصف نهار يوم الجمعة .(لأن جهنم كل يوم تسجر) بضم حرف المضارعة وبمهملة وجيم مشددة، توقد كل يوم أى وسط نهاره .(إلا يوم الجمعة) فإنها لا توقد فيه كأنها كرامة ليوم الجمعة وهذا تعليل لكراهة الصلاة نصف النهار(التنوير شرح الجامع الصغير،للصنعانى، تحت رقم الحديث ۵۱۶۱، ج۷،ص ۸۳،المعرف باللام من حرف الصاد)

و قال محمد اشرف العظيم آبادى:

(إلا يوم الجمعة) فإنها لا تسجر فتجوز الصلاة يوم الجمعة وقت استواء الشمس قبل الزوال(عون المعبود شرح سنن أبى داود، ج۳،ص ۲۹۸، كتاب الصلاة، باب الصلاة من السنن والنوافل تجوز)

و قال المباركفورى:

(إن جهنم تسجر) مشددا ومخففا أى توقد .(إلا يوم الجمعة) أى فإنها لا تسجر فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک زوال کے وقت تمام دِنوں میں نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، جس میں جمعہ کا دن بھی داخل ہے، کیونکہ روزانہ اس وقت جہنم کو دہکائے جانے اور جہنم کے دروازے کھول دیے جانے کی وجہ سے کئی مستند احادیث میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

البتہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز کا پڑھنا مکروہ نہیں اور انہوں نے مذکورہ احادیث وروایات سے ہی اپنے قول پر استدلال کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تکره النافلة يوم الجمعة وقت الاستواء قبل الزوال (مرعاة المفاتيح، ج۳، ص ۴۷۲، كتاب الصلاة، باب اوقات النهى، الفصل الثانى)

و قال عبد المحسن العباد:

ومعناه أنه عند زوال الشمس تكره الصلاة إلا يوم الجمعة، فإن جهنم تسجر كل يوم إلا يوم الجمعة، فالأيام التى تسجر فيها جهنم لا يصلى فى نصف نهارها، ولكن يوم الجمعة يصلى عند الزوال فيها؛ لأن الجمعة لا تسجر فيها جهنم، لكن الحديث غير ثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وغير صحيح؛ لوجود الإرسال بين أبى الخليل وبين أبى قتادة رضى الله عنه، وكذلك -أيضاً- فيه ليث بن أبى سليم، وهو مختلط.

فالأصل أنه لا فرق بين الجمعة وغيرها، إلا أن بعض أهل العلم أجاز صلاة النافلة يوم الجمعة قبل الزوال، وقد جائت الأحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنهى عن الصلاة فى الأوقات الثلاثة التى هى عند طلوع الشمس، واستوائها وغروبها، وكذلك لا يدفن الموتى فى هذه الأوقات الثلاثة (شرح سنن ابى داود للعباد، كتاب الصلاة، باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال،شرح حديث " كره الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة")

[1] وأما الذى يرجع إلى الوقت فيكره التطوع فى الأوقات المكروهة وهى اثنا عشر بعضها يكره التطوع فيها لمعنى فى الوقت، وبعضها يكره التطوع فيها لمعنى فى غير الوقت.

أما الذى يكره التطوع فيها لمعنى يرجع إلى الوقت فثلاثة أوقات :أحدها ما بعد طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض، والثانى عند استواء الشمس إلى أن تزول، والثالث عند تغير الشمس وهو احمرارها، واصفرارها إلى أن تغرب.

ففى هذه الأوقات الثلاثة يكره كل تطوع فى جميع الأزمان يوم الجمعة وغيره، وفى جميع الأماكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب اکثر فقہائے کرام نے مذکورہ روایات سے ثابت اصل اور منصوص حکم سے اختلاف کیا ''جو کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا مکروہ نہ ہونا ہے''، تو ان روایات میں مذکور اس علت سے ایسا حکم کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے، جو کہ منصوص بھی نہ ہو، اور اس کا تعلق عمل کے بجائے، عقیدہ سے ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بمكة وغيرها، وسواء كان تطوعا مبتدأ لا سبب له، أو تطوعا له سبب كركعتى الطواف وركعتى تحية المسجد ونحوهما.

وروى عن أبى يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة، وقال :الشافعى لا بأس بالتطوع فى هذه الأوقات بمكة، احتج أبو يوسف بما روى أن النبى -عليه الصلاة والسلام -نهى عن الصلاة وقت الزوال إلا يوم الجمعة(بدائع الصنائع، ج ا ،ص ۲۹۵،۲۹۶،كتاب الصلاة،فصل بيان ما يكره من التطوع)

فصل :ولا فرق فى وقت الزوال بين الجمعة وغيرها، ولا بين الشتاء والصيف، كان عمر بن الخطاب ينهى عنه، وقال ابن مسعود :كنا ننهى عن ذلك .يعنى يوم الجمعة .وقال سعيد المقبرى : أدركت الناس وهم يتقون ذلك .وعن عمرو بن سعيد بن العاص، عن أبيه قال :كنت ألقى أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، فإذا زالت الشمس قاموا فصلوا أربعا .ورخص فيه الحسن، وطاوس، والأوزاعى، وسعيد بن عبد العزيز، والشافعى، وإسحاق فى يوم الجمعة؛ لما روى أبو سعيد، أن النبى -صلى الله عليه وسلم -نهى عن الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة . وعن أبى قتادة مثله، رواه أبو داود .ولأن الناس ينتظرون الجمعة فى هذا الوقت، وليس عليهم قطع النوافل.وقال مالك :أكرهه إذا علمت انتصاف النهار، وإذا كنت فى موضع لا أعلمه، ولا أستطيع أن أنظر، فإنى أراه واسعا .وأباحه فيها عطاء فى الشتاء دون الصيف؛ لأن شدة الحر من فيح جهنم، وذلك الوقت حين تسجر جهنم .ولنا، عموم الأحاديث فى النهى.

وذكر لأحمد الرخصة فى الصلاة نصف النهار يوم الجمعة، قال :فيه حديث النبى -صلى الله عليه وسلم -من ثلاثة وجوه :حديث عمرو بن عبسة، وحديث عقبة بن عامر، وحديث الصنابحى، رواه الأثرم، عن عبد الله الصنابحى، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :إن الشمس تطلع ومعها قرن الشيطان، فإذا ارتفعت فارقها، ثم إذا استوت قارنها، فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها، فإذا غربت فارقها .ونهى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن الصلاة فى تلك الساعات .ولأنه وقت نهى، فاستوى فيه يوم الجمعة وغيره، كسائر الأوقات، وحديثهم ضعيف، فى إسناده ليث بن أبى سليم، وهو ضعيف، وهو مرسل؛ لأن أبا الخليل يرويه عن أبى قتادة، ولم يسمع منه(المغنى لابن قدامة، ج ۲،ص ۹۰، ۹۱،كتاب الصلاة،باب الساعات التى نهى عن الصلاة فيها)

فلا تصح الصلاة فيه إلا يوم الجمعة فيستثنى من كلامه لاستثنائه فى خبر أبى داود وغيره، والأصح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس کے باوجود کوئی ان احادیث وروایات سے جمعہ کے دن کسی بھی مومن وکافر کے عذابِ قبر نہ ہونے پر استدلال کرے، اسے پہلے تو جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز کے مکروہ نہ ہونے کے حکم کی تردید کرنے سے گریز کرنا چاہیے، پھر اس کے بعد یہ بھی ثابت کرنا چاہیے کہ اگر کسی دن جہنم کو دہکایا نہ جائے، تو کیا اس سے جہنم کی آگ کا بالکل بجھ جانا اور اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جواز الصلاة فی هذا الوقت مطلقا سواء أحضر إلی الجمعة أم لا، وقیل یختص بمن حضر الجمعة وصححه جماعة (الإقناع فی حل ألفاظ أبی شجاع للخطیب الشربینی مع حاشیة البجیرمی، ج٢،ص ١١٩، کتاب الصلاة،فصل :فی بیان الأوقات التی تکره فیها الصلاة بلا سبب)

قوله :(إلا یوم الجمعة) أی بالنسبة لوقت الاستواء ، أما غیر وقت الاستواء فحکمه حکم غیر الجمعة من بقیة الأیام، وأما فی حرم مکة فلا فرق بین وقت الاستواء وغیره فلا کراهة فیه مطلقا خ ض. قوله :(والأصح جواز الصلاة) أی یوم الجمعة (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، ج٢، ص ١١٩، کتاب الصلاة،فصل :فی بیان الأوقات التی تکره فیها الصلاة بلا سبب)

واستثنی الشافعیة حالات لا کراهة فیها وهی ما یأتی:

یوم الجمعة :لا تکره الصلاة عند الاستواء یوم الجمعة، لاستثنائه فی خبر البیهقی عن أبی سعید الخدری وأبی هریرة قالا :کان رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی عن الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة وخبر أبی داود عن أبی قتادة نحوه، ولفظه :وکره النبی صلی الله علیه وسلم الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة، وقال :إن جهنم تسجر إلا یوم الجمعة.

والأصح عندهم جواز الصلاة فی هذا الوقت، سواء أحضر إلی الجمعة أم لا(الفقه الإسلامی وأدلتهٔ للزحیلی،ج ١،ص ٦٨١، ٦٨٢،القسم الأول:،الباب الثانی :الفصل الثانی:الأوقات المکروهة)

فصل: ولا فرق فی وقت الزوال بین یوم الجمعة وغیره ولا بین الشتاء والصیف کان عمر بن الخطاب ینهی عنه، وقال ابن مسعود کنا ننهی عن ذلک یعنی یوم الجمعة ورخص فیه الحسن وطاوس والاوزاعی والشافعی واسحاق فی یوم الجمعة لما روی أبو سعید أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة.

رواه أبو داود، ولأن الناس ینتظرون الجمعة فی هذا الوقت ولیس علیهم قطع النوافل وأباحه عطاء فی الشتاء دون الصیف لأن ذلک الوقت حین تسجر جهنم ولنا عموم أحادیث النهی وهی عامة فی یوم الجمعة وغیره وفی الصیف والشتاء، ولأنه وقت نهی فاستوی فیه یوم الجمعة وغیره کسائر الأوقات وحدیثهم فی إسناده لیث وهو ضعیف وهو مرسل أیضا وقولهم أنهم ینتظرون الجمعة قلنا إذا علم وقت النهی فلیس له أن یصلی وإن شک فله أن یصلی حتی یعلم لأن الأصل الإباحة فلا تزول بالشک ونحو هذا قال مالک والله أعلم(الشرح الکبیر علیٰ متن المقنع،لابن قدامة "المتوفیٰ: ٦٨٢"، ج ١، ص ٨٠٦، ٨٠٧،باب صلاة التطوع)

کے عذاب کا بالکل نہ ہونا لازم آتا ہے؟[1]

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت

اس کے بعد عرض ہے کہ جس طرح مذکورہ روایات میں جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کو جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز مکروہ نہ ہونے کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح مذکورہ روایات سے زیادہ صحیح سند کے ساتھ مروی کئی احادیث میں ہر دن زوال کے وقت جہنم کو دہکائے جانے اور اس وقت میں جہنم کے دروازے کھول دیے جانے کو ہر دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ ہونے کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: إِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ، فَأَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتْ، فَلَا تُصَلِّ حَتّٰى تَرْتَفِعَ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَیْ شَيْطَانٍ، وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ، فَإِذَا ارْتَفَعَتْ قِيْدَ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ، فَصَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى -يَعْنِیْ- يَسْتَقِلَّ الرُّمْحُ بِالظِّلِّ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهَا حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ، فَإِذَا أَفَاءَ الْفَيْءُ فَصَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّیَ الْعَصْرَ، فَإِذَا صَلَّيْتَ الْعَصْرَ فَأَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ

---

[1] (أن اللـه تعالى ليسعر جهنم كل يوم فى نصف النهار) أى وقت الاستواء قال العلقمى قال فى النهاية يقال سعرت النار والحرب إذا أوقدتهما وسعرتهما بالتشديد للمبالغة انتهى أى يشدد لهبها (ويخبتها) بضم المثناة التحتية وسكون الخاء المعجمة وكسر الباء الموحدة بعدها مثناة فوقية أى يسكن لهبها (فى يوم الجمعة) لما خص به ذلك اليوم من عظم الفضل ولهذا قال الشافعية لا تنعقد صلاة لا سبب لها وقت الاستواء إلا يوم الجمعة (طب) عن واثلة بن الأسقع(السراج المنير شرح الجامع الصغير فى حديث البشير النذير،للعزيزى، ج٢،ص١٠،حرف الهمزة)

الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، فَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٧٠١٤، صحيح مسلم، رقم الحديث ٨٣٢ "٢٩٤") [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اُن چیزوں میں سے کچھ باتوں کی تعلیم دے دیجیے، جن کی اللہ عزوجل نے آپ کو تعلیم دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ صبح کی نماز پڑھ لیں، تو سورج طلوع ہونے تک نماز سے رُکے رہیں، پھر جب سورج طلوع ہو جائے، تو اس وقت تک نماز نہ پڑھیں، جب تک سورج بلند نہ ہو جائے، کیونکہ وہ جب طلوع ہوتا ہے، تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت میں کفار، اس (سورج) کی عبادت کرتے ہیں، پھر جب سورج طلوع ہو کر ایک یا دو نیزے کے برابر بلند ہو جائے، تو پھر آپ نماز پڑھ لیں، کیونکہ نماز میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں، اور نماز کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے، اور اس وقت تک نماز پڑھ سکتے ہیں، جب تک نیزے وغیرہ کا سایہ مستقل نہ ہو جائے (یعنی دوپہر کو زوال نہ ہو جائے) پھر زوال ہونے پر نماز سے رک جائیں، کیونکہ اس وقت میں جہنم کو دہکایا جاتا ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے (یعنی زوال ہو چکے) تو نماز پڑھ لیں، کیونکہ نماز میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں، اور نماز کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے، عصر کی نماز پڑھنے تک (آپ جتنی چاہیں نفل وغیرہ پڑھ سکتے ہیں) پھر جب آپ عصر کی نماز پڑھ لیں، تو سورج غروب ہونے تک نماز سے رکے رہیں، کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت میں اس (سورج) کو کفار، سجدہ کرتے ہیں (مسند احمد، مسلم)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

مذکورہ حدیث میں کسی بھی دن دوپہر کو زوال کے وقت نماز نہ پڑھنے کی علت کے طور پر ’’حِینَئِذٍ تُسجَرُ جَهَنَّمُ‘‘ کے الفاظ مذکور ہیں، یعنی’’روزانہ زوال کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے‘‘ اس لیے اس وقت میں نماز پڑھنا منع ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دوپہر کو زوال کے وقت جہنم کو دہکائے جانے کے ساتھ جہنم کے دروازے کھولے جانے کا بھی ذکر آیا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:

’’فإن جهنم تُسجَرُ وتفتحُ أبوابُها‘‘

یعنی’’زوال کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے، اور جہنم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں‘‘ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، جس میں زوال کے وقت نماز نہ پڑھنے کی علت کے طور پر یہ الفاظ مذکور ہیں کہ:

’’فَإِنَّ تِلْكَ السَّاعَةَ تُسجَرُ فِيهَا جَهَنَّمُ وَتُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُهَا‘‘

یعنی’’اس زوال کے وقت میں جہنم کو دہکایا جاتا ہے، اور اس وقت میں جہنم کے

---

[1] عن أبی أمامة، عن عمرو بن عبسة السلمی، أنه قال:
قلت: يا رسول الله، أی الليل أسمع؟
قال: جوف الليل الآخر، فصل ما شئت، فإن الصلاة مشهودة مكتوبة، حتى تصلی الصبح، ثم أقصر حتى تطلع الشمس، فترتفع قيس رمح، أو رمحين، فإنها تطلع بين قرنی شيطان، ويصلی لها الكفار، ثم صل ما شئت، فإن الصلاة مشهودة مكتوبة، حتى يعدل الرمح ظله، ثم أقصر، فإن جهنم تسجر، وتفتح أبوابها، فإذا زاغت الشمس، فصل ما شئت (سنن أبی داود، رقم الحديث ١٢٧٧، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داوٗد)

دروازے کھول دیے جاتے ہیں'' ۱

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں مذکورہ بالا موقع پر درجِ ذیل الفاظ ہیں:

''فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسَعَّرُ جَهَنَّمُ وَشِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ''

یعنی ''اس زوال کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے، اور گرمی کی شدت ،جہنم کے سانس لینے سے ہوتی ہے'' ۲

اس قسم کی مستند و معتبر احادیث و روایات سے صاف ظاہر ہے کہ روزانہ زوال کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے، اور اس وقت میں جہنم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اس لیے کسی بھی دن اس وقت میں نماز پڑھنا منع ہے۔

مندرجہ بالا معتبر احادیث میں بھی ہر روز زوال کے وقت جہنم کو دہکائے جانے کی بات کو اس

---

۱ عن أبي هريرة، قال :سأل صفوان بن المعطل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فقال :يا رسول الله، إني سائلك عن أمر أنت به عالم وأنا به جاهل .قال" :وما هو؟ " قال :هل من ساعات الليل والنهار ساعة تكره فيها الصلاة؟ قال " :نعم، إذا صليت الصبح فدع الصلاة حتى تطلع الشمس، فإنها تطلع بقرني الشيطان، ثم صل فالصلاة محضورة متقبلة حتى تستوي الشمس على رأسك كالرمح، فإذا كانت على رأسك كالرمح فدع الصلاة؛ فإن تلك الساعة تسجر فيها جهنم وتفتح فيها أبوابها، حتى تزيغ الشمس عن حاجبك الأيمن، فإذا زالت فالصلاة محضورة متقبلة حتى تصلي العصر، ثم دع الصلاة حتى تغيب الشمس(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٢٥٢ ،كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها،باب ما جاء في الساعات التي تكره فيها الصلاة)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية سنن ابنِ ماجه)

۲ عن أبي هريرة أن رجلا أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله أي ساعات الليل والنهار ساعة تأمرني أن لا أصلي فيها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :إذا صليت الصبح فأقصر عن الصلاة حتى ترتفع الشمس فإنها تطلع بين قرني الشيطان ثم الصلاة مشهودة محضورة متقبلة حتى ينتصف النهار فإذا انتصف النهار فأقصر عن الصلاة حتى تميل الشمس فإن حينئذ تسعر جهنم وشدة الحر من فيح جهنم فإذا زالت الشمس فالصلاة محضورة مشهودة متقبلة حتى تصلي العصر فإذا صليت العصر فأقصر عن الصلاة حتى تغيب الشمس فإنها تغيب بين قرني الشيطان ثم الصلاة مشهودة محضورة متقبلة حتى تصلي الصبح(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ١٥٥٠، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المنهي عنها)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية صحيح ابنِ حبان)

وقت میں نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

اور ان احادیث کے صرف ایک حصہ کو لے کر ”جس میں زوال کے وقت جہنم کے دہکائے جانے اور جہنم کے دروازے کھول دیے جانے کا ذکر آیا ہے“ کوئی مسلمان بھی یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ روزانہ زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں اور بطورِ خاص صبح وشام کسی کو قبر و برزخ کا عذاب نہیں ہوتا، یا یہ کہ جو شخص زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں فوت ہو، وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ ان اوقات میں جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، یا جہنم کے دروازے کھولے نہیں جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ آلِ فرعون کو برزخ میں روزانہ صبح اور شام آگ پر پیش کیے جانے کے عذاب کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں بھی بعض لوگوں کو صبح وشام برزخ کا عذاب ہونے اور کفار سے عذاب کے موقوف نہ ہونے کی تصریح آئی ہے، جیسا کہ آگے ”خاتمہ“ میں آتا ہے۔

پس جب روزانہ زوال کے وقت جہنم کو دہکائے جانے اور اس وقت میں جہنم کے دروازے کھول دیے جانے کی معتبر احادیث سے اس طرح کا استدلال درست نہیں، بلکہ اِن میں مذکور اس علت کو اپنے مخصوص حکم کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے، اسی طرح جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کی روایات سے بھی اس طرح کا استدلال درست نہیں ہوگا، بلکہ ان روایات میں بھی مذکور اس علت کو اپنے مخصوص حکم کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہوگا۔

علاوہ ازیں کسی وقت یا کسی دن جہنم کو دہکائے نہ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت یا

---

[1] وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ. النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ(سورة غافر، رقم الآيات ۴۵، ۴۶)

قال الله سبحانه وتعالى :(وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا وعشيا) أخبر أنهم بعد ما أغرقوا يعذبون بكرة وأصيلا، ثم قال :(ويوم تقوم الساعة أدخلوا آل فرعون أشد العذاب) أخبر أنهم يعذبون يوم القيامة أشد مما كانوا يعذبون قبله، يعني في القبر(شرح السنة، للبغوى، ج۵ ص ۴۲۱، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر)

اس دن میں جہنم کی آگ بجھ جاتی ہے، اور اس کا عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔
ہم حیرت کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے یہاں بعض اہلِ علم حضرات میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو سیاق وسباق کے تناظر میں تحقیق کرنے کا صحیح ذوق نہ ہونے، اور اس پر مزید تعصب وتحزب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قسم کے مفاسد اور بے اعتدالیاں لازم آجاتی ہیں کہ جو ''کریلا اور نیم چڑھا'' کے مصداق پر منتج ہوتی ہیں۔
ظاہر ہے کہ کسی روایت، یا چند روایات میں کسی وقت، یا دن میں جہنم کو دہکائے نہ جانے کے الفاظ کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور اس کے سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے خود اندازے اور تخمینے قائم کرنا، اور اس پر تفریعات در تفریعات کرتے چلے جانا ''**بناءُ الفاسد علی الفاسد**'' کے قبیل سے اور سخت خطرناک روِش ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جن احادیث وروایات میں جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کا ذکر آیا ہے، ان سے یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمعہ کے دن برزخ وقبر کا عذاب موقوف کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ کسی غیر مسلم اور کافر کو بھی جمعہ کے دن برزخ میں عذاب نہیں ہوتا، بلکہ یہ عقیدہ خود مختلف نصوص کے خلاف ہے۔
اور علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس طرح کی بات لکھ دینے، یا بیان کر دینے سے اس کا صحیح ودرست ہونا لازم نہیں آتا۔
یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے بہت سے علماء کے اقوال پائے جاتے ہیں، جن کی ہر دور میں محققین نے تردید کی ہے، اور کسی بڑی یا مشہور شخصیت کی وجہ سے اس کے قول کو قرآن وسنت کے دلائل پر فوقیت نہیں دی گئی، اور اگر کسی نے ایسا کیا، تو اس کو قبول نہیں کیا گیا۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

(فصل نمبر 2)

جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت کی روایات

بعض حضرات نے جمعہ کے دن تمام مومن و کافر مُردوں کو عذاب نہ ہونے، بلکہ عاصی و گناہ گار مومن کے فوت ہونے کے بعد پہلا جمعہ آنے کے بعد ہمیشہ تا قیامت ہر طرح کا عذاب مرتفع ہوجانے کے عقیدہ پر ایسی روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت ہونے کا ذکر آیا ہے۔

لیکن اولاً تو ان روایات سے مذکورہ عقیدہ ثابت ہونا مشکل ہے، دوسرے ان روایات کی اسناد پر کلام بھی ہے۔

ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں ''مفضل بن فضالة'' سے، انہوں نے ''ابو عروة'' سے، اورانہوں نے ''ابو عمار بصری'' یعنی ''زیاد بن میمون'' کی سند سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

''إن اللّٰہ لیس بتارک أحدا من المسلمین یوم الجمعة إلا غفر له''

یعنی ''اللہ، جمعہ کے دن کسی بھی مسلمان کی مغفرت کیے بغیر نہیں چھوڑتا''۔ [1]

---

[1] حدثنا عبد الملک بن یحیی بن بکیر قال: حدثنی أبی قال: نا مفضل بن فضالة، عن أبی عروة، عن أبی عمار، عن أنس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إن اللہ لیس بتارک أحدا من المسلمین یوم الجمعة إلا غفر له.

لا یروی هذا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إلا بهذا الإسناد، تفرد به: یحیی بن بکیر. وأبو عروة عندی: معمر بن راشد، وأبو عمار زیاد النمری (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۸۱۷)

جمعہ کے دن موت کی فضیلت کے ضمن میں مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد ایک عالم فاضل صاحب لکھتے ہیں:

''حدیث میں ''احدا من المسلمین '' نکرہ تحت النفی واقع ہے، اور نکرہ جب نفی کے سیاق میں واقع ہو جائے، تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اصول کا قاعدہ ہے ''والنکرۃ فی موضع النفی تعم '' (منار، متن نور الانوار، ص ۸۲، مبحث العام)

تو یہاں حدیثِ مبارکہ میں ''لیس بتارک احدا من المسلمین '' میں ''احدا'' عام ہے، ہر مسلمان کو شامل ہے، چاہے کامل مومن ہو، یا فاسق، زندہ ہو، یا مردہ۔

لیکن جب اس پر جمعہ مبارکہ کا دن آتا ہے، اللہ مغفرت کرتا ہے، قبر کے عذاب سے، اور سوال و جواب سے حفاظت کرتا ہے، یہ بھی مغفرت میں داخل ہے۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں علامہ منذری ''الترغیب والترہیب'' میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام طبرانی نے ''سندِ حسن'' کے ساتھ ''اوسط'' میں مرفوعاً نقل کی ہے، تو لہٰذا حدیث مرفوع ہوئی، اور علامہ منذری جرح وتعدیل کے ائمہ شمار ہوتے ہیں، اور آپ کے علم کے مطابق ''اسنادِ حسن'' ہے'' انتہٰی۔

مزید لکھتے ہیں:

''حدیث کا مطلب واضح ہے ''ما من مسلم '' سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان بندہ جمعہ کے دن یا رات کو فوت ہو جائے، چاہے کامل مومن ہو، یا فاسق، عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا، عذابِ قبر سے بچنے کا زیادہ محتاج فاسق ہوتا ہے، کامل مومن تو ویسے ہی طاعات کی وجہ سے بچ سکتا ہے'' انتہٰی۔

مذکورہ عالم فاضل صاحب نے اوپر کی عبارت میں بہت جلدی سے اصول کا قاعدہ بیان کر

کے اور مغفرت کا عمومی مفہوم مراد لے کر جمعہ کے دن ہر فاسق وغیر فاسق زندہ ومردہ مومن کے لیے مغفرت کی سند فراہم کر دی۔ لیکن یہ غور نہیں فرمایا کہ متعدد نصوص میں اسی طرز کی فضیلت تو کئی دوسرے اعمال پر بھی بیان کی گئی ہے، کیا وہاں بھی وہ ہر فاسق وغیر فاسق کو اس طرح کی مغفرت کی سند فراہم کرنے پر آمادہ ہوں گے، اور یہ دعویٰ کریں گے کہ ''مغفرت کا زیادہ محتاج فاسق ہوتا ہے، کامل مومن تو ویسے ہی طاعات کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے''

مثلاً نکرة فی موضع النفی کے طور پر ہی حصر کے ساتھ دو مسلمانوں کے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے پر جدا ہونے سے پہلے مغفرت کر دیے جانے کا ذکر آیا ہے، اور اسی طرح دل کے یقین کے ساتھ توحید کی گواہی دے کر فوت ہونے پر حصر کے ساتھ مغفرت کر دیے جانے کا ذکر مستند احادیث میں آیا ہے۔ [1]

تو کیا مذکورہ عالم وفاضل صاحب کی طرف سے اپنے بیان کردہ اصول وقاعدہ ہی کے مطابق اس قسم کے مواقع پر مومن وفاسق سب کو ایسی مغفرت کی سند فراہم کی جاسکتی ہے، جس میں ہر طرح کے عذابِ قبر سے بھی حفاظت ہو جاتی ہو، اور اس کا زیادہ مستحق فاسق کو قرار دیا جائے، جیسا کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں انہوں نے فراہم کی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ دوسرے مواقع پر اس

---

[1] عن أنس بن مالک، عن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال " :ما من مسلمین التقیا، فأخذ أحدهما بید صاحبه، إلا کان حقا علی اللہ أن یحضر دعاء هما، ولا یفرق بین أیدیهما حتی یغفر لهما(مسند الإمام أحمد بن حنبل،رقم الحدیث ۱۲۴۵۱)

قال شعیب الارنؤوط:صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن(حاشیة مسند الإمام أحمد)

عن البراء ، قال :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم " :-ما من مسلمین یلتقیان، فیتصافحان، إلا غفر لهما قبل أن یفترقا (سنن أبی داود،رقم الحدیث ۵۲۱۲،باب فی المصافحة)

قال شعیب الارنؤوط:صحیح لغیره، وهذا إسناد ضعیف(حاشیة سنن أبی داود)

عن معاذ بن جبل، قال :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم " :-ما من نفس تموت تشهد أن لا إله إلا اللہ، وأنی رسول اللہ، یرجع ذلک إلی قلب موقن، إلا غفر اللہ لها(سنن ابن ماجه،رقم الحدیث ۳۷۹۶)

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح، وهذا إسناد محتمل للتحسین(حاشیة سنن ابن ماجه)

طرح کی سند فراہم کرنے کو متعدد نصوص کی خلاف ورزی سمجھیں گے، اور کبیرہ گناہوں سے بچنے، توبہ کرنے وغیرہ کی قید کو نظر انداز نہ کریں گے اور مغفرت سے بھی گناہوں کی مخصوص معافی مرادلیں گے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں ہر فاسق وفاجر کو تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے محفوظ و مامون قرار دینے کے لیے امتیازی نوعیت کے اصول بروئے کار لا کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے، بلکہ اس کا اصل مستحق فاسق وفاجر کو ہی قرار دیا جاتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت انس کی ''المعجم الاوسط'' کے حوالہ سے مذکورہ روایت میں تو کسی عمل کے بجائے صرف جمعہ کے دن فوت ہونے پر ہر مسلمان کی مغفرت کا ذکر ہے۔

جبکہ ابنِ اعرابی نے اپنی معجم میں ''مفضل بن فضالة'' سے، انہوں نے ''ابو عروة'' سے اور انہوں نے ''زیاد بن میمون'' کی سند سے ہی مروی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن کسی بھی نماز پڑھنے والے کو مغفرت کئے بغیر نہیں چھوڑتا''۔ [1]

مذکورہ روایت میں جمعہ کے دن نماز پڑھنے پر یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، نہ کہ ہر شخص کے لیے، اور جمعہ کے دن نماز اور بطورِ خاص جمعہ کی نماز پڑھنے پر جنت کا مستحق ہونے اور گناہوں کا کفارہ وغیرہ ہونے کے فضائل معتبر احادیث میں آئے ہیں، لہٰذا اس سے مذکورہ موقف پر استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ [2]

بلکہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ وغیرہ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے مذکورہ فضیلت کا ثبوت ہوتا

---

[1] نا الحسين بن حميد بن بجير العكى، نا يحيى بن بكير، نا المفضل، عن أبى عروة، عن زياد بن ميمون، عن أنس بن مالك، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :إن الله تعالى ليس يترك يوم الجمعة أحدا من المصلين إلا غفر له(معجم ابن الأعرابى، ج ۲ ص ۷۴۶، رقم الحديث ۱۵۱۲، باب الجيم)

[2] جس میں جمعہ کی نماز کو ضائع کر کے اور کفر وشرک کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں کے مرتکب فاسق وفاجر کو تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے بری ہونے پر زور دیا جاتا ہے۔

ہے، جو ایک معقول بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی سند کے متعلق اگرچہ علامہ منذری نے فرمایا کہ میری رائے میں یہ حدیث حسن ہے۔ [1]

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں غیر معمولی ضعف پایا جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ''ابو عمار بصری '' یعنی'' زیاد بن میمون '' راوی کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابنِ معین نے ان کے متعلق فرمایا کہ ''لیس یسوی قلیلا، ولا کثیرا ''، اور ایک روایت میں ان کے متعلق ''لیس بشیٔ'' فرمایا۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ ''میں نے زیاد بن میمون سے ''استغفر اللّٰہ '' یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ان احادیث کو خود سے گھڑا ہے۔

اور امام بخاری نے ان کے متعلق فرمایا''ترکوہ''۔

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ'' ابو عمار کی احادیث کی کوئی اتباع نہیں کرتا''۔ [2]

---

[1] قال المنذری:رواہ الطبرانی فی الأوسط مرفوعا فیما أری بإسناد حسن (الترغیب و الترھیب، ج ۱ ص ۲۸۲، تحت رقم الحدیث ۱۰۴۳، کتاب الجمعة الترغیب فی صلاۃ الجمعة والسعی إلیھا وما جاء فی فضل یومھا وساعتھا)

[2] قال ابن عدی:

زیاد بن میمون أبو عمار بصری:حدثنا أحمد بن علی المدائنی، حدثنا اللیث بن عبدۃ سمعت یحیی بن معین یقول زیاد أبو عمار لیس یسوی قلیلا، ولا کثیرا.

حدثنا ابن أبی عصمة، حدثنا أحمد بن أبی یحیی سمعت یحیی بن معین یقول زیاد بن میمون أبو عمار لیس بشیء .

حدثنا ابن حماد، حدثنا العباس، عن یحیی، قال :زیاد بن میمون أبو عمار لیس بشیء .

حدثنا ابن حماد، حدثنا عبد اللہ بن أحمد، حدثنی أحمد الدورقی سمعت أبا داود قال أتینا زیاد بن میمون فسمعته یقول استغفر اللہ وضعت ھذہ الأحادیث.

حدثنا محمد بن یحیی بن آدم بمصر، حدثنا محمد بن زیاد المکی، حدثنا نصر بن علی أخبرنی بشر بن عمر، قال :سألت زیاد بن میمون أبو عمار عن حدیث رواہ عن أنس فقال ویحکم احسبونی کنت یھودیا أو نصرانیا أو مجوسیا رجعت عما کنت أحدث،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ ابنِ جوزی نے مذکورہ حدیث کو''غیر صحیح'' کہا ہے، اور یزید بن ہارون سے، زیاد بن میمون کا''کذاب اور جھوٹا ہونا''نقل کیا ہے۔ [1]

اور ناصر الدین البانی صاحب نے اس حدیث کو''موضوع''و منگھڑت قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أنس لم أسمع من أنس شيئا هو البصری صاحب الفاكهة الثقفی.

سمعت ابن حماد يقول :قال البخاری زياد بن ميمون أبو عمار البصری، عن أنس بن مالک تركوه.

سمعت ابن حماد يقول :قال السعدی زياد بن ميمون، وأبو هرمز، وعبد الحكم الذين يروون، عن أنس لا ينبغی أن يشتغل بحديثهم.

-حدثنا الساجی، قال :سمعت ابن المثنی يقول، حدثنا الحجاج بن فروخ، حدثنا زياد أبو عمار الأبرص، عن أنس عن النبی صلى الله عليه وسلم أحاديث مناكير يطول ذكرها..........حدثنا القاسم بن عبد الله بن مهدی، حدثنا محمد بن الحارث بن راشد المؤذن صدره، حدثنا المفضل بن فضالة، عن أبی عروة عن زياد أبی عمار، عن أنس بن مالک، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن الله ليس بتارک يوم القيامة أحدا يوم الجمعة من المسلمين إلا غفر له.

قال الشيخ :ولزياد أبی عمار غير ما ذكرت من الحديث، عن أنس، ولا أعرف له عن غير أنس وأحاديثه مقدار ما يرويه لا يتابعه أحد عليه(الكامل فی ضعفاء الرجال، ج۴،ص۱۲۷ الیٰ ۱۲۹ ملخصاً ،تحت رقم الترجمة ۶۸۶،تحت ترجمة زياد بن ميمون أبو عمار بصری)

[1] حديث آخر أنبأنا إسماعيل قال أنا ابن مسعدة قال أخبرنا حمزة قال أنا ابن عدی قال نا القاسم بن عبد الله بن مهدی قال نا محمد بن الحارث بن راشد قال نا المفضل بن فضالة عن أبی عروة عن زياد بن أبی عمار عن أنس بن مالک قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ":إن الله تعالى ليس بتارک أحد يوم الجمعة من المسلمين إلا غفر له."

قال المؤلف :وهذا حديث لا يصح قال يزيد بن هارون كان زياد كذابا وقال يحيى لا يساوی قليلا ولا كثيرا(العلل المتناهية فی الأحاديث الواهية لابن الجوزی، ج ۱ ص ۴۶۶، تحت رقم الحديث ۷۹۲، كتاب الصلاة، احاديث فی صلاة الجمعة)

[2] إن الله ليس بتارک أحدا من المسلمين يوم الجمعة إلا غفر له ."موضوع.

رواه الطبرانی فی "الأوسط (۴۸ - ۴۹ "من زوائده) وابن الأعرابی فی "معجمه (۱۴۷)"وابن بشران فی "الأمالی(۲۴/۲۹۰) "عن المفضل بن فضالة عن أبی عروة البصری عن زياد أبی عمار -وقال ابن الأعرابی :زياد بن ميمون -عن أنس بن مالک مرفوعا وقال الطبرانی :لا يروى إلا بهذا الإسناد، وأبو عروة عندی معمر، وأبو عمار :زياد النميری، كذا قال، وفيه نظر فی موضعين:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ امام اصبہانی نے ''تاریخِ اصبهان'' میں ''ابو عمرو خالد بن محمد الرارانی'' کے ترجمہ میں ''مفضل بن فضالة'' ہی سے، انہوں نے ''ابو عروة''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأول :زياد النميرى هو ابن عبد الله البصرى، لم أجد من كناه أبا عمار، بخلاف زياد بن ميمون فقد كنوه بأبى عمار، وقال ابن معين فى النميرى :ضعيف، وقال فى موضوع آخر :ليس به بأس قيل له :هو زياد أبو عمار؟ قال :لا، حديث أبى عمار ليس بشىء .

فقد فرق هذا الإمام بين زياد بن عبد الله النميرى وبين زياد أبى عمار، فضعف الأول تضعيفا يسيرا، وضعف أبا عمار جدا، فثبت أنه غير النميرى، وإنما هو ابن ميمون كما صرحت بذلك رواية ابن الأعرابى وهو وضاع باعترافه كما سبق مرارا قال الذهبى :زياد بن ميمون الثقفى الفاكهى عن أنس، ويقال له زياد أبو عمار البصرى، وزياد بن أبى حسان، يدلسونه لئلا يعرف فى الحال، قال ابن معين:ليس يسوى قليلا ولا كثيرا، وقال يزيد بن هارون :كان كذابا، ثم ساق له أحاديث مناكير، هذا أحدها.

والثانى :قوله :إن أبا عروة البصرى، هو معمر يعنى ابن راشد الثقة شيخ عبد الرزاق، فإن هذا وإن كان يكنى أبا عروة فإنى لم أجد ما يؤيد أنه هو فى هذا السند، وصنيع الحافظين الذهبى والعسقلانى يشير إلى أنه ليس به فقالا فى "الميزان "و "اللسان :"أبو عروة عن زياد بن فلان مجهول، وكذلك شيخه.

قلت :شيخه هو زياد بن ميمون الكذاب كما سبق آنفا فلعل أبا عروة كان يدلسه فيقول :زياد بن فلان، كما قال فى هذا الحديث :زياد أبى عمار لكى لا يعرف، فإذا صح هذا فهو كاف عندنا فى تجريح أبى عروة هذا، والله أعلم.

ثم وجدت ما يؤيد أن الحديث حديث زياد بن ميمون، فقد أخرجه الواحدى فى " تفسيره(۴/۱۴۵/۱) "عن عثمان بن مطر عن سلام بن سليم عن زياد بن ميمون عن أنس، لكن سلام هذا وهو المدائنى كذاب أيضا وعثمان بن مطر ضعيف، لكن رواه ابن عساكر (۱۱/ ۲/۵۰)من طريق عثمان بن سعيد الصيداوى، أخبرنا سليم بن صالح عن عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان عن أبى عمار به.

وأخرجه الديلمى (۱۸۹/۴)من طريق محمد بن الفضل بن عطية عن سلام بن سلم عن زياد الواسطى عن أنس.

قلت :وابن الفضل هذا متروك وسلام بن سلم هو ابن سليم نفسه وزياد الواسقى هو ابن ميمون ذاته وقد أورده بحشل فى "تاريخ واسط(۵۸ - ۵۹) "

وبالجملة فإن مدار الحديث على أبى عمار وهو زياد بن ميمون وهو كذاب (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۲۹۷)

"إن الله ليس بتارك أحداً يوم الجمعة من المسلمين إلا غفرله ."وقد تقدم تخريجه فى المجلد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سے، اورانہوں نے ''زیاد بن میمون '' کے بجائے ''زاذان ابوعمر '' سے، اورانہوں نے حضرت انس سے مذکورہ حدیث کوروایت کیا ہے۔ [1]

''تاریخِ اصبہان '' کی اس روایت کی سند میں ''زیاد بن میمون '' کا ذکر نہیں ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ سند مذکورہ علت سے محفوظ ہوکر قابلِ استدلال ہے۔

لیکن اولاً تو بعض حضرات نے اس روایت میں مذکور ''ابوعروۃ'' کو ''مجہول'' قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأول برقم (٢٩٧)وهو مما خفي أمره على المنذري أيضاً؛ فحسن إسناده في "الترغيب (١/٢٥٠/١٨)" وقلده المعلقون الثلاثة(١/٥٥٠)كما خفي على الهيثمي أيضاً؛ فقال(٢/١٦٤) " رواه الطبراني في "الأوسط"، ورجاله رجال الصحيح، خلا شيخ الطبراني !"وهذا من أسوأ ما وقع منهما؛ فإن الطبراني رواه(٥/٢١٤/٤٨١٤)من طريق أبي عمار عن أنس، وعقب عليه بقوله ":وأبو عمار :زياد النميري !"

ومع أن قوله هذا خطأ -؛ لأن (النميري) هذا لا يكنى بـ(أبي عمار) ، فهو ضعيف؛ كما تقدم، وجاء مسمى في إسناد ابن الأعرابي بـ(زياد بن ميمون) الكذاب؛ كما تراه في المجلد المشار إليه -، فأنى لإسناده الحسن؟ !ولرجاله أن يكونوا من رجال الصحيح؟ !وفيهم الكذاب، أو الضعيف على قول الطبراني إنه (النميري) ؛ فالظاهر أنهما لم يتنبها له !!وأنهما وجدا في هذه الطبقة ممن يكنى بأبي عمار راويين؛ أحدهما :(شداد بن عبد الله) . والآخر :(غريب بن حميد) فتوهماه أحدهما . والمعصوم من عصمه الله (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٦٨٠٧)

[1] حدثنا أبو محمد بن حيان ثنا أبو عمرو خالد بن محمد الراراني ثنا علي بن داود القنطري ثنا يحيى بن عبد الله عن مفضل بن فضالة عن أبي عروة البصري عن زاذان أبي عمر عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله عز وجل ليس بتارك أحداً من المسلمين يوم الجمعة إلا غفر له(تاريخ أصبهان، ج١،ص ٣٦٠،باب الخاء، تحت ترجمة خالد بن محمد الراراني أبو عمرو والد عبد الله بن خالد الراراني)

[2] أبو عروة روى عن زياد ابي عمار عن أنس.
نا عبد الرحمن قال سمعت ابي يقول :هو زياد بن ميمون روى عنه المفضل بن فضالة المصري سمعت أبي يقول ذلك.
وسألته عنه فقال :مجهول(الجرح والتعديل،لا بن أبي حاتم، ج٩،ص ٤١٩، تحت رقم الترجمة ٢٠٤٩،باب الافراد من الكنى)

البتہ اگر ''ابوعروۃ'' سے ''معمر بن راشد'' کو مراد لیا جائے، تو وہ مجہول نہیں، لیکن محدثین نے ان کی وفات کا 153 ہجری میں 58 سال کی عمر میں ہونا قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ولادت 95 ہجری میں ہوئی۔ [1]

جبکہ محدثین نے اس روایت میں ابوعروہ کے استاذ ''زاذان ابو عمر'' کی وفات 82 ہجری کو قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] معمر ابن راشد الأزدی مولاهم أبو عروة البصری نزیل الیمن ثقة ثبت فاضل إلا أن فی روایته عن ثابت والأعمش (وعاصم بن أبی النجود) وهشام ابن عروة شیئا وكذا فیما حدث به بالبصرة من كبار السابعة (تقریب التهذیب، ص ۵۴۱،حرف المیم، رقم الترجمة ۶۸۰۹)
معمر بن راشد أبو عروة البصری سكن الیمن وهو معمر بن أبی عمرو، قال أحمد بن ثابت عن عبد الرزاق عن معمر قال خرجت مع الصبیان وأنا غلام إلى جنازة الحسن فطلبت العلم سنة مات الحسن، وعن محمد بن كثیر عن معمر قال سمعت من قتادة وانا ابن اربع عشرة سنة فما شء سمعته فی تلك السنین إلا وكأنه مكتوب فی صدری، وقال اسحق بن إبراهیم عن إبراهیم بن خالد مات معمر فی رمضان سنة ثلاث وخمسین ومائة وصلیت علیه، سمع الزهری ویحیى بن أبی كثیر، روى عنه الثوری وابن عیینة وابن المبارك قال أحمد بن حنبل مات معمر وله ثمان وخمسون سنة(التاریخ الكبیر للبخاری، ج۷،ص۳۷۸، ۳۷۹، رقم الترجمة ۱۶۳۱، تحت ترجمة "معمر بن راشد أبو عروة البصری")

[2] زاذان أبو عمر الكندی البزاز ویكنى أبا عبد الله أیضا صدوق یرسل وفیه شیعیة من الثانیة مات سنة اثنتین وثمانین(تقریب التهذیب،ص۲۱۳، رقم الترجمة ۱۹۷۶،حرف الزای)
زاذان أبو عمر الكندی مولاهم الكوفی، البزاز، الضریر، أحد العلماء الكبار.
ولد :فی حیاة النبی -صلى الله علیه وسلم -وشهد خطبة عمر بالجابیة.روى عن :عمر، وعلی، وسلمان، وابن مسعود، وعائشة، وحذیفة، وجریر البجلی، وابن عمر، والبراء بن عازب، وغیرهم.
حدث عنه :أبو صالح السمان، وعمرو بن مرة، وحبیب بن أبی ثابت، والمنهال بن عمرو، وعطاء بن السائب، ومحمد بن جحادة، وآخرون.وكان ثقة، صادقا، روى جماعة أحادیث.
قال النسائی :لیس به بأس.وروى :إبراهیم بن الجنید ، عن یحیى بن معین :ثقة.
وقال شعبة :سألت سهل بن كهیل عنه، فقال :أبو البختری أحب إلی منه .
وقال ابن عدی :أحادیثه لا بأس بها.
وقال شعبة :قلت للحكم :لم لم تحمل عنه -یعنی :زاذان -؟قال :كان كثیر الكلام .
وقال أبو أحمد الحاكم :لیس بالمتین عندهم.كذا قال :أبو أحمد .
وقال ابن عدی :تاب على ید ابن مسعود.
وعن أبی هاشم الرمانی، قال:قال زاذان :كنت غلاما حسن الصوت، جید الضرب بالطنبور، فكنت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حساب سے ''ابوعروۃ معمر بن راشد '' دراصل'' زاذان ابوعمر '' کی وفات کے 13 سال بعد پیدا ہوئے، پھر ابوعروہ، زاذان سے اس حدیث کو کیسے سُن سکتے تھے۔

لہٰذا لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ ان دونوں کے درمیان ایک راوی کا واسطہ ہے، اور بظاہر وہ راوی'' زیاد بن میمون ''ہی ہیں، جس کی تائید گزشتہ اسناد سے ہوتی ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں'' متھم بالکذب ''راوی والی روایت کو'' حسن '' قرار دیے جانے کی کیسے'' تحسین '' کی جاسکتی ہے، علامہ منذری کا علم وفضل اپنی جگہ، لیکن کسی کے علم وفضل سے اس کا نبی کی طرح معصوم ہونا لازم نہیں آتا، کہ اس کے کسی فن کا صرف رجال ہونے کی بناء پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرلیا جائے، بلکہ جو کچھ آنکھوں سے صاف نظر آرہا ہو، اس کو دیکھ کر کبوتر کی طرح بلی کو دیکھنے کی صورت میں آنکھیں بند کرلی جائیں۔

تاہم علامہ منذری وغیرہ نے اپنی جو رائے قائم کی، اس کے متعلق یہی گمان کیا جانا چاہیے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں نیک نیتی سے قائم کی، جس پر وہ ایک اجر پانے کے مستحق ہوئے۔ لیکن اس قسم کے امور میں ہر دور کے محققین ومنصفین حضرات، شخصیات سے زیادہ دلائلِ شرعیہ کی بنیاد پر ترجیح دیتے رہے ہیں، البتہ متعصبین کا معاملہ الگ ہے، جن کے پیشِ نظر ترجیح کا مدار اپنی دہی کو میٹھا قرار دینے کے روایتی اصول پر ہوتا ہے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی عالم فاضل صاحب اپنے علم وفضل کے کمال کی بناء پر مذکورہ روایت سے یہ استدلال کریں کہ جمعہ کا دن آنے پر اللہ ہر متقی وفاسق کو بلا امتیاز وتفریق ہر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مع صاحب لی، وعندنا نبیذ، وأنا أغنیھم، فمر ابن مسعود، فدخل، فضرب الباطیة ، بددھا، وکسر الطنبور، ثم قال :لو کان ما یسمع من حسن صوتک یا غلام بالقرآن، کنت أنت أنت .ثم مضی، فقلت لأصحابی :من ھذا؟قالوا :ھذا ابن مسعود .فألقی فی نفسی التوبة، فسعیت أبکی، وأخذت بثوبه، فأقبل علی، فاعتنقنی، وبکی، وقال :مرحبا بمن أحبه الله، اجلس.ثم دخل، وأخرج لی تمرا.
قال زبید :رأیت زاذان یصلی کأنه جذع .

روی أن زاذان قال یوما :إنی جائع .فسقط علیه رغیف مثل الرحا .وقیل :کان إذا باع ثوبا لم یسم فیه.مات :سنة اثنتین وثمانین(سیر أعلام النبلاء، ج۴،ص ۲۸۰، ۲۸۱، رقم الترجمة ۱۰۲)

طرح کے عذابِ قبر سے محفوظ فرمالیتا ہے، تو یہ عقیدہ ان ہی کو مبارک ہو، ہم اس قسم کی حدیث سے مذکورہ عقیدہ اختیار کرنا خلافِ احتیاط بلکہ نصوصِ کثیرہ، صریحہ کی بنا پر آخرت کے اعتبار سے خطرناک سمجھتے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

خطیب بغدادی نے ''تاریخِ بغداد'' میں ''احمد بن نصر بن حماد'' کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اللہ، کسی کی مغفرت کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ [1]

لیکن اس حدیث کو بعض محدثین نے ''منکر جدا'' قرار دیا ہے۔ [2]

اس حدیث میں ''نصر بن حماد بن عجلان'' پائے جاتے ہیں، جن پر محدثین نے

---

[1] أحمد بن نصر بن حماد بن عجلان، أبو جعفر البجلی الوراق،حدث عن أبيه، وعن بشر بن الحارث .روى عنه محمد بن مخلد الدورى، وعبيد الله بن عبد الرحمن السكرى إلا أن عبيد الله سماه محمدا.

أخبرنا أبو عمر بن مهدى، حدثنا محمد بن مخلد العطار، حدثنا أحمد بن نصر ابن حماد، حدثنا أبى، حدثنا شعبة عن محمد بن زياد، عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا يترک الله أحدا يوم الجمعة إلا غفر له (تاريخِ بغداد، ج ۵ ص ۳۸۸، رقم الترجمة ۲۹۴۰، تحت ترجمة" احمد بن نصر بن حماد بن عجلان، ابو جعفر البجلى الوراق")

[2] قال ابن حجر:

أحمد بن نصر بن حماد.أتى بخبر منكر جدا.

قال :حدثنا أبى، حدثنا شعبة، عن محمد بن زياد، عن أبى هريرة رضى الله عنه مرفوعا : لا يترک الله أحدا يوم الجمعة إلا غفر له .ذكره الخطيب(لسان الميزان، لابن حجر العسقلانى، ج ا ص ۶۸۴، تحت رقم الترجمة ۸۸۱)

وقال المناوى:

خط عن ابى هريرة قال فى الميزان حديث منكرجدا وهومماطعن فيه على احمد بن نصربن حماد اه (فيض القدير للمناوى، ج۶ ص ۴۴۳، تحت رقم الحديث ۹۹۴۵)

شدید جرح کی ہے، ان کے متعلق کچھ تفصیل ''رمضان میں عذابِ قبر سے حفاظت'' کے بیان میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ [1]

ابنِ معین نے ''نصر بن حماد'' کو ''کذّاب'' قرار دیا۔

یعقوب ابنِ شیبہ نے ان کے متعلق ''ليس بشئ'' فرمایا۔

اور امام بخاری نے ان کے متعلق ''يتكلمون فيه'' فرمایا۔

اور امام مسلم نے ان کو ''ذاهب الحديث'' فرمایا۔

اور امام نسائی نے ان کو ''ليس بثقة'' فرمایا۔

اور ابو زرعہ اور صالح نے ان کے متعلق ''لا يكتب حديثهٔ'' فرمایا۔

اور ابو حاتم اور ازدی نے ان کو ''متروک الحديث'' فرمایا۔

اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ:

''یہ صاحب کثرت سے خطاء کرتے ہیں، اور سند میں وہم کرتے ہیں، پس جب یہ عمل ان سے کثرت کے ساتھ سرزد ہوا، تو ان سے احتجاج باطل ہوگیا''۔ [2]

---

[1] وقال ابن الجوزی:
نصر بن حماد بن عجلان أبو الحارث البجلی العجلی الوراق. يروى عن شعبة .
قال يحيى كذاب ،وقال يعقوب بن شيبة ليس بشىء .
وقال البخارى يتكلمون فيه ،وقال مسلم بن الحجاج ذاهب الحديث .
وقال النسائی ليس بثقة،وقال أبو حاتم الرازى وأبو الفتح الأزدى متروک الحديث.
وقال الأزدى هو وضع على شعبة عن محمد بن زياد عن أبى هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (إن الله عز وجل ليس بتارک أحدا يوم الجمعة إلا غفر له)
وليس لهذا أصل عن شعبة. وقال أبو زرعة لا يكتب حديثه وقال الدارقطنى ضعيف .
وقال ابن حبان كان يخطىء كثيرا ويهم فى الأسانيد فلما كثر ذلک منه بطل الاحتجاج بما ينفرد به(الضعفاء والمتروكون لابن الجوزى،ج٣ص١٥٨، ١٥٩ ،تحت رقم الترجمة ٣٥١٢)

[2] قال ابن حجر:
"ق – نصر "بن حماد بن عجلان البجلى ......
قال عبد الله بن أحمد عن يحيى بن معين كذاب .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے باوجود اتنے سخت مجروح اور متہم بالکذب راوی کی روایت کردہ حدیث کی نسبت کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے کی جرأت کرے، تو یہ اس کا معاملہ ہے، ہم اتنی بڑی جرأت کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی ہوئی بات کے بیان کرنے پر جھوٹا ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کو سخت خطرناک قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال البخاری یتکلمون فیه، وقال مسلم ذاهب الحدیث .

وقال النسائی لیس بثقة، وقال یعقوب بن شیبة لیس بشیء ،وقال أبو زرعة وصالح بن محمد لا یکتب (تهذیب التهذیب، ج ۱۰، ص ۴۲۵، تحت رقم الترجمة: ۷۶۹)

و قال المزی:

قال عبد الله بن أحمد بن حنبل :سمعت یحیی بن معین یقول: نصر بن حماد کذاب .

وقال یعقوب بن شیببة : لیس بشیء .وقال البخاری : یتکلمون فیه.

وقال مسلم : ذاهب الحدیث.

وقال النسائی :لیس بثقة.

وقال أبو زرعة ، وصالح بن محمد الحافظ :لا یکتب حدیثه.

وقال أبو حاتم ، وأبو الفتح الأزدی: متروک الحدیث.

وقال ابن حبان :کان یخطء کثیرا، ویهم فی الإسناد، فلما کثر ذلک منه بطل الاحتجاج به.

وقال زکریا بن یحیی الساجی :یعد من الضعفاء.

وقال الدارقطنی :لیس بالقوی فی الحدیث .

وروی له أبو أحمد بن عدی أحادیث عن شعبة، ثم قال:وهذه الأحادیث التی ذکرتها عن نصر، عن شعبة، وله غیرها عن شعبة کلها غیر محفوظة، ومع ضعفه یکتب حدیثه (تهذیب الکمال، ج ۲۹، ۳۴۳ الیٰ ۳۴۵، تحت رقم الترجمة ۶۳۶۵)

[1] عن أبی هریرة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع(صحیح مسلم، مقدمة ،باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع)

عن أبی عثمان النهدی، قال :قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه :بحسب المرء من الکذب أن یحدث بکل ما سمع(صحیح مسلم، مقدمة ،باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع)

عن عبد الله، قال :بحسب المرء من الکذب أن یحدث بکل ما سمع(صحیح مسلم، مقدمة ،باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

بعض حضرات نے جمعہ کے دن ہر مسلمان سے عذابِ قبر اٹھا لیے جانے پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ کوئی بھی جمعہ کی رات ایسی نہیں ہوتی، جس میں اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف تین مرتبہ نظرِ رحمت نہ فرماتا ہو، پھر اللہ اس شخص کی مغفرت فرما دیتا ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

اس روایت کو بعض حضرات نے قاضی حصکفی کی ''مسندِ ابی حنیفة'' کے حوالے سے ''قیس بن مسلم'' اور ''طارق بن شهاب'' کی سند سے ذکر کر کے اس کی سند کا مضبوط ہونا، بلکہ اس کا ''ثلاثیات'' میں سے ہونا سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ قاضی حصکفی، جن کا پورا نام ''موسیٰ بن زکریا بن ابراهیم حصکفی'' ہے، ان کی وفات 650 ہجری میں ہوئی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن ربعي بن حراش، أنه سمع عليا رضي الله عنه يخطب، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تكذبوا علي، فإنه من يكذب علي يلج النار(صحيح مسلم، رقم الحديث "۱"مقدمة ،باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم)

عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كذب علي متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار(صحيح مسلم، رقم الحديث "۳"مقدمة ،باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم)

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا أبي، حدثنا سعيد بن عبيد، حدثنا علي بن ربيعة، قال :أتيت المسجد والمغيرة أمير الكوفة، قال :فقال المغيرة :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول :إن كذبا علي ليس ككذب على أحد، فمن كذب علي متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار(صحيح مسلم، رقم الحديث "۴"مقدمة ،باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم)

[1] موسى بن زكريا بن إبراهيم، صدر الدين أبو عمران الحصكفي، الفقيه الحنفي، قاضي آمد. (المتوفیٰ: 650ھ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قاضی حصکفی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے کئی صدیوں بعد پیدا ہوئے، اور یہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے احادیث کو روایت نہیں کرتے، لہٰذا بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قاضی حصکفی نے خود اپنی سند سے امام ابوحنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے، قاضی حصکفی نے امام ابوحنیفہ سے نیچے کے راویوں کی سند کو حذف کر دیا ہے، جبکہ اس کو "ثلاثی" قرار دینے کے لیے نیچے کے متعدد راویوں کو ساقط کرنا پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ "مسند أبی حنیفة للحصکفی" میں قاضی حصکفی نے عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی (المتوفیٰ: 340ھ) کی "مسند" سے روایات کو ابوابِ فقہیہ کی ترتیب سے اختصار کے ساتھ جمع کیا تھا، اسی وجہ سے اس میں پوری سند نہیں ملتی۔

اور عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی (المتوفیٰ: 340ھ) نے مذکورہ حدیث کو جس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے "ابوعصمہ" اور ان سے پہلے کئی ایسے راوی پائے جاتے ہیں، جو "مجهول" ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قدم حلب رسولا .وحدث بالقاهرة وبها توفى فى صفر وله سبعون سنة.

روى شيئا عن الافتخار الهاشمى، وعنه الدمياطى(تاريخ الاسلام للذهبى، ج ۱۴ ص ۶۴۵،تحت رقم الترجمة ۲۲۸)

الحصكفى بفتح الحاء المهملة وسكون الصاد المهملة وفتح الكاف وفى آخرها الفاء نسبة إلى حصكفاء مدينة من ديار بكر نسبة موسى بن زكريا بن إبراهيم الإمام صدر الدين ومنهم محمود بن أحمد بن عبد السيد أبو المحامد(الجواهر المضية فى طبقات الحنفية، ج۲ص ۲۹۹، رقم الترجمة ۳۶۰، لعبدالقادر بن محمد بن نصر الله القرشى، أبو محمد، محيى الدين الحنفى "المتوفى: 775هـ")

[1] فاخبرنا احمد بن محمد، حدثنى محمد بن عبدالله المسروقى، قال: هذا كتاب جدى فقرأت فيه، اخبرنا ابوحنيفة .

وحدثنا محمد بن احمد البخارى، اخبرنا ابراهيم بن عبدك النيسابورى، من اهل سرتبان، اخبرنا ابوعصمة، عن ابى حنيفة، عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب، عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ اسی روایت کو امام ابوحنیفہ کی سند سے ''ابنِ فندمۃ، المتوفی: 565 ہجری'' نے بھی ''تاریخِ بیہق'' میں نقل کیا ہے، جس میں امام ابوحنیفہ اور ''ابوعصمہ'' کے درمیان ایک راوی ''بجیر بن نوح'' بھی ہیں۔ [1]

جس کی بنا پر استدلال کنندہ حضرات کی طرف سے مذکورہ حدیث کی سند کے راویوں کی توثیق کی ضرورت ہے۔

اور بعض حضرات جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''مسند'' کے نام سے ہر حدیث کو قابلِ اعتبار سمجھ لیتے ہیں، یہ درست نہیں، اس قسم کی روایات میں، جس طرح امام ابوحنیفہ کے بعد کے راویوں کے حالات کے علم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک اس روایت کے منسوب ہونے کی سند کی تحقیق بھی ضروری ہوتی ہے، تبھی جا کر اس کو امام ابوحنیفہ کی صحیح روایت قرار دیا جاسکتا ہے، ورنہ تو بے شمار جھوٹے اور ضعیف راویوں کی روایات کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، لیکن کوئی صرف اس پاکیزہ نسبتِ نبوی کی بنیاد پر جھوٹے راویوں کی روایت کو سچی اور ضعیف راویوں کی روایت کو صحیح وقوی نہیں کہتا۔

ایک عالم فاضل صاحب نے جمعہ کے دن موت کی فضیلت کے ضمن میں مذکورہ حدیث کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن مسعود رضی الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من ليلة جمعة إلا وينظر الله عز وجل إلى خلقه ثلاث مرات، فيغفر الله لمن لا يشرك به شيئا(مسند أبي حنيفة رواية الحارثي، ص ٢٣٦، رقم الحديث ٦٨١، ما اسنده الامام ابوحنيفة عن قيس بن مسلم الجدلي، واما حديث محمد بن مسروق، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: 1329هـ، 2008ء)

[1] قال إبراهيم بن عبدوک البيهقيّ :حدثنا أبو عصمة عاصم بن عبد الله البلخيّ قال حدثنا بجير بن نوح، عن الإمام أبي حنيفة، عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب، عن عبد الله بن مسعود أنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه :ما من ليلة جمعة إلا وينظر الله تعالى إلى خلقه ثلاث مرات، فيغفر لمن لا يشرك به شيئا(تاريخ بيهق / تعريب، ص ٢٨٣، ٢٨٤، القسم الثاني، تحت ترجمة ''أبو نعيم إبراهيم بن عبدوك البيهقي'')

تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''حاصل یہ کہ یہ مذکورہ حدیث، جو مسندِ امام اعظم میں چار راویوں سے روایت ہے، ان میں دو راوی تابعی ہیں، اور دو صحابی ہیں، حدیث موصول ہے، اور انقطاع کا کوئی احتمال نہیں۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ہر جمعہ کی رات اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق کی جانب تین مرتبہ رحمت اور شفقت سے دیکھتا ہے، اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے، اس کے علاوہ باقی سارے لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ (سبحان اللہ)

مذکورہ حدیث میں ''فیغفر لمن لا یشرک به شیئاً'' عام ہے، مشرک کے علاوہ تمام انسانوں کو شامل ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، کامل مومن ہو یا فاسق، جمعہ کی رات میں مرا ہو یا زندہ، اللہ تبارک وتعالیٰ مغفرت کرتا ہے۔ ''مغفرت، غفر'' سے ماخوذ ہے بمعنیٰ چھپانا، تو لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو گناہ کے عذاب سے چھپاتا ہے، اور عذاب عام ہے، قبر کو بھی شامل ہے'' انتھٰی۔

مذکورہ عالم فاضل صاحب نے یہ موقف جمعہ کے دن موت کی فضیلت کے ضمن میں بیان کیا ہے، جس سے بظاہر مذکورہ عالم فاضل صاحب کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن تمام موحّد زندہ اور مُردہ مومنوں کی بخشش کردی جاتی ہے، اور اسی وجہ سے اس دن میں مُردوں کو عذاب بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ ''علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ'' کا قول ہے۔

حالانکہ اولاً تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند قابلِ تحقیق ہے، پھر اس کے الفاظ پر غور کیا جائے، تو اس میں سرے سے نہ تو جمعہ کے دن فوت ہونے کا ذکر ہے، اور نہ جمعہ کے دن عذابِ قبر کی نفی کا ذکر ہے، اور نہ ہی فوت شدہ لوگوں کا ذکر ہے، بلکہ جمعہ کی رات میں مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرمانے اور شرک نہ کرنے والے کی مغفرت کا ذکر ہے،

جبکہ مغفرت کا لفظ گناہوں کے معاف ہونے کے معنیٰ دیتا ہے، قرآن وسنت میں بے شمار مقامات پر یہ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اور یہاں بھی یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے البتہ بعض اوقات، صغیرہ گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے اور بعض اوقات کبیرہ گناہوں کی اور بعض اوقات تھوڑے گناہوں کی اور بعض اوقات زیادہ گناہوں کی، جس کی تعیین موقع ومحل کی مناسبت سے ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

لہٰذا اس حدیث سے موصوف کے مذکورہ دعوے پر دلالت نہیں پائی جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں پندرہ شعبان کی رات میں مخصوص لوگوں کے علاوہ تمام مخلوق کی بخشش کا ذکر آیا ہے، لیکن ان احادیث سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ عذابِ قبر بھی مرتفع ہو جاتا ہے، بلکہ محض اس رات کی اہمیت اور اس میں عبادت کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

---

[1] فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (سورة آل عمران، رقم الآية ١٣٥)
إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا (سورة الشعراء ، رقم الآية ٥١)
وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (سورة الشعراء ، رقم الآية ٨٢)
إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (سورة الزمر ، رقم الآية ٥٣)
يَاقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ (سورة الأحقاف، رقم الآية ٣١)
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورة الصف، رقم الآية ١٢)
يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى (سورة نوح، رقم الآية ٤)
عن أبي الخير، سمع عبد الله بن عمرو، أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه، قال للنبي صلى الله عليه وسلم :يا رسول الله، علمني دعاء أدعو به في صلاتي، قال :قل اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي من عندك مغفرة إنك أنت الغفور الرحيم (صحيح البخاري، رقم الحديث ٧٣٨٧)

المغفرة ستر الذنوب ومحوها (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج ٢٢، ص ٢٩٢، كتاب الأدب، باب الدعاء في الصلاة)

غفر: الغفور الغفار، جل ثناؤه، وهما من أبنية المبالغة ومعناهما الساتر لذنوب عباده المتجاوز عن خطاياهم وذنوبهم .يقال: اللهم اغفر لنا مغفرة وغفرا وغفرانا، وإنك أنت الغفور الغفار يا أهل المغفرة .وأصل الغفر التغطية والستر .غفر الله ذنوبه أي سترها (لسان العرب، لابن منظور، ج ٥، ص ٢٥، فصل العين المعجمة، مادة "غفر")

پیر اور جمعرات کے دن عرضِ اعمال کی بحث

اور اگر اس مضمون کی دوسری معتبر ومستند احادیث پر نظر ڈالی جائے، تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دراصل زندہ اور مکلّف بندوں کے اعمال، ہفتہ میں دو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جانے سے متعلق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ملاعلی قاری نے بھی ''شرح مسند ابی حنیفة'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی امام ابوحنیفہ سے مروی اس روایت کو ''عرضِ اعمال'' کے ضمن میں نقل کیا ہے، جس کے بعد انہوں نے آگے آنے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی تائید میں پیش کیا ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ بندوں کے اعمال، اللہ کی بارگاہ میں جمعرات کے دن اور جمعہ کے دن پیش کیے جاتے ہیں، پھر ہر ایسے بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا، سوائے اُن دو آدمیوں کے، جو آپس میں عداوت رکھیں، ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ انہیں اس وقت تک چھوڑ دو، جب تک یہ آپس میں مصالحت نہ کرلیں۔ [2]

---

[1] تعرض الأعمال يوم الخميس ويوم الجمعة: وبه (عن قيس، عن طارق، عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ما من ليلة جمعة إلا وينظر الله عز وجل ") أى بنظر الرحمة (إلى خلقه ثلاث مرات) الظاهر أن مرة فى الثلث الأول، ومرة فى الثلث الأوسط، والأخرى فى الثلث الأخير (يغفر الله لمن لا يشرك به شيئا) أى من الأشياء، ومن الإشراك، فيشمل الشرك الجلى والخفى، فإن الرياء والسمعة شرك خفى.

وروى ابن عساكر، عن أبى هريرة مرفوعا، إن الأعمال تعرض يوم الخميس ويوم الجمعة فيغفر الله لكل عبد لا يشرك به شيئا، إلا رجلين كانت بينهما شحناء .فإنه يقول أخروا هذين حتى يصطلحا (شرح مسند ابى حنيفة، ج ا ص ۴۳۳، ۴۳۴، ذكر إسناده عن الهيثم بن حبيب الصرفى)

[2] أخبرنا أبو محمد هبة الله بن سهل أنا أبو عثمان البحيرى أنا أبو عمرو بن حمدان أنا محمد بن جمعة الحافظ نا سليمان بن الفضل بن جبريل نا محمد بن سليمان نا عثمان بن عن يونس يعنى ابن عبيد عن سهيل بن أبى صالح عن أبيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اولاً تو مذکورہ حدیث میں ایک قید ''آپس میں عداوت رکھنے والوں کی'' لگی ہوئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض گناہ گاروں کو اس مغفرت سے محروم رکھا جاتا ہے، اور اصل بحث گناہ گاروں سے متعلق ہی ہے کہ کیا انہیں جمعہ کے دن قبر و برزخ کے عذاب سے خلاصی دے دی جاتی ہے؟ دوسرے مذکورہ حدیث بھی سند کے اعتبار سے ''ضعیف'' ہے، اور اس میں جمعرات کے ساتھ جمعہ کے دن کا لفظ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ [1]

صحیح احادیث میں جن دو دنوں کے اندر اللہ کی بارگاہ میں اعمال کی پیشی کا ذکر آیا ہے، ان میں سے ایک دن پیر کا، اور دوسرا دن جمعرات کا بیان کیا گیا ہے، البتہ بعض روایات میں مخصوص افراد کو جمعہ کی رات تک مہلت دیے جانے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا (مسلم، رقم الحديث ٢٥٦٥ "٣٥" كتاب البر والصلة والآداب، باب النهى عن الشحناء والتهاجر)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبى هريرة أن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال إن الأعمال تعرض يوم الخميس ويوم الجمعة فيغفر لكل عبد لا يشرك بالله شيئا إلا رجلين فإنه يقول أخروا هذين حتى يصطلحا (تاريخ دمشق لابن عساكر، ج٢٢، ص٣٦٣، تحت رقم الترجمة ٢٦٩٩)

[1] سليمان بن محمد بن الفضل بن جبريل أبو منصور البجلى النهروانى......قال الدارقطنى هو ضعيف أنبأنا أبو عبد الله الفراوى وغيره عن أبى بكر البيهقى أنا أبو عبد الله الحافظ نا على بن عمر الحافظ قال سليمان بن محمد بن الفضل أبو منصور النهروانى ضعيف أخبرنا أبو النجم الشيحى أنا أبو بكر أحمد بن على قال أنا على بن محمد السمسار أنا عبد الله بن عثمان الصفار نا عبد الباقى بن قانع أن أبا منصور النهروانى مات سنة سبع وثمانين ومائتين(تاريخ دمشق لابن عساكر، ج٢٢، ص٣٦٢ الىٰ ٣٦٥، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٢٦٩٩)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر کے دن اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر ایسے بندے کی مغفرت کی جاتی ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا، سوائے اس آدمی کے کہ اُس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ (بغض وعداوت) ہو، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو اس وقت تک رہنے دو، جب تک یہ باہم مصالحت نہ کرلیں، ان کو اس وقت تک رہنے دو، جب تک یہ باہم مصالحت نہ کرلیں، ان کو اس وقت تک رہنے دو، جب تک یہ باہم مصالحت نہ کرلیں (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْداً بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا اَوْ اُرْكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا (مسلم،رقم الحديث ٢٥٦٥ " ٣٦ "كتاب البر والصلة والآداب، باب النهى عن الشحناء والتهاجر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ میں دومرتبہ پیش کئے جاتے ہیں، پیر اور جمعرات کے دن، پس ہر مومن بندہ کی مغفرت کردی جاتی ہے، سوائے اس بندے کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو، ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو رہنے دو، یہاں تک کہ یہ صلح کرلیں (مسلم)

عربی زبان میں ''کل جمعة'' کے الفاظ ہر ہفتہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ [1]

---

[1] (تعرض أعمال الناس) الظاهر أنه أراد المكلفين منهم بقرينة ترتيبه المغفرة على العرض وغير المكلف لا ذنب له يغفر له كل جمعة مرتين قال القاضي :أراد بالجمعة الأسبوع فعبر عن الشيء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض روایات میں ''کینہ'' کے بجائے ''إلا المتهاجرين'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دو لوگوں کے درمیان قطع تعلقی ہو، ان کی مغفرت کا فیصلہ روک لیا جاتا ہے، کینہ بھی چونکہ قطع تعلقی کا باعث بنتا ہے، اس لیے بعض روایات میں کینہ کا ذکر کیا گیا۔
بعض روایات میں اسی طرح کی فضیلت پندرہ شعبان کی رات کے متعلق بھی آئی ہے، جس میں بندوں کی مغفرت ہونے اور مشرک اور کینہ ور کی مغفرت نہ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بآخره وما يتم به ويوجد عنده والمعروض عليه هو الله تعالى أو ملك يوكله على جميع صحف الأعمال وضبطها (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج٣ص ٢٥٠، تحت رقم الحديث ٣٣١٤، حرف التاء)

(تعرض) مبنى للمجهول أى يعرضها الحفظة على الرب تعالى أو على المقربين من الملائكة. (أعمال الناس) أى المكلفين منهم بدليل المغفرة وعدمها، فإن من لا تكليف عليه لا ذنب عليه ولا عفو ولا عقوبة .(فى كل جمعة) عبر بها عن الأسبوع لأنها أشرفه عند الله تعالى من إطلاق البعض على الكل (التنوير شرح الجامع الصغير، للصنعانى، ج٥ص ٥٤، تحت رقم الحديث ٣٢٩٩، حرف التاء)

[1] عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أكثر ما يصوم الاثنين والخميس، فقيل له، فقال: " إن الأعمال تعرض كل اثنين وخميس – أو: كل يوم اثنين وخميس – فيغفر الله عز وجل لكل مسلم – أو: لكل مؤمن – إلا المتهاجرين، فيقول: أخرهما "(مسند احمد، رقم الحديث ٨٣٦١)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تفتح أبواب الجنة يوم الاثنين والخميس، فيغفر لمن لا يشرك بالله شيئا إلا المتهاجرين، يقول: ردوا هذين حتى يصطلحا (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٥٦٦٣)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] عن أبى موسى الأشعرى، عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: " إن الله ليطلع فى ليلة النصف من شعبان، فيغفر لجميع خلقه، إلا لمشرك أو مشاحن (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٣٩٠)

قال شعيب الارنؤوط: حسن بشواهده، وهذا إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة (حاشية سنن ابن ماجه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محدثین نے مذکورہ احادیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ کی رحمت کثرت سے نازل ہوتی ہے، جو بندوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے، اور جنت کے دروازے کھولنے سے مراد، کثرت سے معافی تلافی کرنا اور درجات کا بلند کرنا اور ثواب کا عطا کرنا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جانے سے مراد ظاہری معنیٰ ہی ہوں، جو اللہ کی طرف سے کثرت سے معافی اور مغفرت کرنے اور درجات بلند کرنے اور ثواب عطا کرنے کی علامت ہے۔

جبکہ ملا علی قاری نے ''لا یشرک باللّٰہ شیئاً '' کی تشریح کرتے ہوئے ''مشکاۃ المصابیح'' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں فرمایا کہ:

''أی: من الإشراک أو من الأشیاء أو شیئا من شرک جلی أو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عبد الله بن عمرو، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " يطلع الله عز وجل إلى خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لعباده إلا لاثنين: مشاحن، وقاتل نفس (مسند احمد، رقم الحديث ٦٦٤٢)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بشواهده (حاشية مسند احمد)

عن معاذ بن جبل، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: يطلع الله إلى خلقه فى ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه إلا لمشرك أو مشاحن (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٥٦٦٥)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بشواهده، رجاله ثقات إلا أن فيه انقطاعا (حاشية صحيح ابنِ حبان)

عن أبى بكر الصديق رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ينزل الله تبارك وتعالى ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لكل نفس إلا إنسان فى قلبه شحناء أو مشرك بالله عز وجل (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ٥٠٩)

قال الالبانى: حديث صحيح وإسناده ضعيف (ظلال الجنة فى تخريج السنة، تحت رقم الحديث ٥٠٩)

عن أبى ثعلبة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "إذا كان ليلة النصف من شعبان يطلع الله عز وجل إلى خلقه فيغفر للمؤمنين ويترك أهل الضغائن وأهل الحقد بحقدهم (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ٥١١)

قال الالبانى: حديث صحيح (ظلال الجنة فى تخريج السنة، تحت رقم الحديث ٥١١)

خفی، وفی روایة: لکل عبد مؤمن ولعل المراد به مؤمن کامل“
جس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں شرکِ جلی اور شرکِ خفی دونوں کے مراد ہونے کا احتمال ہے، اور غالباً ”مومن“ سے ”کامل مومن“ مراد ہے۔ [1]

اس کے علاوہ مذکورہ احادیث میں جو مغفرت کا ذکر ہے، اس کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے محدثین نے صغیرہ گناہوں کا مراد ہونا بیان کیا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ پیر اور جمعرات کے دن کی برکت سے، اللہ ہر مومن بندے کے صغیرہ گناہوں کو اپنے خاص فضل سے نیک اعمال کے بغیر معاف فرمادیتا ہے۔

اور باہمی کینہ وکپٹ، یا بغض وعداوت، اللہ کو اس قدر ناپسند ہے کہ اس خصلت کے مرتکبین کے

---

[1] (وعنه) أی: عن أبی هریرة (قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يفتح) بالتذكير ويؤنث مخففا مجهولا (أبواب الجنة) : أی: أبواب طبقاتها أو غرفها ودرجاتها (يوم الاثنين ويوم الخميس) أی: لكثرة الرحمة النازلة فيهما الباعثة على المغفرة، وفی شرح مسلم قال القاضی عياض: معنى فتح أبواب الجنة كثرة الصفح والغفران، ورفع المنازل وإعطاء الثواب الجزيل، ويحتمل أن يكون على ظاهره وإن فتح أبوابها علامة لذلک (فيغفر) أی: فيهما كما فی رواية الجامع الصغير .(لكل عبد لا يشرک بالله) : صفة عبد (شيئا) أی: من الإشراک أو من الأشياء أو شيئا من شرک جلی أو خفی، وفی رواية: لكل عبد مؤمن ولعل المراد به مؤمن كامل .(إلا رجل) : بالرفع فی جميع نسخ المشكاة أی: إلا ذنب رجل فالمضاف مقدر، وإلا فالظاهر النصب، كذا قاله السيد جمال الدين، وفيه أن تقدير المضاف لا يجوز كونه رفعا نعم لو روی بالجر لكان وجه بأن حذف المضاف المنصوب وأبقى المضاف إليه مجرورا على حال أصله.
قال الطيبی: والظاهر فيه النصب لأنه استثناء من كلام موجب، ويمكن أن يقال: إن الكلام محمول على المعنى أی: لا يبقى ذنب أحد إلا ذنب رجل ونحوه قوله تعالى: ”فشربوا منه إلا قليلا منهم“ أی: فلم يطيعوه إلا قليل منهم اهـ .وقرائة الرفع شاذة والمتواترة بالنصب، وقيل: وجه رفعه أنه صفة لكل عبد، فإن محله الرفع وإلا بمعنى غير أی غير رجل، (كانت) : وفی نسخة كان (بينه) أی: بين الرجل (وبين أخيه المسلم شحناء) : فعلاء من الشحن أی عداوة تملأ القلب (فيقال: أنظروا) بقطع الهمزة وكسر الظاء أی: أمهلوا (هذين) أی: الرجلين وأخروا مغفرتهما من ذنوبهما مطلقا زجرا لهما، أو من ذنب الهجران فقط، وهو الأظهر (حتى يصطلحا) أی: يتصالحا، ويزول عنهما الشحناء فلا يفيد التصالح للسمعة والرياء.
والظاهر أن مغفرة كل واحد متوقفة على صفائه، وزوال عداوته سواء صفا صاحبه أم لا والله أعلم.
قال الطيبی: وأتى باسم الإشارة بدل الضمير لمزيد التمييز والتعيين(مرقاة المفاتيح، ج۹ص ۳۱۴۹، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه فی التهاجر والتقاطع واتباع العورات)

گناہوں کو اللہ معاف نہیں فرماتا، جب تک کہ وہ مصالحت نہ کرلیں۔

پس اس طرح کی احادیث سے یہ مراد لینا کہ پیر اور جمعہ کے دن، اللہ ہر مومن کی کامل مغفرت فرمادیتا ہے، یہاں تک کہ قبر کا عذاب بھی نہیں ہوتا (جیسا کہ ایک عالم فاضل کے حوالہ سے پہلے گزرا) یہ اس طرح کی احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ ل

ل (تفتح أبواب الجنة يوم الاثنين ويوم الخميس) حقيقة لأن الجنة مخلوقة وفتح أبوابها ممكن أو هو بمعنى كثرة الغفران ورفع المنازل وإعطاء جزيل الثواب (فيغفر فيهما لكل عبد لا يشرك بالله شيئا) أى ذنوبه الصغائر بغير وسيلة طاعة (إلا رجل) قال التوربشتي :الوجه نصبه لأنه استثناء من كلام موجب وبه وردت الرواية الصحيحة وروى بالرفع قال الطيبى :وعليه فيقال الكلام محمول على المعنى أى لا يبقى ذنب أحد إلا ذنب رجل وذكر الرجل وصف طردى والمراد إنسان (كان بينه وبين أخيه) أى فى الإسلام (شحناء) بفتح الشين المعجمة والمد أى عداوة (فيقال انظروا) بقطع الهمزة يعنى يقول الله للملائكة النازلة بهدايا المغفرة أخروا وأمهلوا ذكره البيضاوى وقال الطيبى :ولا بد هنا من تقدير من يخاطب بقوله أنظروا كأنه تعالى لما غفر للناس سواهما قيل اللهم اغفر لهما أيضا فأجاب أنظروا (هذين) أتى باسم الإشارة بدل الضمير لمزيد التغيير والتنفير ذكره القاضى يعنى لا تعطوا منها أنصباء رجلين بينهما عداوة (حتى) ترتفع و (يصطلحا) ولو بمراسلة عند البعد قال المنذرى :قال أبو داود: إذا كان الهجر لله فليس من هذا فإن النبى صلى الله عليه وسلم هجر بعض نسائه أربعين يوما وابن عمر هجر ابنا له حتى مات قال ابن رسلان :ويظهر أنه لو صالح أحدهما الآخر فلم يقبل غفر للمصالح وفى رواية اتركوا هذين حتى يفيئا.

تنبيه: عد المصنف من خصائص هذه الأمة فتح السماء لأعمالهم وأرواحهم(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج٣ص ٢٥٩، تحت رقم الحديث ٣٣٤١)

(تفتح أبواب الجنة) يحتمل الحقيقة ويحتمل أنه عبارة عن رفع المنزلة وكثرة الثواب، وكان هذا التفتح بعد عرض الأعمال فإن عرضها سبب للمغفرة فى هذين اليومين .(يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفر فيهما لكل عبد لا يشرك بالله شيئا) ويحتمل تعدد المكفرات وتعاضدها وقوله: (إلا رجل كانت بينه وبين أخيه شحناء) فى النسخ بالرفع والوجه فى العربية النصب وقد وردت رواية صحيحة قال الطيبى: وعلى الرفع يقال: إنه محمول على المعنى أى لا يبقى ذنب أحد إلا ذنب رجل وتقدم نظيره قريبا .(فيقال: انظروا) بفتح الهمزة أى يقول الله لملائكته النازلة بهدايا المغفرة، قال الطيبى: ولابد هنا تقدير من يخاطب بقوله: انظروا فإنه تعالى لما غفر للناس سواهما قيل اللهم اغفر لهما أيضا فأجاب انظروا .(هذين حتى يصطلحا) قال المنذرى :قال أبو داود: إذا كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی وجہ بھی یہی منقول ہے کہ ان دونوں دنوں میں اللہ ربُّ العالمین کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ، وَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ أَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٢٤٣٦، كتاب الصوم، باب فی صوم الاثنين والخميس، مسند احمد، رقم الحديث ٢١٧٥٣) [1]

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے، آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ بندوں کے اعمال پیر اور جمعرات کے دن پیش کیے جاتے ہیں (ابوداؤد)

اور بعض روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن، اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں، پس مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرا عمل روزہ دار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الهجر لله تعالى فليس من هذا (التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانی، ج٥ ص ٧٦، ٧٧، تحت رقم الحديث ٣٣٢٦)

(يوم الاثنين ويوم الخميس) فيه فضلهما على غيرهما من الأيام وكان صلى الله عليه وسلم يصومهما ويندب أمته إلى صيامهما وكان يتحراهما بالصيام، وأظن هذا الخبر إنما توجه إلى طائفة كانت تصومهما تأكيدا على لزوم ذلك كذا قال أبو عمر.

وقد روى أبو داود وغيره عن أسامة قال " :كان صلى الله عليه وسلم يصوم يوم الاثنين والخميس فسئل عن ذلك فقال :إن أعمال العباد تعرض يوم الاثنين ويوم الخميس " (فيغفر) فيهما(لكل عبد مسلم لا يشرك بالله شيئا) ذنوبه الصغائر بغير وسيلة طاعة.

قال القرطبي :لحديث "الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات ما بينهما ما اجتنبت الكبائر (شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالك،لمحمد بن عبد الباقي الزرقانی، ج٤،ص ٤٢٠، كتاب الجامع،ما جاء فی المهاجرة)

[1] قال شعيب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشية مسند احمد)

ہونے کی حالت میں پیش ہو۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ، فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ تَصُوْمُ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ؟ فَقَالَ: إِنَّ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ، إِلَّا مُتَهَاجِرَيْنِ، يَقُوْلُ: دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٧٤٠، ابواب الصيام، باب صيام يوم الاثنين والخميس) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، آپ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن، اللہ ہر مسلمان کی مغفرت فرما دیتا ہے، سوائے قطع تعلقی کرنے والے کے، ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ مصالحت کرلیں (سنن ابنِ ماجہ)

ملا علی قاری نے مذکورہ حدیث کی تشریح میں ''ہر مسلمان'' سے روزہ رکھنے والا مسلمان، مراد لیا ہے۔

جبکہ جمعہ کے دن عذاب نہ ہونے کے مدعی حضرات، نیک عمل کی قید کو نکال کر ہر فاسق و فاجر کی مغفرت کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ [3]

---

[1] عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تعرض الأعمال يوم الاثنين والخميس، فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم: حديث أبي هريرة في هذا الباب حديث حسن غريب (سنن الترمذي، رقم الحديث ٧٤٧)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لجهالة محمد بن رفاعة، لكن تابعه مالك بن أنس عند مسلم وغيره (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[3] (وعنه) أي عن أبي هريرة (أن النبي – صلى الله عليه وسلم – كان يصوم يوم الاثنين) محتمل إعرابه هنا أن يكون بالحرف أو الحركة (والخميس) بالنصب، وقيل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض روایات میں بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کو شبِ جمعہ میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جانے اور قطع رحمی کرنے والے کے عمل کے مقبول نہ ہونے کا ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيْسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ (مسند احمد، رقم الحديث ١٠٢٧٢) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالجر، واللام بدل عن المضاف إلى يوم الخميس، وفي نسخة بالجر عطفا على الاثنين (فقيل: يا رسول الله إنك تصوم) أی كثيرا (الاثنين) بكسر النون وبفتح (والخميس) بالنصب، وقيل بالجر، وأراد يوميهما، يعنى فما الحكمة فيهما (فقال: إن يوم الاثنين والخميس) بالنصب والجر (يغفر الله فيهما لكل مسلم) أی صائم فيهما (إلا ذا) ذا مزيدة (هاجرين) بالتثنية أی قاطعين أی ولو كانا صائمين (يقول) أی الله للملک الموكل على محو السيئة عند ظهور آثار المغفرة (دعهما) أی اتركهما (حتى يصطلحا) أی إلى أن يقع الصلح بينهما فحينئذ يغفر لهما، قال الطيبی: وفی معناه قوله – صلى الله عليه وسلم – بفتح أبواب الجنة يوم الاثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبد لا يشرک بالله شيئا إلا رجل كانت بينه وبين أخيه شحناء فيقال: انظروا هذين حتى يصطلحا، وفی حديث آخر: اتركوا هذين حتى يفيئا، ولا بد هاهنا من تقدير مخاطب يقول اتركوا أو انظروا أو دعهما، كأنه – تعالى – لما غفر للناس سواهما قيل: اللهم اغفر لهما أيضا، فأجاب أو انظروا أو اتركوا هذين حتى يصطلحا اهـ .وما اخترناه أظهر، فتأمل وتدبر(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۲۹، كتاب الصوم، باب صيام التطوع)

[1] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده حسن. وأخرجه المزی فی ترجمة الخزرج من "تهذيبه۸/۲۴۲ "من طريق عبد الله ابن أحمد بن حنبل، عن أبيه، بهذا الإسناد.

وأخرجه الخرائطی فی "مساوىء الأخلاق(۲۷۹) " والبيهقی فی "الشعب(۷۹۶۶)" من طريق يونس بن محمد، به.

وأخرجه البخاری فی "الأدب المفرد(۶۱) " والبيهقی (۷۹۶۵)من طريقين عن الخزرج بن عثمان السعدی، به -وجاء فيه عند البخاری والخرائطی والبيهقی(۷۹۶۶)قصة.

وقد سلف عن أبی هريرة مرفوعاً من طريق آخر أن الأعمال تعرض كل اثنين وخميس،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کو، جمعہ کی رات میں پیش کیے جاتے ہیں، اور قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا (مسند احمد)

ایک روایت میں جمعرات کی شام، یعنی جمعہ کی ابتدائی رات کا ذکر ہے۔ [1]

محدثین نے فرمایا کہ باقی احادیث میں جمعرات کے دن کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں جمعرات کا دن گزر کر، جمعہ کی رات، یا جمعہ کی رات کے ابتدائی حصہ کا ذکر ہے، جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قطع رحمی کا عمل شدید گناہ ہے، اس عمل کے مرتکب سے جمعرات کا پورا دن گزرنے تک توبہ و تلافی کا انتظار کرنے کے لیے مہلت دی جاتی ہے، اگر وہ دن گزار کر شام کے وقت بھی توبہ کرلے، تب بھی اس کے اعمال کو قبول کرلیا جاتا ہے، ورنہ قبول نہیں کیا جاتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

انظر (٧٦٣٩)وهو صحيح(حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى:

رواه احـمـد ورواته ثقات (الترغيب والترهيب للمنذرى، تحت رقم الحديث ٣٨٢٤، كتاب البر والصلة وغيرهما)

وقال الهيثمي:

رواه أحـمـد، ورجـالـه ثـقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٣٤٥٠، باب صلة الرحم وقطعها)

[1] حدثنا موسى بن إسماعيل ، قال : حدثنا الخزرج بن عثمان أبو الخطاب السعدى قال : أخبـرنـا أبـو أيوب سـليـمان مولى عثمان بن عفان قال : جـائـنا أبو هريرة عشية الخميس ليلة الجمعة فقال : أحرج على كل قاطع رحم لما قام من عندنا ، فلم يقم أحد حتى قال ثلاثا ، فأتى فتى عمة له قد صرمها منذ سنتين ، فدخل عليها ، فقالت له : يا ابن أخي ، ما جاء بک ؟ قال : سمعت أبا هريرة يقول كذا وكذا ، قالت : ارجع إليه فسله : لـم قال ذاک ؟ قال : سـمـعـت الـنبى صلى الله عليه وسلم يقول : إن أعـمـال بنى آدم تـعـرض عـلـى الـلـه تبارک وتعالى عشية كل خميس ليلة الجمعة ، فلا يقبل عمل قاطع رحم (الادب المفرد للبخارى، ص ٣٥، رقم الحديث ٦١،باب بر الأقرب فالأقرب)

[2] (إن أعـمـال بنى آدم تعرض على الله عشية كل) يوم (خميس ليلة الجمعة فلا يقبل عمل قاطع رحم) أى قريب بنحو إساءة أو هجر فعمله لا ثواب فيه وإن كان صحيحا وسبق أنه لا تلازم بين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ اعمال کی پیشی، یا اعمال کے اٹھائے جانے کا سلسلہ سالانہ بھی ہوتا ہے (جیسا کہ شعبان کے مہینہ میں)

اور یومیہ بھی ہوتا ہے (جیسا کہ صبح وشام کے اعمال)

اور ہفتہ وار بھی (جیسا کہ پیر اور جمعرات، یا شبِ جمعہ میں) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصحة وعدم القبول وهذا وعيد شديد يفيد أن قطعها كبيرة أى إن كان بما ذكر بخلاف قطعها بترك الإحسان أو نحوه فليس بكبيرة بل ولا صغيرة كما قاله العلامة الولى العراقى ويحتمل كونه صغيرة فى بعض الأحوال والعشية ما بين العشائين أو آخر النهار أو من الزوال إلى الصباح أو أول ظلام الليل أو غير ذلك وهى مؤنثة وربما ذكرت على معنى العشى قال فى الاتحاف: ذكر العرض فى الوقت المذكور بفهم أنه لا يقع فى غيره وليس مرادا لما ورد أن الأعمال تعرض يوم الإثنين والخميس وعليه فذكر العرض المتعلق بهذا فى عشية الخميس لاحتمال التخصيص بهذا العمل بترك العشية ويحتمل وهو أقرب أن الحكم بعدم القبول يؤخر إلى ليلة الجمعة فى العشية المذكورة فإن رجع إلى الحق وتاب قبل العمل عشية الخميس وإلا رد وفيه إشارة إلى أن الشخص ينبغى له تفقد نفسه فى تلك العشية ليلقى ليلة الجمعة على وجه حسن.

(حم خد عن أبى هريرة) قال الهيثمى كالمنذرى رجاله ثقات(فيض القدير للمناوى، ج۲ص۴۲٦، تحت رقم الحديث ۲۲۰۹)

(إن أعمال بنى آدم) أى المؤمنين منهم كما يدل له آخر الحديث .(تعرض على الله عشية كل خميس وليلة الجمعة) بدل من عشية زيادة فى الإيضاح وهو تنصيص على وقت أحد اليومين، فلا ينافى ما سبقه من ذكر العرض فى اليومين ويحتمل أنه خصص ليلة الجمعة ليقيد قوله: (فلا يقبل عمل قاطع رحم) أن عدم القبول خاص بهذه الليلة، وفى هذا دليل أن المراد أعمال المؤمنين إذ القبول خاص بأعمالهم، وقد سبق أنه لا يقبل عمل المتشاحنين بل يؤخر حتى يصطلحا .(حم خد عن أبى هريرة)، رمز المصنف لصحته(التنوير شرح الجامع الصغير، ج۳ص۵۷۹، تحت رقم الحديث۲۲۰۳)

[1] يحتمل أمران أحدهما أن أعمال العباد تعرض على الله تعالى كل يوم ثم تعرض عليه أعمال الجمعة فى كل اثنين وخميس ثم تعرض عليه أعمال السنة فى شعبان فتعرض عرضا بعد عرض ولكل عرض حكمة يطلع عليها من يشاء من خلقه أو يستأثر بها عنده مع أنه تعالى لا يخفى عليه من أعمالهم خافية ثانيهما أن المراد أنها تعرض فى اليوم تفصيلا ثم فى الجمعة جملة أو بالعكس(حاشيه السندى على سنن النسائى، ج۴ص۲۰۲، ۲۰۳، كتاب الصيام)

(تعرض أعمال الناس) الظاهر أنه أراد المكلفين منهم بقرينة ترتيبه المغفرة على العرض وغير المكلف لا ذنب له يغفر له كل جمعة مرتين قال القاضى :أراد بالجمعة الأسبوع فعبر عن الشىء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی جمعہ کی رات میں اللہ کے اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرمانے اور ہر مومن کی مغفرت فرمانے کی روایت اولاً تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور اگر اس کو معتبر مانا جائے، تو صحیح و معتبر احادیث کی روشنی میں اس سے پیر اور جمعرات کو اعمال کی پیشی مراد ہے، جن میں سے بعض روایات میں خاص وجہ سے جمعہ کی رات کا بھی ذکر ہے (ممکن ہے اس کی تعبیر حدیثِ ابنِ مسعود میں جمعہ کی رات سے کر دی گئی ہو، واللہ اعلم) اور محدثین کی تصریح و تشریح کے مطابق پیر اور جمعرات میں زندوں کے اعمال، اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جانا مراد ہیں، اور کامل مغفرت مراد لینے کی صورت میں کامل مومن مراد ہیں، اور غیر کامل مغفرت سے صغیرہ گناہوں کی معافی مراد ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بآخره وما يتم به ويوجد عنده والمعروض عليه هو الله تعالى أو ملك يوكله على جميع صحف الأعمال وضبطها (في كل جمعة مرتين يوم الاثنين ويوم الخميس وسبق الجمع بينه وبين رفع الأعمال بالليل مرة وبالنهار مرة (فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبدا) بالنصب لأنه استثناء من كلام موجب وفي رواية عبد بالرفع وتقديره فلا يحرم أحد من الغفران إلا عبد ومنه (فشربوا منه إلا قليل) بالرفع ذكره الطيبي (بينه وبين أخيه في الإسلام شحناء) بفتح فسكون ونون ممدودة أي غل فيقال اتركوا هذين (حتى يفيئا) أي يرجعا عما هما عليه من التقاطع والتباغض والفيئة كبيعة الحالة من الرجوع قال الطيبي :أتى باسم الإشارة بدل الضمير لمزيد التعبير والتنفير (فيض القدير للمناوي، ج٣ص ٢٥٠، تحت رقم الحديث ٣٣١٤)

(إن أعمال العباد تعرض)زاد في رواية على رب العالمين (يوم الإثنين ويوم الخميس) فليستح عبد أن يعرض على من أنعم عليه من عمله ما نهاه عنه ولا يعارضه خبر رفع عمل الليل قبل النهار والنهار قبل الليل لأنها تعرض كل يوم ثم تعرض أعمال الجمعة كل اثنين وخميس ثم أعمال السنة في شعبان فيعرض عرضا بعد عرض ولكل عرض حكمة استأثر بها الله أو أطلع عليها من شاء أو المراد تعرض في اليوم تفصيلا ثم في الجمعة جملة أو عكسه(فيض القدير للمناوي، ج٢، ص ٤٢٦، تحت رقم الحديث ٢٢٠٨)

والمعنى ترفع أعمالهم إلى الملأ الأعلى، ولا ينافيه رفعها كل يوم أعمال الليل بعد صلاة الصبح، وأعمال النهار بعد صلاة العصر، وكل يوم اثنين وخميس ;لأن الأول رفع عام لجميع ما يقع في السنة، والثاني رفع خاص لكل يوم وليلة، والثالث رفع لجميع ما يقع في الأسبوع وكان حكمة تكرير هذا الرفع مزيد تشريف الطائعين وتقبيح العاصين(مرقاة المفاتيح، ج٣ص ٩٧٤، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

اور اگر کوئی اس بات سے اتفاق نہ کرے، اور وہ اس روایت سے تمام زندہ اور مُردہ مومنوں کی بخشش کامل مراد لے، تو پھر اس میں جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کی کیا خصوصیت رہ جاتی ہے؟ یہ فضیلت صحیح احادیث کی رو سے پیر اور جمعرات کے دنوں میں بھی ہر مومن کو حاصل ہونی چاہیے، سوائے عداوت وبغض رکھنے والوں کے، عموم ہر مسلمان کا پھر بھی مراد لینا درست نہ ہوگا، اور اس طرح، جمعہ کے ساتھ ساتھ پیر و جمعرات، بلکہ پندرہ شعبان وغیرہ کو بھی مُردوں کے عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کا عقیدہ بنانے کی ضرورت پیش آئے گی، جس کے شاید مدعی حضرات بھی قائل نہ ہوں، کیونکہ ان کی بحث کا سارا محور ''جمعہ کا دن اور جمعہ کی رات'' ہی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت کی روایات اسناد کے اعتبار سے نا قابلِ اعتبار، یا ضعیف ہیں، اور کم از کم اس قابل نہیں کہ عقائد کے باب میں ان کا اعتبار کیا جائے، اور ان کی بنیاد پر یہ عقیدہ بنایا جائے کہ فوت ہونے کے بعد جمعہ آتے ہی ہر مسلمان کو تا قیامت قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، یا جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہو، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، چہ جائیکہ اس قسم کی روایات سے قبر میں جمعہ کے دن کافروں کو عذاب نہ ہونے پر استدلال کیا جائے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 3)

بروز جمعہ، فوت شدہ کے شہید ہونے کی روایات

بعض کتابوں میں جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے مسلمان کو شہید کا درجہ حاصل ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے، اور اس کے لیے چند روایات کو مستدل بنایا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی نے ''شرح الصدور'' میں ان روایات کا ذکر کیا ہے۔ [1]

اور علامہ سیوطی کی ایک عبارت کو صاحبِ مرقاۃ نے بھی نقل کیا ہے۔ [2]

---

[1] وقال الحكيم الترمذى فى توجيه حديث المرابط إنه قد ربط نفسه وسجنها وصيرها حبيسا لله فى سبيله لمحاربة أعدائه فإذا مات على هذا فقد ظهر صدق ما فى ضميره فوقى فتنة القبر.
قال ومن مات يوم الجمعة فقد إنكشف الغطاء عما له عند الله لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها ولا يعمل سلطان النار ما يعمل فى سائر الأيام فإذا قبض الله عبدا من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن مآبه لأنه لا يقبض فى هذا اليوم العظيم إلا من كتب الله له السعادة عنده فلذلك يقيه فتنة القبر لأن سببها إنما هو تمييز المنافق من المؤمن إنتهى.
قلت ومن تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة له أجر شهيد فكان على قاعدة الشهداء فى عدم السؤال.
كما أخرج أبو نعيم فى الحلية عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر وجاء يوم القيامة عليه طابع الشهداء.
وأخرج حميد فى ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد ووقى فتنة القبر
وأخرج من طريق إبن جريج عن عطاء بن يسار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم أو مسلمة يموت ليلة الجمعة أو يوم الجمعة إلا وقى عذاب القبر وفتنة القبر ولقى الله ولا حساب عليه وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له بالجنة أو طابع وهذا الحديث لطيف صرح فيه بنفى الفتنة والعذاب معا (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور،للسيوطى،ص ١٥١، ١٥٢،باب من لا يسأل فى القبر)

[2] قلت :ذكره السيوطى فى باب من لا يسأل فى القبر، وقال :أخرجه أحمد والترمذى، وحسنه، وابن أبى الدنيا، عن ابن عمرو، ثم قال :وأخرجه ابن وهب فى جامعه، والبيهقى أيضا من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر صاحبِ مرقاۃ سے صاحبِ ''تحفۃُ الاحوذی'' نے نقل کیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طریق آخر عنه بلفظه " :إلا برء من فتنة القبر "، وأخرجه البيهقى أيضا من طريق ثالثة عنه موقوفا بلفظ " :وقى الفتان "، قال القرطبى :هذه الأحاديث، أى التى تدل على نفى سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة، أى :لا تعارضها بل تخصها وتبين من لا يسأل فى قبره ولا يفتن فيه ممن يجرى عليه السؤال ويقاسى تلك الأهوال، وهذا كله ليس فيه مدخل للقياس ولا مجال للنظر فيه، وإنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق، قال الحكيم الترمذى :ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند الله ;لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها ولا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل فى سائر الأيام، فإذا قبض الله عبدا من عبيده، فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن مآبه، وأنه لا يقبض فى هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده، فلذلك يقيه فتنة القبر ;لأن سببها إنما هو تمييز المنافق من المؤمن.

قلت :ومن تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة له أجر شهيد، فكان على قاعدة الشهداء فى عدم السؤال، كما أخرجه أبو نعيم فى الحلية عن جابر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، وجاء يوم القيامة وعليه طابع الشهداء ." وأخرج حميد فى ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال " :من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد، ووقى فتنة القبر ."وأخرج من طريق ابن جرير عن عطاء قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ما من مسلم أو مسلمة يموت فى يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقى عذاب القبر وفتنة القبر، ولقى الله ولا حساب عليه، وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له أو طابع "وهذا الحديث لطيف صرح فيه بنفى الفتنة والعذاب معا .اهـ كلام السيوطى رحمه الله(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١٠٢١ ، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

؎ وقال القارىء فى المرقاة ذكره السيوطى فى باب من لا يسأل فى القبر وقال أخرجه أحمد والترمذى وحسنه وبن أبى الدنيا عن بن عمرو ثم قال وأخرجه بن وهب فى جامعه والبيهقى أيضا من طريق آخر عنه بلفظ إلا برء من فتنة القبر.

وأخرجه البيهقى أيضا ثالثة عنه موقوفا بلفظ وقى الفتان.

قال القرطبى هذه الأحاديث أى التى تدل على نفى سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة أى لا تعارضها بل تخصها وتبين من لا يسأل فى قبره ولا يفتن فيه فمن يجرى عليه السؤال ويقاسى تلك الأهوال.

وهذا كله ليس فيه مدخل للقياس ولا مجال للنظر فيه .

وإنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق.

قال الحكيم الترمذى ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند الله لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها ولا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل فى سائر الأيام فإذا قبض الله عبدا من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن مآبه وإنه لا يقبض فى هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چونکہ اس طرح کسی کو شہیدِ اخروی قرار دینے کا تعلق کسی عمل کے بجائے عقیدہ سے ہے، جس کا معاملہ زیادہ نازک ہوتا ہے۔

لیکن موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم کی طرف سے اس سلسلہ میں احتیاط کے پہلو کی رعایت کما حقہٗ نہیں پائی جاتی، اس لیے جمعہ کے دن فوت ہونے پر شہید کا درجہ حاصل ہونے کی روایات اور ان کی اسنادی حیثیت کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت

ابونعیم اصبہانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

> جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہوگیا، تو وہ قبر کے عذاب سے بچا لیا جائے گا، اور قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی (حلیۃ الاولیاء)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اليوم إلا من كتب له السعادة عنده فلذلك يقيه فتنة القبر لأن سببها إنما هو تمييز المنافق من المؤمن قلت ومن تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة له أجر شهيد فكان على قاعدة الشهداء في عدم السؤال.

كما أخرجه أبو نعيم في الحلية عن جابر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر وجاء يوم القيامة وعليه طابع الشهداء .

وأخرج حميد في ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد ووقى فتنة القبر.

وأخرج من طريق بن جريح عن عطاء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم أو مسلمة يموت في يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقى عذاب القبر.

وفتنة القبر ولقى الله ولا حساب عليه وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له أو طابع.

وهذا الحديث لطيف صرح فيه بنفي الفتنة والعذاب معا انتهى كلام السيوطي(تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي،لمحمد عبد الرحمن المباركفوري، ج۴،ص ۱۶۰ ، ابواب الجنائز، باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة)

ابونعیم اصبہانی نے اس حدیث کونقل کرنے کے بعد اس کی سند کو غریب قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کی سند میں عمر بن موسیٰ مدنی نے تفرد اختیار کیا ہے، جو کہ ضعیف ہیں۔ [1]

دیلمی کی ''مسند الفردوس'' میں بھی بغیر سند کے یہ روایت مذکور ہے۔ [2]

لیکن مذکورہ روایت کے ایک راوی عمر بن موسیٰ مدنی کو امام بخاری نے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔ [3]

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ یہ شخص حدیث کے متن اور اس کی سند کو گھڑنے والے لوگوں میں شامل ہے۔ [4]

---

[1] حدثنا عبد الرحمن بن العباس الوراق، ثنا أحمد بن داود السجستانی، ثنا الحسن بن سوار أبو العلاء، ثنا عمر بن موسی بن الوجیه، عن محمد بن المنکدر، عن جابر، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة أجیر من عذاب القبر وجاء یوم القیامة علیه طابع الشهداء.

غریب من حدیث جابر ومحمد تفرد به عمر بن موسی، وهو مدنی فیه لین(حلیة الاولیاء، ج۳ص۱۵۵، تحت ترجمة محمد بن المنکدر، الطبقة الاولیٰ من التابعین)

[2] جابر وعبد الله بن عمر: من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة وقی فتنة القبر وجاء یوم القیامة وعلیه طابع الشهداء (الفردوس بمأثور الخطاب،للدیلمی، ج۳ص۴۰۵، رقم الحدیث ۵۵۵۹، باب المیم)

[3] عمر بن موسی، هو الوجیهی.عن القاسم، عن أبی أمامة، رضی الله عنه، تدلی أبو بکر، رضی الله عنه.سمع منه عبد الرحمن بن إبراهیم.فیه نظر.

وروی ابن إسحاق، عن عمر بن موسی بن وجیه، عن أبی سفیان، عن عبد الرحمن بن أبی بکرة، فی الدعاء .منکر الحدیث(التاریخ الکبیر،للبخاری، ج۶،ص۱۹۷، رقم الترجمة ۲۱۵۷،باب العین)

[4] عمر بن موسی بن وجیه الوجیهی.

حدثنا ابن حماد، حدثنا عباس الدوری، عن یحیی، قال: عمر بن موسی الوجیهی لیس بثقة وقد حدث عنه بقیة.

حدثنا الجنیدی، حدثنا البخاری قال عمر بن موسی بن وجیه الوجیهی، عن القاسم، عن أبی أمامة منکر الحدیث.

وقال النسائی عمر بن موسی متروک الحدیث.

وقال ابن إسحاق عن عمر بن موسی بن وجیه، عن أبی سفیان، عن عبد الرحمن بن أبی بکرة بالدعاء بحدیث منکر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ:

''یہ مشاہیر سے مناکیر کو روایت کرتا ہے، جس کی وجہ سے یہ عدالت کی حد سے نکل کر جرح کی حد میں داخل ہو گیا، اور ترک کا مستحق ہو گیا''۔ [1]

ابوحاتم نے اس راوی کو ''واضعُ الحدیث ، ذاهبُ الحدیث ، متروکُ الحدیث'' قرار دیا ہے۔ [2]

اور امام نسائی اور دارقطنی نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا أحمد بن علی، حدثنا عبد الله بن الدورقی قال یحیی بن معین حدث بقیة عن عمر بن موسی الوجیهی شامی ولیس بثقة.............

قال الشیخ: ولعمر بن موسی غیر ما ذکرت من الحدیث کثیر وکل ما أملیت لا یتابعه الثقات علیه وما لم أذکره کذلک، وهو بین الأمر فی الضعفاء، وهو فی عداد من یضع الحدیث متنا وإسنادا (الکامل فی ضعفاء الرجال،لا بن عدی، ج ٦،ص ١٣ ، الیٰ ٢٣ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ١١٨٧ ،من اسمه عمر)

عمر بن موسی بن وجیه المیثمی الوجیهی الحمصی [الأنصاری الدمشقی]

عن مکحول والقاسم أبی عبد الرحمن .

وعنه بقیة وأبو نعیم وإسماعیل بن عمرو البجلی وآخرون.

قال البخاری: منکر الحدیث.

وقال ابن معین: لیس بثقة.

وقال ابن عدی: هو ممن یضع الحدیث متنا وإسنادا.

وهو عمر بن موسی بن وجیه الأنصاری الدمشقی , ووهم من عده کوفیا(لسان المیزان، ج٦ص١٤٨، ١٤٩ ،رقم الترجمة ٥٦٩٨)

[1] عمر بن موسی بن وجیه الوجیهی:یروی عن الزهری والقاسم، روی عنه ابن إسحق کان ممن یروی المناکیر عن المشاهیر، فلما کثر (فی) روایته عن الثقات ما لا یشبه حدیث الاثبات حتی خرج عن حد العدالة إلی الجرح فاستحق الترک(المجروحین لابنِ حبان، ج٢ص ٨٦،رقم الترجمة ٦٤٢، باب العین)

[2] عبد الرحمن قال سألت ابی عن عمر بن موسی الوجیهی فقال متروک الحدیث ذاهب الحدیث کان یضع الحدیث(الجرح والتعدیل،لابن أبی حاتم ،ج٦،ص ١٣٣ ،رقم الترجمة ٧٢٧)

[3] عمر بن موسی الوجیهی متروک الحدیث(الضعفاء والمتروکون للنسائی،ص٨٢، تحت رقم الترجمة ٤٦٣،باب العین)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ ذہبی نے ابنِ حبان سے اس کے جھوٹا ہونے کی شہادت نقل کی ہے۔ ۱؎

اورابوداؤد نے اس کے متعلق ''لیس بشیء'' فرمایا۔ ۲؎

اورابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے فرمایا کہ:

''میں نے اہلِ علم حضرات کوعمر بن موسیٰ کی حدیث کی مذمت اور برائی بیان کرتے ہوئے سنا''۔ ۳؎

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث اگر منگھڑت نہ ہو، تو اس کی سند کا شدید ضعف سے خالی ہونا مشکل ہے، کیونکہ جس راوی پر ''متھم بالکذب'' ہونے کا الزام ہو، اس کی روایت کا شدید ضعیف ہونا ہی راجح ہوتا ہے، پھر بھی اگر کوئی عقیدہ جیسے اہم باب میں اس حدیث سے استدلال کرے، تو یہ اس کا اپنا معاملہ ہے، لیکن ہم فیما بیننا وبین اللہ اس طرح کی شدید ضعیف اور متہم بالکذب راوی کی سند والی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عمر بن موسى بن وجيه الوجيهي الكوفي ويقال الشامي يروى عن أبي الزبير والزهرى والقاسم بن محمد قال يحيى ليس بثقة وقال أبو حاتم الرازى متروك الحديث كان يضع الحديث وقال النسائي وعلى بن الجنيد والدارقطني متروك وقال ابن عدى هو فى عداد من يضع الحديث متنا وإسنادا وقال ابن حبان يروى المناكير عن المشاهير كثيرا فاستحق الترك قال الدارقطني وقد روى عنه يحيى بن يعلى الأسلمي فقال عن عبد الله بن موسى(الضعفاء والمتروكون،لجمال الدين عبد الرحمن الجوزى، ج۲،ص۲۱۷، تحت رقم الترجمة ۲۵۱۰،من اسمه عمر)

۱؎ عمر بن موسى الوجيهي الحمصي عن مكحول قال ابن حبان يروى الموضوعات وورى عنه عفير بن معدان وأشهد بكذبه وقال ابن عدى هو ممن يضع(المغنى فى الضعفاء ، للذهبى، ج۲، ص۴۷۴، تحت رقم الترجمة ۴۵۵۱،حرف العين)

۲؎ سمعت أبا داود يقول: " عمر بن موسى الوجيهي ليس بشيء يروى عن قتادة وسماك مناكير "(سؤالات أبى عبيد الآجرى أبا داود السجستانى فى الجرح والتعديل،ص۱۶۳ ،ذكر أهل الكوفة)

۳؎ عمر بن موسى الوجيهي سمعتهم يذمون حديثه يحدث عنه بقية(أحوال الرجال،لإبراهيم بن يعقوب الجوزجاني،ص۲۹۵، ۲۹۶، تحت رقم الترجمة ۳۱۰،أهل المدينة وغيرها)

کی طرف کرنے کو خطرناک اور کم از کم احتیاط کے خلاف ضرور سمجھتے ہیں۔ [1]

ابنِ جریج کی مرسل روایت

عبدالرزاق نے ابنِ جریج سے اور انہوں نے ایک مبہم شخص سے، اور انہوں نے ابنِ شہاب زہری سے مرسلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت کیا ہے کہ:

”من مات ليلة الجمعة – أو يوم الجمعة – برء من فتنة القبر أو قال: وقى فتنة القبر، وكتب شهيدا“.

یعنی جو شخص جمعہ کی رات میں، یا جمعہ کے دن میں فوت ہو گیا، تو وہ قبر کے فتنہ سے

---

[1] قال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:
وأما حديث جابر فأخرجه أبو نعيم فى "الحلية "(3/ 155) من طريق عمر بن موسى بن وجيه الحمصى عن محمد بن المنكدر عن جابر مرفوعا "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، وجاء يوم القيامة عليه طابع الشهداء ."
وقال :غريب من حديث جابر ومحمد، تفرد به عمر بن موسى وهو مدنى فيه لين"
قلت :هو متهم بالوضع والكذب(أنِيسُ السَّارى تخريج احاديث فتح البارى، ج۷،ص ۴۷۶۰،حرف الميم، تحت رقم الحديث ۳۳۹۳)
وقال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:
وأما حديث جابر بن عبد الله :فأخرجه أبو نعيم فى الحلية (3/ 155) قال :حدثنا عبد الرحمن بن العباس الوراق، حدثنا أحمد بن داود السجستانى، حدثنا الحسن بن سوار أبو العلاء، حدثنا عمر بن موسى بن الوجيه، عن محمد بن المنكدر، عن جابر قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، فذكره.
ولفظه :من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، وجاء يوم القيامة وعليه طابع الشهداء .
قال أبو نعيم :هذا حديث غريب من حديث جابر ومحمد، تفرد به عمر بن موسى، وهو مدلس فيه لين .قلت :بل قال فيه البخارى :منكر الحديث، وقال ابن عدى :هو ممن يضع الحديث متنا وإسنادا.
انظر :ترجمته فى الميزان .(3/ 224)وعلى ذلك، فالإسناد ضعيف جدا على أقل الأحوال، لا يصلح فى المتابعات والشواهد(حاشية المطالب العالية ،ج۵،ص۲۴۷، تحت رقم الحديث ۷۹۵،كتاب الجنائز،باب الموت يوم الجمعة)

بری ہوگیا، یا یہ فرمایا کہ قبر کے فتنہ سے محفوظ ہوگیا، اور شہید لکھا گیا۔ [1]

اس روایت کو بھی کئی اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ ''مرسل'' بلکہ ''معضل'' ہونے کے علاوہ اس میں ایک راوی ''رجلِ مبہم'' ہیں، جن کا حال معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسے ہیں؟ [2]

علاوہ ازیں اس روایت میں راوی کی طرف سے شک واحتمال کے ساتھ فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

نیز اس میں ابنِ جریج کا ایک مبہم راوی سے ''عنعنه'' بھی پایا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] عبد الرزاق، عن ابن جريج، عن رجل، عن ابن شهاب، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من مات ليلة الجمعة – أو يوم الجمعة – برء من فتنة القبر أو قال: وقى فتنة القبر، وكتب شهيدا (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۵۵۹۵،كتاب الجمعة، باب من مات يوم الجمعة)

[2] أما مجهول الذات لا يقبله أحد ولم يقل أحد بقبوله، اللهم إلا إن كان من الصحابة، حدثنى رجلٌ صحب النبى -عليه الصلاة والسلام -هذا مقبول؛ لأن جهالة الصحابى لا تضر(شرح اختصار علوم الحديث،لعبد الكريم الخضير،دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير، رقم الدرس ۸،ص ۱۸)

حكم رواية مجهول الذات:

حكم رواية مجهول الذات :لا تقبل رواية مجهول الذات حتى يصرح الراوى عنه باسمه، أو يعرف اسمه بوروده من طريق آخر مصرح فيه باسمه، لا سيما إذا كان يشترك معه فى الاسم الذى أوقع الجهالة، يشترك معه أكثر من واحد وفيهم الثقة وغير الثقة.

قال الحافظ ابن حجر" :ولا يقبل حديث المبهم ما لم يسم؛ لأن شرط قبول الخبر عدالة راويه، ومن أبهم اسمه لا يعرف، فكيف تعرف عدالته؟(شرح نخبة الفكر،لعبد الكريم الخضير ،دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير،رقم الدرس ۶ ،ص ۲۹ ،أقسام المجاهيل)

[3] قال شعيب الارنؤوط:

وآخر من حديث جابر بن عبد الله عند أبى نعيم فى "الحلية۳/۱۵۵ "وقال :غريب من حديث جابر ومحمد بن المنكدر، تفرد به عمر بن موسى، وهو مدنى فيه لين .قلنا :قال أبو حاتم :ذاهبُ الحديث كان يضع الحديث، وقال النسائى والدارقطنى :متروك. وقال ابن عدى :هو ممن يضع الحديث متناً وإسناداً.وقد ذكرنا هذين الشاهدين الضعيفين، والثانى منهما ضعيف جداً، لأن المناوى عزا الحديث إليهما فى "فيض القدير۵/۴۹۹"وقال :فلو عزاه المؤلف (يعنى السيوطى)لهؤلاء كان أجود (يعنى من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات ملحوظ رہے کہ ابنِ جریج کو اگرچہ اکثر محدثین نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ان کو ''تدلیس'' کے ساتھ متصف بھی کیا ہے، بلکہ امام دارقطنی نے تو ابنِ جریج کی ''تدلیس'' کو ''شر التدلیس'' اور ''قبیح التدلیس'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ ابنِ جریج صرف اسی شخص سے ''تدلیس'' کرتے ہیں، جو ''مجروح'' ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عزوه إلى حديث ابن عمرو عند أحمد والترمذى) . قلنا :ليس العزو إليهما بأجود لأن إسناديهما كما قد رأيت.وله شاهد ثالث ضعيف أيضاً من حديث الزهرى عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عند عبد الرزاق٥٥٩٥، وهو معضل، وفيه عنعنة ابن جريج عن راو مبهم ورابع من قول عكرمة بن خالد المخزومى عند البيهقى فى "إثبات عذاب القبر١٥٨ "(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ٦٥٨٢)

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتي:

وأما حديث الزهرى فأخرجه عبد الرزاق (5595) عن ابن جريج عن رجل عن ابن شهاب مرسلا.

وإسناده ضعيف للرجل الذى لم يسم(أنِيسُ السَّارى تخريج احاديث فتح البارى، ج٧،ص ٤٧٦٠،حرف الميم، تحت رقم الحديث ٣٣٩٣)

[1] عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج المكى فقيه الحجاز مشهور بالعلم والثبت كثير الحديث وصفه النسائى وغيره بالتدليس قال الدارقطنى شر التدليس تدليس بن جريج فإنه قبيح التدليس لا يدلس الا فيما سمعه من مجروح(تعريف اهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس،لا بن حجر العسقلانى،ص ٤١، رقم الترجمة ٨٣،المرتبة الثالثة :وعدتهم خمسون نفسا)

عبد الملك "بن عبد العزيز بن جريج الأموى مولاهم أبو الوليد وأبو خالد المكى أصله رومى........مات بن جريج فى أول عشر ذى الحجة سنة خمسين ومائة وهو ابن "سبعين "سنة وكان ثقة كثير الحديث.

وقال الترمذى قال محمد بن إسماعيل لم يسمع بن جريج من عمرو بن شعيب ولا من عمران بن أبى أنس .

وقال أحمد لم يسمع من عثيم ابن كليب .

وقال أبو حاتم لم يسمع من أبى الزناد ولا من أبى سفيان طلحة بن نافع .

وقال البرديجى لم يسمع من مجاهد إلا حرفا واحدا .

وقال البزار لم يسمع من حبيب بن أبى ثابت انتهى .

وقد قال ابن معين لم يسمع بن جريج من حبيب بن أبى ثابت إلا حديثين حديث أم سلمة ما أكذب الغرائب وحديث الراقى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عطاء کی مرسل روایت

علامہ سیوطی نے ''شرحُ الصدور ''میں حمید بن زنجویہ کی ''الترغیب'' کے حوالے سے ابنِ جریج کی عطاء بن یسار سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ جو مسلمان مرد، یا مسلمان عورت بھی جمعہ کی رات میں، یا جمعہ کے دن میں فوت ہوجائے، تو اس کو قبر کے عذاب اور قبر کے فتنہ سے محفوظ کردیا جاتا ہے، اور وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا، اور وہ قیامت کے دن اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الدارقطني تجنب تدليس بن جريج فإنه قبيح التدليس لا يدلس إلا فما سمعه من مجروح مثل إبراهيم بن أبي يحيى وموسى بن عبيدة وغيرهما وأما بن عيينة فكان يدلس عن الثقات .

وقال قريش بن أنس عن ابن جريج لم أسمع من الزهري شيئا إنما أعطاني جزء فكتبته وأجاز له.

وذكره ابن حبان في الثقات وقال كان من فقهاء أهل الحجاز وقرائهم ومتقنيهم وكان يدلس .

وقال الذهلي وابن جريج إذا قال حدثني وسمعت فهو محتج بحديثه داخل في الطبقة الأولى من أصحاب الزهري .

وقال أبو بكر بن أبي خيثمة حدثنا إبراهيم بن عرعرة عن يحيى بن سعيد عن ابن جريج قال إذا قلت قال عطاء فأنا سمعته منه وإن لم أقل سمعت .

قال أبو بكر ورأيت في كتاب علي بن المديني سألت يحيى بن سعيد عن حديث بن جريج عن عطاء الخراساني فقال ضعيف قلت ليحيى أنه يقول أخبرني قال لا شيء كله ضعيف إنما هو كتاب دفعه إليه.

وسئل عنه أبو زرعة فقال بخ من الأئمة .

وقال ابن خراش كان صدوقا.

وقال العجلي مكي ثقة.

وقال الشافعي استمتع بن جريج بسبعين امرأة .

وقال أبو عاصم كان من العباد وكان يصوم الدهر إلا ثلاثة أيام من الشهر(تهذيب التهذيب،لا بن حجر العسقلاني،ج٦،ص ٤٠٢ الیٰ ٤٠٦ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٧٥٨،تابع حرف العين،من اسمه عبد الملک)

حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ جنت کی گواہی دینے والے گواہ موجود ہوں گے، یا مہر لگانے والے موجود ہوں گے۔ [1]

اس روایت کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ یہ ''مرسل'' یا ''معضل'' ہے، اور اس میں ابنِ جریج کا عطاء سے ''عنعنة'' بھی پایا جاتا ہے، اور اس روایت میں بھی راوی نے شک و احتمال کے ساتھ فضیلت کو بیان کیا ہے، نیز اس روایت میں ایسی اضافی فضیلت بھی مذکور ہے، جس کی تائید دوسری روایات سے نہیں ہوتی، اور مہر لگانے کی بھی تصریح نہیں کہ اس سے ایمان کی مہر مراد ہے، یا شہادت کی مہر مراد ہے۔

جس کے بارے میں پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

لہٰذا اس روایت سے جمعہ کے دن فوت شدہ کے شہید ہونے پر استدلال واضح نہیں ہوگا۔ [2]

ابنِ جریج کے ''عنعنة'' کے متعلق پیچھے کچھ بحث گزر چکی ہے۔

ابوبکر بن ابی خیثمہ نے فرمایا کہ میں نے علی بن مدینی کی کتاب میں دیکھا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے ابنِ جریج کی عطاء سے مروی حدیث کی سند کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ''ضعیف'' ہے، میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ ابنِ جریج تو یہ کہتے ہیں کہ مجھے عطاء نے خبر دی، تو یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس سند کی تمام

---

[1] وأخرج من طريق إبن جريج عن عطاء بن يسار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم أو مسلمة يموت ليلة الجمعة أو يوم الجمعة إلا وقى عذاب القبر وفتنة القبر ولقى الله ولا حساب عليه وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له بالجنة أو طابع (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، للسيوطى، ص ۱۵۲، باب من لا يسأل فى القبر)

[2] قال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:

وأخرج حميد أيضا فى ترغيبه من طريق ابن جريج، عن عطاء قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-ما من مسلم أو مسلمة يموت فى يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقى عذاب القبر، وفتنة القبر، ولقى الله، ولا حساب عليه، وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له أو طابع.

وسنده مرسل، أو معضل (حاشية المطالب العالية، ج۵، ص۲۴۷، ۲۴۸، تحت رقم الحديث ۷۹۵، كتاب الجنائز، باب الموت يوم الجمعة)

حدیثیں ضعیف ہیں، کیونکہ عطاء نے ان کو صرف کتاب دی تھی۔ [1]

پس جس طرح ابنِ جریج کی مذکورہ روایات کو فی نفسہٖ ضعیف قرار دینے کی گنجائش ہے، اسی طرح شدید ضعیف اور بالخصوص عقائد کے باب میں نا قابلِ حجت قرار دینے کی بھی گنجائش ہے۔

جیرانِ رسولُ اللہ کی روایت

ابنِ عساکر (المتوفی: 571 ہجری) نے ''تعزیۃُ المسلم'' میں ابو محمد سرنجی اور حمید بن زنجویہ کی سند سے ابنِ لہیعہ اور عیسیٰ بن موسیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند پڑوسی لوگوں سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

''من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد ووقى فتنة القبر''

''جو جمعہ کے دن فوت ہو جاتا ہے، اس کے لیے شہید کا اجر وثواب لکھا جاتا ہے، اور اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ کر دیا جاتا ہے''۔ [2]

---

[1] وقال أبو بكر بن أبي خيثمة حدثنا إبراهيم بن عرعرة عن يحيى بن سعيد عن ابن جريج قال إذا قلت قال عطاء فأنا سمعته منه وإن لم أقل سمعت .

قال أبو بكر ورأيت في كتاب علي بن المديني سألت يحيى بن سعيد عن حديث بن جريج عن عطاء الخراساني فقال ضعيف قلت ليحيى أنه يقول أخبرني قال لا شيء كله ضعيف إنما هو كتاب دفعه إليه.

وسئل عنه أبو زرعة فقال بخ من الأئمة .

وقال ابن خراش كان صدوقا.

وقال العجلي مكي ثقة.

وقال الشافعي استمتع بن جريج بسبعين امرأة .

وقال أبو عاصم كان من العباد وكان يصوم الدهر إلا ثلاثة أيام من الشهر (تهذيب التهذيب، لا بن حجر العسقلاني، ج٦، ص٤٠٥، ٤٠٦، تحت رقم الترجمة ٧٥٨، تابع حرف العين، من اسمه عبد الملك)

[2] أنبا أبو عبد الله الفراوي وحدثنا العمري أنا أبو محمد السرنجي أنا أبو جعفر الرداني ثنا حميد بن زنجويه نا أبو الأسود حدثني ابن لهيعة عن عياش يعني ابن عباس القتباني عن عيسى بن موسى عن أناس من جيران رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد ووقى فتنة القبر (تعزية المسلم عن أخيه لابنِ عساكر، رقم الحديث ١١١، بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

بعض حضرات نے اس روایت کو ''ابنِ لهيعه'' کی وجہ سے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ ۱؎

۱؎ قال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتي:

وإسناده ضعيف لضعف ابن لهيعة(أنِيسُ السَّارى فى تخريج وَتحقيق الأحاديث التى ذكرها الحَافظ ابن حَجر العسقلانى فى فَتح البَارى، ج۷،ص ۴۷۶۰،حرف الميم، تحت رقم الحديث ۳۳۹۳)

وقال الذهبى:

ابن لهيعة الإمام الكبير قاضى الديار المصرية وعالمها ومحدثها أبو عبد الرحمن عبد الله بن لهيعة بن عقبة بن فرعان الحضرمى المصرى :حدث عن عطاء بن أبى رباح وعبد الرحمن بن هرمز الأعرج وعمرو بن شعيب ومشرح بن هاعان وأبى يونس مولى أبى هريرة وزيدى بن أبى حبيب وأبى الأسود يتيم عروة وعدد كثير .ولم يكن على سعة علمه بالمتقن .حدث عنه ابن المبارك وابن وهب وأبو عبد الرحمن المقرء وطائفة قبل أن يكثر الوهم فى حديثه وقبل احتراق كتبه فحديث هؤلاء عنه أقوى وبعضهم يصححه ولا يرتقى إلى هذا .وحدث عنه أبو صالح الكاتب وقتيبة بن سعيد ويحيى بن بكير ومحمد بن رمح وكامل بن طلحة وخلائق .وروى عنه من القدماء الأوزاعى وعمرو بن الحارث وسفيان وشعبة .أخبرنا أحمد بن الربيع أنا ابن عبد السلام أنا الأرموى وابن الداية والطرائفى قالوا أنا محمد بن أحمد أنا أبو الفضل الزهرى أنا جعفر الفريابى ثنا قتيبة نا ابن لهيعة عن يزيد بن أبى حبيب عن أسلم أبى عمران سمعت أبا أيوب الأنصارى يقول :ليأتين على الرجل أحيان وما فى جلده موضع إبرة من النفاق وإنه ليأتى عليه أحايين وما فيه موضع إبرة من الإيمان .قال أحمد بن حنبل :من كان مثل ابن لهيعة بمصر فى كثرة حديثه وضبطه وإتقانه.

حدثنى إسحاق بن موسى أنه لقيه سنة أربع وستين وإن كتبه احترقت سنة تسع وستين ومائة .وأما سعيد بن أبى مريم فقال لم يحترق له كتاب وكان يضعفه .أبو داود سمعت أحمد بن حنبل يقول :ما كان محدث مصر إلا ابن لهيعة .وقال أحمد بن صالح :كان ابن لهيعة صحيح الكتاب طلابا للعلم.

وقال زيد بن الحباب قال سفيان الثورى :عند ابن لهيعة الأصول وعندنا الفروع .وقال عثمان بن صالح :احترقت داره وكتبه وسلمت أصوله، كتبت كتاب عمارة بن غزية من أصله، وقال يحيى القطان وجماعة ضعيف :وقال ابن معين :ليس بذاك القوى.

وسئل عنه أبو زرعة وعن سماع القدماء منه فقال :أوله وآخره سواء إلا أن ابن المبارك وابن وهب كانا يتبعان أصوله .قال قتيبة :لما احترقت كتب ابن لهيعة بعث إليه الليث من الغد بألف دينار ولما مات سمعت الليث يقول :ما خلف مثله قلت ولى قضاء مصر سنة خمس وخمسين ومائة تسعة أشهر وقرر له المنصور فى الشهر ثلاثين دينارا وقد وقع لى من عواليه قال ابن يونس :ولد سنة سبع وتسعين ومات فى نصف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ مذکورہ روایت میں ''عیسٰی بن موسٰی '' پائے جاتے ہیں، اور بظاہر یہ ''عیسٰی بن موسٰی بن محمد بن ایاس بن بکیر '' ہیں، جن کو ''ابنِ ابی حاتم '' نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ربیع الأول سنة أربع وسبعين ومائة رحمه الله تعالى قلت يروى حديثه فى المتابعات ولا يحتج به(تذكرة الحفاظ،للذهبى ،ج ١،ص ١٧٤،١٧٥ ،رقم الترجمة ٢٢٤ "١٧/٥" الطبقة الخامسة من الكتاب)

وقال الذهبى ايضاً:

قلت :ضعفه يحيى بن سعيد القطان وغيره، وسائر النقاد على أنه لا يحتج بحديثه.

قال عبد الرحمن بن مهدى :كتب إلى ابن لهيعة كتابا، فإذا فيه :حدثنا عمرو بن شعيب. فقرأته على ابن المبارك، فأخرج إلى كتابه عن ابن لهيعة، فإذا فيه :حدثنى إسحاق بن أبى فروة، عن عمرو بن شعيب.

قال معاوية بن صالح، عن ابن معين :ضعيف.

وقال أحمد بن زهير، عن ابن معين :ليس بذاك القوى.

وروى الدارمى عن ابن معين :ضعيف الحديث.

وروى عباس عن ابن معين :لا يحتج به.

وسئل أبو زرعة عن سماع القدماء من ابن لهيعة فقال :أوله وآخره سواء ، إلا أن ابن المبارك وابن وهب كانا يتتبعان أصوله.

وقال أبو حاتم :سمعت سعيد بن أبى مريم يقول :حضرت ابن لهيعة فى آخر عمره وقوم من البربر يقرأون عليه من حديث منصور والأعمش، فقلت له :يا أبا عبد الرحمن، ليس هذا من حديثك .قال :بلى، هذه أحاديث قد مرت على مسامعى .فلم أكتب عنه بعد ذلك.

وقال أبو زرعة :كان ابن لهيعة لا يضبط، وليس بحجة .

وقال أبو سعيد بن يونس :ذكر النسائى يوما ابن لهيعة فضعفه، وقال :ما أخرجت من حديثه شيئا قط إلا حديثا واحدا، وهو حديث عمرو بن الحارث، عن ابن لهيعة، عن مشرح، عن عقبة مرفوعا قال " :فى الحج سجدتان ."أخبرنا به هلال بن العلاء قال: حدثنا معافى بن سليمان، عن موسى بن أعين، عنه.

وقال الجوزجانى :ابن لهيعة لا نور على حديثه، ولا ينبغى أن يحتج به، ولا يعتد به.

وقال الحميدى، عن يحيى القطان :إنه كان لا يرى ابن لهيعة شيئا.

وقال البخارى :حدثنى أحمد بن عبد الله قال :أخبرنا صدقة بن عبد الرحمن قال: حدثنا ابن لهيعة، عن مشرح بن هاعان، عن عقبة قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ ابنِ حبان نے ان کا ذکر ''ثقات'' میں کیا ہے، مگر بایں ہمہ یہ روایت منقطع ٹھہرتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم يقول " :لو تمت البقرة ثلاثمائة آية لتكلمت ."

قال الميمونى :سمعت أبا عبد الله، وذكر ابن لهيعة فقال :كانوا يقولون :احترقت كتبه، فكان يؤتى بكتب الناس فيقرأها.

أحمد بن حنبل :حدثنا خالد بن خداش قال :قال لى ابن وهب، ورآنى لا أكتب حديث ابن لهيعة :إنى لست كغيرى فى ابن لهيعة، فاكتبها.

وعن أبى الوليد بن أبى الجارود، عن ابن معين قال :يكتب عن ابن لهيعة ما كان قبل احتراق كتبه.

قال ابن حبان :كان ابن لهيعة شيخا صالحا، ولكنه كان يدلس عن الضعفاء قبل احتراق كتبه، ثم احترقت كتبه قبل موته بأربع سنين(تاريخ الإسلام ،للذهبى، ج۴،ص ۶۶۹ ۶۷۰، تحت رقم الترجمة ۱۵۹، حرف العين)

[1] عيسى بن موسى بن محمد بن إياس بن البكير عن صفوان بن سليم،روى عنه يحيى بن ايوب والليث، وروى يحيى بن بكير ح عبد الله بن سويد عن عياش بن عباس :عن عيسى بن موسى ابن محمد بن أبان بن البكير عن أسامة رضى الله عنه قال :سافرت مع النبى صلى الله عليه وسلم ثمان عشرة غزوة، وقال الليث :حدثنى عيسى عن صفوان بن سليم عن رجل من أشجع عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم :إذا صلى فليتقدم إلى سترته، وقال ابن عنبسة :عن صفوان عن نافع بن جبير عن سهل بن أبى حثمة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم(التاريخ الكبير ،للبخارى، ج۶،ص ۳۹۲، ۳۹۳، رقم الترجمة ۲۷۴۵)

عيسى بن موسى بن محمد بن اياس بن البكير روى عن صفون ابن سليم روى عنه الليث بن سعد ويحيى بن ايوب واسمعيل بن جعفر سمعت ابى يقول ذلک سئل ابى عنه فقال ضعيف(الجرح والتعديل،لابن أبى حاتم ،ج۶ ،ص ۲۸۵، تحت رقم الترجمة ۱۵۸۲ ،باب الميم)

"بخ -عيسى "بن موسى حجازى روى عن محمد بن عباد بن جعفر قال قال بن عباس أكرم الناس على جليسى وعنه السائب بن عمر المخزومى ويحتمل أن يكون هو عيسى بن موسى بن محمد بن إياس بن البكير وقد روى أيضا عن صفوان بن سليم وروى عنه إسماعيل بن جعفر المدنى ويحيى بن أيوب والليث قال أبو حاتم ضعيف وذكره بن حبان فى الثقات قلت ذكره فى التابعين وزعم أنه يروى عن أسامة بن زيد وعنه عياش بن عباس ثم ذكره فى الثالثة أيضا(تهذيب التهذيب،لا بن حجر العسقلانى ،ج۸،ص ۲۳۵، تحت رقم الترجمة ۴۳۷)

عيسى بن موسى [ق] البخارى، غنجار.

رجل أخذ عن سفيان الثورى وطبقته.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علاوہ ازیں اس روایت میں ''ابو محمد سرنجی'' نام کے راوی ''مجہول'' معلوم ہوتے ہیں، اور محدثین سے ان کے حالات ہمیں نہ مل سکے۔

ایاس بن بکیر کی روایت

علامہ جلال الدین سیوطی نے حمید بن زنجویہ کی ''الترغیب'' کے حوالہ سے ایاس بن بکیر کی ایک روایت کو مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ کے مطابق نقل کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو صدوق فی نفسه إن شاء الله، لكنه روی عن نحو مائة مجهول.
وقال الدارقطنی: لا شیء.
وقال الحاكم: تتبعت رواياته عن الثقات فوجدتها مستقيمة.
وقال البخاری: فی أول بدء الخلق [فی] عقيب كان الله ولا شیء غيره.
وروی عيسی، عن رقبة، عن قيس بن مسلم، عن طارق، قال: سمعت عمر.
كذا فی الصحيح، وسقط رجل بين عيسی غنجار ورقبة هو أبو حمزة السكری، ولم يدرك غنجار رقبة.
مات فی آخر سنة ست وثمانين ومائة.
عيسی بن موسی. حجازی.
عن محمد بن عباد بن جعفر.
لا يعرف.
روی عنه السائب بن عمرو المخزومی وإن كان: عيسی بن موسی بن محمد بن إياس بن البكير الليثی صاحب صفوان بن سليم فقد روی عنه الليث وإسماعيل بن جعفر.
قال أبو حاتم: ضعيف، وذكره ابن حبان فی الثقات.
عيسی بن موسی.
روی إبراهيم بن الأشعث عنه، عن عمر – مجهول – عن يحيی بن أبی كثير، عن نافع، عن ابن عمر – مرفوعاً: من كثر كلامه كثر سقطه، ومن كثر سقطه كثرت ذنوبه، ومن كثرت ذنوبه فالنار أولی به.
فأظنه عيسی غنجار، وأظن عمر هو ابن راشد(ميزان الاعتدال فی نقد الرجال،للذهبی،ج۳، ص۳۲۵، رقم الترجمة ۶۶۱۴ الٰی ۶۶۱۶،حرف العين)

[1] وأخرج حميد فی ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد ووقی فتنة القبر (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، للسيوطی،ص۱۵۲ ،باب من لا يسأل فی القبر)

علامہ سیوطی نے مذکورہ روایت کی پوری سند کو ذکر نہیں کیا، اور ابنِ زنجویہ کی ''الترغیب'' کا مطبوعہ نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہوا۔

اور اس سلسلہ میں ہمارا گمان ور جحان اس طرف ہے کہ یہ وہی روایت ہے، جس کو ابنِ عساکر نے ابنِ زنجویہ کی سند سے روایت کیا ہے، اور وہ روایت اس سے پہلے ذکر کی گئی، اور اس میں ''ابنِ لهيعه'' اور ''عيسىٰ بن موسىٰ بن محمد بن اياس بن بكير'' پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا تفصیل کے پیشِ نظر جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کے شہید ہونے کی ان روایات کو ضعف سے خالی قرار دینا، تو ناانصافی ہے، البتہ ضعیف اور شدید ضعیف ہونے میں دونوں قسم کی آراء ہوسکتی ہیں۔

اگر کوئی صاحبِ علم تحقیق کی بنیاد پر مذکورہ روایات کو عقیدہ کے باب میں موثر و معتبر سمجھ کر جمعہ کے دن فوت ہونے والے مسلمان کے متعلق شہید ہونے کا عقیدہ رکھیں، تو وہ ان کا معاملہ ہے۔

لیکن ہمارا رجحان ومیلان اس طرف ہے کہ عقائد کے باب میں مذکورہ روایات کو حجت قرار دینا، کم از کم احتیاط کے خلاف ہے۔

اور ہم جمعہ کے دن فوت ہونے والے ہر مسلمان کو اس وقت تک شہید ہونے کا اعتقاد رکھنے کے قائل نہیں، جب اس میں شہادت کی دوسری کوئی مستند و مضبوط درجہ کی دلیل نہ پائی جائے۔

جہاں تک شہید ہونے سے ہٹ کر جمعہ کے دن کسی مسلمان کے فوت ہونے پر فی الجملہ فضیلت کا تعلق ہے، تو اس کا معاملہ الگ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، اور مختلف چیزوں

میں خلط والتباس کئی قسم کی غلط فہمیوں کا سبب ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ''شہید'' کی فضیلت کا معاملہ، عذابِ قبر سے محفوظ ہونے والے کے مقابلہ میں اس حیثیت سے زیادہ اہم ونازک ہے کہ عذابِ قبر سے محفوظ ہونے والے فاسق کے متعلق تو یہ تاویل بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کے لیے یہ اعزاز جمعہ کے دن کی وجہ سے محض قیامت قائم ہونے تک ہے، اس کے بعد اپنے فسق وفجور پر مشتمل گناہوں کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لیکن شہید کی فضیلت اس سے زیادہ ہے، کیونکہ شہید کی کئی فضیلتیں ہیں، جن میں شہید کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کیے جانے، اور اس کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف کیے جانے کی فضیلت بھی داخل ہے۔ [1]

---

[1] احادیث سے شہداء کی کئی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں، مثلاً ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر جنت کے درخت یا جنت کے پھلوں کے ساتھ معلق ہوتی ہیں، اور شہداء جنت کے دروازے کی نہر میں غوطہ لگاتے ہیں، اور ان کو صبح وشام جنت کا رزق دیا جاتا ہے، شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور شہید کی خون کے پہلے قطرے کے ساتھ بخشش کردی جاتی ہے، جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے، اور اس کو عذابِ قبر اور قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ کردیا جاتا ہے، اور اس کو ایمان کا جوڑا پہنا کر مزین کیا جاتا ہے، اور اس کی حورِعین سے شادی کردی جاتی ہے، اور اس کے اقارب میں سے ستر انسانوں کے حق میں شفاعت کا حق دیا جاتا ہے، وغیرہ۔

عن ابن كعب بن مالك، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أرواح الشهداء فى طير خضر تعلق من ثمر الجنة أو شجر الجنة (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٦٤١)

قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح (سنن الترمذى حواله بالا)

عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :الشهداء على بارق -نهر بباب الجنة -فى قبة خضراء، يخرج عليهم رزقهم من الجنة بكرة وعشيا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٩٠)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين(مسلم، رقم الحديث ١٨٨٦"١١٩")

عن المقدام بن معدى كرب، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال" :للشهيد عند الله ست خصال :يغفر له فى أول دفعة من دمه، ويرى مقعده من الجنة، ويجار من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا شرابی کبابی، بے نمازی وغیرہ کے یہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، کیونکہ ان گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اور پھر وہ جنت کا بھی مستحق ہوجاتا ہے، بلکہ شہید کو "شہید" کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے لیے جنت کی شہادت ہوتی ہے۔

اور جنت کے مستحق ہونے کا سرٹیفکیٹ اسی کو کہا جاتا ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عذاب القبر، ویأمن من الفزع الأکبر، ویحلی حلة الإیمان، ویزوج من الحور العین، ویشفع فی سبعین إنسانا من أقاربه(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۲۷۹۹)

قال شعیب الارنؤوط: حدیث حسن(حاشیة ابنِ ماجه)

سمعت أبا الدرداء یقول :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم" :-یشفع الشهید فی سبعین من أهل بیته"(ابوداؤد، رقم الحدیث ۲۵۲۲)

قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن(حاشیة ابی داؤد)

[1] والمراد شهداء فی أحکام الآخرة وعظیم ثواب الشهداء وأما فی الدنیا فیغسلون ویصلی علیهم وفیه بیان فضیلة هؤلاء وفیه إثبات التمییز فی الحجاز وجواز التزکیة والثناء علی الإنسان فی وجهه إذا لم یخف علیه فتنة بإعجاب ونحوه وأما ذکر سعد بن أبی وقاص فی الشهداء فی الروایة الثانیة فقال القاضی إنما سمی شهیدا لأنه مشهود له بالجنة (شرح النووی علی مسلم، ج۱۵، ص ۱۹۰، کتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم، باب من فضائل طلحة والزبیر رضی الله عنهما)

(فصل نمبر 4)

بروز جمعہ فوت شدہ کے عذابِ قبر سے بچاؤ کی روایات

بعض روایات میں مسلمان کے جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر، یا فتنۂ قبر سے حفاظت، یا برائت کا ذکر آیا ہے، جن کے پیشِ نظر ہمارے اہلِ علم اوران کے واسطے سے عوامی معاشرہ میں جمعہ کے دن کسی بھی فوت ہونے والے مسلمان کے بارے میں یہ عقیدہ مشہور ہے کہ وہ تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے۔

آگے اس طرح کی روایات اوران کی اسناد پر کلام کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ عذابِ قبر سے حفاظت کا مطلب بیان کیا جائے گا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت

اس سلسلہ میں زیادہ مشہور روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے، جس کو مختلف محدثین نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی، محمد بن بشار سے، اور وہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابو عامر عقدی سے، اور وہ دونوں ہشام بن سعد سے، اور وہ سعید بن ابی ہلال سے، اور وہ ربیعہ بن سیف سے، اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۰۷۴، ابواب الجنائز، باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة)

ترجمہ: جس مسلمان کی بھی جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں موت واقع ہوجاتی ہے، تو اس کو اللہ قبر کے فتنہ سے بچالیتا ہے (ترمذی)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" هذا حديث غريب " .وهذا حديث ليس إسناده بمتصل. ربيعة بن سيف، إنما يروى عن أبى عبد الرحمن الحبلى، عن عبد اللّٰه بن عمرو، ولا نعرف لربيعة بن سيف سماعا من عبد الله بن عمرو (سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ۱۰۷۴، ابواب الجنائز،باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة)

ترجمہ: یہ حدیث ''غریب'' ہے، اوراس حدیث کی سند ''متصل'' نہیں ہے۔

''ربیعہ بن سیف'' تو صرف ''ابوعبدالرحمٰن حبلی'' سے اور وہ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں، اور ہمیں ربیعہ بن سیف کا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سماع کا تعارف نہیں (سنن الترمذی)

اس حدیث کوابنِ عساکر نے بھی ''تعزية المسلم ''میں اپنی سند کے ساتھ احمد بن علی بن سعید سے، انہوں نے داؤد بن عمرو سے، اور اس کے بعد امام ترمذی والے مذکورُ الصدر راویوں کی سند سے روایت کیا ہے۔ [1]

نیز اس حدیث کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ''شرح مشكل الآثار ''میں ابنِ مرزوق سے، انہوں ابوعامر عقدی سے، انہوں نے ہشام بن سعد سے، انہوں نے سعید بن ابی ہلال سے، انہوں نے ربیعہ بن سیف سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا

---

[1] قال ونا أحمد بن على بن سعيد نا داود بن عمرو ونا عبد الرحمن ابن مهدى عن هشام بن سعد عن سعيد بن أبى هلال عن ربيعة بن سيف عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقى فتنة القبر(تعزية المسلم عن أخيه لابنِ عساكر، رقم الحديث ۱۰۸،بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

ہے، جس میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے مسلمان کے لیے ''برئ من فتنه القبر'' کے الفاظ ہیں۔ [1]

جس کو روایت کرنے کے بعد امام طحاوی نے فرمایا کہ:

هذا حديث منقطع ,فإن ربيعة بن سيف لم يلق عبد اللّٰه بن عمرو وإنما كان يحدث عن أبى عبد الرحمن الحبلى عنه (شرح مشكل الآثار، تحت رقم الحديث ٢٧٧،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله عليه السلام من قوله " :إن للقبر لضغطة لو نجا منها أحد نجا منها سعد بن معاذ رضى الله عنه)

ترجمہ: یہ حدیث ''منقطع'' ہے، کیونکہ ربیعہ بن سیف نے عبداللہ بن عمرو سے ملاقات نہیں کی، یہ (یعنی ربیعہ بن سیف) تو صرف ابوعبدالرحمٰن حبلی سے روایت کرتے ہیں (شرح مشکل الآثار)

اور امام احمد نے ''مسند احمد'' میں اپنے شیخ ابوعامر سے، اور اس کے بعد ان راویوں سے ہی اس کو روایت کیا ہے، جن سے امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔ [2]

اس کے علاوہ مذکورہ تمام اسناد میں ایک راوی ''هشام بن سعد'' پائے جاتے ہیں، جن پر محدثین نے جرح کی ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبی نے ''ميزان الاعتدال'' میں اس حدیث کو ''هشام بن سعد'' کے ''مناكير'' میں شمار کیا ہے۔

---

[1] ما حدثنا ابن مرزوق، حدثنا أبو عامر العقدى، حدثنا هشام بن سعد، حدثنا سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال: سمعت رسول الله عليه السلام يقول: " ما من مسلم يموت فى يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا برء من فتنة القبر "(شرح مشكل الآثار للطحاوى، رقم الحديث ٢٧٧)

[2] حدثنا أبو عامر، حدثنا هشام يعنى ابن سعد، عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عبد الله بن عمرو، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: " ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر "(مسند احمد، رقم الحديث ٦٥٨٢)

جبکہ یحییٰ بن القطان ''هشام بن سعد'' سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

اور امام احمد نے ان کے بارے میں فرمایا ''لم یکن بالحافظ'' اور ''لم یکن محکم الحدیث''

اور ابنِ معین نے فرمایا ''لیس بذاک القوی، ولیس بمتروک''

اور امام نسائی نے فرمایا ''ضعیف''

اور ابنِ عدی نے فرمایا ''مع ضعفه یکتب حدیثه'' [1]

اس کے علاوہ مذکورہ روایت میں ایک راوی ''ربیعہ بن سیف'' پائے جاتے ہیں، ان پر امام بخاری وغیرہ نے جرح کی ہے۔

چنانچہ امام بخاری نے ان کے بارے میں فرمایا ''عنده مناکیر''

اور ابوسعید نے فرمایا ''فی حدیثه مناکیر''

---

[1] هشام بن سعد (عو، م) أبو عباد المدنی، مولی بن مخزوم، يقال له يتيم زيد بن أسلم صحبه وأكثر عنه، وروى عن عمرو بن شعيب، والمقبرى، ونافع.

وعنه ابن وهب، والقعنبى، وجماعة كثيرة.

قال أحمد :لم يكن بالحافظ.

وكان يحيى القطان لا يحدث عنه.

وقال أحمد أيضا :لم يكن محكم الحديث.

وقال ابن معين :ليس بذاک القوی، وليس بمتروک.

وقال النسائى :ضعيف.

وقال -مرة :ليس بالقوى.

وقال ابن عدى :مع ضعفه يكتب حديثه.

وأما أبو داود فقال :هو أثبت الناس فى زيد بن أسلم.

وقال الحاكم :أخرج له مسلم فى الشواهد.

وقال أبو حاتم :هو وابن إسحاق عندى واحد.

توفى فى حدود الستين ومائة.

ومن مناكيره ما ساق الترمذى له عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عبد الله بن عمرو رفعه :من مات يوم الجمعة أو ليلتها غفر له أو كما قال(ميزان الاعتدال،للذهبى، ج۴،ص۲۹۸، ۲۹۹، تحت رقم الترجمة۹۲۲۴)

اور امام نسائی نے فرمایا ''ليس به بأس''

اور دارقطنی نے فرمایا ''مصری صالح''

اور ابنِ حبان نے ان کو ''كتاب الثقات'' میں ذکر کیا، لیکن ساتھ ہی فرمایا ''كان يخطئ كثيرا'' [1]

جس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] د ت س: ربيعة بن سيف بن ماتع المعافرى الصنمى الإسكندرانى............

قال البخارى:عنده مناكير.

وقال النسائى: ليس به بأس.

وقال الدارقطنى :مصرى صالح.

وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات "وقال:كان يخطء كثيرا.

وقال أبو سعيد ابن يونس: فى حديثه مناكير(تهذيب الكمال للمزى، ج٩ص١١٣، ١١٤ ملخصاً، رقم الترجمة ١٨٧٦)

ربيعة ابن سيف ابن ماتع بكسر المثناة المعافرى الإسكندرانى صدوق له مناكير (تقريب التهذيب، ص٢٠٧، تحت رقم الترجمة: ١٩٠٦)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف، ربيعة بن سيف لم يسمع من عبد الله بن عمرو، وهو وهشام بن سعد ضعيفان، وباقى رجاله ثقات رجال الشيخين.

أبوعامر :هو العقدى عبد الملك بن عمرو .ومن طريق أحمد أخرجه المزى فى "تهذيب الكمال" فى ترجمة ربيعة بن سيف ٩/١١٦ .

وأخرجه الترمذى ١٠٧٤، والطحاوى فى "شرح مشكل الآثار٢٧٧ "من طريق أبى عامر العقدى، بهذا الإسناد.

وأخرجه الترمذى(١٠٧٤)أيضاً من طريق عبد الرحمن بن مهدى، عن هشام بن سعد، به .قال الترمذى :وهذا حديث غريب، ليس إسناده بمتصل، ربيعةُ بنُ سيف إنما يروى عن أبى عبد الرحمن الحُبلى، عن عبد الله بن عمرو، ولا نعرف لربيعة بن سيف سماعاً من عبد الله بن عمرو.

وقد ضعفه المنذرى فى "الترغيب والترهيب٤/٣٧٣ "ونقل قول الترمذى هذا المزى فى "تحفة الأشراف٢/٢٨٩ "وفى "تهذيب الكمال٩/١١٦ " وقال :رواه بشر بن عمر الزهرانى وخالد بن نزار الأيلى، عن هشام بن سعد، عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عياض بن عقبة الفهرى، عن عبد الله بن عمرو .وعياض بن عقبة هذا لم نقع له على ترجمة فيما بين أيدينا من المصادر.

قلنا :وذكر المناوى فى "فيض القدير٥/٤٩٩ "أن الطبرانى وصله أيضاً فرواه من حديث ربيعة بن سيف، عن عياض بن عقبة، عن ابن عمرو.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز عبدالرزاق نے ابنِ جریج سے، انہوں نے ربیعہ بن سیف سے، اور انہوں نے حضرت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم قال المزی فی "التحفة :"ورواه الليث بن سعد، عن سعيد بن أبی هلال، عن ربيعة بن سيف، أن ابناً لعياض بن عقبة تُوفی يوم الجمعة، فاشتد وجده عليه، فقال له رجل من صدف (قبيلة من حمير نزلت مصر) : يا أبا يحيى، ألا أبشرك بشیء سمعته من عبد الله بن عمرو بن العاص؟ ...فذكره.

قلنا :وأخرجه الطحاوی فی "شرح مشكل الآثار ٢٧٩ "من طريق عبد الله بن وهب، عن الليث بن سعد، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحُزم أخبره أن ابناً لعياض بن عقبة مات يوم جمعة، فاشتد وجدُه عليه، فقال له رجل من الصدف :يا أبا يحيى، ألا أبشرك بشیء سمعتُه من عبد الله بن عمرو؟ ...فذكره، فزاد فی إسناده عبد الرحمن بن قحزم، والرجل من الصدف (تحرف فيه إلی :الصدق) . وابن قحُزم مجهول الحال، ذكره الأمير فی "الإكمال٧/ ١٠١، ١٠٢ "والرجل الصدفی مبهم.

ثم أخرجه الطحاوی ٢٨٠، والبيهقی فی "إثبات عذاب القبر ١٥٥ "من طرق عن الليث، عن خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبی هلال، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحُزم أخبره أن ابناً لعياض بن عقبة، ثم ذكر مثل سابقه .فزاد فی إسناده أيضاً خالد بن يزيد وسعيد بن أبی هلال بين الليث وبين ربيعة بن سيف، قال الطحاوی :وهو أشبه عندنا بالصواب.

وأخرجه البيهقی فی "إثبات عذاب القبر ١٥٦ "من طريق محمد بن إسحاق، حدثه سليمان بن آدم، عن بقية، حدثه معاوية بن سعيد التجيبی، عن أبی قبيل المصری، عن عبد الله بن عمرو، به . وسليمان بن آدم لم نعرفه، لكن تابعه سريج بن النعمان فی الرواية الآتية برقم ٦٦٤٦، وإبراهيمُ بنُ أبی العباس برقم ٧٠٥٠، ويزيد بن هاورن فيما ذكره ابنُ حجر فی "النكت الظراف٦/ ٢٨٩ "وأبو قبيل -واسمه حيی بن هانیء -ضعفه الحافظ فی "تعجيل المنفعة "لأنه كان يكثر النقل عن الكتب القديمة.

وأخرجه البيهقی أيضاً١٥٧ من طريق ابن وهب، عن ابن لهيعة، عن سنان بن عبد الرحمن الصدفی، عن ابن عمرو، موقوفاً.

وله شاهد من حديث أنس أخرجه أبو يعلی (4113)، ومن طريقه ابن عدی فی "الكامل" 7/2554، وفيه واقد بن سلامة ويزيد بن أبان الرقاشي، وهما ضعيفان.

وآخر من حديث جابر بن عبد الله عند أبی نعيم فی "الحلية3/155 "، وقال: غريب من حديث جابر ومحمد بن المنكدر، تفرد به عمر بن موسی، وهو مدنی فيه لين .قلنا: قال أبو حاتم: ذاهب الحديث كان يضع الحديث، وقال النسائی والدارقطنی: متروك .وقال ابن عدی: هو ممن يضع الحديث متنا وإسنادا.

وقد ذكرنا هذين الشاهدين الضعيفين، والثانی منهما ضعيف جدا، لأن المناوی عزا الحديث إليهما فی "فيض القدير 5/499 "، وقال: فلو عزاه المؤلف (يعنی السيوطی) لهؤلاء كان أجود (يعنی من عزوه إلی حديث ابن عمرو عند أحمد والترمذی) .قلنا: ليس العزو إليهما بأجود لأن إسناديهما كما قد رأيت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [1]
یہ روایت بھی ''منقطع'' ہے، اور اس میں ابنِ جریج کا ''عنعنة'' بھی پایا جاتا ہے، جس کے بارے میں آگے ذکر آتا ہے۔
اس کے علاوہ عبدالرزاق نے ابنِ جریج سے، اور انہوں نے ایک مبہم شخص سے، اور انہوں نے مطلب بن عبداللہ سے اسی طرح کی حدیث کا روایت ہونا بیان کیا ہے۔ [2]
مذکورہ روایت ابنِ جریج کی سند سے ایک مبہم شخص سے ''عنعنة'' کے ساتھ مروی ہے۔
اور مبہم شخص کا نام وحال معلوم نہیں، لہٰذا یہ ''مجهول الذات'' کے قبیل سے ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولـه شـاهـد ثـالـث ضـعيف أيضا من حديث الزهرى عن النبى صلى الله عليه وسلم عند عبد الرزاق (5595)، وهو معضل، وفيه عنعنة ابن جريج عن راو مبهم .
ورابـع مـن قـول عـكرمة بن خالد المخزومى عند البيهقى فى "إثبـات عذاب القبر (158) "، فهذه الشواهد لا تصلح لتقوية الحديث، وقد أخطأ الألبانى فى "الجنائز "ص 35، فحسنه أو صححه بها تقليدا للمباركفورى فى "تحفة الأحوذى"(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ٦٥٨٢)

[1] عبد الرزاق عن ابن جريج عن ربيعة بن سيف عن عبد الله بن عمرو عن النبى صلى الـلـه عليه وسلم قال برء من فتنة القبر (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٥٩٦، باب من مات يوم الجمعة)

[2] عبـد الرزاق عن ابن جريج عن رجل عن المطلب بن عبد الله بن حنطب عن النبى صـلـى الله عليه وسلم مثله(مصنف عبد الرزاق،رقم الحديث ٥٥٩٧،باب من مات يوم الجمعة)

[3] قال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:
وأمـا حديث المطلب بن عبد الله فأخرجه عبد الرزاق أيضا (5597) عن ابن جريج عن رجل عن المطلب مرسلا.
وإسـنـاده ضـعيف للرجل الذى لم يسم(أنـيـس الـسـارى تـخـريج احاديث فتح البارى ، ج٧،ص ٤٧٦٠، تحت رقم الحديث ٣٣٩٣،حرف الميم)

أمـا مـجهـول الـذات لا يـقبله أحد ولم يقل أحد بقبوله، اللهم إلا إن كان من الصحابة، حدثني رجلٌ صحب النبى -عليه الصلاة والسلام -هـذا مقبول؛ لأن جهالة الصحابى لا تضر(شرح اختصار علوم الحديث،لعبد الكريم الخضير،دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير، رقم الدرس٨،ص١٨)
حكم رواية مجهول الذات:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی بعض اہلِ علم حضرات نے توضیح کی ہے۔ [1]

یہ بات ملحوظ رہے کہ ابنِ جریج کو اگرچہ اکثر محدثین نے ''ثقه'' قرار دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ان کو ''تدلیس'' کے ساتھ متصف بھی کیا ہے، بلکہ امام دار قطنی نے تو ابنِ جریج کی ''تدلیس'' کو ''شر التدلیس'' اور ''قبیح التدلیس'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ ابنِ جریج صرف اسی شخص سے ''تدلیس'' کرتے ہیں، جو ''مجروح'' ہو، جیسا کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حكم رواية مجهول الذات :لا تقبل رواية مجهول الذات حتى يصرح الراوى عنه باسمه، أو يعرف اسمه بوروده من طريق آخر مصرح فيه باسمه، لا سيما إذا كان يشترک معه فى الاسم الذى أوقع الجهالة، يشترک معه أكثر من واحد وفيهم الثقة وغير الثقة.

قال الحافظ ابن حجر" :ولا يقبل حديث المبهم ما لم يسم؛ لأن شرط قبول الخبر عدالة راويه، ومن أبهم اسمه لا يعرف، فكيف تعرف عدالته؟(شرح نخبة الفكر،لعبد الكريم الخضير،دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير،رقم الدرس ۶،ص ۲۹،أقسام المجاهيل)

[1] قال شعيب الارنؤوط:

وآخر من حديث جابر بن عبد الله عند أبى نعيم فى "الحلية۳/۱۵۵ "وقال :غريب من حديث جابر ومحمد بن المنكدر، تفرد به عمر بن موسى، وهو مدنى فيه لين .قلنا :قال أبو حاتم :ذاهبُ الحديث كان يضع الحديث، وقال النسائى والدارقطنى :متروک. وقال ابن عدى :هو ممن يضع الحديث متناً وإسناداً.وقد ذكرنا هذين الشاهدين الضعيفين، والثانى منهما ضعيف جداً، لأن المناوى عزا الحديث إليهما فى "فيض القدير۵/۴۹۹ "وقال :فلو عزاه المؤلف (يعنى السيوطى)لهؤلاء كان أجود (يعنى من عزوه إلى حديث ابن عمرو عند أحمد والترمذى) . قلنا :ليس العزو إليهما بأجود لأن إسناديهما كما قد رأيت.وله شاهد ثالث ضعيف أيضاً من حديث الزهرى عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عند عبد الرزاق۵۵۹۵، وهو معضل، وفيه عنعنة ابن جريج عن راو مبهم ورابع من قول عكرمة بن خالد المخزومى عند البيهقى فى "إثبات عذاب القبر۱۵۸ "(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ۶۵۸۲)

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:

وأما حديث الزهرى فأخرجه عبد الرزاق (5595) عن ابن جريج عن رجل عن ابن شهاب مرسلا.

وإسناده ضعيف للرجل الذى لم يسم(أَنِيسُ السَّارى تخريج احاديث فتح البارى، ج۷،ص ۴۷۶۰،حرف الميم، تحت رقم الحديث ۳۳۹۳)

پہلے بھی ذکر ہوا۔ [1]

---

[1] عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المکی فقیه الحجاز مشهور بالعلم والثبت کثیر الحدیث وصفه النسائی وغیره بالتدلیس قال الدارقطنی شر التدلیس تدلیس بن جریج فإنه قبیح التدلیس لا یدلس الا فیما سمعه من مجروح(تعریف اهل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس،لا بن حجر العسقلانی،ص ۱۴۱، رقم الترجمة ۸۳،المرتبة الثالثة :وعدتهم خمسون نفسا)

عبد الملک "بن عبد العزیز بن جریج الأموی مولاهم أبو الولید وأبو خالد المکی أصله رومی........مات بن جریج فی أول عشر ذی الحجة سنة خمسین ومائة وهو ابن "سبعین "سنة وکان ثقة کثیر الحدیث.

وقال الترمذی قال محمد بن إسماعیل لم یسمع بن جریج من عمرو بن شعیب ولا من عمران بن أبی أنس .

وقال أحمد لم یسمع من عثیم ابن کلیب .

وقال أبو حاتم لم یسمع من أبی الزناد ولا من أبی سفیان طلحة بن نافع .

وقال البردیجی لم یسمع من مجاهد إلا حرفا واحدا .

وقال البزار لم یسمع من حبیب بن أبی ثابت انتهی .

وقد قال ابن معین لم یسمع بن جریج من حبیب بن أبی ثابت إلا حدیثین حدیث أم سلمة ما أکذب الغرائب وحدیث الراقی .

وقال الدارقطنی تجنب تدلیس بن جریج فإنه قبیح التدلیس لا یدلس إلا فما سمعه من مجروح مثل إبراهیم بن أبی یحیی وموسی بن عبیدة وغیرهما وأما بن عیینة فکان یدلس عن الثقات .

وقال قریش بن أنس عن ابن جریج لم أسمع من الزهری شیئا إنما أعطانی جزء فکتبته وأجاز له.

وذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان من فقهاء أهل الحجاز وقرائهم ومتقنیهم وکان یدلس .

وقال الذهلی وابن جریج إذا قال حدثنی وسمعت فهو محتج بحدیثه داخل فی الطبقة الأولی من أصحاب الزهری .

وقال أبو بکر بن أبی خیثمة حدثنا إبراهیم بن عرعرة عن یحیی بن سعید عن ابن جریج قال إذا قلت قال عطاء فأنا سمعته منه وإن لم أقل سمعت .

قال أبو بکر ورأیت فی کتاب علی بن المدینی سألت یحیی بن سعید عن حدیث بن جریج عن عطاء الخراسانی فقال ضعیف قلت لیحیی أنه یقول أخبرنی قال لا شیء کله ضعیف إنما هو کتاب دفعه إلیه. وسئل عنه أبو زرعة فقال بخ من الأئمة .

وقال ابن خراش کان صدوقا. وقال العجلی مکی ثقة.

وقال الشافعی استمتع بن جریج بسبعین امرأة .

وقال أبو عاصم کان من العباد وکان یصوم الدهر إلا ثلاثة أیام من الشهر(تهذیب التهذیب،لا بن حجر العسقلانی،ج۶ ،ص ۴۰۲ الٰی ۴۰۶ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۷۵۸،تابع حرف العین،من اسمه عبد الملک)

نیز ''مطلب بن عبداللہ'' کو علامہ ابنِ حجر نے ''کثیر التدلیس والإرسال'' قرار دیا ہے، جنہوں نے کئی صحابۂ کرام سے مرسل احادیث کو روایت کیا ہے۔ [1]

محمد بن سعد نے فرمایا کہ ''مطلب بن عبداللہ'' کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت کے ساتھ ''ارسال'' کرتے ہیں، حالانکہ ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، اوران کے اکثر اصحاب بھی ''مدلس'' ہیں۔ [2]

---

[1] المطلب ابن عبد الله ابن المطلب ابن حنطب ابن الحارث المخزومي صدوق كثير التدليس والإرسال من الرابعة ر (تقريب التهذيب، لابن حجر العسقلاني، ص ۵۳۴، رقم الترجمة ۶۷۱۰، حرف الميم، ذكر بقية حرف الميم على الترتيب)

مطلب بن حنطب: (ب س) مطلب بن حنطب بن الحارث بن عبيد بن عمر بن مخزوم المخزومي القرشي .أمه حفصة بنت المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم.

روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: أبو بكر وعمر مني بمنزلة السمع والبصر من الرأس . وليس إسناده بالقوي، وقد روى هذا الحديث لأبيه حنطب، وهو مذكور هناك (أسد الغابة، لابن الأثير، ج۴، ص ۴۱۳، رقم الترجمة ۴۹۴۴، باب الميم والطاء)

مطلب بن عبد الله بن المطلب بن عبد الله بن حنطب روى عن ابن عباس مرسل وابن عمر مرسل، وابى موسى مرسل، وام سلمة مرسل، وعائشة، مرسل (ولم يدركها وابى قتادة مرسل (وابى هريرة، مرسل وابى رافع، مرسل ک) وجابر يشبه ان يكون ادركه، (عامة حديثه مراسيل غيراني رأيت حديثا يقول :حدثني خالي أبو سلمة روى عنه عمرو بن أبي عمرو والاوزاعي وكثير بن زيد ومسلم بن الوليد بن رباح وعبد الله بن عبد الرحمن بن يعلى بن كعب الثقفي وابناه الحكم وعبد العزيز سمعت أبي يقول ذلك، نا عبد الرحمن قال سئل أبو زرعة عن المطلب بن عبد الله ابن حنطب فقال :مديني ثقة :نا عبد الرحمن قال وسئل أبو زرعة هل سمع المطلب بن عبد الله(بن حنطب من عائشة؟ فقال :نرجو أن يكون سمع منها(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ج۸، ص ۳۵۹، تحت رقم الترجمة ۱۶۴۴، باب حرف الميم)

المطلب بن عبد الله بن حنطب، ويقال: المطلب بن عبد الله بن المطلب بن حنطب بن الحارث بن عبيد بن عمر بن مخزوم، وقيل: المطلب بن عبد الله بن المطلب بن عبد الله بن حنطب، القرشي، المخزومي، المدني – وقيل: إنهما اثنان من الرابعة – صدوق، كثير التدليس والإرسال(المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير الطبرى، لأكرم بن محمد زيادة الفالوجي الأثرى، ج۲، ص ۵۶۱، باب الميم :من اسمه مطلب)

[2] وقال :محمد بن سعد :كان كثير الحديث، وليس له يُحتج بحديثه؛ لأنه مرسل عن النبي - صلى الله عليه وسلم -كثيرًا، وليس له لقي، وعامة أصحابه مدلسون .وقال الدارقطني :ثقة. وذكره ابن حبان في الثقات(مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار، لبدر الدين العيني، ج۳، ص ۴۹، تحت رقم الترجمة ۲۲۹۸، حرف الميم، باب الميم بعدها الطاء)

اور امام احمد نے سریج سے، انہوں نے ''بقیہ بن ولید حمصی'' سے، انہوں نے ''معاویہ بن سعید تجیبی'' سے، انہوں نے ''ابو قبیل مصری'' سے، اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [1]

اس روایت میں ''بقیہ بن ولید حمصی'' پائے جاتے ہیں، جنہوں نے ''عنعنۃ'' کے ساتھ ''معاویہ بن سعید تجیبی'' سے اس کو روایت کیا ہے۔

اور اس روایت میں ایک دوسرے راوی ''ابو قبیل مصری'' بھی پائے جاتے ہیں۔

''بقیہ بن ولید حمصی'' کے بارے میں ابنِ سعد نے فرمایا کہ ''ثقة فی روایته عن الثقات .وکان ضعیف الروایة عن غیر الثقات'' [2]

اور امام نسائی نے فرمایا کہ جب یہ ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے ساتھ روایت کریں، تو یہ ''ثقہ'' ہیں، اور جب ''عنعنۃ'' کے ساتھ روایت کریں، تو ان کی روایت کو نہیں لیا جائے گا۔

اور ابو مسہر نے فرمایا ''احذر أحادیث بقیة وکن منها علی تقیة فإنها غیر نقیة''

اور ابنِ معین اور ابو زرعہ وغیرہ نے فرمایا کہ جب یہ ثقہ سے روایت کریں تو ہی حجت ہیں۔ [3]

---

[1] حدثنا سریج، حدثنا بقیة، عن معاویة بن سعید، عن أبی قبیل، عن عبد الله بن عمرو بن العاصی، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: " من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة وقی فتنة القبر "(مسند احمد، رقم الحدیث ۶۶۴۶)

[2] بقیة بن الولید الحمصی.
ویکنی أبا یحمد .وکان ثقة فی روایته عن الثقات .وکان ضعیف الروایة عن غیر الثقات .ومات سنة سبع وتسعین ومائة فی آخر خلافة محمد بن هارون(الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد، ج۷ص۳۲۶، تحت رقم الترجمة ۳۹۲۲،الطبقة السادسة)

[3] بقیة بن الولید الإمام الحافظ محدث الشام أبو یُحمِد الکلاعی الحمیری المیتمی الحمصی: حدث عن محمد بن زیاد الألهانی والزبیدی وبحیر بن سعد وعبید الله بن عمر، وثور بن یزید وخلق لا یحصون حتی إنه قد روی عن إسحاق بن راهویه .حدث عنه الأوزاعی وشعبة والحمادان ونعیم بن حماد وداود بن رشید وعلی بن حجر وعمرو بن عثمان وأبو التقی الیزنی ومحمد بن مصفی وأبو عتبة أحمد بن الفرج وخلائق .قال یحیی بن معین وأبو زرعة وغیرهما إذا روی بقیة عن ثقة فهو حجة .وقال ابن المبارک أعیانی بقیة یسمی الکنی ویکنی الأسامی قلت کان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عبداللہ بن مبارک نے ان کے متعلق فرمایا''کان صدوقا، ولکنه کان یکتب عمن أقبل وأدبر''

علی بن مدینی نے فرمایا''بقیة صالح فیما روی عن أهل الشام، وأما حدیثه عن عبید اللّٰه بن عمر وأهل الحجاز والعراق فضعفه فیها جدا''

اور یحییٰ بن معین نے ایک روایت میں فرمایا کہ جب یہ''ثقات''سے حدیث بیان کریں،تو ''ثقه''ہیں۔

اور یعقوب بن شیبہ نے فرمایا''بقیة بن الولید صدوق ثقة، ویتقی حدیثه عن مشیخته الذین لا یعرفون، وله أحادیث مناکیر جدا'' [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یدلس کثیرا فیما یتعلق بالأسماء ویدلس عن قوم ضعفاء وعوام یسقطهم بینه وبین ابن جریج ونحو ذلک .ویروی عمن دبّ ودرج .قال أبو حاتم سألت أبا مسهر عن حدیث لبقیة فقال: احذر أحادیث بقیة وکن منها علی تقیة فإنها غیر نقیة.

قال النسائی إذا قال بقیة: حدثنا وأخبرنا فهو ثقة، وإن قال: عن فلان فلا یؤخذ عنه لأنه لا یدری عمن أخذه(تذکرة الحفاظ للذهبی، ج ا ص ۲۱۱، ۲۱۲، رقم الترجمة ۲۶۹)

[1] وسمعت إسحاق بن راهویه .قال: قال ابن المبارک: أعیانی بقیة، کان یسمی الکنی ویکنی الأسامی .

قال حدثنی أبو سعید الوحاظی فإذا هو عبد القدوس .قال یعقوب بن سفیان: وقد قال أهل العلم: بقیة إذا لم یسم الذی یروی عنه وکناه فلا یساوی حدیثه شیئا.

أجاز لی أبو سعد المالینی– وحدثنی أحمد بن سلمان المقرء عنه– أخبرنا عبد الله ابن عدی قال حدثنی عبد المؤمن بن أحمد بن حوثرة حدثنا أبو حاتم الرازی قال سألت أبا مسهر عن حدیث لبقیة فقال: احذر حدیث بقیة، وکن منها علی تقیة، فإنها غیر نقیة.

أخبرنا أبو طالب الدسکری أخبرنا أبو بکر بن المقرء حدثنا محمد بن أحمد بن أبی یحیی الزهری أخبرنا عبد الله بن عبد الوهاب حدثنا وهب بن زمعة عن عبد الله بن المبارک أنه سئل عن بقیة بن الولید، فقال: کان صدوقا، ولکنه کان یکتب عمن أقبل وأدبر ....

أخبرنی علی بن محمد بن الحسین المالکی أخبرنا عبد الله بن عثمان الصفار أخبرنامحمد بن عمران الصیرفی حدثنا عبد الله بن علی بن المدینی قال: وسمعت أبی یقول: بقیة صالح فیما روی عن أهل الشام، وأما حدیثه عن عبید الله بن عمر وأهل الحجاز والعراق فضعفه فیها جدا.

قال: وسمعت أبی یقول: بقیة روی عن عبید الله بن عمر أحادیث منکرة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام عجلی نے فرمایا ''بقية ثقة عن المعروفين''

اور ابنِ عدی نے فرمایا ''بقیہ کی حدیث صالح ہے، لیکن ان کی بعض روایات میں ثقات کی مخالفت پائی جاتی ہے، جب یہ اہلِ شام سے روایت کریں، تو ثبت ہیں، اور ان کے علاوہ سے خلط ہیں''

اور امام احمد نے فرمایا ''لبقية مناكير عن الثقات''

اور ابنِ خزیمہ نے فرمایا ''لا احتج ببقية'' [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخبرني الطناجيري حدثنا عمر بن أحمد حدثنا الحسين بن صدقة حدثنا بن أبي خيثمة قال سئل يحيى بن معين عن بقية بن الوليد فقال إذا حدث عن الثقات– مثل صفوان وغيره– قيل له: أيهما أثبت؟ – يعني بقية أو إسماعيل بن عياش–؟ قال كلاهما صالح.

أخبرنا أبو بكر أحمد بن محمد الأشناني قال سمعت أحمد بن محمد بن عبدوس الطرائفي يقول سمعت عثمان بن سعيد الدارمي يقول قلت ليحيى بن معين: فبقية بن الوليد كيف حديثه؟ فقال: ثقة.

أخبرنا محمد بن عبد الواحد أخبرنا محمد بن العباس أخبرنا أحمد بن سعيد السوسي حدثنا عباس بن محمد .قال: سمعت يحيى بن معين يقول: إذا لم يسم بقية الرجل الذى يروى عنه، وكناه، فاعلم أنه لا يساوى شيئا.

أخبرنا أبو بكر البرقاني وأبو القاسم الأزهري .قالا: أخبرنا عبد الرحمن بن عمر الخلال حدثنا محمد بن أحمد بن يعقوب بن شيبة حدثنا جدى .قال: بقية بن الوليد صدوق ثقة، ويتقى حديثه عن مشيخته الذين لا يعرفون، وله أحاديث مناكير جدا(تاريخ بغداد، ج٧ ١٢٧ الیٰ ١٢٩ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٣٥٦١)

[1] وقال أحمد العجلى، ويعقوب بن شيبة: بقية ثقة عن المعروفين.

وقال أبو إسحاق الجوزجاني: رحم الله بقية، ما كان يبالى إذا وجد خرافة عمن يأخذه، فإذا حدث عن الثقات فلا بأس.

قلت:شرط أن يصرح بالإخبار، ولا يقول:عن فلان، فإنه قد دلس عن ابن جريج، وعن الأوزاعي بطامات.

وقال ابن عدى: ولبقية حديث صالح، وفي بعض رواياته يخالف الثقات، وإذا روى عن أهل الشام فهو ثبت، وإذا روى عن غيرهم خلط كإسماعيل بن عياش.

وقال أحمد بن الحسن الترمذى، عن أحمد بن حنبل: لبقية مناكير عن الثقات.

وقال حجاج بن الشاعر: سئل ابن عيينة عن حديث من هذه الملح، فقال: أبو العجب أنا، أبقية بن الوليد أنا!؟وقال ابن خزيمة: لا احتج ببقية(تاريخ الاسلام للذهبى، ج٤ص ١٠٨٢ الیٰ ١٠٨٤، تحت رقم الترجمة ٤٩)

اورعلامہ سیوطی نے ''**طبقات الحفاظ** ''میں فرمایا کہ جب یہ ''**معروفین** '' سے روایت کریں، اور ''**تدلیس** '' نہ کریں، تو پھر یہ ''**حسن الحدیث** ''ہیں۔ [1]

اس کے بعد عرض ہے کہ بقیہ بن ولید نے اس حدیث کو ''**معاویہ بن سعید تجیبی** '' سے ''**عنعنة**'' کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جبکہ ''**معاویہ بن سعید تجیبی** ''کو ابنِ حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، اور علامہ ابنِ حجر نے مقبول قرار دیا ہے۔ [2]

جب کہ ابنِ رزیق نے دارقطنی سے معاویہ بن سعید کا ''ضعیف ''ہونا نقل کیا ہے۔ [3]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ '' معاویہ بن سعید'' بظاہر معروف ثقات میں سے نہیں ہیں، اور جو حضرات ''بقیہ بن ولید'' کی حدیث کو معروف ثقات سے مروی ہونے کی صورت میں ہی کو قبول کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہ سند قابلِ قبول نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک مذکورہ روایت کے ایک دوسرے راوی ''ابوقبیل معافری'' کا تعلق ہے، تو ان کو متعدد حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، اور ابنِ

---

[1] بقية بن الوليد بن صائد بن كعب الكلاعى الحميرى أبو يحمد الحمصى.
روى عن إبراهيم بن أدهم وإسماعيل بن عياش وبحير بن سعد وثور ابن يزيد.
وعنه أسد بن موسى وابن راهويه وسويد بن سعيد وأبو عتبة أحمد بن الفرج الحجازى وهو آخر من روى عنه وهو حسن الحديث إذا حدث عن المعروفين ولم يدلس وله سنة مائة ومات سنة سبع وتسعين ومائة(طبقات الحفاظ للسيوطى ، ص،۱۲۶، ۱۲۷، تحت رقم الترجمة ۲۵۷)

[2] معاوية بن سعيد بن شريح التجيبى من أهل مصر يروى المقاطيع روى عنه بن وهب (الثقات لابنِ حبان، ج۹ص۱۶۶، تحت رقم الترجمة ۱۵۸۰۵)
معاوية بن سعيد بن شريح التجيبى بضم المثناة وكسر الجيم ثم تحتانية ساكنة وموحدة المصرى ويقال معاوية بن بريد مقبول من السابعة(تقريب التهذيب لابنِ حجر، ص۵۳۷، رقم الترجمة ۶۷۵۷)

[3] معاوية بن سعيد التجيبى:عن الزهرىّ عن أم عبد الله الدوسية قالت: قال رسول الله –صلى الله عليه وسلم–: " الجمعة واجبة على كل قرية وإن لم يكن فيها إلا أربعة ."يعنى بالقرى: المدائن.
قال الدارقطنى: معاوية بن سعيد ضعيف، ولا يصح هذا عن الزهرى(من تكلم فيه الدارقطنى فى كتاب السنن من الضعفاء والمتروكين والمجهولين لابنِ زريق، ج۳ص۱۳۳، رقم الترجمة ۳۹۹)

حبان نے ان کے بارے میں ''کان یخطیٔ'' فرمایا ہے۔ [1]

اورعلامہ ابنِ حجر نے ''تقریب التھذیب'' میں ان کے بارے میں ''صدوق یھم'' فرمایا ہے۔ [2]

مذکورہ وجوہات کی بنا پر اس روایت کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [3]

نیز امام احمد نے ابراہیم بن ابی العباس سے، انہوں نے بقیہ بن ولید سے، انہوں نے معاویہ بن سعید تجیبی سے، انہوں نے ابوقبیل مصری سے، اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔

لیکن اس روایت کو بقیہ بن ولید نے ''معاویہ بن سعید تجیبی'' سے ''عنعنۃ'' کے

---

[1] حیی "بن هانء بن ناضر بن یمنع أبو قبیل المعافری المصری وقیل اسمه حی والأول أشهر...... ذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان یخطیء ووثقه الفسوی والعجلی وأحمد بن صالح المصری وذکره الساجی فی الضعفاء له وحکی عن ابن معین أنه ضعفه (تهذیب التهذیب، ج۳ص ۷۲، ۷۳، رقم الترجمة ۱۴۱، من اسمه حیی)

[2] حیی ابن هانء ابن ناضر بنون ومعجمة أبو قبیل بفتح القاف وکسر الموحدة بعدها تحتانیة ساکنة المعافری المصری صدوق یهم من الثالثة مات سنة ثمان وعشرین بالبرلس عخ قد ت س(تقریب التهذیب، ص۱۸۵، تحت رقم الترجمة ۱۶۰۶)

[3] قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعیف .بقیة –وهو ابن الولید الحمصی– یدلس عن الضعفاء ویسوی، ویستبیح ذلک، قال ابن القطان: وهذا إن صح، فهو مفسد لعدالته.

قال الذهبی: نعم –والله– صح هذا عنه أنه یفعله، وصح عن الولید بن مسلم،بل عن جماعة کبار فعله، وهذه بلیة منهم، ولکنهم فعلوا ذلک باجتهاد، وما جوزوا علی ذلک الشخص الذی یسقطون ذکره بالتدلیس أنه تعمد الکذب، هذا أمثل ما یعتذر به عنهم .ولم یتوقف الحافظ ابن حجر فی جرح من یفعل ذلک، نقله عنه البقاعی کما فی "توضیح الأفکار.1/375 "

ومعاویة بن سعید: هو ابن شریح بن عروة التجیبی الفهمی مولاهم، المصری، لم یوثقه غیر ابن حبان .وأبو قبیل: تقدم بیان حاله فی الحدیث الذی قبله، وسیأتی برقم (7050) .

وسلف برقم (6582)بإسناد ضعیف أیضا، وذکرنا هناک شواهده(حاشیة مسند احمد،تحت رقم الحدیث ۶۶۴۶)

بجائے ’’تحدیث‘‘ کے ساتھ روایت کیا ہے، البتہ ابوقبیل مصری اس میں بھی پائے جاتے ہیں۔ [1]

جس کی وجہ سے اس روایت کو بھی بعض حضرات نے ’’ضعیف‘‘ قرار دیا ہے۔ [2]

اسی سند کے ساتھ امام بیہقی اور ابنِ عساکر نے بھی مذکورہ روایت کو بیان کیا ہے، جس میں ابوقبیل سے ہی معاویہ بن سعد کا ’’عنعنة‘‘ کے ساتھ اس کو روایت کرنا مذکور ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا إبراهيم بن أبي العباس، حدثنا بقية، حدثني معاوية بن سعيد التجيبي، سمعت أبا قبيل المصري، يقول: سمعت عبد الله بن عمرو بن العاصي، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر "(مسند احمد، رقم الحديث ٧٠٥٠)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف، وهو مكرر . (6646)بقية: هو ابن الوليد(حاشية مسند احمد)

[3] أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو سعيد بن أبي عمرو قالا: ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا محمد بن إسحاق، ثنا سليمان بن آدم، ثنا بقية، حدثني معاوية بن سعيد التجيبي قال: سمعت أبا قبيل المصري يقول: سمعت عبد الله بن عمرو بن العاص يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر وروي موقوفا (اثبات عذاب القبر للبيهقي، رقم الحديث ١٥٦ ،باب ما يرجى في الموت ليلة الجمعة من البرائة من فتنة القبر)

أخبرنا أبو محمد عبد الرحمن بن أبي الحسن أنبا سهل بن بشر أنا محمد بن الحسين أنا أبو طاهر الذهلي نا أبو أحمد بن عبدوس نا أبو الربيع سليمان ابن داود الأحوال.

وأخبرنا أبو القاسم بن السمرقند في كتابه وأخبرنا أبي عنه أنا أبو الحسن ابن النقور أنا محمد بن عبد الرحمن نا عبد الله بن محمد نا داود بن رشيد قالا نا بقية عن معاوية بن سعيد التجيبي قال سمعت أبا قبيل زاد عبد الرحمن المصري يقول سمعت عبد الله بن عمرو بن العاص يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال أبو القاسم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليله.

وقال عبد الرحمن من مات ليلة الجمعة أو يوم الجمعة وقي فتنة القبر.

وأخبرنا أبو محمد بقراء تي ثنا أبو الفرج ثنا علي بن محمد بن علي نا أبو أحمد عبد الله بن محمد بن عبد الله الناصح نا أبو بكر أحمد بن علي ابن سعيد نا داود بن رشيد والحسن بن يوسف قالا نا بقية عن معاوية بن سعيد التجيبي قال سمعت أبا قبيل يقول سمعت عبد الله بن عمرو بن العاص يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر(تعزية المسلم عن أخيه لابنِ عساكر، رقم الحديث ١٠٦ ،١٠٧ ،بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

اسی وجہ سے علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے امام دارقطنی کی ''اطراف الغرائب '' سے اس روایت کونقل کرتے ہوئے فرمایا''تفرد بِهٖ مُعَاوِيَة بن سعيد عَن أبی قبيل'' [1]

اور امام بیہقی نے ''ابنِ لهيعة '' سے، انہوں نے'' سنان بن عبدالرحمٰن صدفی'' سے، انہوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [2]

لیکن اس روایت میں ''سنان بن عبدالرحمٰن'' اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے درمیان''انقطاع'' پایا جاتا ہے، اور''ابنِ لہیعہ'' پر بھی کلام ہے، نیز اس روایت میں''سنان بن عبدالرحمٰن صدفی'' کو بعض حضرات نے مجہول قرار دیا ہے۔

اور امام بیہقی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے، مگر اس میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں، بلکہ''رجل من الصدف '' کے نام سے ان کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ یہ گزشتہ روایت والے''سنان بن عبدالرحمٰن صدفی'' ہی ہوں، جو کہ خود ''مجہول'' ہیں۔ [3]

---

[1] حديث: من مات ليلة الجمعة ...الحديث تفرد به معاوية بن سعيد عن أبي قبيل(أطراف الغرائب والأفراد للإمام الدارقطني، لابی الفضل محمد بن طاهر المقدسی، ج۴ص ۴۹، تحت رقم الحديث ۳۵۸۵)

[2] أخبرنا أبو عبد الله، وأبو سعيد قالا: ثنا أبو العباس، نا محمد، نا عثمان بن صالح، ثنا ابن وهب، أخبرني ابن لهيعة، عن سنان بن عبد الرحمن الصدفي، أن عبد الله بن عمرو بن العاص، كان يقول: من توفي يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي الفتان، وروى ذلك عن أنس بن مالك مرفوعا(اثبات عذاب القبر للبيهقی، رقم الحديث ۱۵۷،باب ما يرجى في الموت ليلة الجمعة من البرائة من فتنة القبر)

[3] أخبرنا أبو الحسين محمد بن الحسين بن محمد بن الفضل القطان ببغداد، أنا عبد الله بن جعفر بن درستويه، ثنا يعقوب بن سفيان، ثنا أبو صالح، وأبو بكر قالا: ثنا الليث بن سعد، حدثني خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبي هلال، عن ربيعة بن سيف، أن أباعبد الرحمن بن محرم، أخبره أن ابنا لعياض بن عقبة توفي يوم الجمعة فاشتد وجده عليه، فقال له رجل من الصدف: يا أبا يحيى ألا أبشرك بشيء سمعته من عبد الله بن عمرو بن العاص، سمعته يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من مسلم يموت في ليلة الجمعة إلا برء من فتنة القبر وروى من وجه آخر عن عبد الله بن عمرو(اثبات عذاب القبر للبيهقی، رقم الحديث ۱۵۵ ،باب ما يرجى في الموت ليلة الجمعة من البرائة من فتنة القبر)

البتہ اگر یہ ''سنان بن عبدالرحمٰن'' کے بجائے ''سیار بن عبدالرحمٰن'' ہوں، تو الگ بات ہے۔ [1]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ''شرح مشکل الآثار'' میں ایک باب ان الفاظ میں قائم کیا ہے:

''باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللّٰہ علیہ السلام من قولہ: " إن لـلقبر لضغطۃ لو نجا منھا أحد نجا منھا سعد بن معاذ رضی اللّٰہ عنہ''

جس کے تحت امام طحاوی نے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ قبر دباتی ہے، اگر کوئی اس سے نجات پانے کا مستحق ہوتا، تو وہ سعد بن معاذ ہوتے۔ [2]

جس کے بعد امام طحاوی نے فرمایا کہ:

فقال قائل: أفیکون ھذا مضادا لما قد روی عن عبد اللّٰہ بن عمرو

---

[1] سیـار ابـن عبـد الـرحـمـن الـصدفی المصری صدوق من السادسۃ د ق(تقریب التھذیب، ص ۲۶۱،تحت رقم الترجمۃ: ۲۷۱۶)

سیـار بـن عبـد الـرحـمـن الصدفی عن حنش وعکرمۃ وعنہ اللیث وابن لھیعۃ صدوق (الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ للذھبی،ص ۴۷۵، تحت رقم الترجمۃ: ۲۲۱۶، حرف السین)

[2] حـدثـنـا إبـراھیـم بـن مـرزوق، حـدثـنا وھب بن جریر، حدثنا شعبۃ، عن سعد بن إبـراھیـم، عن نافع، عن أم المؤمنین، أن رسول اللہ علیہ السلام قال: " إن للقبر لضغطۃ لو کان أحد ناجیا منھا نجا منھا سعد بن معاذ "ھکذا حدثناہ ابن مرزوق بغیر إدخال منہ بیـن نـافـع وبیـن أم الـمـؤمـنـیـن أحـدا(شـرح مشـکـل الآثـار لـلطحاوی، رقم الحدیث ۲۷۳،باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ علیہ السلام من قولہ: " إن للقبر لضغطۃ لو نجا منھا أحد نجا منھا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ)

حـدثـنـا یحیی، عن شعبۃ، حدثنا سعد بن إبراھیم، وابن جعفر، حدثنا شعبۃ، عن سعد بن إبراھیم، عن نافع، قال ابن جعفر: عن إنسان، عن عائشۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " إن لـلقبر ضغطۃ، ولو کان أحد ناجیا منھا نجا منھا سعد بن معاذ "(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۲۸۳)

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح(حاشیۃ مسند احمد)

بن العاص فی هذا المعنی؟ (شرح مشکل الآثار للطحاوی، تحت رقم الحدیث ۲۷۶،باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله علیه السلام من قوله: " إن للقبر لضغطة لو نجا منها أحد نجا منها سعد بن معاذ رضی الله عنه)

یعنی ''اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ کیا یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے خلاف ہوگی''

پھر اس کے بعد امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی چند روایات ذکر کی ہیں، جن میں ''انقطاع'' کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

پھر اس کے بعد امام طحاوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو راجح، اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند کو فاسد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''وزاد علی یونس فی إسناده إدخاله بین اللیث وبین ربیعة بن سیف خالد بن یزید وسعید بن أبی هلال ، وهو أشبه عندنا بالصواب , والله أعلم.

فوقفنا بذلک علی فساد إسناد هذا الحدیث ، وأنه لا یجوز لمثله إخراج شیء مما یوجب حدیث عائشة دخوله فیه''

یعنی ''اس روایت میں یونس کی سند کے مقابلہ میں لیث اور ربیعہ بن سیف کے درمیان خالد بن یزید اور سعید بن ابی ہلال (دو راویوں) کا اضافہ ہے، اور ہمارے نزدیک زیادہ درست بات یہی ہے (کہ لیث اور ربیعہ بن سیف کے درمیان دو راویوں کا اضافہ ہے) واللہ اعلم۔

---

[1] فکان جوابنا له فی ذلک بتوفیق الله وعونه أن هذا حدیث منقطع ,فإن ربیعة بن سیف لم یلق عبد الله بن عمرو وإنما کان یحدث عن أبی عبد الرحمن الحبلی عنه والدلیل علی ذلک(شرح مشکل الآثار للطحاوی، تحت رقم الحدیث ۲۷۷،باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله علیه السلام من قوله: " إن للقبر لضغطة لو نجا منها أحد نجا منها سعد بن معاذ رضی الله عنه)

اس کی بناء پر ہمیں اس حدیث کی سند کے فاسد سمجھنے کی توفیق ہوئی، اور اس جیسی سند کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت شدہ حکم میں سے کسی چیز کو خارج کرنا، جائز نہیں''۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سند کے اعتبار سے معتبر و حجت نہیں سمجھتے۔

اور حکیم ترمذی نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی حدیث کو ''نوادر الاصول'' میں روایت کیا ہے، جس میں ''ربیعہ بن سیف'' نے ''عیاض بن عقبہ فہری'' سے اس کو روایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] فوجدنا يونس قد حدثنا قال: حدثنا عبد الله بن وهب، حدثني الليث بن سعد، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحزم أخبره أن ابنا لفياض بن عقبة توفي يوم جمعة فاشتد وجده عليه فقال له رجل من أهل الصدق: يا أبا يحيى ألا أبشرك بشيء سمعته من عبد الله بن عمرو سمعته يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " ما من مسلم يموت في يوم جمعة أو ليلة جمعة إلا برء من فتنة القبر "
حدثنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم، حدثنا أبي، وشعيب بن الليث، عن الليث، حدثنا خالد يعني ابن يزيد، عن ابن أبي هلال، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحزم أخبره أن ابنا لفياض بن عقبة , ثم ذكر مثله سواء .وزاد على يونس في إسناده إدخاله بين الليث وبين ربيعة بن سيف خالد بن يزيد وسعيد بن أبي هلال , وهو أشبه عندنا بالصواب , والله أعلم فوقفنا بذلك على فساد إسناد هذا الحديث , وأنه لا يجوز لمثله إخراج شيء مما يوجب حديث عائشة دخوله فيه , ونسأل الله العون على ذلك , ونستوثقه فيما أملنا(شرح مشكل الآثار للطحاوي، رقم الحديث ٢٩٧، ٢٨٠،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله عليه السلام من قوله: " إن للقبر لضغطة لو نجا منها أحد نجا منها سعد بن معاذ رضي الله عنه ")

[2] حدثنا بذلك ابو قلابة عبدالله بن محمد بن عبدالله الرقاشي، انبأنا بشر بن عبدالله، ثنا هشام بن سعد، عن سعيد بن ابي هلال، عن ربيعة بن سيف الاسكندراني، عن عياض بن عقبة الفهري، عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقاه الله فتنة القبر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن علامہ زبیدی نے فرمایا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''عیاض نے عبداللہ بن عمرو سے نہیں سنا، اوران دونوں کے درمیان صدف نام کا مجہول آدمی ہے''۔ ۱؎

مذکورہ اوراس جیسی وجوہات کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مختلف طرق سے مروی اس روایت کو بعض حضرات نے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(نوادرالاصول فی معرفۃ احادیث الرسول، للحکیم الترمذی، ج۲ص ۱۲۱۸، رقم الحدیث ۱۵۱۴، الاصل التاسع والسبعون والمائتان، مطبوعۃ: مکتبۃ الامام البخاری، القاھرۃ، المصر، الطبعۃ الاولیٰ:1429ھ ، 2008ء)

حدثنا بذلک ابو قلابۃ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الرقاشی، ثنا بشر بن عمر، ثنا ھشام بن ربیعۃ، عن سعید بن ابی ھلال، عن ربیعۃ بن سیف الاسکندرانی، عن عیاض بن عقبۃ الفھری، عن عبد اللہ بن عمرو، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من مات یوم الجمعۃ أو لیلۃ الجمعۃ وقاہ اللہ فتنۃ القبر (نوادرالاصول فی معرفۃ احادیث الرسول، للحکیم الترمذی، ج۲ص ۱۲۸۲، رقم الحدیث ۱۵۶۹، الاصل الثانی والتسعون والمائتان، مطبوعۃ: مکتبۃ الامام البخاری، القاھرۃ، المصر، الطبعۃ الاولیٰ:1429ھ ، 2008ء)

۱؎ قال العراقی ووصلہ الترمذی الحکیم فی النوادر بزیادۃ عیاض بن عقبۃ الفھری بینھما.
وقیل لم یسمع عیاض أیضا عن عبد اللہ بن عمرو.
وبینھما رجل من الصدف.
ورواہ أحمد من روایۃ أبی قبیل عن عبد اللہ بن عمرو وفیہ بقیۃ بن الولید رواہ بالعنعنۃ ا ھ.
ووجد بخط الحافظ ابن حجر فی طرۃ الکتاب ما نصہ الروایۃ التی فیھا رجل من الصدف رواھا حمید بن زنجویۃ فی الترغیب لہ من طریق ربیعۃ بن سیف عن عبد بن مجم عن رجل من الصدف عن عبد اللہ بن عمر ورجح الخطیب ھذا الطریق اہ (اتحاف السادۃ المتقین بشرح إحیاء علوم الدین للمرتضیٰ الزبیدی، ج۳،ص ۲۱۷، کتاب اسرار الصلاۃ ومھماتھا، الباب الخامس فی فضل الجمعۃ وآدابھا وسننھا وشروطھا ، الناشر: مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ 1994م)

۲؎ قال ابوحذیفۃ نبیل بن منصور البصارۃ الکویتی:
فأما حدیث ابن عمرو فلہ عنہ طرق:
الأول :یرویہ معاویۃ بن سعید التُّجِیبی قال :سمعت أبا قبیل المصری یقول :سمعت ابن عمرو رفعہ "من مات یوم الجمعۃ أو لیلۃ الجمعۃ وُقی فتنۃ القبر."
أخرجہ أحمد (176 /2و220) وعبد بن حمید فی "المنتخب "(323) وعبد اللہ بن أحمد فی "السنۃ "(1470) وأبو بکر المروزی فی "کتاب الجمعۃ "(11) والطبرانی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض حضرات اس کو دوسری احادیث وروایات کے پیشِ نظر ''حسن لغیرہٖ'' وغیرہ قرار دینے کی رائے رکھتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی "الکبیر "(/13حدیث رقم 164) والبیهقی فی "إثبات عذاب القبر "(156) وأبو القاسم الأصبهانی فی "الترغیب "(909) والقاسم بن علی الدمشقی فی "تعزیة المسلم "(106و 107) من طرق عن بقیة بن الولید ثنی معاویة بن سعید به.

ومعاویة بن سعید التجیبی مصری ذکره ابن حبان فی "الثقات "علی قاعدته، وقال الذهبی فی "المجرد :"مستور، وقال الحافظ فی "التقریب :"مقبول.

ولم ینفرد بقیة به بل تابعه الولید بن مسلم ثنا معاویة بن سعید التجیبی به.

أخرجه الطبرانی فی "الأوسط(3131) "

وقال :لم یَرو هذا الحدیث عن معاویة إلا الولید"کذا قال.

الثانی :یرویه ربیعة بن سیف بن ماتِع المَعَافری واختلف عنه:

فرواه سعید بن أبی هلال واختلف عنه:

فقال خالد بن یزید الجُمَحی :عن سعید بن أبی هلال عن ربیعة بن سیف أنّ عبد الرحمن بن قحذم أخبره أنّ إبنا للعاص بن عقبة توفی یوم الجمعة فاشتدّ وجده علیه، فقال له رجل من الصرف :یا أبا یحیی ألا أبشرک بشیء سمعته من عبد الله بن عمرو بن العاص؟ سمعته یقول :إنّ رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قال "ما من مسلم یموت فی لیلة الجمعة أو یوم الجمعة إلا برء من فتنة القبر."

أخرجه یعقوب بن سفیان فی "المعرفة(520 - 519 /2) "

عن أبی صالح عبد الله بن صالح الجهنی ویحیی بن عبد الله بن بکیر المصری والطحاوی فی "المشکل(280) "

عن عبد الله بن عبد الحکم المصری وشعیب بن اللیث بن سعد کلهم عن اللیث ثنا خالد بن یزید عن سعید بن أبی هلال به.

وأخرجه البیهقی فی "إثبات عذاب القبر "(155) من طریق عبد الله بن جعفر بن درستویه ثنا یعقوب بن سفیان به.

ووقع عند یعقوب :ثنی یزید بن أبی حبیب عن ابن أبی هلال .والصواب ما ذکرته فقد أخرجه البیهقی من طریقه فقال فیه :ثنی خالد بن یزید.

وهکذا رواه من ذکرت عن اللیث وهو ابن سعد عن خالد بن یزید عن ابن أبی هلال به.

وخالفهم عبد الله بن وهب فرواه عن اللیث عن ربیعة بن سیف به .وأسقط منه خالد بن یزید عن ابن أبی هلال.

أخرجه الطحاوی فی "المشکل(279) "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

مسند ابی حنیفة براویتِ حصکفی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے ہیثم بن حبیب صیرفی سے، اور پھر حضرت حسن سے، اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

''جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے، وہ قبر کے عذاب سے بچالیا جاتا ہے''۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأول أصح لأنه رواية الأكثر .وإسناده ضعيف للرجل الذى لم يسم.
وقال هشام بن سعد المدنى :عن سعيد بن أبى هلال عن ربيعة بن سيف عن ابن عمرو.
أخرجه أحمد (169 /2) والترمذى (1074) وأبو بكر المروزى فى "كتاب الجمعة" (12) والطحاوى فى "المشكل "(277) والقاسم بن على الدمشقى (108) والمزى فى "التهذيب(116 - 115 /9) "
وقال الترمذى :هذا حديث حسن غريب.
وقال :وهذا حديث ليس إسناده بمتصل، ربيعة بن سيف إنما يروى عن أبى عبد الرحمن الحُبُلى عن ابن عمرو، ولا نعرف لربيعة بن سيف سماعا من ابن عمرو"
وقال الطحاوى :هذا حديث منقطع لأنّ ربيعة بن سيف لم يلق ابن عمرو، وإنما كان يحدث عن أبى عبد الرحمن الحبلى عنه"
قلت :حديث خالد بن يزيد أصح لأنه ثقة، وهشام بن سعد مختلف فيه والأكثر على تضعيفه.
-ورواه ابن جُريج عن ربيعة بن سيف عن ابن عمرو به.
أخرجه عبد الرزاق (5596)
وفيه عنعنة ابن جريج فإنه كان مدلسا.
قال الطحاوى :والأول أشبه عندنا بالصواب"
الثالث :يرويه ابن لهيعة عن سيار بن عبد الرحمن الصَدَفى عن ابن عمرو موقوفا.
أخرجه البيهقى فى "إثبات عذاب القبر"(157) من طريق ابن وهب أنى ابن لهيعة به.
وإسناده منقطع بين الصدفى وابن عمرو فإنه لم يدركه(انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى ،ج۷،ص۴۷۵۸ الىٰ ۴۷۶۰،حرف الميم، تحت رقم الحديث ۳۳۹۳)

[1] عن الهيثم، عن الحسن، عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من مات يوم الجمعة وقى من عذاب القبر(مسند ابى حنيفة رواية الحصكفى، رقم الحديث ٦٦، كتاب الصلاة)

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ علامہ حصکفی، جن کا پورا نام ''موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم حصکفی'' ہے، ان کی وفات 650 ہجری میں ہوئی۔ [1]

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے کئی صدیوں بعد پیدا ہوئے، اور یہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے احادیث کو روایت نہیں کرتے، لہٰذا بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ حصکفی نے خود اپنی سند سے امام ابوحنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ علامہ حصکفی نے عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی (المتوفیٰ: 340ھ) کی ''مسند'' سے روایات کو ابوابِ فقہیہ کی ترتیب سے اختصار کے ساتھ جمع کیا تھا، اسی وجہ سے اس میں پوری سند نہیں ملتی۔

اور عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی (المتوفیٰ: 340ھ) نے مذکورہ حدیث کو جس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ سے پہلے ''قاسم بن حکم'' اور ان سے پہلے ''زید بن عبدالرحمٰن ہروی'' اور ان سے پہلے ان کے بیٹے ''ابومحمد عباد بن زید بن عبدالرحمٰن ہروی'' پائے جاتے ہیں، اور اتنے راویوں سے گزر کر یہ روایت امام ابوحنیفہ تک پہنچتی ہے۔ [2]

---

[1] موسى بن زكريا بن إبراهيم، صدر الدين أبو عمران الحصكفي، الفقيه الحنفي، قاضي آمد. (المتوفى: 650 هـ)

قدم حلب رسولا .وحدث بالقاهرة وبها توفي في صفر وله سبعون سنة.

روى شيئا عن الافتخار الهاشمي، وعنه الدمياطي(تاريخ الاسلام للذهبي، ج ۱۴ ص ۶۴۵، رقم الترجمة ۲۲۸)

الحصكفي بفتح الحاء المهملة وسكون الصاد المهملة وفتح الكاف وفي آخرها الفاء نسبة إلى حصكفاء مدينة من ديار بكر نسبة موسى بن زكريا بن إبراهيم الإمام صدر الدين ومنهم محمود بن أحمد بن عبد السيد أبو المحامد(الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج ۲ ص ۲۹۹، رقم الترجمة ۳۶۰، لعبدالقادر بن محمد بن نصر الله القرشي، أبو محمد، محيي الدين الحنفي ''المتوفى: 775هـ'')

[2] چنانچہ ''مسند ابی حنیفۃ بروایۃ حارثی'' میں مندرجہ بالا روایت اصل سند کے ساتھ درج ذیل طریقہ پر ہے:

حدثنا ابومحمد عباد بن زيد بن عبدالرحمن الهروي، اخبرنا ابي، اخبرنا القاسم بن الحكم، عن ابي حنيفة، عن الهيثم، عن الحسن، عن أبي هريرة ، قال :قال رسول الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ سے پہلے کے جو راوی، اس روایت میں موجود ہیں، ان میں سے بعض راوی ''مجہول'' ہیں۔

پس اس روایت سے استدلال کرنے والے حضرات کی طرف سے ان راویوں کی توثیق و تعارف کی ضرورت ہے۔ **لان البینۃ علی المدعی۔**

اور اس روایت کے بارے میں دوسری بات یہ ہے کہ حضرت حسن اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ''انقطاع'' پایا جاتا ہے۔

جس کی وجہ سے بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

البتہ بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی گزشتہ روایت کے ساتھ ملا کر اس کو ''حسن لغیرہٖ'' قرار دینے کا حکم لگایا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

ابویعلیٰ موصلی نے ابومعمر بن اسماعیل بن ابراہیم سے، انہوں نے عبداللہ بن جعفر سے، انہوں نے واقد بن سلامہ سے، انہوں نے یزید بن ابان رقاشی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جمعہ کے دن فوت ہو جائے، وہ عذابِ قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم :من مات یوم الجمعۃ وقی من عذاب القبر(مسند أبی حنیفۃ روایۃ الحارثی، ص ۲۳۱،رقم الحدیث ۶۶۸ ،ما اسندہ الامام ابوحنیفۃ عن الھیثم بن حبیب الصیرفی، المطبوعۃ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ: 1329ھ ، 2008ء)

[1] حدثنا أبو معمر إسماعیل بن إبراھیم، حدثنا عبد اللہ بن جعفر، عن واقد بن سلامۃ، عن یزید الرقاشی، عن أنس، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَاتَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وُقِیَ عَذَابَ الْقَبْرِ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۴۱۱۳، ج۷ص ۱۴۶ ، مسند انس بن مالک)

اس حدیث کی سند بھی فی نفسہٖ ضعیف اور بعض حضرات کے نزدیک شدید ضعیف ہے۔

کیونکہ اس حدیث کی سند میں واقد بن سلامہ، یا وافد بن سلامہ اور یزید بن ابان رقاشی کو محدثین نے ضعیف اور بعض نے شدید ضعیف قرار دیا ہے، نیز واقد بن سلامہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔

بلکہ امام بخاری نے واقد بن سلامہ کی حدیث کو غیر صحیح فرمایا ہے۔ [1]

ابنِ حبان نے ''واقد بن سلامہ'' کو ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ ''یہ اپنی روایت میں ضعیف راویوں سے منگھڑت چیزیں لاتا ہے، لہٰذا اس کی روایت سے احتجاج کرنے کے بجائے، اس پر ردّ وقدح اولیٰ ہے۔ [2]

---

[1] قال الذهبی:

وافد -بالفاء، أو بقاف.

هو ابن سلامة.عن يزيد الرقاشي.ضعفوه.

قال البخاری :روى الليث، عن ابن عجلان، عن وافد بن سلامة :لم يصح حديثه.

قلت :سمع منه أيضا ابن وهب ، وتأخر، وروايته عن أنس منقطعه.

قال ابن عدی :وافد -بالفاء -أصوب(میزان الاعتدال فی نقد الرجال،للذهبی ، ج۴ص ۳۳۰، تحت رقم الترجمة ۹۳۲۷،حروف الواو)

و قال البخاری:

وافد بن سلامة عن يزيد الرقاشي، قال يحيى ابن سليمان نا ابن وهب سمع وافدا حديثين، وقال عبد الله بن يوسف عن الليث وغيره عن ابن عجلان عن وافد بن سلامة، لم يصح حديثه(التاريخ الكبير،للبخاری، ج۸،ص ۱۹۱، تحت رقم الترجمة ۲۶۵۹ ، باب الواو)

وقال محمد بن طاهر المقدسی:

حديث :من مات يوم الجمعة ؛ وقی عذاب القبر .رواه واقد بن سلامة :عن يزيد الرقاشي ، عن أنس .و واقد قال البخاری :لا يصح حديثه (ذخيرة الحفاظ،لمحمد بن طاهر المقدسی، ج۴ص ۲۴۱۴، تحت رقم الترجمة ۵۵۹۵)

[2] قال ابن حبان:

وافد بن سلامة يروى عن يزيد الرفاش روى عنه بن وهب وهو الذی يروى عن بن عجلان ويقول وافد بن سلامة منكر الحديث على قلة روايته يأتی بأشياء موضوعة عن أقوام ضعفاء فلا يتهيأ إلزاق القدح به دونهم بل التنكب عن روايته عن الاحتجاج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک مذکورہ روایت کے دوسرے راوی ''یزید بن ابان رقاشی'' کا تعلق ہے، تو امام مسلم اور امام نسائی نے ''یزید بن ابان رقاشی'' کو ''متروک'' قرار دیا ہے۔ [1]
اس کے علاوہ بھی کئی دیگر حضرات نے ''یزید بن ابان رقاشی'' کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أولی(المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین،لابن حبان، ج٣،ص٨٥، تحت رقم الترجمة ١١٤٦،باب الواو)

و قال ابن ناجی:

ل -وافد -بـالفاء أو بقاف -بن سلامة:قال ابن عدی " :وافـد بالفاء أصوب ."عن یزید الـرقـاشـی، وروایته عن أنس منقطعة .وعـنه ابن وهب .ضَعَّفُوه .قـال البخاری" :روی الـلیث، عن ابن عجلان، عن وافد بن سلامة :لم یصح حدیثه "، وقال الساجی " :حدث عن أنس، ویقال :إنه لم یلقه "، وقـال ابن أبی حاتم، عن أبیه" :هـو یروی عن الرقاشی، (فما یُقال فیه) ." قال أبو محمد -(یعنی ابن أبی حاتم)" :-یعنی أن الرقاشی لیس بقوی، فـمـا وُجـد فـی حـدیثه من الإنکار یُحتمل أن یکون من یزید الرقاشی"، وذکـره العقیلی وابن الجارود فی "الضعفاء ."ا .هـ .بتصرف.

قلت :قال الدارقطنی" :ضعیف"، وقال ابن حِبَّان فی "المجروحین" :"منکر الحدیث علی قِلَّةِ حدیثه، یأتی بأشیاء موضوعة عن أقوام ضعفاء ."

فائدة :وجدت کلام أبی حاتم الرازی فی "لسان المیزان "هکذا" :هو یروی عن یزید، وهو ثقة."

قلت :قـول أبـی حاتم" :وهو ثقة "تـحـریف، أشـار إلـی ذلک الـعلامة عبد الرحمن الـمـعـلـمـی الیـمانی فی حاشیته علی "الـجرح والتعدیل "وقال" :فـی لسان المیزان تحریف قبیح."ا .هـ (التذییل علی کتب الجرح والتعدیل،لابن ناجی،ص٣٣٨، تحت رقم الترجمة ٩٠٨، باب الاسماء)

[1] قال الذهبی:

ت ق / یـزیـد بـن أبان الرقاشی العابد عن أنس قال النسائی وغیره متروک(المغنی فی الضعفاء ،للذهبی، ج٢ ،ص٧٤٧،حرف الیاء، تحت رقم الترجمة ٧٠٨٢، حرف الیاء)

و قال مسلم بن الحجاج:

أبو عمرو یزید بن إبان الرقاشی عن أنس والحسن متروک الحدیث(الکنی والأسماء ، للامام مسلم بن الحجاج، ج١ ،ص ٥٧١، تحت رقم الترجمة ٢٣٢٣،حرف العین)

[2] قال الذهبی:

یـزیـد بـن أبـان الرقاشی الزاهد القاص عن أنس والحسن وعنه صالح المری وحماد بن سـلـمة ضعیف (الـکـاشف فـی معـرفة مـن لـه روایة فی الکتب الستة، للذهبی، ج٢، ص٣٨٠، تحت رقم الترجمة ٦٢٧٧،حرف الیاء) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام بخاری نے ''یزید بن ابان'' کے بارے میں فرمایا ''کان ضعیفاً قدریا''۔

اور ابنِ معین نے ان کے بارے میں فرمایا ''هو رجل صالح، وليس حديثه بشيء''۔

اور امام نسائی کے علاوہ امام حاکم وغیرہ نے بھی ان کو ''متروک'' قرار دیا۔

اور ابن حبان نے فرمایا کہ ''یہ نیک لوگوں میں سے تھے، لیکن عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے حفظِ حدیث کے مشغلہ سے الگ ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت حسن کے کلام کو حضرت انس سے بدلنا شروع کردیا، لہٰذا ان سے روایت صرف تعجب کے طریقہ پر ہی حلال ہوسکتی ہے''۔

جبکہ مذکورہ روایت کو یزید بن ابان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی روایت کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

و قال ابن حجر:

يزيد ابن أبان الرقاشي بتخفيف القاف ثم معجمة أبو عمرو البصري القاص بتشديد المهملة زاهد ضعيف من الخامسة مات قبل العشرين،بخ ت ق(تقريب التهذيب، ص ۵۹۹، رقم الترجمة ۷۶۸۳، حرف الياء)

[1] قال ابن كثير:

(بخ ت ق) يزيد بن أبان الرقاشي، أبو عمرو البصري، القاص الزاهد الشهير.

روى عن: أبيه، وأنس بن مالك، والحسن البصري، وغنيم بن قيس، وقيس بن عباية أبي نعامة، وأبي الحكم البجلي.

وعنه جماعة منهم: ابنه عبد النور، وابن أخيه الفضل بن عيسى، والحسن البصري –وهو من شيوخه– والأعمش، وصفوان بن سليم، وأبو الزناد –وهو من أقرانه– والأوزاعي، وقتادة، ومحمد بن المنكدر، –وهما من أقرانه–، ومعتمر بن سليمان.

قال البخاري: كان ضعيفا قدريا.

وقال الفلاس: كان يحيى لا يحدث عنه، وكان ابن مهدي يحدث عنه.

وقال الفلاس: كان رجلا صالحا، وقد روى الناس عنه، وليس بالقوي في الحديث.

وقال البخاري: تكلم فيه شعبة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ''حسین بن علوان'' کی سند سے بھی مروی ہے، جس میں جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے سے ''عذابِ قبر'' کی بجائے ''ضغطة القبر'' سے نجات پانے کا ذکر ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال إسحاق بن راهويه عن النضر بن شميل قال شعبة: لأن أقطع الطريق أحب إلى من أن أروى عنه.

وقال العقيلى عن زكريا بن يحيى الحلوانى: سمعت سلمة بن شبيب سمعت يزيد بن هارون: سمعت شعبة يقول [190 ـ ب]: [لأن أزنى]أحب إلى أن أروى عن يزيد الرقاشى .قال سلمة: فذكرت ذلك لأحمد، فقال: كان بلغنا أنه كان [قال هذا] فى أبان بن أبى عياش.

قال زكريا: وكان أبو داود معنا فى المجلس –مجلس سلمة– فقال: قاله فيهما جميعا.

وقال أبو طالب: قال أحمد: لا يكتب حديثه .قلت: لم ترك حديثه، لهوى كان فيه؟ قال: لا، ولكن كان منكر الحديث.

وكان شعبة يحمل عليه، وكان قاصا.

وقال عبد الله: قال أبى: هو فوق أبان بن أبى عياش، وكان يضعف.

وقال ابن معين: ضعيف .وقال مرة: هو رجل صالح، وليس حديثه بشىء.

وقال أبو داود: هو رجل صالح، سمعت ابن معين يقول: هو رجل صدق.

وقال يعقوب بن سفيان: ضعيف.

وقال أبو حاتم: كان واعظا بكاء كثير الرواية عن أنس بما فيه نظر، صاحب عبادة، وفى حديثه ضعف.

وقال النسائى والحاكم أبو أحمد: متروك .وقال مرة والدارقطنى والبرقانى: ضعيف.

وقال ابن حبان: كان من خيار عباد الله من البكائين بالليل لكنه عدل عن حفظ الحديث شغلا بالعبادة حتى كان يقلب كلام الحسن فيجعله عن أنس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تحل الرواية عنه إلا على جهة التعجب.

وأورد له ابن عدى أحاديث ثم قال: وله أحاديث صالحة عن أنس وغيره، وأرجو أنه لا بأس به لرواية الثقات عنه من البصريين والكوفيين وغيرهم(التكميل فى الجرح والتعديل ومعرفة الثقات والضعفاء والمجاهيل،لابن كثير الدمشقى، ج٢، ص٣١٠، الى ٣١٢، تحت رقم الترجمة ١٣٩١،حرف الياء)

[1] أنبأنا أبو محمد إسماعيل بن أبى القاسم وحدثنا أبى عنه أنبا عمر بن أحمد بن عمر نا محمد بن أحمد بن على أنا الحسين بن موسى بن محمويه ثنا يوسف ابن محمد نا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن یہ روایت بھی شدید ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت کے ایک راوی ''حسین بن علوان'' کو بعض نے ''کذّاب'' بعض نے ''ضعیفٌ جداً'' اور بعض نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد بن محمد بن نوح نا نصر بن الأصبغ نا الحسين بن علوان عن أبان بن أبی عياش عن أنس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينجو من ضغطة القبر إلا شهيد أو مصلوب أو من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة(تعزية المسلم عن أخيه لابنِ عساكر،ص ۷۹، رقم الرواية ۱۰۹ ،بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

[1] قال ابن حجر:

الحسين بن علوان الكلبی.

عن الأعمش وهشام بن عروة.

قال يحيى: كذاب.

وقال علي: ضعيف جدا.

وقال أبو حاتم والنسائی والدارقطنی: متروک الحديث.

وقال ابن حبان: كان يضع الحديث على هشام، وغيره وضعا لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل التعجب(لسان الميزان ج ۳ص ۱۸۹، ۱۹۰، رقم الترجمة ۲۵۷۴، حرف الحاء، ذكر من اسمه الحسين)

و قال المقريزی:

الحسين بن علوان أبو علی – الكوفی – الكلبی.

يضع الحديث.

قال ابن معين: كذاب .وقال النسائی متروک الحديث وقال ابن عدی: وللحسين أحاديث كثيرة، وعامتها موضوعة، وهو فی عداد من يضع الحديث(مختصر الكامل فی الضعفاء للمقريزی، ص ۲۷۷، تحت رقم الترجمة ۴۸۹،باب من اسمه الحسين)

و قال الذهبی:

الحسين بن علوان بن قدامة، أبو علی الكوفی، [الوفاة: 201 – 210هـ]

نزيل بغداد.

عن هشام بن عروة، والأعمش، وابن عجلان، وغيرهم.

وعنه: إسماعيل بن عيسى العطار، وزيد بن إسماعيل الصائغ، وأحمد بن عبيد بن ناصح، وغيرهم.

وهو كذاب، روى عن هشام، عن أبيه، عن عائشة: كان النبی – صلى الله عليه وسلم –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے، جس میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا دخل الغائط أدخل على أثره فلا أرى شيئا .فذكرت ذلك له، فقال: " يا عائشة، أما علمت أجسادنا نبتت على أرواح أهل الجنة، فما خرج منا من شيء ابتلعته الأرض ."

سئل ابن معين عن هذا، فقال: كذاب.

وقال صالح جزرة: كان يضع الحديث.

قلت: توفي بعد المائتين، لا بل في حدود بضع عشرة ومائتين، فإن أبا حاتم الرازي سمع منه، وقال: ضعيف متروك(تاريخ الاسلام للذهبي، ج۵ص۵۳، تحت رقم الترجمة ۸۶)

و قال الخطيب البغدادي:

الحسين بن علوان بن قدامة، أبو علي الكوفي الأصل......

أخبرنا محمد بن أحمد بن رزق، أخبرنا هبة الله بن محمد بن حبش الفراء، حدثنا أبو جعفر محمد بن عثمان بن أبي شيبة .قال: قلت ليحيى بن معين: إن عندنا قوما يحدثون عن معلى بن هلال، وحسين بن علوان؟ فقال: ما ينبغي أن يحدث عن هذين، كانا كذابين.

أخبرني أحمد بن عبد الله الأنماطي، أخبرنا محمد بن المظفر، أخبرنا علي بن أحمد بن سليمان المصري، حدثنا أحمد بن سعد بن أبي مريم قال: وسألته– يعني يحيى بن معين– عن الحسين بن علوان؟ فقال: كذاب.

أخبرنا عبد الله بن يحيى السكري، أخبرنا محمد بن عبد الله الشافعي، حدثنا جعفر بن محمد بن الأزهر، حدثنا ابن الغلابي .قال: الحسين بن علوان ليس بثقة.

أخبرني علي بن محمد بن الحسن المالكي، أخبرنا عبد الله بن عثمان الصفار، أخبرنا محمد بن عمران الصيرفي، حدثنا عبد الله بن علي بن المديني قال: وسألته– يعني أباه– عن الحسين بن علوان فضعفه جدا.

قرأت على البرقاني عن أبي إسحاق المزكي قال: أخبرنا محمد بن إسحاق السراج قال: سمعت أبا يحيى– يعني محمد بن عبد الرحيم– يقول: كان الحسين بن علوان يحدث عن هشام بن عروة، وعن ابن عجلان أحاديث موضوعة.

أخبرني القاضي أبو العلاء محمد بن علي الواسطي، أخبرنا أبو مسلم عبد الرحمن ابن محمد بن عبد الله بن مهران، أخبرنا عبد المؤمن بن خلف قال: سمعت أبا علي صالح بن محمد البغدادي يقول: الحسين بن علوان كان يضع الحديث.

أخبرنا البرقاني، أخبرنا أحمد بن سعيد، حدثنا عبد الكريم بن أحمد بن شعيب النسائي، حدثنا أبي قال: حسين بن علوان متروك الحديث.

حدثني أحمد بن محمد المستملي، أخبرنا محمد بن جعفر الشروطي، أخبرنا أبو الفتح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”حسین بن علوان“ کے علاوہ ایک راوی ”ابان بن ابی عیاش“ کے نام سے بھی پائے جاتے ہیں۔ [1]

”ابان بن ابی عیاش“ کو کئی محدثین نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد بن الحسين الأزدى الحافظ قال: حسين بن علوان كذاب خبيث، رجل سوء لا يكتب حديثه.

أخبرنا الأزهرى قال: قال لنا أبو الحسن الدارقطني: حسين بن علوان متروك الحديث(تاريخِ بغداد للخطيب بغدادى، ج٨ص ٦١ الىٰ ٦٣، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٤١٣٨)

[1] أنبأنا أبو محمد إسماعيل بن أبى القاسم وحدثنا أبى عنه أنبا عمر بن أحمد بن عمر نا محمد بن أحمد بن على أنا الحسين بن موسى بن محمويه ثنا يوسف ابن محمد نا محمد بن محمد بن نوح نا نصر بن الأصبغ نا الحسين بن علوان عن أبان بن أبى عياش عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينجو من ضغطة القبر إلا شهيد أو مصلوب أو من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة(تعزية المسلم عن أخيه لابنِ عساكر،ص ٧٩، رقم الرواية ١٠٩ ،بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

[2] قال ابن حجر:

أبان ابن أبى عياش فيروز البصرى أبو إسماعيل العبدى متروك من الخامسة مات فى حدود الأربعين د(تقريب التهذيب، ص٨٧، تحت رقم الترجمة: ١٤٢ ،حرف الالف)

و قال الذهبى:

أبان بن أبى عياش البصرى، الزاهد أبو إسماعيل بن فيروز .

روى عن :أنس، وإبراهيم النخعي، والحسن البصرى وخليد العصرى.

وعنه :عمران القطان، وسفيان الثورى، ويزيد بن هارون، وسعيد بن عامر الضبعى، وآخرون.

وهو متروك الحديث .وقد سقت من أخباره فى كتاب الميزان.

قال يزيد بن هارون :قال شعبة :ردائى وحمارى فى المسكين صدقة إن لم يكن أبان بن أبى عياش يكذب فى الحديث .قلت له :فلم سمعت منه؟ قال :ومن يصبر عن ذا الحديث !يعنى حديثه عن إبراهيم عن علقمة فى القنوت، وقد رواه خلاد بن يحيى، عن الثورى، عن أبان، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، عن أمه أنها قالت :رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قنت فى الوتر قبل الركوع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے، جس کو ضیاء الدین مقدسی نے ''المنتقیٰ'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

مگر اس روایت میں ایک راوی ''یوسف بن عطیة '' کے نام سے پائے جاتے ہیں، جن کو بعض محدثین نے ''متــــروک'' قرار دیا ہے، اور بعض نے ان پر دوسری جرحیں فرمائی ہیں۔

ابوداؤد اور ابنِ معین نے ان کے بارے میں فرمایا ''لیس بشیئ''

جوزجانی نے فرمایا ''لایحمد حدیثه''

ابوزرعہ، ابوحاتم اور دارقطنی نے فرمایا ''ضعیف الحدیث''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن شعبة قال :لأن أشرب من بول حمارى حتى أروى أحب إلى من أن أقول :حدثنى أبان بن أبى عياش.

وقال يزيد بن هارون :سمعت شعبة يقول :لأن أزنى أحب إلى من أن أروى عن يزيد الرقاشى .قال سلمة بن شبيب :ذكرت هذا لأحمد بن حنبل فقال :بلغنا أنه قال هذا فى أبان.

وقال يزيد بن زريع :إنما تركت أبان لأنه روى عن أنس حديثا، فقلت له :عن النبى صلى الله عليه وسلم؟ فقال :وهل يروى أنس إلا عن النبى -صلى الله عليه وسلم .!-

وقال عباد بن عباد :أتيت شعبة فقلت :يا أبا بسطام تمسک عن أبان !فقال :ما أرى السكوت يسعنى.

وقال عفان :حدثنا أبو عوانة قال :ما بلغنى حديث للحسن إلا أتيت به أبان بن أبى عياش، فقرأه على.

قال الفلاس :كان يحيى، وابن مهدى لا يحدثان عن أبان بن أبى عياش.

وقال أحمد بن حنبل :ترك الناس حديثه (تاريخ الإسلام ، للذهبى، ج٣، ص٨٠٧،٨٠٨، رقم الترجمة ٢، الطبقة الخامسة عشرة،حرف الألف)

[1] أخبرنا محمد بن على بن الحسين الجناخانى البلخى، حدثنى الحسن بن العلاء بن القاسم، ثنا أحمد بن يزيد الكوفى، ثنا يوسف بن عطية، عن ثابت البنانى، عن أنس رضى الله عنه، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقى عذاب القبر (المنتقى من مسموعات مرو ـ مخطوط،لضياء الدين أبو عبد الله المقدسى،ص١٠٤، رقم الحديث ١٦٧)

امام بخاری نے فرمایا ''منکر الحدیث''

امام نسائی نے فرمایا ''متروک الحدیث ولیس بثقة''

دولابی نے بھی ''متروک الحدیث'' فرمایا۔

اور ابنِ عدی نے ان کی تمام احادیث کو ''غیر محفوظ'' قرار دیا، اور ان کی عام احادیث کی متابعت نہ کیے جانے کا حکم لگایا۔

اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ یہ شخص احادیث میں ردوبدل کر دیتا ہے، اور من گھڑت متون کو صحیح سندوں کے ساتھ جوڑ دیتا ہے، اس لیے اس سے احتجاج جائز نہیں۔ [1]

---

[1] قال ابن حجر:

يوسف ابن عطية ابن ثابت الصفار البصرى أبو سهل متروك من الثامنة فق (تقريب التهذيب، ص ٦١١، رقم الترجمة ٧٨٧٣، حرف الياء)

وقال المزى:

فق: يوسف بن عطية بن باب الصفار الأنصارى السعدى ، مولاهم، أبو سهل البصرى الجفرى ....

قال عباس الدورى وأحمد بن ثابت ، عن يحيى بن معين: ليس بشىء.

وقال عمرو بن على : كثير الوهم والخطأ، سمعته يقول: حدثنا قتادة عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير الناس قرنى ."وكان يهم، وما علمته يكذب، وقد كتبت عنه، وهذا الحديث إنما رواه قتادة عن زرارة، عن عمران بن حصين.

وقال الجوزجانى : لا يحمد حديثه.

وقال أبو زرعة ، وأبو حاتم ، والدارقطنى :ضعيف الحديث.

وقال البخارى : منكر الحديث.

وقال أبو داود :ليس بشىء.

وقال النسائى : متروك الحديث، وليس بثقة.

وقال أبو بشر الدولابى: متروك الحديث.

وقال أبو أحمد بن عدى :وله غير ما ذكرت وكلها غير محفوظة، وعامة حديثه مما لا يتابع عليه.

وقال ابن حبان : يقلب الأخبار، ويلزق المتون الموضوعة بالأسانيد الصحيحة، لا يجوز الاحتجاج به.

قيل: إنه مات سنة سبع وثمانين ومئة (تهذيب الكمال، ج ٣٢، ص ٤٤٣ الى ٤٤٦، ملخصاً، رقم الترجمة ٧١٤٥)

ابو جعفر محمد بن علی کی روایت

ابنِ عساکر نے ’’تعزیة المسلم ‘‘میں ابو جعفر محمد بن علی کی سند سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہوگیا، تو اس کو اللہ ضرور بالضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔ [1]

لیکن اولاً تو اس روایت میں عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر نہیں، بلکہ جنت میں داخل کرنے کا ذکر ہے، اور جنت میں داخلہ شروع میں بھی ممکن ہے، اور سزا پا کر بھی ممکن ہے۔

دوسرے اس روایت میں بھی ’’حسین بن علوان ‘‘پائے جاتے ہیں، جو کہ ’’شدید ضعیف ‘‘ہیں، اور ان کے متعلق ’’یضع الحدیث، کذاب، متروک الحدیث، ھالک، ضعیف جدا، کذاب خبیث، رجل سوء لا یکتب حدیثه ‘‘وغیرہ جیسے الفاظ میں جرح کا حکم لگایا گیا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا أبو أسحاق إبرهيم بن طاهر بن بركات وأبو القاسم الحسين بن الحسن قراءة عليه مفرقة قالا أنا أبو القاسم بن أبى العلاء أنا أبو الحسن محمد بن محمد بن الروزبهان أنا على بن الفضل بن إدريس نا جعفر بن محمد نا محمد بن عبيد الكندى نا الحسين بن على اللؤلؤى نا أحمد بن صبيح عن حسين ابن علوان عن سعد بن طريف عن أبى جعفر محمد بن على قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أدخله الله الجنة البتة(تعزية المسلم عن أخيه، لابن عساكر، ص٨٠، ٨١، رقم الحديث ١١٢، بيان ما لمن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة من الأجر وأنه يعطى أجر شهيد ويأمن فتنة القبر)

[2] قال ابو نعيم:

الحسين بن علوان شيخ كوفى حدث عن هشام بن عروة بمناكير وموضوعات لا شیء(الضعفاء لابى نعيم،ص۷۴، تحت رقم الترجمة ۴۹، باب الحاء)

وقال ابن حجر:

الحسين بن علوان الكلبى.

عن الأعمش وهشام بن عروة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تیسرے مذکورہ روایت میں ایک راوی ''سعد بن طریف'' کے نام سے پائے جاتے ہیں، ان پر بھی محدثین نے جرح کی ہے، جیسا کہ ابھی آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال يحيى: كذاب.
وقال علي: ضعيف جدا.
وقال أبو حاتم والنسائي والدارقطني: متروك الحديث.
وقال ابن حبان: كان يضع الحديث على هشام، وغيره وضعا لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل التعجب(لسان الميزان ج٣ص ١٨٩، ١٩٠، رقم الترجمة ٢٥٧٤، حرف الحاء، ذكر من اسمه الحسين)

و قال المقريزى:
الحسين بن علوان أبو على – الكوفى – الكلبى.
يضع الحديث.
قال ابن معين: كذاب .وقال النسائى متروك الحديث وقال ابن عدى: وللحسين أحاديث كثيرة، وعامتها موضوعة، وهو فى عداد من يضع الحديث(مختصر الكامل فى الضعفاء للمقريزى، ص٢٧٧، تحت رقم الترجمة ٤٨٩،باب من اسمه الحسين)

و قال العقيلى:
حسين بن علوان حدثنا محمد بن عثمان بن أبى شيبة قال سمعت يحيى بن معين سئل عن الحسين بن علوان فقال كان كذابا(الضعفاء الكبير للعقيلى، ج١ ص ٢٥١، تحت رقم الترجمة ٣٠٢، باب الحاء)

و قال ابن معين:
سمعت يحيى يقول الحسين بن علوان كذاب (تاريخ ابنِ معين ــ رواية الدورى، ج٢ص ٣٨١، تحت رقم الترجمة ٤٨٩٣،تسمية أهل واسط والسواد وأهل المدائن وبغداد ومن يليهم)

و قال الذهبى:
الحسين بن علوان الكلبى: عن الأعمش ونحوه متروك هالك(المغنى فى الضعفاء، ص١٧٣، تحت رقم الترجمة ١٥٤٧)

و قال ايضاً:
الحسين بن علوان الكلبى: عن الأعمش، تركوه(ديوان الضعفاء للذهبى، ص ٨٩، تحت رقم الترجمة ١٠٠٢)

و قال ايضاً:
الحسين بن علوان بن قدامة، أبو على الكوفى، [الوفاة: 201 – 210هـ]

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ سیوطی نے ’’شرح الصدور ‘‘میں ’’حمید‘‘ کی ’’الترغیب‘‘ کے حوالہ سے ’’سعد

《گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ》

نزیل بغداد.
عن هشام بن عروة، والأعمش، وابن عجلان، وغيرهم.
وعنه: إسماعيل بن عيسى العطار، وزيد بن إسماعيل الصائغ، وأحمد بن عبيد بن ناصح، وغيرهم.
وهو كذاب، روى عن هشام، عن أبيه، عن عائشة: كان النبى – صلى الله عليه وسلم – إذا دخل الغائط أدخل على أثره فلا أرى شيئا .فذكرت ذلک له، فقال: " يا عائشة، أما علمت أجسادنا نبتت على أرواح أهل الجنة، فما خرج منا من شيء ابتلعته الأرض ."
سئل ابن معين عن هذا، فقال: كذاب.
وقال صالح جزرة: كان يضع الحديث.
قلت: توفى بعد المائتين، لا بل فى حدود بضع عشرة ومائتين، فإن أبا حاتم الرازى سمع منه، وقال: ضعيف متروک(تاريخ الاسلام للذهبى، ج۵ص۵۳، تحت رقم الترجمة ۸۶)
و قال ايضاً:
الحسين بن علوان الكلبى عن الأعمش، وهشام بن عروة.
قال يحيى: كذاب.
وقال على: ضعيف جدا.
وقال أبو حاتم والنسائى والدارقطنى: متروک الحديث.
وقال ابن حبان: كان يضع الحديث على هشام وغيره وضعا، لا يحل كتب حديثه إلا على جهة التعجب.
روى عنه الحسن بن السكين البلدى، وإسماعيل بن عباد الارسوفى.
وله: عن هشام، عن أبيه، عن عائشة – مرفوعاً: أربع لا يشبعن من أربع: أرض من مطر، وعين من نظر، وأنثى من ذكر، وعالم من علم.
قلت: وكذاب من كذب.
وبه: السخاء شجرة فى الجنة أغصانها فى الدنيا، فمن تعلق بغصن منها قاده إلى الجنة، والبخل شجرة فى النار..الحديث.
وذكر له ابن حبان أحاديث من هذا النمط مما يعلم وضعه على هشام، كما روى عن هشام، عن أبيه، عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا دخل الخلاء ثم خرج دخلت، فلا أرى له أثر شء إلا أنى أجد ريح الطيب، فذكرت ذلک له فقال: أما علمت أنا معشر الانبياء نبتت أجسامنا على أجساد أهل الجنة، فما خرج منا ابتلعته الأرض.

《بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں》

بن طریف ‘‘ کے طریق سے ابوجعفر کی حدیث کو نقل کیا ہے، جس میں جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے کے لیے عذابِ قبر سے برائت کے لکھنے اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبه: إياكم ورضاع الحمقى، فإن لبن الحمقى يعدى.
وبه: لو علمت أمتى ما فى الحلبة لاشتروها بوزنها ذهبا.
ومما كذب على مالك، عن الزهرى، عن أبى سلمة، عن أبى هريرة – مرفوعاً: من سافر يوم الجمعة دعا عليه ملكاه(ميزان الاعتدال للذهبى، ج ا ص ۵۴۲، ۵۴۳، تحت رقم الترجمة ۲۰۲۷، حرف الخاء)

و قال الخطيب البغدادى:

الحسين بن علوان بن قدامة، أبو على الكوفى الأصل......
أخبرنا محمد بن أحمد بن رزق، أخبرنا هبة الله بن محمد بن حبش الفراء، حدثنا أبو جعفر محمد بن عثمان بن أبى شيبة .قال: قلت ليحيى بن معين: إن عندنا قوما يحدثون عن معلى بن هلال، وحسين بن علوان؟ فقال: ما ينبغى أن يحدث عن هذين، كانا كذابين.
أخبرنى أحمد بن عبد الله الأنماطى، أخبرنا محمد بن المظفر، أخبرنا على بن أحمد بن سليمان المصرى، حدثنا أحمد بن سعد بن أبى مريم قال: وسألته– يعنى يحيى بن معين– عن الحسين بن علوان؟ فقال: كذاب.
أخبرنا عبد الله بن يحيى السكرى، أخبرنا محمد بن عبد الله الشافعى، حدثنا جعفر بن محمد بن الأزهر، حدثنا ابن الغلابى .قال: الحسين بن علوان ليس بثقة.
أخبرنى على بن محمد بن الحسن المالكى، أخبرنا عبد الله بن عثمان الصفار، أخبرنا محمد بن عمران الصيرفى، حدثنا عبد الله بن على بن المدينى قال: وسألته– يعنى أباه– عن الحسين بن علوان فضعفه جدا.
قرأت على البرقانى عن أبى إسحاق المزكى قال: أخبرنا محمد بن إسحاق السراج قال: سمعت أبا يحيى– يعنى محمد بن عبد الرحيم– يقول: كان الحسين بن علوان يحدث عن هشام بن عروة، وعن ابن عجلان أحاديث موضوعة.
أخبرنى القاضى أبو العلاء محمد بن على الواسطى، أخبرنا أبو مسلم عبد الرحمن ابن محمد بن عبد الله بن مهران، أخبرنا عبد المؤمن بن خلف قال: سمعت أبا على صالح بن محمد البغدادى يقول: الحسين بن علوان كان يضع الحديث.
أخبرنا البرقانى، أخبرنا أحمد بن سعيد، حدثنا عبد الكريم بن أحمد بن شعيب النسائى، حدثنا أبى قال: حسين بن علوان متروك الحديث.
حدثنى أحمد بن محمد المستملى، أخبرنا محمد بن جعفر الشروطى، أخبرنا أبو الفتح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے لیے جہنم سے آزاد ہونے کا ذکر ہے (اوراس سے پہلی روایت میں جنت میں داخل ہونے کا ذکر تھا) [1]

لیکن علامہ سیوطی نے اس روایت کی پوری سند ذکر نہیں کی، اور حمید کی ''الترغیب'' بھی مطبوعہ شکل میں میسر نہیں، اس لیے اس کی مکمل سند پر غور کرنا مشکل ہے، اور بندہ محمد رضوان کا گمان یہ ہے کہ یہ گزشتہ روایت ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات بھی طے ہے کہ حمید کی اس روایت میں بھی ''سعد بن طریف'' پائے جاتے ہیں، جن کو بعض محدثین نے ''متروک'' قرار دیا ہے، اور ابنِ حبان نے ان کی طرف حدیث گھڑنے اور ان کے رافضی ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [2]

یحییٰ بن معین نے ان کے متعلق ایک روایت میں فرمایا ''لا یحل لأحد أن یروی عنه''

عمرو بن علی نے فرمایا ''ضعیف الحدیث، وھو یفرط فی التشیع''

ابوحاتم نے فرمایا ''ضعیف الحدیث ، منکر الحدیث''

جوزجانی نے فرمایا ''مذموم''

نسائی نے فرمایا ''متروک الحدیث''

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

محمد بن الحسین الأزدی الحافظ قال: حسین بن علوان کذاب خبیث، رجل سوء لا یکتب حدیثه.

أخبرنا الأزهری قال: قال لنا أبو الحسن الدارقطنی: حسین بن علوان متروک الحدیث(تاریخِ بغداد للخطیب بغدادی، ج۸ص ۶۲ الیٰ ۶۳، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۴۱۳۸)

[1] وأخرج حمید فی ترغیبه من طریق سعد بن طریف عن أبی جعفر قال لیلة الجمعة غراء ویومها یوم أزهر من مات لیلة الجمعة کتب الله له برائة من عذاب القبر ومن مات یوم الجمعة أعتق من النار (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور،للسیوطی، ص۳۰۶،باب أحسن الأوقات للموت)

[2] سعد ابن طریف الإسکاف [الإسکافی] الحنظلی [أبو العلاء] الکوفی متروک ورماه ابن حبان بالوضع وکان رافضیا من السادسة ت ق (تقریب التهذیب،ص ۲۳۱، رقم الترجمة ۲۲۴۱،حرف السین المهملة)

عبدالرحمٰن بن حکم نے فرمایا ''کان فیہ غلو فی التشیع'' [1]

ابنِ عدی نے ''سعد بن طریف'' کے بارے میں فرمایا ''ضعیف جدا''

اودی اور دار قطنی نے فرمایا ''متروک الحدیث''

فسوی نے فرمایا ''لایکتب حدیثہ الا للمعرفۃ''

ابنِ حبان نے فرمایا ''کان یضع الحدیث'' [2]

---

[1] سعد بن طريف الإسكاف ، الحذاء ، الحنظلی، الكوفی......
قال أحمد بن أبی يحيى ، عن أحمد بن حنبل :ضعيف الحديث، وعن يحيى بن معين :ليس بشیء.
وقال عباس الدوری ، عن يحيى بن معين :ليس بشیء .
وقال عنه فی موضع آخر :لا يحل لأحد أن يروی عنه.
وقال عمرو بن علی :ضعيف الحديث، وهو يفرط فی التشيع.
وقال أبو زرعة :لين الحديث .
وقال أبو حاتم :ضعيف الحديث، منكر الحديث.
وقال الجوزجانی :مذموم.
وقال البخاری :ليس بالقوی.
وقال أبو داود :ضعيف الحديث.
وقال الترمذی :يضعف.
وقال النسائی :متروک الحديث.
وقال أبو بكر الأعين :سمعت أبا الوليد يضعفه.
وقال عبد الرحمن بن الحكم بن بشير بن سلمان :كان فيه غلو فی التشيع......
قال أبو أحمد :ولو لم يرو سعد غير هذا الحديث لحكم عليه بالضعف، على أن هذا الحديث لم يروه عنه إلا سيف، وعن سيف،عبيد بن إسحاق، وجميعا ضعيفين ، فلا أدری البلاء منهما أو منه؟ وكلما ذكرت من حديث سعد عن عمير والأصبغ، وما لم أذكره ها هنا، فإن له عنهم من الحديث غير ما ذكرت، وكل ذلک لا يرويه غيره، وهو ضعيف جداروی له الترمذی حديثا، وابن ماجه آخر(تهذيب الكمال فی أسماء الرجال،ج١٠،ص ٢٧١ الیٰ ٢٧٥، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٢٢١٢)

[2] "ت ق – سعد "بن طريف الإسكاف الحذاء الحنظلی الكوفی .
روی عن الأصبغ بن نباتة والحكم بن عتيبة وأبی إسحاق السبيعی وعكرمة وعمير بن مأموم وغيرهم .
وعنه إسرائيل وخلف بن خليفة وعلی بن مسهر وابن عيينة وأبو معاوية وابن علية وغيرهم .
قال أحمد بن أبی يحيى عن ابن معين ليس بشیء .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت

''دیلمی'' کی ''مسند الفردوس'' میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات میں، یا جمعہ کے دن میں فوت ہوگیا، تو اللہ اس سے عذابِ قبر کو دور فرمادے گا۔ [1]

لیکن ہمیں تاحال اس روایت کی سند دستیاب نہیں ہوئی، اس لیے اس پر کوئی متعین حکم لگانا مشکل ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

ابنِ عساکر نے ''تعزية المسلم'' میں دارقطنی کے حوالہ سے خارجہ بن مصعب کی زید بن اسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات میں یا جمعہ کے دن میں فوت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن أحمد بن حنبل ضعيف الحديث .وقال الدورى عن ابن معين لا يحل لأحد أن يروى عنه .
وقال عمرو بن على ضعيف الحديث وهو يفرط فى التشيع .
وقال أبو زرعة لين الحديث .وقال أبو حاتم ضعيف الحديث منكر الحديث .
وقال الجوزجانى مذموم .وقال البخارى ليس بالقوى .
وقال أبو داود ضعيف الحديث .وقال الترمذى يضعف .
وقال النسائى متروك الحديث .
وقال أبو بكر الأعين سمعت أبا الوليد يضعفه.
وقال عبد الرحمن بن الحكم بن بشير بن سلمان كان فيه غلو فى التشيع .
وقال ابن عدى ضعيف جدا .
قلت وقال العجلى ضعيف ،وقال الساجى عنده مناكير يطول ذكرها ،وقال الأودى والدارقطنى متروك الحديث ،وقال الفسوى لا يكتب حديثه إلا للمعرفة ،وقال ابن حبان كان يضع الحديث(تهذيب التهذيب لابنِ حجر، ج٣ص ٤٧٣، ٤٧٤، تحت رقم الترجمة ٨٨١)

[1] على بن أبى طالب :من مات عشية الخميس ليلة الجمعة أو يوم الجمعة دفع الله عنه عذاب القبر(الفردوس بمأثور الخطاب،للديلمى ،ج٣ص ٥٠٤، رقم الحديث ٥٥٥٨، باب الميم)

ہوگیا، وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ ہوگیا۔

ابنِ عساکر نے فرمایا کہ دارقطنی نے ''افراد'' کے اندر اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ ابنِ عساکر کی ''تعزیۃ المسلم'' میں جو سند مذکور ہے، اس میں ''عن زید بن اسلم عن :قال رسول اللّٰہ، الخ'' کے الفاظ ہیں، اور زید بن اسلم کے بعد ''قال رسول اللّٰہ'' اور ''عن'' کے درمیان ہمیں کوئی لفظ لکھا ہوا دستیاب نہیں ہوسکا، اور ہمارا رجحان ومیلان اس طرف ہے، واللہ اعلم کہ اس موقع پر سند اس طرح ہونی چاہیے ''عن زید بن اسلم عن ابنِ عمر'' کیونکہ دارقطنی کی ''اطراف الغرائب والافراد'' میں ہمیں بغیر سند کے ''مَن مَاتَ لَیۡلَةَ الۡجُمُعَة . الحَدِیۡث'' کے الفاظ ''مسند عبداللہ بن عمر'' کے ذیل میں ''زید بن اسلم عَن ابُن عمر'' کی مرویات کے ضمن میں دستیاب ہوئے، جس کے بعد اس حدیث کی سند پر، درجِ ذیل تبصرہ ہے:

''غَرِیب من حَدِیث زید عَنهُ، تفرد بِهٖ أَبُو نعیم عَن خَارِجَة بن مُصعب عَنهُ، وَلم یروہ عَنهُ غیر بشر بن قافی''

یعنی ''زید بن اسلم کی سند سے ابنِ عمر کی یہ حدیث غریب ہے، جس میں ابونعیم نے خارجہ بن مصعب سے تفرد اختیار کیا ہے، اور ابونعیم سے بشر بن قاف کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا'' [2]

---

[1] أخبرنا أبی رحمه الله أنا أبو طالب بن البناء أنبا أبو الحسین بن الأبنوسی أنبا أبو الحسن الدار قطنی نا أبو الأسود عبد الله بن موسی عن بشر بن فاف نا أبو نعیم نا خارجة بن مصعب عن زید بن أسلم عن(بیاض) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات لیلة الجمعة أو یوم الجمعة وقی فتنة القبر أخرجه الدار قطنی فی الأفراد(تعزیة المسلم عن أخیه لابنِ عساکر، ص ۸۰، رقم الحدیث ۱۱۰ ،بیان ما لمن مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة من الأجر وأنه یعطی أجر شهید ویأمن فتنة القبر)

[2] حدیث: من مات لیلة الجمعة الحدیث.

غریب من حدیث زید عنه، تفرد به أبو نعیم عن خارجة بن مصعب عنه، ولم یروہ عنه غیر بشر بن قافی(أطراف الغرائب والأفراد للإمام الدارقطنی، لابی الفضل محمد بن طاهر المقدسی، ج۳ص۳۵۷،مسند عبد الله بن عمر الرواة عنه علی الترتیب ،زید بن أسلم عن ابن عمر، رقم الحدیث ۲۸۹۹، مطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت)

اس کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ روایت میں ایک تو ''خارجة بن مصعب'' نام کے راوی پائے جاتے ہیں، اور دوسرے ''بشر بن فافا'' نام کے راوی پائے جاتے ہیں، اوران دونوں راویوں پر محدثین نے جرح کی ہے۔

چنانچہ ''خارجة بن مصعب'' کے بارے میں امام احمد نے فرمایا ''لا يكتب حديثه''

امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے ''خارجة بن مصعب'' کی کسی بھی حدیث کے لکھنے سے منع فرمایا۔

ابنِ معین نے ایک روایت میں ان کو ''كذاب'' کہا۔

اور ابنِ معین نے ایک روایت میں ان کو ''ليس بشيئ'' کہا۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ''خارجة بن مصعب'' کو ابنِ مبارک اور وکیع نے ترک کر دیا۔

امام نسائی نے ایک روایت میں، اور عبدالرحمٰن اور حکم نے ان کو ''متروك الحديث'' فرمایا۔

اور محمد بن سعد نے ان کے بارے میں فرمایا ''أتقى الناس حديثه فتركوه''

اور ابو حاتم نے فرمایا ''مضطرب الحديث، ليس بقوى، يكتب حديثه ولا يحتج به، مثل مسلم بن خالد الزنجي، لم يكن محله محل الكذب'' [1]

---

[1] ت ق: خارجة بن مصعب بن خارجة الضبعي، أبو الحجاج الخراسانی السرخسی......
قال أبو بكر الأثرم، عن أحمد بن حنبل: لا يكتب حديثه.
وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل: نهانی أبی أن أكتب عن خارجة بن مصعب شيئا من الحديث.
وقال عباس الدوری، ومعاوية بن صالح، عن يحيى بن معين: ليس بشیء.
وقالا عنه فی موضع آخر: ليس بثقة.
وقال عباس عنه فی موضع آخر: كذاب.
وقال معاوية عنه فی موضع آخر: ضعيف.
وقال المفضل بن غسان الغلابی، عن يحيى: ليس بثقة، وفی موضع آخر: ضعيف.
وقال عثمان بن سعيد الدارمی، وأبو بكر بن أبی خيثمة، وإبراهيم بن عبد الله بن الجنيد، عن يحيى: ليس بشیء.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک ''بشر بن فافا'' کا تعلق ہے، تو ان کو دارقطنی نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحسين بن محمد بن زياد القبانی :قال لی أبو معمر إسماعيل بن إبراهيم الهذلی :أتدری لم ترک حديث خارجة؟ فقلت :لمكان رأيه، أو كما قلت :قال :لا، ولكن كان أصحاب الرأی عمدوا إلى مسائل من مسائل أبی حنيفة فجعلوا لها أسانيد، عن يزيد بن أبی زياد، عن مجاهد، عن ابن عباس، فوضعوها فی كتبه، فكان يحدث بها.

وقال البخاری :تركه ابن المبارک، ووكيع .

وقال فی موضع آخر :قال يحيى بن يحيى :كان يدلس عن غياث بن إبراهيم، وغياث ذهب حديثه، ولا يعرف صحيح حديثه من غيره .

وقال مسلم : سمعت يحيى بن يحيى، وسئل عن خارجة بن مصعب، فقال :خارجة عندنا مستقيم الحديث، ولم نكن ننكر من حديثه إلا ما يدلس عن غياث، فإنا كنا قد عرفنا الأحاديث فلا نعرض لها.

وقال النسائی :ضعيف.

وقال فی موضع آخر :ليس بثقة.

وفی موضع آخر متروک الحديث.

وقال محمد بن سعد اتقى الناس حديثه فتركوه.

وقال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانی كان يرمی بالإرجاء .

وذكره يعقوب بن سفيان فی باب"من يرغب عن الرواية عنهم، وكنت أسمع أصحابنا يضعفونهم. "

وقال أبو حاتم : مضطرب الحديث، ليس بقوی، يكتب حديثه ولا يحتج به، مثل مسلم بن خالد الزنجی، لم يكن محله محل الكذب.

وقال عبد الرحمن بن يوسف بن خراش، والحكم أبو أحمد :متروک الحديث.

وقال الدارقطنی : ضعيف، وأخوه علی ضعيف.

وقال أبو أحمد بن عدی : له حديث كثير، وأصناف فيها مسند ومقاطيع، وحدث عنه أهل العراق، وأهل خراسان وهو ممن يكتب حديثه، وعندی أنه إذا خالف فی الإسناد أو المتن فإنه يغلط ولا يتعمد.

وإذا روى حديثا منكرا، فيكون البلاء ممن روى عنه، فيكون ضعيفا، وليس هو ممن يتعمد الكذب(تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج۸،ص۱۶ الٰی ۲۱ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۱۵۹۲ ،باب الخاء)

[1] بشر بن فافا [أبو الهيثم]

عن أبی نعيم.

ضعفه الدارقطنی.

أخبرنا عمر بن غدير، أخبرنا أبو القاسم بن الحرستانی حضورا فی الرابعة سنة 609، أخبرنا علی بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکیم ترمذی نے ''نوادرُ الاصول '' میں عبدالقدوس کی سند سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہو گیا، تو اللہ اس کو قبر کے فتنہ سے بچالے گا، اور صبح اور شام اس کو جنت کا رزق عطا کیا جائے گا۔ [1]

لیکن مذکورہ روایت میں ایک راوی ''عبد القدوس بن حبیب الشامی '' کے نام سے پائے جاتے ہیں، جن پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسلم الفقيه، أخبرنا ابن طلاب الخطيب، أخبرنا ابن جميع، حدثنا أبو على محمد بن أحمد اللؤلؤى، حدثنا أبو الهيثم بشر بن فافا، أخبرنا أبو نعيم، حدثنا شعبة، عن مروان الأصفر قال: قلت لأنس: أقنت عمر؟ قال: خير من عمر.

ولبشر فى سنن الدارقطنى: حدثنا أبو نعيم، حدثنا جعفر بن برقان، عن ميمون بن مهران، عن ابن عمر سئل النبى صلى الله عليه وسلم، عن الصلاة فى السفينة قال: قائما إلا أن تخاف الغرق (لسان الميزان لابنِ حجر، ج۲ ص ۳۰۹، تحت رقم الترجمة ۱۴۹۹، حرف الباء، من اسمهٗ بشر)

بشر بن فافا [أبو الهيثم] عن أبى نعيم.ضعفه الدارقطنى.

أخبرنا عمر بن غدير ، أخبرنا أبو القاسم بن الحرستانى حضورا فى الرابعة سنة تسع وستمائة، أخبرنا على بن المسلم الفقيه، أخبرنا ابن طلاب الخطيب، أخبرنا ابن جميع، أنبأنا أبو على محمد بن أحمد اللؤلؤى، أخبرنا أبو الهيثم بشر بن فافا، أخبرنا أبو نعيم، أنبأنا شعبة، عن مروان الأصفر، قال: قلت لانس: أقنت عمر؟ قال: خير من عمر.

ولبشر فى سنن الدارقطنى: أنبأنا أبو نعيم بن جعفر بن برقان، عن ميمون بن مهران، عن ابن عمر: سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فى السفينة قائما.

قال: [لا] إلا أن يخاف الغرق.(ميزان الاعتدال للامام الذهبى، ج ۱ ص ۳۲۳، ۳۲۴، تحت رقم الترجمة ۱۲۱۵، حرف الباء)

[1] حدثنا بذلك ابو قلابة عبدالله بن محمد بن عبدالله الرقاشى، ثنا بشر بن عمر، ثنا هشام بن ربيعة، عن سعيد بن ابى هلال، عن ربيعة بن سيف الاسكندرانى، عن عياض بن عقبة الفهرى، عن عبد الله بن عمرو، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقاه الله فتنة القبر.

حدثنا الجارود، ثنا حفص بن عبدالله السلمى، ثنا عبدالقدوس، عن يزيد بن ابى حبيب، عن ابن عمر،عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثله ،وزاد فيه :وغدى وريح عليه من الجنة .أى برزقه (نوادرالاصول فى معرفة احاديث الرسول، للحكيم الترمذى، ج۲ ص ۱۲۸۲، رقم الحديث ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، الاصل الثانى والتسعون والمائتان، مطبوعة: مكتبة الامام البخارى، القاهرة، المصر، الطبعة الاولىٰ:1429هـ ، 2008ء)

کئی محدثین نے ان کے بارے میں ''**متروک الحدیث**'' فرمایا۔

ابنِ عدی نے ان کو''**منکر الحدیث**''فرمایا۔

اورامام بخاری نے فرمایا''**احادیثه مقلوبة**'' [1]

عمرو بن علی صیرفی نے ان کے بارے میں فرمایا''**اجمع اهل العلم علی ترک حدیثه**''

---

[1] عبد القدوس بن حبيب، أبو سعيد الكلاعى الوحاظى الحمصى(الوفاة: 161 – 170هـ)
عن: الشعبى، ومجاهد، وعكرمة، ومكحول، وعطاء، ونافع، وعدة.
وعنه: الوليد بن مسلم، وعلى بن الجعد، وعبد الرزاق، وأبو الجهم الباهلى، وإسحاق بن أبى إسرائيل، وآخرون.
وهو متروک الحديث.
كان ابن المبارک يقول: لأن أقطع الطريق أحب إلى من أن أروى عنه.
وقال ابن عدى: منكر الحديث.
وروى عباس عن يحيى: شامى ضعيف.
وقال البخارى: أحاديثه مقلوبة.
وقال العقيلى: حدثنا محمد بن زكريا البلخى قال: حدثنا سعيد بن يعقوب الطالقانى قال: حدثنا ابن المبارک قال: اشتريت بعيرين، فقدمت الشام على عبد القدوس الشامى فقال: حدثنا مجاهد، عن ابن عمر .فقلت: إن أصحابنا يروون هذا عن ابن عباس! فقال: ابن عباس ما روى عنه مجاهد شيئا، وكان مجاهد مولى ابن عمر، قلما يروى إلا عن ابن عمر .فقلت: إنا لله، وفى سبيل الله على نفقتى وبعيرى!
قال النسائى وغيره: متروک الحديث(تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج۴ص۴۴۳، ۴۴۴، رقم الترجمة ۲۴۵)
عبد القدوس بن حبيب الكلاعى الشامى أبو سعيد روى عن عطاء وعكرمة والحسن وابى عبد الله الشرعبى، روى عنه حيوة بن شريح وسعيد بن ابى ايوب وابراهيم بن طهمان والوليد بن مسلم وعلى بن الجعد سمعت أبى يقول ذلک، ثنا عبد الرحمن أنا على بن أبى طاهر فيما كتب إلى قال قال احمد بن حنبل عبد القدوس الشامى وهنا حداء نا عبد الرحمن قال قرء على العباس بن محمد الدورى قال سمعت يحيى بن معين عن عبد القدوس الشامى فقال ضعيف، نا عبد الرحمن نا محمد بن إبراهيم قال سمعت عمرو بن على الصيرفى يقول عبد القدوس الشامى اجمع اهل العلم على ترک حديثه، ثنا عبد الرحمن قال سألت أبى رحمه الله عن عبد القدوس بن حبيب فقال متروک الحديث كان لا يصدق، نا عبد الرحمن قال سألت ابا زرعة عن عبد القدوس بن حبيب فقال ضعيف الحديث(الجرح والتعديل لابنِ ابى حاتم، ج٦ ص٥٥، ٥٦، باب القاف، تحت رقم الترجمة ٢٩٥)

اور ابنِ ابی حاتم نے ان کے بارے میں فرمایا ''متروک الحدیث کان لا یصدق''

اور ابنِ حبان نے فرمایا ''کان یضع الحدیث علی الثقات لا یحل کتابة حدیثه ولا الروایة عنه'' [1]

اور اسماعیل بن عیاش سے مروی ہے ''لا أشهد علی أحد بالکذب إلا علی عبد القدوس وعمر بن موسی الوجیهی''

امام مسلم نے ان کو ''ذاهب الحدیث'' فرمایا۔

اور امام بخاری نے ان کے متعلق فرمایا ''ترکوه منکر الحدیث'' [2]

---

[1] عبد القدوس بن حبیب الکلاعی الوحاظی من أهل الشام کنیته أبو سعید یروی عن نافع ومجاهد والشعبی وعکرمة ومکحول روی عنه روی عنه إبراهیم بن طهمان والعراقیون وهو الذی یروی عن الحسن من روایة سعید بن أبی أیوب عنه کان یضع الحدیث علی الثقات لا یحل کتابة حدیثه ولا الروایة عنه وکان بن المبارک یقول لأن أقطع الطریق أحب إلی من أن أروی عن عبد القدوس الشامی(المجروحین لابنِ حبان، ج۲ص ۱۳۱، تحت رقم الترجمة ۷۲۸)

[2] عبد القدوس بن حبیب الکلاعی الشامی الدمشقی أبو سعید.

عن عکرمة والشعبی ومکحول والکبار.

وعنه الثوری وإبراهیم بن طهمان وأبو الجهم وعلی بن الجعد واسحاق بن أبی إسرائیل وخلق.

قال عبد الرزاق: ما رأیت ابن المبارک یفصح بقوله کذاب إلا لعبد القدوس.

وقال الفلاس: أجمعوا علی ترک حدیثه.

وقال النسائی: لیس بثقة.

وقال ابن عدی: أحادیثه منکرة الإسناد والمتن......

وقد صرح ابن حبان بأنه کان یضع الحدیث.

وقال یحیی بن صالح الوحاظی: سمعت إسماعیل بن عیاش یقول: لا أشهد علی أحد بالکذب إلا علی عبد القدوس وعمر بن موسی الوجیهی.

فأما عمر: فإنی قلت له: أی سنة سمعت من خالد بن معدان؟ قال: سنة عشر قال: وکان موت خالد سنة أربع.

وأما عبد القدوس فإنی حدثته بحدیث عن رجل فطرحنی وطرح الذی حدثته عنه وحدث به عن الثالث.

وقال ابن عمار کان سفیان، یعنی الثوری – یروی، عن أبی سعید الشامی وإنما هو عبد القدوس کناه ولم یسمه وهو ذاهب الحدیث.

وقال الجوزجانی: لا یقنع الناس بحدیثه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''کنز العمال'' میں شیرازی کی ''الالقاب'' سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن میں یا جمعہ کی رات میں فوت ہوگیا، وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہوجائے گا، اور اس کے عمل کا ثواب جاری رکھا جائے گا۔ [1]

لیکن ہمیں مذکورہ روایت کی سند نہیں ملی، اس لیے اس پر کوئی متعین حکم لگانا مشکل ہے۔

البتہ مرتضٰی زبیدی نے ''احیاءُ العلوم'' کی شرح میں شیرازی کی ''الالقاب'' کے حوالہ سے مذکورہ روایت کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ [2]

جو ہمیں بظاہر غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوا، اور اصل لفظ ''عمر'' کے بجائے ''ابنِ عمر'' ہونا چاہئے۔

واللہ أعلم.

عکرمہ بن خالد مخزومی کی روایت

امام بیہقی نے ''اثبات عذاب القبر'' میں ''عبداللہ بن مؤمل'' کے طریق سے ''عکرمة بن خالد مخزومی'' کے اس قول کو روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن، یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال مسلم: ذاهب الحديث.وقال أبو داود: ليس بشيء وابنه شر منه.
وقال النسائي: متروک الحديث .
وقال البخاري: تركوه منكر الحديث.
وقال أبو حاتم: كان لا يصدق(لسان الميزان لابنِ حجر، ج۵ص۲۳۳ الٰی۲۳۵ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۴۸۶۴، حرف العين المهملة، من اسمه عبد القدوس)

[1] من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة عوفی من عذاب القبر، وجرى له عمله . "الشيرازی فی الألقاب عن ابن عمر"(كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ج۷،ص۷۱۹، رقم الحديث ۲۱۰۸۳، كتاب الصلاة،من قسم الأقوال،الباب الخامس،الفصل الأول)

[2] وأخرج الشيرازي في الالقاب من حديث عمر بن الخطاب من مات يوم الجمعة أوليلة الجمعة عوفی من عذاب القبر وجرى له عمله والله أعلم (اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين للمرتضىٰ الزبيدی، ج۳،ص۲۱۷، كتاب اسرار الصلاة ومهماتها،الباب الخامس فی فضل الجمعة وآدابها وسننها وشروطها ، الناشر: مؤسسة التاريخ العربی، بيروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ 1994م)

جمعہ کی رات میں فوت ہوگیا، تو اس پر ایمان کی مہر لگ جائے گی، اور اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا۔ [1]

لیکن اولاً تو اس روایت میں ایک راوی ''عبداللہ بن المؤمل'' پائے جاتے ہیں، جن کو محدثین نے ''ضعیف'' اور ''منکر الروایة'' وغیرہ قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا أبو طاهر الفقيه، أنا أبو حامد بن بلال، ثنا أبو الأزهر، ثنا زيد بن الحباب العكلي، عن عبد الله بن مؤمل قال: سمعت عكرمة بن خالد المخزومي يقول: من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة ختم بخاتم الإيمان، ووقي عذاب القبر (إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين، للبيهقي، رقم الحديث ١٥٨، ص١٠٤، باب ما يرجى في الموت ليلة الجمعة من البرائة من فتنة القبر)

[2] قال ابن حجر:

عبد الله ابن المؤمل ابن وهب الله المخزومي المكي ضعيف الحديث من السابعة مات سنة ستين ومائة بخ ت ق (تقريب التهذيب، ص٣٢٥، رقم الترجمة ٣٦٤٨، حرف العين)

وقال ابن حبان:

عبد الله بن المؤمل المخزومي شيخ من أهل مكة يروي عن أبي الزبير روى عنه بن المبارك كان قليل الحديث منكر الرواية لا يجوز الاحتجاج بخبره إذا انفرد لأنه لم يتبين عندنا عدالته فيقبل ما انفرد به وذاك أنه قليل الحديث لم يتهيأ اعتبار حديثه بحديث غيره لقلته فيحكم له بالعدالة أو الجرح ولا يتهيأ إطلاق العدالة على من ليس نعرفه بها يقينا فيقبل ما انفرد به فعسى نحل الحرام ونحرم الحلال برواية من ليس بعدل أو نقول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لم يقل اعتمادا منا على رواية من ليس بعدل عندنا كما لا يتهيأ إطلاق الجرح على من ليس يستحقه بإحدى الأسباب التي ذكرناها من أنواع الجرح في أول الكتاب وعائذ بالله من هذين الخصلتين أن نجرح العدل من غير علم أو نعدل المجروح من غير يقين ونسأل الله الستر (المجروحين لابنِ حبان، ج٢ ص٢٧، ٢٨، تحت رقم الترجمة ٥٥٩، باب العين)

وقال المزي:

عبد الله بن المؤمل بن وهب الله القرشي، المخزومي العائذي، المدني، ويقال: المكي......

قال صالح بن أحمد بن حنبل، عن أبيه: كان قاضيا بمكة، وليس بذاك.

وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه: أحاديثه مناكير.

وقال عباس الدوري، عن يحيى بن معين: صالح الحديث.

وقال أحمد بن سعد بن أبي مريم، عن يحيى بن معين: ليس به بأس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے یہ روایت ''عکرمة بن خالد مخزومی'' پر ختم ہوگئی ہے، اور اس میں ان ہی کا اپنا قول مذکور ہے، جبکہ خود ''عکرمة بن خالد مخزومی'' پر ہی محدثین نے جرح کی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال عثمان بن سعيد الدارمي ، وأبو بكر بن أبي خيثمة، ومعاوية بن صالح ، عن يحيى بن معين: ضعيف.

وقال أبو زرعة ، وأبو حاتم:ليس بقوى.وقال أبو داود: منكر الحديث.

وقال النسائي:ضعيف.وقال أبو أحمد بن عدى:أحاديثه عليها الضعف بين.

وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات"وقال: يخطئ.

وقال محمد بن سعد:مات بمكة سنة قتل الحسين بفخ، أو بعدها بسنة، وكان ثقة قليل الحديث.

وقال أبو يعلى الخليلى: مات قبل الستين ومئة (تهذيب الكمال، ج١٦ ص ١٨٧ الىٰ ١٩٠، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٣٥٩٩)

[1] قال البخارى:

عكرمة بن خالد المخزومي قرشي منكر الحديث(الضعفاء الصغير،للبخارى،ص ١١١، تحت رقم الترجمة ٣٠١، باب العين)

وقال ابن حجر:

عكرمة ابن خالد ابن سلمة ابن العاص ابن هشام المخزومي ضعيف (تقريب التهذيب،ص ٦٩٦،رقم الترجمة ٤٦٦٩)

وقال ابن ابى حاتم:

عكرمة بن خالد بن سلمة المخزومي قرشي روى عن أبيه روى عنه مسلم بن إبراهيم ونصر بن على سمعت أبي يقول ذلك، نا عبد الرحمن قال سألت ابى عن عكرمة بن خالد بن سلمة المخزومي فقال منكر الحديث(الجرح والتعديل،لابن أبي حاتم،ج٧،ص ٩، تحت رقم الترجمة ٣٥)

وقال المزى:

تمييز :عكرمة بن خالد المخزومي وهو عكرمة بن خالد بن سلمة بن العاص بن هشام المخزومي وهو ابن عم الذى قبله وهو الأصغر.

يروى عن :أبيه.ويروى عنه :مسلم بن إبراهيم.

قال عباس الدورى، عن يحيى بن معين :ليس بشيء .

وقال البخارى:منكر الحديث.

وقال النسائي :ضعيف .وذكره العقيلي فى كتابه، وروى له حديثا عن أبيه عن ابن عمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سعید بن مسیّب کی روایت

امام شافعی نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ مجھے تمام دنوں میں اپنی موت کا آنا جمعہ کے دن دوپہر کے وقت سب سے زیادہ پسند ہے۔ [1]

مذکورہ روایت سے جمعہ کے دن موت کی نفسِ فضیلت کا ثبوت ملتا ہے، کسی مخصوص فضیلت کا اس سے ثبوت نہیں ملتا۔

سعید بن مسیّب نے جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت کو سنا ہوگا، اسی لیے انہوں نے جمعہ کے دن فوت ہونے کو پسند کیا۔

اور جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت سے متعلق کئی روایات پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال :لا تضربوا الرقیق فإنکم لا تدرون ما توافقون.
قال :وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النهی عن ضرب المملوکین أحادیث من وجوہ ثبتت بألفاظ مختلفة .ذکرناہ لـلتمییز بینهما(تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، ج۲۰،ص ۲۵۱، ۲۵۲، تحت رقم الترجمة ۴۰۰۵،باب العین)

[1] أخبرنا إبراهیم بن محمد بن أبی یحیی، أخبرنی أبی أن ابن المسیب هو سعید قال: أحب الأیام إلی أن أموت فیه ضحی یوم الجمعة(مسند الشافعی، ص ۷۲، ومن کتاب إیجاب الجمعة)

[2] الحدیث من روایة ابن المسیب مرسل، لکن ورد مسندًا من روایة أبی لبابة بن عبد المنذر أن رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم – قال: " یوم الجمعة سید الأیام وأعظمها، وهو أعظم عند اللہ من یوم الفطر والأضحی"وهو قریب المعنی مما ذکرنا من روایة أوس بن أوس؛ أن النبی – صلی اللہ علیہ وسلم – قال:" أفضل أیامکم یوم الجمعة."

وأما الأثر عن ابن المسیب فعن السلف أنهم کانوا یحبون وقوع التوفی یوم الجمعة ولیلتها؛ لما روی عن عبد اللہ بن عمرو قال: سمعت رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم – یقول: " من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة وقی فتانی القبر "ویروی "فتنة القبر ."(شرح مسند الشافعی للقزوینی، ج۲ص ۱۰، ۱۱، تحت رقم الحدیث ۳۱۴، کتاب الجمعة)

(تتمہ: فصل نمبر 4)

مذکورہ روایات کی مجموعی اسناد سے متعلق اہلِ علم کی آراء

جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر، یا فتنۂ قبر سے حفاظت و برائت کی مذکورہ احادیث وروایات میں سے بعض شدید ضعیف اور بعض ضعیف ہیں، ان کو مجموعی طور پر بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ان میں سند کے اعتبار سے ایک دوسرے کے شاہد ومؤید بن کر حسن درجہ کی صلاحیت حاصل کرنے کا انکار کیا ہے۔ [1]

جبکہ اس کے برعکس بعض حضرات نے ان میں سے بعض روایات کو ایک دوسرے کا شاہد و مؤید بنا کر حسن لغیرہٖ، بلکہ صحیح لغیرہٖ قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:

فهذه الشواهد لا تصلح لتقوية الحديث، وقد أخطأ الألباني فى "الجنائز "ص ٣٥، فحسنه أو صححه بها تقليداً للمباركفورى فى "تحفة الأحوذى."(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ٦٥٨٢)

[2] قال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:

قال أبو يعلى :حدثنا أبو معمر إسماعيل بن إبراهيم ، حدثنا عبد الله بن جعفر ، عن واقد بن سلامة، عن يزيد بن أبان الرقاشي ، عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم" :-من مات يوم الجمعة وقى عذاب القبر."

الحكم عليه:هذا إسناد ضعيف، مسلسل بثلاثة ضعفاء ، عبد الله بن جعفر، وشيخه، وشيخ شيخه كلهم ضعفاء وذكره كل من الهيثمى فى مجمع الزوائد (2/ 319)، والبوصيرى فى الإتحاف (:113 /1أ)، وأعلاه بيزيد الرقاشي، وضعفه الحافظ ابن حجر فى الفتح .(3/ 253)

تخريجه:أخرجه ابن عدى فى الكامل (7/ 2554) عن أبى يعلى به، وسنده ضعيف كما علمت -، لكنه يتقوى بالشواهد، فقد ورد من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص، وجابر بن عبد الله، وعمر بن الخطاب، وإياس بن بكير مرفوعا، وعن عطاء مرسلا......

وبالجملة، فطرق هذا الحديث ومتابعاته وشواهده كلها لا تخلو من مقال، لكن بمجموعها يكون الحديث حسنا، أو صحيحا لغيره، ولذلك رمز له السيوطى فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضعیف حدیث جب مختلف طرق سے مروی ہو، تو وہ حسن لغیرہ کا درجہ حاصل کرلیتی ہے، برخلاف شدید ضعیف، یا موضوع حدیث کے کہ ان کے مختلف طرق ہونے یا تعداد میں زیادہ ہونے سے یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ [1]

اوراسی اختلاف کی وجہ سے بعض حضرات جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کے حق میں عذابِ قبر نہ ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کی ''رد المحتار ''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجامع الصغير بالحسن -كما فى فيض القدير (499 /5)- ، وتابعه الألبانى فى صحيح الجامع (5649 :181 /5)، وأحكام الجنائز (ص .35)(حاشية المطالب العالية ، ج۵،ص۲۴۵ الٰى ۲۴۸ ملخصاً، تحت رقم الحديث ۵۹۷،كتاب الجنائز،باب الموت يوم الجمعة)

[1] الضعيف لا يقوى الضعيف، نعم، كثرة الطرق الضعيفة قد تقويه وتخرجه إلى حد الحسن لغيره(شرح نخبة الفكر،للملا على القارى،ص۴۰۸ ، المرسل)

وأصل أقسام الحديث ثلاثة فالصحيح أعلى مرتبة والضعيف أدنى مرتبة والحسن متوسط.

وسائر الأقسام التى ذكرت داخلة فى هذه الثلاثة:

الصحيح:

فالصحيح ما يثبت بنقل عدل تام الضبط غير معلل ولا شاذ

الصحيح لذاته:

فإن كان هذه الصفات على وجه الكمال والتمام فهو صحيح لذاته.

الصحيح لغيره:

وإن كان فيه نوع قصور ووجد ما يجبر ذلك القصور من كثرة الطرق فهو الصحيح لغيره

الحسن لذاته:

وإن كان لم يوجد فهو الحسن لذاته.

الضعيف:

وما فقد فيه الشرائط المعتبرة فى الصحيح كلا أو بعضا فهو الضعيف.

الحسن لغيره:

والضعيف إن تعدد طرقه وانجبر ضعفه يسمى حسنا لغيره.

النقصان المعتبر فى الحسن:

وظاهر كلامهم أنه يجوز أن تكون جميع الصفات المذكورة فى الصحيح ناقصة فى الحسن لكن التحقيق أن النقصان الذى اعتبر فى الحسن إنما هو بخفة الضبط وباقى الصفات بحالها(مقدمة فى أصول الحديث،لعبد الحق الدهلوى الحنفى،ص۵۸ الٰى ۶۰،الفصل الرابع فى الصحيح والحسن والضعيف)

وغیرہ میں بھی علامہ ابو معین نسفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس کا ذکر ہے اور ہمارے یہاں کے کئی اردو فتاویٰ میں اس کا ذکر ملتا ہے اور ہمارے معاشرہ میں اسی قول کی کافی شہرت ہے، جن کے حوالہ جات کو ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

لیکن اس کے برعکس بعض حضرات جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کے حق میں صرف جمعہ کے دن فوت ہونے کی بنیاد پر، تا قیامت عذابِ قبر سے حفاظت کے قائل نہیں، بلکہ وہ مرنے کے بعد عذاب سے نجات کا مدار ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں چند عبارات اور ان کے متعلق کچھ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

''العرفُ الشذی'' کا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری ''العرفُ الشذی'' میں فرماتے ہیں کہ:

ما صح الحديث فی فضل موت يوم الجمعة، ولو صح بالفرض لكان الفضل من عدم السؤال لمن مات يوم الجمعة لا من مات قبل وأخر دفنه إلى يوم الجمعة(العرف الشذی، ج۲ص ۳۵۱، کتاب الجنائز، باب ما جاء فیمن یموت یوم الجمعة)

ترجمہ: جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت کے بارے میں حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر بالفرض صحیح ہو، تو (قبر میں) سوال نہ کیے جانے کی فضیلت اس شخص کو حاصل ہوگی، جو جمعہ کے دن فوت ہو، نہ کہ اس شخص کو جو کہ جمعہ کے دن سے پہلے فوت ہو، اور اس کے دفن کو جمعہ کے دن تک مؤخر کیا جائے (العرف الشذی)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ انور شاہ کشمیری، جمعہ کے دن موت کی فضیلت سے متعلق حدیث کو ''صحیح'' قرار نہیں دیتے۔

''شیخ عثیمین'' کا حوالہ

سعودی عرب کے مشہور عالمِ دین شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین کے فتاویٰ میں ہے:

هل من أجر لمن يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وأنه يوقى من فتنة القبر كما جاء في الحديث؟

فأجاب رحمه الله تعالى: لا أعلم في هذا حديثا صحيحا.

والإنسان موته ليس باختياره فإذا مات يوم الجمعة فليس من كسبه أو يوم الاثنين فليس من كسبه قال الله تبارك وتعالى (إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بأي أرض تموت) فالإنسان يجهل بأي أرض يموت هل في بلده أو في بلد آخر هل هو داخل مملكته أو خارج مملكته كذلك أيضا لا يدري متى يموت لأن علم الموت كعلم الساعة مجهول هو عند الله تعالى وحده فإذا كان كذلك فمات الإنسان في أي يوم فإن موته في أي يوم الجمعة أو الاثنين أو الخميس أو غيره أو غيرها ليس من كسبه حتى يثاب عليه.

لكن إن ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك حديث فالواجب الإيمان به والتسليم له (فتاوى نور على الدرب، ج٦، ص٢، شروح الأحاديث والحكم عليها، شروح الأحاديث والحكم عليها، هل من أجر لمن يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وأنه يوقى من فتنة القبر)

ترجمہ: جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہو جائے، کیا اسے اس کا اجر حاصل ہوگا، یا اسے قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؟

تو شیخ عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میرے علم میں اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

اور کسی کو اپنی موت پر اختیار نہیں ہے، پس جب وہ جمعہ کے دن فوت ہو جائے۔
اس میں اس کے کسب واختیار کو دخل نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی پیر کے دن فوت ہو جائے، تو اس میں بھی اس کے کسب واختیار کو دخل نہیں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’إِنَّ اللّٰـهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ‘‘.

پس (اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکم کے پیشِ نظر) انسان اس بات سے ناواقف ہے کہ وہ اس شہر کی، یا دوسرے شہر کی کس زمین میں فوت ہوگا، اور وہ شہر اپنے ملک میں داخل ہوگا، یا اپنے ملک سے باہر ہوگا، اسی طریقہ سے انسان کو یہ بھی علم نہیں کہ اس کو موت کب واقع ہوگی؟ کیونکہ موت کا علم، قیامت کے علم کی طرح (اللہ کے علاوہ) کسی کو نہیں، اور اس کا علم تنہا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، پس جب یہ بات ہے، تو انسان جس دن بھی فوت ہو جائے، خواہ وہ جمعہ کا دن ہو، یا پیر کا دن ہو، یا جمعرات کا دن ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور دن ہو، تو اس میں اس کے کسب واختیار کو دخل نہیں ہوگا کہ اس پر اُسے ثواب عطا کیا جائے۔
لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات صحیح حدیث میں ثابت ہوتی، تو اس پر ایمان لانا، اور اس کو قبول کرنا واجب ہوتا (فتاوی نور علی الدرب)

معلوم ہوا کہ عرب کے شیخ مذکور مرحوم کے نزدیک جمعہ کے دن موت کی فضیلت کی حدیث ’’صحت‘‘ کے درجہ تک نہیں پہنچی، اور وہ اس پر عقیدہ رکھنے کے قائل نہیں۔

’’شیخ ابنِ باز‘‘ کا حوالہ

سعودی عرب کے شیخ مفتی عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے فتاویٰ میں ہے:

س :هل من يموت يوم الجمعة يجار من عذاب القبر؟ وهل الجزاء ينطبق على يوم الوفاة، أم على يوم الدفن؟ أفتونا مأجورين؟

ج :الأحاديث فى هذا ضعيفة، الأحاديث فى موت يوم الجمعة، وأن من مات يوم الجمعة دخل الجنة ووقى النار كلها ضعيفة غير صحيحة.

من مات على الخير والاستقامة دخل الجنة فى يوم الجمعة وغير يوم الجمعة، من مات على دين اللّٰه على توحيد الله والإخلاص له فهو من أهل الجنة فى أى مكان مات، وفى أى زمان، وفى أى يوم، إذا استقام على دين اللّٰه فهو من أهل الجنة والسعادة.

وإن مات على الشرك باللّٰه فهو من أهل النار فى أى يوم، وفى أى مكان، نسأل اللّٰه العافية.

وإن مات على المعاصى فهو على خطر تحت مشيئة اللّٰه، لكنه فى الجنة إذا كان موحدا مسلما منتهاه الجنة، لكن قد يعذب بعض العذاب عن المعاصى التى مات عليها غير تائب، لقول اللّٰه عز وجل :(إن اللّٰه لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء) فبين سبحانه أن الشرك لا يغفر لمن مات عليه، وأما ما دونه من المعاصى فهو تحت المشيئة، إذا مات وهو زان لم يتب، مات بشرب الخمر لم يتب، مات عاقا لوالديه، مات يأكل الربا فهو تحت مشيئة اللّٰه، إن شاء اللّٰه غفر له لأعماله الطيبة وتقواه، وإن شاء عذبه على قدر هذه المعاصى، ثم بعد هذا يخرج من النار بعد التطهير، يخرج من النار إلى الجنة (فتاوى نور على الدرب بعناية

الشويعر، ج ۱۴، ص ۱۶۳، ۱۶۴، بقية باب احكام الجنايز، حكم ما يقال فی فضل الموت يوم الجمعة)

ترجمہ: سوال...... کیا جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت ہوجاتی ہے؟ اور کیا یہ فضیلت اس دن وفات پانے پر مرتب ہوتی ہے، یا دفن کرنے پر مرتب ہوتی ہے؟ ہمیں فتویٰ دے کر اجروثواب حاصل کیجیے؟

جواب...... اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ ضعیف ہیں، جمعہ کے دن موت (کی فضیلت) سے متعلق احادیث اور جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوجائے، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جہنم سے بچالیا جائے گا، یہ تمام کی تمام ضعیف احادیث ہیں، جو صحیح نہیں ہیں۔

(اصل بات یہ ہے کہ) جو شخص نیکی واستقامت کی حالت میں فوت ہوگیا، وہ جنت میں داخل ہوگا، خواہ جمعہ کے دن فوت ہو، یا جمعہ کے علاوہ کسی اور دن فوت ہو، اور جو شخص اللہ کے دین پر، اللہ کی وحدانیت پر اور اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ فوت ہوا، تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا، خواہ وہ کسی جگہ میں فوت ہوا ہو، اور کسی زمانہ میں فوت ہوا ہو، اور کسی دن میں فوت ہوا ہو، جبکہ اس نے اللہ کے دین پر استقامت اختیار کی ہو، تو وہ اہلِ جنت اور اہلِ سعادت میں سے ہوگا۔

اور اگر وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حالت میں فوت ہوگیا، تو وہ اہلِ جہنم میں سے ہوگا، خواہ کسی دن فوت ہو اور کسی جگہ فوت ہو، ہم اللہ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

اور اگر گناہوں کی حالت میں فوت ہوا، تو اس کا معاملہ خطرہ میں ہوگا، اور اللہ کی مشیت پر موقوف ہوگا، لیکن اگر وہ مسلم موحّد تھا، تو بالآخر ایک نہ ایک دن جنت کا مستحق ہوگا، لیکن بسا اوقات ان گناہوں کا عذاب دیا جائے گا، جن سے توبہ کیے

بغیر فوت ہوا تھا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

”إن اللّٰه لا يغفر أن يشرک به ويغفر ما دون ذٰلک لمن يشاء“

پس (مذکورہ آیت میں) اللہ سبحانہٗ نے یہ بات واضح فرمادی کہ جو شخص شرک کی حالت میں فوت ہوگیا، اس کی تو اللہ مغفرت نہیں فرمائے گا، اور شرک سے نیچے کے گناہوں کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوگا، جب کوئی زانی توبہ کیے بغیر مرگیا، یا شراب پی کر توبہ کیے بغیر مرگیا، یا اپنے والدین کی نافرمانی کی حالت میں مرگیا، یا سود کھا کر مرگیا، تو وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوگا، اگر اللہ چاہے گا، تو اس کے نیک اعمال اور تقویٰ کی برکت سے اس کی مغفرت فرمادے گا، اور اگر چاہے گا، تو ان گناہوں کے بقدر اس کو عذاب دے کر، آگ سے پاک کرنے کے بعد (عذاب سے) نکال دے گا، اور پھر جنت میں داخل فرمادے گا (فتاویٰ نور علی الدرب)

پیر کے دن موت کی فضیلت کا حوالہ

جہاں تک شیخ عثیمین کی اس بات کا تعلق ہے کہ کسی دن، یا زمانہ یا وقت میں موت کا آنا اپنے اختیار میں نہیں، اس لیے اس پر اجر و ثواب یا فضیلت مرتب ہونے کا کوئی مطلب نہیں اور اس وجہ سے جمعہ کے دن موت کی فضیلت کا قائل ہونا بھی درست نہیں۔

تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک باب پیر کے دن موت سے متعلق قائم کیا ہے، جس کے تحت انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کون سے دن فوت ہوئے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا کہ پیر کے دن فوت ہوئے تھے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی دن رات کے وقت میں (یعنی پیر کا دن گزرنے کے بعد) فوت ہوگئے، اور صبح کو دفن کیا گیا"۔ [1]

مذکورہ واقعہ سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ پیر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خواہش بھی اسی دن فوت ہونے کی تھی، جس سے پیر کے دن فوت ہونے کی فی الجملہ فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] عن عائشة رضی الله عنها، قالت :دخلت علی أبی بکر رضی الله عنه، فقال :فی کم کفنتم النبی صلی الله علیه وسلم؟ قالت :فی ثلاثة أثواب بیض سحولیة، لیس فیها قمیص ولا عمامة وقال لها :فی أی یوم توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قالت : یوم الاثنین قال :فأی یوم هذا؟ قالت :یوم الاثنین قال :أرجو فیما بینی وبین اللیل، فنظر إلی ثوب علیه، کان یمرض فیه به ردع من زعفران، فقال :اغسلوا ثوبی هذا وزیدوا علیه ثوبین، فکفنونی فیها، قلت :إن هذا خلق، قال :إن الحی أحق بالجدید من المیت، إنما هو للمهلة فلم یتوف حتی أمسی من لیلة الثلاثاء ، ودفن قبل أن یصبح(صحیح البخاری،رقم الحدیث ۱۳۸۷ ، کتاب الجنائز،باب موت یوم الاثنین)

[2] علامہ انور شاہ کشمیری نے ''فیض الباری'' میں علامہ سیوطی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ پیر کا دن موت کے لیے تمام دنوں میں افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دن میں وفات ہوئی، اگرچہ تمام دنوں میں مطلقاً افضل دن، جمعہ ہے۔

قال السیوطی رحمه الله تعالی :إنه أفضل الأیام للموت، لأن النبی صلی الله علیه وسلم توفی فیه وإن کان أفضل الأیام مطلقا هو الجمعة(فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۳،ص ۸۴، کتاب الجنائز،باب موت یوم الاثنین)

مگر ہمیں موت کے لئے سب سے افضل پیر کا دن ہونے کے دعوے سے اتفاق نہ ہوسکا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کی وجہ سے اس دن میں موت کی فی الجملہ فضیلت سے تو انکار نہیں، لیکن اس دن کو وفات کے اعتبار سے تمام دنوں سے افضل قرار دینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محض اس دن میں وِصال ہونا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیاری فعل نہیں، اس دن کے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں ہر مومن کے حق میں وفات کے اعتبار سے دوسرے دنوں سے افضل ہونے کی دلیل کے لیے کافی معلوم نہ ہوا، اور اگر کوئی یہ بات تسلیم نہ کرے، تو پھر پیر کے دن موت کی فضیلت کا جمعہ کے دن موت کی فضیلت سے بھی افضل واعلیٰ ہونا لازم آئے گا۔

اور جمعہ کے دن فوت ہونے پر شہید اور عذابِ قبر سے حفاظت کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے، کم از کم اتنی فضیلت تو پیر کے دن فوت ہونے والے کو دینی چاہئے، اگر وہ اس سے زیادہ فضیلت کے لیے آمادہ نہ ہوں۔

لیکن ہم نے آج تک جمعہ کے دن فوت ہونے پر شہادت اور عذابِ قبر سے حفاظت کے مدعی حضرات میں سے کسی کا قول نہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال پیر کا دن گزر کر منگل کی رات میں ہوا، اور وہ پیر کے دن موت کی فضیلت سے محروم رہے۔

تو اس سلسلہ میں ان حضرات نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خواہش اور رغبت چونکہ پیر کے دن فوت ہونے کی تھی، اس لیے ان کو اپنی خواہش اور رغبت کے مطابق فضیلت حاصل ہوگئی، اور دوسرے لوگوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

چنانچہ امام بخاری کے قائم کردہ مذکورہ باب کے تحت علامہ عینی نے فرمایا کہ:

(باب موت یوم الاثنین)أی :هذا باب فی بیان فضل الموت یوم الاثنین.

فإن قلت :لیس لأحد اختیار فی تعیین وقت الموت، فما وجه هذا؟ قلت :له مدخل فی التسبب فی حصوله بأن یرغب إلی اللّٰه لقصد التبرک، فإن أجیب فخیر حصل وإلا یثاب علی اعتقاده......(وبعد اسطر)...... مطابقته للترجمة من حیث إن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کانت وفاته یوم الإثنین، فمن مات یوم الاثنین یرجی له الخیر لموافقة یوم وفاته یوم وفاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فظهرت له مزیة علی غیره من الأیام بهذا الاعتبار.

فإن قلت :روی الترمذی من حدیث عبد اللّٰه بن عمرو، قال

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دیکھا کہ اس نے جمعہ کے دن کی طرح پیر کے دن فوت ہونے والے فاسق وفاجر مومن کو بھی شہید قرار دیا ہو، اور تاقیامت ہر طرح کے عذاب سے محفوظ قرار دیا ہو، یا اس کی عوام میں تبلیغ وتشہیر کی ہو، جس طرح جمعہ کے دن فوت شدہ کے متعلق کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ حضرات پیر کے دن کے وفات کے افضل ہونے کی متعلقہ عبارات کو نہ صرف یہ کہ پیش کرتے ہیں، بلکہ اس کو کسی دن فوت ہونے کی فضیلت کے ثبوت کے طور پر دلیل بھی بناتے ہیں۔ محمد رضوان۔

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :(ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاه اللّٰہ تعالی فتنة القبر)

قلت :ھذا حدیث انفرد بإخراجه الترمذی، وقال :ھذا حدیث غریب، ولیس إسناده بمتصل لأن ربیعة بن سیف یرویه عن ابن عمرو، ولا یعرف له سماع منه، فلذلک لم یذکره البخاری، فاقتصر علی ما وافق شرطه (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۸، ص ۲۱۸، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنین)

ترجمہ: ’’یہ باب پیر کے دن موت کی فضیلت سے متعلق ہے‘‘

اگر آپ یہ کہیں کہ موت کا وقت متعین کرنے میں تو کسی کا اختیار نہیں، تو پھر اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟

میں کہتا ہوں کہ اس کے حاصل کرنے کے سبب کا اس طرح دخل پایا جاتا ہے کہ اللہ سے اس کے حاصل کرنے کی رغبت کرے، برکت کی نیت سے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دن میں وصال ہونے کی وجہ سے اپنی موت کی موافقت کی دعا کرے) اگر اس کی دعاء قبول کرلی گئی، تو اس دن کی خیر حاصل ہوجائے گی، ورنہ اس کے اعتقاد کے مطابق ثواب عطا کیا جائے گا......(اور چند سطور کے بعد ہے)

اس باب کا (حضرت عائشہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی) حدیث سے تعلق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی تھی، پس جو شخص پیر کے دن فوت ہوا، تو اس کے لیے خیر کی امید کی جاتی ہے، اس کی وفات کے دن کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن کے ساتھ موافق ہوجانے کی وجہ سے، پس اس اعتبار سے پیر کے دن فوت ہونے والے شخص کو دوسرے دنوں میں فوت ہونے والے لوگوں کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اگر آپ یہ شبہ کریں کہ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچالیتا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث تنہا امام ترمذی نے روایت کی ہے، اور فرمایا کہ یہ حدیث ''غریب'' ہے، اس کی سند ''متصل'' نہیں ہے، کیونکہ ''ربیعة بن سیف ''اس کو عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حضرت عبداللہ بن عمرو سے سماع ثابت نہیں، اسی وجہ سے اس کو بخاری نے ذکر نہیں کیا، اور بخاری نے اس حدیث پر اکتفا کیا، جو ان کی شرط کے موافق تھی (عمدة القاری)

علامہ ابنِ حجر نے بھی ''فتح الباری ''میں اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے جو اوپر علامہ عینی کے حوالہ سے گزری، اور علامہ ابنِ حجر نے فرمایا کہ جمعہ کے دن موت کی فضیلت کے متعلق حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں تھی، جس کو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، اور ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس کو روایت کیا ہے، مگر اس کی سند میں اس سے بھی زیادہ ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی دن موت کی فضیلت ثابت ہوجائے، اور کوئی اس دن موت کی اللہ کے حضور تمنا اور رغبت ظاہر کرے، تو اسے اللہ کی طرف سے بطورِ فضل اس پر بھی

---

[1] (قوله باب موت يوم الاثنين)قال الزين بن المنير تعين وقت الموت ليس لأحد فيه اختيار لكن في التسبب في حصوله مدخل كالرغبة إلى الله لقصد التبرك فمن لم تحصل له الإجابة أثيب على اعتقاده وكأن الخبر الذي ورد في فضل الموت يوم الجمعة لم يصح عند البخاري فاقتصر على ما وافق شرطه وأشار إلى ترجيحه على غيره والحديث الذي أشار إليه أخرجه الترمذي من حديث عبد الله بن عمرو مرفوعا ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر وفي إسناده ضعف وأخرجه أبو يعلى من حديث أنس نحوه وإسناده أضعف(فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج٣،ص ٢٥٣، كتاب الجنائز،باب موت يوم الاثنين)

اس دن فوت ہونے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، اگرچہ وہ کسی دوسرے دن فوت ہو، اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ شہادت کی دعا کرنے والے کے متعلق اللہ کی طرف سے شہید کے درجہ تک پہنچانے کا ذکر آیا ہے، اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ فوت ہوجائے۔ [1]

پس اگر پیر کے دن موت کی فضیلت، یا جمعہ کے دن موت کی فضیلت ثابت ہو، اور کوئی اس فضیلت کو پانے کی اللہ سے دعاء کرے، اور وہ کسی دوسرے دن میں فوت ہوجائے، تب بھی اسے اللہ اس کی دعاء ورغبت کی وجہ سے اس وفات کی فضیلت عطا فرمادے گا۔

حرمین میں فوت ہونے کی فضیلت کا حوالہ

اسی طرح اگر کسی مقام پر موت کی فضیلت شرعی دلائل سے ثابت ہو، تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا، کہ اس کی دعاء وکوشش کرنے والا، اس فضیلت کو پانے والا شمار ہوگا، اگرچہ وہ کسی دوسری جگہ فوت کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ مدینہ منورہ میں موت کی فضیلت کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّي أَشْفَعُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۵۴۳۷) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مدینہ میں فوت ہوجانے کی استطاعت رکھے، تو اسے چاہئے کہ ایسا کرلے، کیونکہ میں اس شخص کی شفاعت کروں گا، جو مدینہ میں فوت ہوگا (مسند احمد)

---

[1] سهل بن أبي أمامة بن سهل بن حنيف، حدثه، عن أبيه، عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من سأل الله الشهادة بصدق، بلغه الله منازل الشهداء، وإن مات على فراشه (مسلم، رقم الحديث ۱۹۰۹ "۱۵۷")

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخاري (حاشية مسند احمد)

اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہر مومن کو حاصل ہوگی، لیکن ہر مومن کو حاصل ہونے کے درجات اور اوقات یکساں نہیں ہوں گے، کسی کو اول درجے میں شفاعت حاصل ہوگی، کسی کو بعد میں، کسی کو شفاعتِ خاص حاصل ہوگی، کسی کو شفاعتِ عام۔

مدینہ منورہ کیونکہ افضل مقامات میں سے ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن اور مدفن ہے، اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔

اس لیے جو شخص مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرے گا، اور وہاں ہی موت آنے کی جستجو کرے گا، تو اس کو مدینہ منورہ میں رہائش اور وہاں کے اعمال کی فضیلت حاصل ہوگی، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور محبت کی نشانی ہوگی، اس لیے اس پر مذکورہ فضیلت کا وعدہ کیا گیا۔

بعض احادیث میں مدینہ منورہ کے مصائب پر صبر کرنے پر بھی اسی طرح کی فضیلت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمَدِيْنَةُ مَنْ صَبَرَ عَلٰى شِدَّتِهَا وَلَأْوَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا – أَوْ شَهِيْدًا – يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ٩٧٧٠) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مدینہ کی شدت اور تکالیف پر صبر کیا، تو میں اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے والا یا (اس کے ایمان کا) گواہ بنوں گا (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جو مصائب اور خلافِ طبیعت باتیں پیش آئیں، ان پر صبر کرنے کی برکت سے آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہوگی۔

ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کی سختیوں اور مصائب پر صبر کرنے والے کو اس شخص سے اضافی درجہ کی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

شفاعت حاصل ہو، جو وہاں فوت ہونے کی کوشش کرنے والے کو حاصل ہوگی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں موت کی کوشش کرے گا، تو اسے عموماً وہاں جانا اور کچھ رہنا بھی پڑسکتا ہے، اور یہ فضیلت اسی صورت میں موت آنے پر حاصل ہوگی، جبکہ وہاں صبر کا مظاہرہ کیا ہو۔ واللہ أعلم۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حرمین، یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موت کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کو قیامت کے دن امن حاصل ہوگا۔ [1]

جس طرح مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی کی فضیلت ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ اور مسجدِ حرام کی بھی فضیلت ثابت ہے، لہٰذا جس طرح مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرنے اور موت آنے کی فضیلت ہے، اسی طرح جو شخص مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرے گا، اور وہاں ہی موت آنے کی جستجو کرے گا، تو اس کو مکہ مکرمہ میں رہائش اور وہاں کے اعمال کی فضیلت حاصل ہوگی، اور یہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے مؤمن ہونے کی نشانی ہوگی، اس لیے اس کے لیے قیامت کے دن مخصوص امن کی فضیلت کا وعدہ کیا گیا۔

تاہم حرمین، یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موت کی فضیلت سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند پر کچھ کلام ہے۔ [2]

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ حرمین شریفین میں موت کی فضیلت سے متعلق مذکورہ اور اس جیسی

---

[1] حدثنا محمد بن علی بن مهدی العطار الكوفی قال :نا موسى بن عبد الرحمن المسروقی قال :ثنا زید بن الحباب، عن عبد الله بن المؤمل، عن أبی الزبير، عن جابر، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من مات فی أحد الحرمين، مكة أو المدينة، بعث آمنا.

لم يرو هذا الحديث عن أبی الزبير إلا عبد الله بن المؤمل تفرد به زيد بن الحباب(المعجم الأوسط، رقم الحديث ۵۸۸۳)

[2] قال الهيثمی : رواه الطبرانی فی الصغير والأوسط ، وفيه موسى بن عبد الرحمن المسروقی وقد ذكره ابن حبان فی الثقات وفيه عبد الله بن المؤمل وثقه ابن حبان وغيره وضعفه أحمد وغيره وإسناده حسن.(مجمع الزوائد ، تحت رقم الحديث : ۳۸۹۰ ، باب فيمن مات فی أحد الحرمين)

احادیث کی بناء پر یہ عقیدہ رکھنا درست نہ ہوگا کہ جو فاسق و فاجر شخص بھی حرمین شریفین میں فوت ہوجائے، اس کو اعمالِ صالحہ کے بغیر صرف حرمین میں فوت ہونا فضیلت کے لیے کافی ہے، اور جتنے لوگ بھی حرمین میں قیام پذیر ہوں، اور وہ فوت ہوجائیں، تو وہ سب ہی بلاتفریق اس فضیلت کے برابر مستحق ہوں گے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اللہ اوراس کے رسول کی محبت میں حرمین میں رہنا اور وہاں موت کی کوشش کرنا مؤمن ہونے کی علامت ہے، جس پر وہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور مخصوص امن کا مستحق ہوگا اور اپنے دیگر اعمال کی بنسبت کم، یا زیادہ فضیلت پائے گا۔

اسی طرح جمعہ کے دن فوت شدہ مؤمن کے لئے بھی فی الجملہ فضیلت اور حسنِ خاتمہ کے باعث اسی طرح کا عقیدہ رکھا جائے گا اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے ہر فاسق و فاجر کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا مناسب نہ ہوگا کہ وہ بھی نیک صالح شخص کی طرح تا قیامت ہمیشہ کے لیے ہر طرح کے عذاب سے محفوظ و مامون ہوجاتا ہے، بلکہ فاسق و فاجر اور نیک و صالح کے مابین فرق کرنا مناسب ہوگا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن کسی بھی شخص کو عذابِ قبر و برزخ نہ ہونے کے سلسلہ میں جن دلائل سے استدلال کیا جاتا ہے، وہ اس درجہ کے نہیں کہ ان سے اس طرح کا عقیدہ ثابت ہوسکے۔

جہاں تک جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کے عذابِ قبر سے محفوظ و مامون ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں وارد احادیث و روایات کی سندوں پر کلام ہے، جن میں سے بعض احادیث و روایات سند کے اعتبار سے اگر موضوع و منگھڑت نہ ہوں، تو شدید ضعیف ہونے میں تو اہلِ انصاف کو شبہ نہیں ہونا چاہئے، اور ان سے جمعہ کے دن موت کی فضیلت کے باب میں استدلال کرنا درست نہیں۔

البتہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کی بعض احادیث وروایات کی سندیں اس درجہ کی ضعیف وکمزور نہیں کہ ان کو موضوع، یا شدید ضعیف سند والی روایات کے درجہ میں رکھا جائے۔

مگر بایں ہمہ ان کو ضعیف قرار دینے اور اس وجہ سے عقائد کے باب میں ان کا اعتبار نہ ہونے یا ان تمام روایات کے مجموعہ کو حسن لغیرہٖ وغیرہ کا درجہ دینے اور اسی درجہ کے عقائد کے باب میں اعتبار ہونے کے دونوں اقوال پائے جاتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہے، جس میں اجتہادی اعتبار سے دونوں قسم کی آراء میں راجح اور مرجوح ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے، اور اس میں علمی اعتبار سے ہر صاحبِ علم کو فیما بینہٗ و بین اللہ اپنی رائے اختیار وظاہر کرنے کا حق ہوتا ہے، لیکن اس میں ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل کرنا، یا اس کو حق وباطل کا اختلاف بنانا، درست نہیں ہوتا۔

جمعہ کے دن فوت ہونے والے مؤمن کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کی احادیث وروایات، بالخصوص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرسل روایات کا مجموعی طور پر سند کے اعتبار سے کم از کم حسن لغیرہٖ ہونا بندہ کے نزدیک راجح ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان احادیث وروایات سے تاقیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے حفاظت پر دلالت پھر بھی قطعی نہیں، بلکہ اس میں مختلف احتمالات ہیں، جن کا ذکر اگلی فصل میں آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 5)

بروز جمعہ فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کا مطلب

جن احادیث وروایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لئے فتنۂ قبر یا عذابِ قبر سے وقایت یعنی حفاظت و برائت کا ذکر آیا ہے، اگر ان کو مجموعی طور پر معتبر اور حسن، یا بالفرض اس سے بھی بڑھ کر ''صحیح'' مانا جائے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کن لوگوں کے لیے اور کس قسم کے عذابِ قبر، یا فتنۂ قبر سے حفاظت مراد ہے؟

اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں سے بعض نے کسی قول کو، اور بعض نے کسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجوث فیہ مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے بعض روایات میں تو ''فتنۂ قبر'' سے محفوظ، یا بری ہونے کا ذکر آیا ہے، اور بعض روایات میں ''عذابِ قبر'' سے محفوظ، یا بری ہونے کا ذکر آیا ہے۔

اور کئی احادیث میں فتنۂ قبر اور عذابِ قبر کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] عن عائشة رضى الله عنها :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول :اللهم إنى أعوذ بک من الكسل والهرم، والمأثم والمغرم، ومن فتنة القبر، وعذاب القبر(صحيح البخارى،رقم الحديث ٦٣٦٨)

عن هشام، عن أبيه، عن خالته :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ :اللهم إنى أعوذ بک من فتنة النار ومن عذاب النار، وأعوذ بک من فتنة القبر، وأعوذ بک من عذاب القبر(صحيح البخارى،رقم الحديث ٦٣٧٦)

عن عبد الله بن القاسم قال :حدثتنى جارة للنبى صلى الله عليه وسلم :أنها كانت تسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عند طلوع الفجر " :اللهم إنى أعوذ بک من عذاب القبر، ومن فتنة القبر(مسند أحمد ،رقم الحديث٢٢٣٢٨)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسندأحمد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ ''فتنۂ قبر'' تو دفن کے بعد منکر نکیر کے سوال وجواب کو کہا جاتا ہے، اور ''عذابِ قبر'' عام ہے، جو سوال وجواب کے بعد مسلمان کو بھی پیش آ سکتا ہے، اور کافر کو بھی۔

اسی طرح عذابِ قبر کی بھی مختلف انواع واقسام ہیں، جس طرح عذابِ قبر کے اسباب اور گناہ بھی مختلف ہیں، اس لیے ''فتنۂ قبر'' اور ''عذابِ قبر'' سے، جس طرح مخصوص قسم کا عذاب مراد ہوسکتا ہے، اسی طرح مخصوص مدت، یا مخصوص دن کا عذابِ قبر بھی مراد ہوسکتا ہے، اور ہر طرح کا عذابِ قبر بھی مراد ہوسکتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن كريب مولى ابن عباس قال :حدثنا ابن عباس قال :كان النبى صلى الله عليه وسلم يعلمنا هذا الدعاء كما يعلمنا السورة من القرآن :أعوذ بک من عذاب جهنم، وأعوذ بک من عذاب القبر، وأعوذ بک من فتنة المسيح الدجال، وأعوذ بک من فتنة المحيا والممات، وأعوذ بک من فتنة القبر(الأدب المفرد،للبخارى، رقم الحديث ٦٩٤)

قال الألبانى:صحيح(تعليق :الادبُ المفرد)

[1] قوله ومن فتنة القبر هى سؤال منكر ونكير وعذاب القبر بعده على المجرمين فكان الأول مقدمة للثانى(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٢٣،ص٥، كتاب الدعوات،باب التعوذ من المأثم والمغرم)

(ومن فتنة القبر) سؤال منكر ونكير (وعذاب القبر) وهو ما يترتب بعد فتنته على المجرمين فالأول كالمقدمة(إرشاد السارى ،للقسطلانى،ج٩،ص٢١٠، كتاب الدعوات،باب التعوذ من المأثم والمغرم)

(فتنة القبر) أى :التحير فى جواب الملكين المؤدى إلى عذاب القبر(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص١١٩٨، كتاب الجنائز،المشى بالجنازة والصلاة عليها)

لا يلزم من التبشير بالجنة عدم عذاب القبر، بل ولا عدم عذاب النار مطلقا مع احتمال أن يكون التبشير مقيدا بقيد معلوم أو مبهم، ويمكن أن ينسى البشارة حينئذ لشدة الفظاعة، أو بكاؤه لفقد النبى -صلى الله عليه وسلم -وأصحابه، أو لابتلائه بزمن الجور وأربابه، ويمكن أن يكون خوفا من ضغطة القبر كما سيأتى فى حديث سعد الدال على أنه لم يخلص منه كل سعيد إلا الأنبياء ، ويمكن أن يكون بكاؤه رحمة للمؤمنين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے متعلق فتنۂ قبر یا عذابِ قبر سے حفاظت کے مسئلہ میں تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے حفاظت کی تصریح نہیں آئی، اس لیے اس میں مختلف احتمالات کا راستہ موجود ہے۔

پس جو حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث میں ''فتنہ'' کا لفظ آیا ہے، جس سے منکر نکیر کے سوالات اور عذابِ قبر مراد ہے، اور جمعہ کے دن فوت ہونے والا ان سب چیزوں سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ احتمال کے درجے کی چیز ہے، اس کی وجہ سے دوسرے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے متعلق چند عبارات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری ''مشكاةُ المصابيح'' کی شرح ''مرقاةُ المفاتيح'' میں فرماتے ہیں:

(وعن عبد اللّٰه بن عمرو قال :قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مسلم)زيادة (من)لإفادة العموم فيشمل الفاسق إلا أن يقال :إن التنوين للتعظيم (يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة) الظاهر أن"أو "للتنويع لا للشک (إلا وقاه اللّٰه) أى: حفظه (فتنة

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(فقال :إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :(إن القبر أول منزل من منازل الآخرة) : ومنها عرضة القيامة عند العرض، ومنها الوقوف عند الميزان، ومنها المرور على الصراط، ومنها الجنة أو النار .وفى بعض الروايات :وآخر منزل من منازل الدنيا، ولذا يسمى البرزخ (فإن نجا) ، أى :خلص المقبور (منه) أى من عذاب القبر (فما بعده) ، أى :من منازل (أيسر منه) : وأسهل لأنه لو كان عليه ذنب لكفر بعذاب القبر (وإن لم ينج منه) ، أى :يتخلص من عذاب القبر ولم يكفر ذنوبه به وبقى عليه شىء مما يستحق العذاب به (فما بعده أشد منه) : لأن النار أشد العذاب والقبر حفرة من حفر النيران(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ١، ص ٢١٥، كتاب الإيمان،باب إثبات عذاب القبر)

القبر) أی: عذابه وسؤاله، وهو يحتمل الإطلاق والتقييد، والأول هو الأولى بالنسبة إلى فضل المولى، وهذا يدل على أن شرف الزمان له تأثير عظيم، كما أن فضل المكان له أثر جسيم (رواه أحمد، والترمذى، وقال :هذا حديث غريب وليس إسناده بمتصل) (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳،ص ۱۰۲۱، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی مسلمان (جس میں لفظِ من زیادہ ہے، جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، اور یہ فاسق کو بھی شامل ہے، لیکن اگر ''مسلم'' کی تنوین کو تعظیم کے لیے قرار دیا جائے ،تو پھر یہ فاسق کو شامل نہ ہوگا ، بلکہ قابلِ عظمت ،یعنی نیک ،صالح مومن ہی کے لیے مختص ہوگا) جمعہ کے دن ،یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجائے ،تو اس کو اللہ قبر کے فتنہ (یعنی قبر کے عذاب اور قبر کے سوال سے) محفوظ فرمادیتا ہے۔ (اور یہ اطلاق کا بھی احتمال رکھتا ہے، اور تقیید کا بھی، اور اطلاق کا ہونا زیادہ اولیٰ ہے، مولیٰ کریم کے فضل کی طرف نسبت کرتے ہوئے، اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ کی شرافت وعظمت کی بھی بڑی تاثیر ہوتی ہے، جیسا کہ جگہ کی فضیلت کی بھی اہم تاثیر ہوتی ہے) اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند متصل نہیں (مرقاۃ المفاتیح)

ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے مسلمان کے بارے میں جو حدیث میں عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر آیا ہے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے ہر مسلمان مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے خاص ،یعنی قابلِ عظمت وکامل

مسلمان مراد ہو، جو گناہوں سے تائب ہو کر یا تلافی کر کے فوت ہوا ہو، یا وہ نیک صالح مسلمان ہو۔ [1]

اسی طرح اس حدیث میں ''عذابِ قبر سے حفاظت'' میں یہ بھی احتمال ہے کہ ''عذابِ قبر سے'' مطلق عذابِ قبر سے حفاظت مراد ہو، یعنی وہ مسلمان تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے محفوظ ہو جائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عذابِ قبر مخصوص ومقید ہو، مثلاً یہ کہ وہ شخص اس جمعہ کے دن یا آئندہ بھی ہر جمعہ کے دن یا چند دن، یا پھر مخصوص قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جائے، یعنی عذاب کی شدت میں اللہ عزوجل کی طرف سے حسبِ مشیت تخفیف کر دی جائے۔

البتہ ملا علی قاری کے بقول اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف نظر کرتے ہوئے، مطلق عذابِ قبر سے حفاظت کا مراد ہونا اولیٰ ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہاں اپنے نزدیک مطلق احتمال کے اولیٰ ہونے کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے، جس سے دوسرے احتمال کا باطل ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص اگر ہر طرح کے عذاب سے حفاظت کو کامل یعنی نیک مسلمان کے ساتھ اور دوسرے یعنی مخصوص عذاب سے حفاظت کے احتمال کو فسّاق کے ساتھ مختص رکھا جائے، کیونکہ جس طرح خاص یعنی نیک مسلمان کے حق میں تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے حفاظت کا مراد

---

[1] قوله(ما من عبد مسلم) التنكير فيه للتعظيم، أى كامل فى إسلامه، راض بقضاء ربه، وبنبوة حبيبه، وبدين الإسلام، وأظهر هذا الاعتقاد من نفسه قولا وفعلا، كان حقا على الله أن يرضيه(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج٦،ص ١٨٨٢ ،كتاب الدعوات،باب ما يقال عند الصباح والمساء والمنام)

قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-ما من عبد مسلم - :"التنوين فيه للتعظيم -؛ أى :كامل فى إسلامه(شرح مصابيح السنة،لابن الملك، ج٣،ص ١٨٩ ،كتاب الدعوات،باب ما يقول عند المصباح والمساء والمنام)

(ما من عبد مؤمن) التنكير فيه للتعظيم أى كامل فى إسلامه راض بقضاء ربه وبنبوة نبيه وبدين الإسلام(فيض القدير شرح الجامع الصغير،تحت رقم الحديث٨٠٧٥،حرف الميم)

ہونا راجح ہونا چاہیے، اسی طرح فساق کے حق میں دوسرا یعنی مخصوص عذاب سے حفاظت کا احتمال راجح ہونا چاہیے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ''اعمالِ صالحة'' اللہ کے فضل کے حصول کا سبب ہیں، اسی طرح ''اعمالِ سیئة'' اللہ کے فضل سے محروم ہونے کا سبب ہیں۔ [1]

پس جو حضرات اس طرح کے الفاظ سے خصوص کے احتمال کو ساقط کر کے، عموم کے احتمال کو حتمی انداز میں پیش کرتے ہیں، اس سے ہمیں اتفاق نہ ہوسکا۔ [2]

بہرحال جمعہ کے دن فوت ہونے والے مسلمان کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کی فضیلت میں مذکورہ سب صورتوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔

---

[1] وأما السبقية، فهي عندي في جانب المبدأ دون المنتهي، ومعناه :أن الرحمة والغضب تسابقا عند ربك، فسبقت الرحمة قبل سبق الغضب، فتقدمت عليه من هذا الجانب .وذلك لأن الغضب يحل بالمعاصي، والرحمة منشؤها الجود، فتأتي من غير سبب ولا استحقاق .بخلاف الغضب، فإنه ينتظر اقتراف السيئات، واقتحام الموبقات، والرغبة عن التوبة، ثم التمادي في الغي، فلا يأتي حين يأتي إلا على مهل، فتقدمها يظهر في جانب المبدأ (فيض الباري على صحيح البخاري، ج۴،ص ۳۰۱، كتاب بدء الخلق،باب ما جاء في قول الله تعالى :وهو الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو أهون عليه)

[2] چنانچہ ایک عالم فاضل صاحب لکھتے ہیں:

''حدیث کا مطلب واضح ہے''ما من مسلم'' سے صراحتاً عموم ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان بندہ جمعہ کے دن یا رات کو فوت ہو جائے، چاہے کامل مومن ہو یا فاسق، عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ عذابِ قبر سے زیادہ بچنے کا محتاج فاسق ہوتا ہے، کامل مومن تو ویسے ہی طاعات کی وجہ سے بچ سکتا ہے۔

حدیث میں دو احتمالات ممکن ہیں:

(1) صرف جمعہ کے دن اور رات کو عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا، جمعہ کے علاوہ باقی ایام میں عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(2) ایک مرتبہ قبر کا عذاب جب ہٹ جائے، تو قیامت تک محفوظ رہے گا۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ دوسرا احتمال زیادہ اولیٰ ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت زیادہ مہربان ذات ہے''۔

ملاعلی قاری کی طرف سے احتمال کے راجح ہونے پر تو کلام اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نیک صالح کے مقابلہ میں فاسق شخص، عذابِ قبر سے بچنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے، اس لیے اس کا اصل مصداق فاسق ہی ہے، تو اس کا جواب، دوسرے باب کی دوسری فصل کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ محمد رضوان۔

اور جس طرح ملا علی قاری کو فیما بینہ' و بین اللہ کسی دلیل سے اپنے رجحان کو ظاہر کرنے کا حق ہے، اسی طرح دوسرے صاحبِ علم کو بھی کسی دوسری شرعی دلیل، یا دلائل سے اپنے رجحان کو ظاہر کرنے کا حق ہے۔

ملا علی قاری کی مذکورہ بات ہر ایک پر حجت نہیں کہ اسی کو پکڑ کر بیٹھ جائیں، اور دوسرے تمام اہلِ علم کو اس کا پابند و مکلّف بنانے پر اصرار کرتے رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ خود ملا علی قاری نے دوسرے مقامات پر نہ صرف یہ کہ مذکورہ بالا احتمالات کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے احتمال کے مطابق عقیدہ کی تردید بھی کی ہے۔

لیکن بعض حضرات ملا علی قاری کی ''مرقاۃ'' والی مذکورہ عبارت کو تو اپنی مخصوص، یا سابق ذہنیت کے موافق ہونے کی وجہ سے مستدل بناتے ہیں، وہ بھی اس کو صحیح سمجھے بغیر، مگر اسی کے ساتھ یہ حضرات ملا علی قاری ہی کی اس سلسلہ میں دیگر عبارات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور ان کا نام بھی نہیں لیتے، یہ طرزِ عمل انصاف اور عدل کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتا۔

ملا علی قاری کا دوسرا حوالہ

چنانچہ ملا علی قاری ''مسند ابی حنیفہ'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

(عن الهيثم، عن الحسن، عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من مات يوم الجمعة) أي مؤمنا، (وقي) بصيغة المجهول، أي حفظ (عذاب القبر) أي مطلقا، أو شدته، أو بخصوصه، أو كل يوم جمعة (شرح مسند أبي حنيفة، للملا على القارى ،ص ٥٧٩، ذكر إسناده عن الهيثم بن حبيب الصرفي)

ترجمہ: ہیثم سے روایت ہے، وہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جمعہ کے دن فوت ہوگیا (یعنی ایمان کی حالت میں) تو اس کو بچالیا جائے گا (مجہول صیغہ کے ساتھ، یعنی محفوظ کرلیا جائے گا) قبر کے عذاب سے (یا تو مطلقاً یا قبر کے عذاب کی شدت سے، یا خاص اس جمعہ کے دن میں (جس دن کہ وہ فوت ہوا) یا ہر جمعہ کے دن (شرح مسند ابی حنیفہ)

ملا علی قاری نے مذکورہ عبارت میں عذابِ قبر کے ''اطـــــلاق'' کے احتمال کے ساتھ ساتھ ''تقیید'' کے احتمال کی بھی وضاحت کردی ہے، اور یہاں کسی ایک احتمال کو دوسرے پر راجح قرار نہیں دیا۔

لیکن حیرت ہے کہ ملا علی قاری کی مذکورہ شرح سے حدیثِ ابی ہریرہ کے اصل متن کا حوالہ دینے والے بعض حضرات، اس کتاب کی مذکورہ حدیث ہی کی تشریح کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

ملا علی قاری کا تیسرا حوالہ

ملا علی قاری، عقائد کی کتاب ''شرح فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں کہ:

وَاِنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يَكُوْنُ لَهُ الْعَذَابُ سَاعَةً وَاحِدَةً وَضَغْطَةَ الْقَبْرِ ثُمَّ يَنْقَطِعُ عَنْهُ الْعَذَابُ وَلَا يَعُوْدُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنْتَهٰى.

فَلَا يَخْفٰى اَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي الْعَقَائِدِ هُوَ الْاَدِلَّةُ الْيَقِيْنِيَّةُ وَاَحَادِيْثُ الْاٰحَادِ لَوْ ثَبَتَتْ اِنَّمَا تَكُوْنُ ظَنِّيَّةً اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِذَا تَعَدَّدَ طُرُقُهُ بِحَيْثُ صَارَ مُتَوَاتِرًا مَعْنَوِيًّا فَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ قَطْعِيًّا.

نَعَمْ ثَبَتَ فِي الْجُمْلَةِ اَنَّ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يُرْفَعُ

الْعَذَابُ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا اَعْرِفُ لَهٗ اَصْلاً

(شرح فقه اکبر لملا علی القاری، صفحه ۱۰۱ و ۱۰۲، الناشر: قدیمی کتب خانه، آرام باغ، کراچی)

ترجمہ: اور (یہ کہنا کہ) اگر (کوئی مومن) جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجائے، تو اس کو ایک لمحہ کے لئے عذاب ہوتا ہے اور اس کو تھوڑی دیر کے لیے قبر بھینچتی ہے، پھر اس کے بعد عذاب کو ہٹالیا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک (اس کی طرف) عذاب لوٹایا نہیں جاتا، نسفی کا کلام ختم ہوا۔

تو یہ بات مخفی نہیں کہ عقائد میں اعتبار یقینی دلائل کا ہوتا ہے، اور احادیثِ آحاد اگر ثابت ہوں، تو وہ صرف ظنی درجے کی ہوتی ہیں (ان سے قطعیت کا حصول اور یقین کا اثبات نہیں ہوتا) مگر یہ کہ جب یہ اتنی متعدد اور کثیر سندوں سے منقول ہوں کہ تواترِ معنوی کے درجے میں آجائیں، تو پھر وہ قطعی بن جاتی ہیں۔

البتہ فی الجملہ (احادیث سے) یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن، یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجائے، تو اس سے (قبر و برزخ کا) عذاب، اٹھالیا جاتا ہے، مگر یہ بات کہ قیامت تک اس کی طرف عذاب کو لوٹایا نہیں جاتا، مجھے اس کی اصل معلوم نہیں ہوسکی (شرح فقہ اکبر)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں اس بات کی صراحت فرمادی کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کو تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا عقیدہ، شریعت کے ایسے دلائل سے ثابت نہیں کہ اس پر یقین رکھنا مومن کے لیے ضروری ہو، اور جو کوئی شرعی و اجتہادی دلائل مثلاً روایات کی اسنادی حیثیت کے ضعف یا مذکورہ موقف پر دلالت کے ضعف کی بنیاد پر اس سے اختلاف کرے، تو اسے اسلام کے یا اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مسلمہ یا قطعی یا پھر ایسے عقائد کے منکرین کی فہرست میں شامل کیا جائے، جو قابلِ نکیر و ملامت ہوتے ہیں۔

البتہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن سے قبر کا عذاب اٹھالیے جانے کا ذکر فی الجملہ احادیث وروایات سے ثابت ہے۔

لیکن ان احادیث وروایات میں ہر مومن سے خواہ نیک وصالح ہو، یا فاسق وفاجر، تا قیامت ہر طرح کا عذاب مرتفع ہونے کی واضح دلیل نہیں پائی جاتی، اوران احادیث وروایات میں احتمالات دوسرے بھی ہیں، جیسا کہ پہلے خود ملا علی قاری کے حوالہ سے گزرا اور آگے بھی آتا ہے۔

خود ملا علی قاری نے اس جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے عذابِ قبر اٹھالیے جانے کی حدیث اوراس کے مدلول میں مختلف احتمالات ظاہر فرمادیے، بلکہ یہاں تک بھی فرمادیا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر اٹھالیے جانے کے ثبوت کے باوجود، اس بات کا ثبوت نہیں پایا جاتا کہ قیامت تک دوبارہ عذاب لوٹ کر نہ آتا ہو۔

جس سے واضح ہوگیا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے عذابِ قبر نہ ہونے کے ذکر سے تا قیامت عذابِ قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

جبکہ ملا علی قاری کی عبارات میں اسی بات پر زیادہ زور ہے۔

’’الکوکبُ الدری‘‘ کا حوالہ

’’الکوکبُ الدری‘‘ میں ہے کہ:

[باب فی من یموت یوم الجمعة] قوله [إلا وقاه الله فتنة القبر] فقیل هذا الیوم واللیلة فقط ثم یعذب لیلة السبت وقیل لابد خلص فخلص، نعم یحاسب فیجازی بعد الحشر (الکوکب الدری، ج۲ص ۲۰۹، ۲۱۰، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: جو جمعہ کے دن فوت ہوجائے، تو اللہ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمالیتا

ہے، ایک قول یہ ہے کہ صرف (خاص جمعہ کے) اس دن اور اس رات میں محفوظ فرمالیتا ہے (جس میں وہ فوت ہوا) پھر ہفتہ کی رات میں عذاب دیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ کے لئے (عذاب سے) خلاصی دے دی جاتی ہے، البتہ اس کا حساب کیا جائے گا، اور قیامت کے بعد اس کو (اس کے اچھے وبُرے عمل کا باضابطہ) بدلہ دیا جائے گا (الکوکبُ الدری)

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ عبارت میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے فتنۂ قبر سے محفوظ ہونے کے مختلف احتمالات کو ظاہر فرمادیا۔

پس اگر کوئی ان میں سے کسی ایک احتمال کو دلائلِ شرعیہ کی بناء پر راجح سمجھے، اس پر نکیر کرنا اور اپنے نزدیک راجح کو صحیح احتمال قرار دے کر، اس کو منوانے پر اصرار کرنا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟

محمد بن احمد سفارینی کا حوالہ

محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان سفارینی حنبلی اپنی تالیف ''**البحور الزاخرة فی علوم الآخرة**'' میں لکھتے ہیں:

قال الحكيم الترمذی (فی نوادر الاصول) ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف الغطاء عما له عند الله لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها ولايعمل سلطان النار مايعمل فی سائر الايام، فإذا قبض الله عبدا من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن ما به لانه لم يقبض فی هذا اليوم العظيم الا من كتب له السعادة عنده فذلك يقيه فتنة القبر لان سببها انما هو تمييز المنافق من المؤمن، انتهىٰ.

قلت: والمراد ان كان من اهل الايمان والتقوىٰ. والا فكم من منافق

يموت يوم الجمعة وكم من فاسق بل وكافر ولاينفعه ذلك.

والاولىٰ السكوت عن التعليل بل كل من اخبر نبى صلى الله عليه وسلم فليلتق بالقبول والتبجيل من غيرتاويل ولاتعليل (البحور الزاخرة فى علوم الأخرة، ج ۱، ص ۱۹۳، الباب الاول فى ذكر حال الميت عند نزوله قبره الخ، مطلب قراءة تبارك الملك أمان من عذاب القبر، الطبعة الاولىٰ: ۱۴۳۸ ھجری، مطبوعة: دار غراس للنشر والتوزيع، الكويت)

ترجمہ: حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا، تو اس کا پردہ ہٹ جائے گا ان چیزوں سے، جو اللہ کے پاس ہیں، کیونکہ جمعہ کے دن جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، اور جمعہ کے دن جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور جمعہ کے دن جہنم کا داروغہ وہ عمل نہیں کرتا، جو دوسرے ایام میں کرتا ہے، پس جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی روح قبض کرتا ہے، اور اس کی روح قبض کرنا جمعہ کے دن کے موافق ہو جاتا ہے، تو یہ اس کی سعادت کی دلیل اور اس کے اچھے انجام کی دلیل شمار ہوتی ہے، کیونکہ اللہ عظیم دن کے اندر اسی بندہ کی روح کو قبض کرتا ہے، جس کے لیے سعادت کو مقدر فرماتا ہے، پس اس وجہ سے اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جاتا ہے، کیونکہ اس کا سبب منافق کو مومن سے ممتاز کرنا ہے، حکیم ترمذی کی بات ختم ہوئی۔

علامہ سفارینی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اگر جمعہ کے دن فوت ہونے والے مذکورہ لوگوں سے اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ مراد ہوں، تو کوئی شبہ نہیں، ورنہ تو کتنے منافق جمعہ کے دن فوت ہوتے ہیں، اور کتنے فاسق بلکہ کافر لوگ جمعہ کے دن فوت ہوتے ہیں، جن کو جمعہ کے دن فوت ہونے سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اور بہتر یہ ہے کہ اس کی علت سے سکوت اختیار کیا جائے، بلکہ جس بات کی نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہو(اور وہ معتبر ذریعے سے معلوم ہوئی ہو) اس کو قبول کیا جائے، اور بغیر کسی تاویل اور تعلیل کے اس کو اختیار کیا جائے (البحور الزاخرۃ)

علامہ سفارینی کی یہ عبارت ''مقدمہ'' میں بھی گزر چکی ہے، جہاں ہماری طرف سے وضاحت کر دی گئی ہے کہ انہیں حکیم ترمذی کے موقف بالخصوص ان کی طرف سے جمعہ کے دن عذاب کے مرتفع ہونے کی علت سے علی الاطلاق اتفاق نہیں۔

حکیم ترمذی نے جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے عذابِ قبر کے مرتفع ہونے کی جو علت بیان کی ہے، اس سے ہمیں بھی اتفاق نہیں ہوسکا۔ کیونکہ اولاً تو جمعہ کے دن جہنم کو دہکائے نہ جانے کی حدیث سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں۔

دوسرے جہنم کو جمعہ کے روز دہکائے جانے کا ذکر جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کے مکروہ نہ ہونے کے حکم کی علت کے طور پر وارد ہوا ہے۔

تیسرے صحیح احادیث میں ہر دن زوال کے وقت جہنم کے دہکائے جانے اور اس وقت جہنم کے دروازے کھول دیے جانے اور اس کی وجہ سے اس وقت میں نماز کے مکروہ ہونے کی تصریح آئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دن زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں جہنم کو دہکایا نہیں جاتا، لیکن اس کے باوجود ہر دن زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں عذابِ قبر کا انکار نہیں کیا جاتا، بلکہ قرآن وسنت میں آلِ فرعون اور دوسرے لوگوں کو صبح وشام آگ پر پیش کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

اور حکیم ترمذی کی بیان کردہ علت کا تقاضا یہ ہوگا کہ دوسرے دنوں میں زوال کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی قبر کا عذاب نہ ہو، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، اسی طرح اگر جمعہ کے دن کسی کی وفات، اس کی سعادت ونیک بختی کی دلیل ہو، تو کوئی کافر، بلکہ فاسق جمعہ کے دن فوت نہ ہو۔

لہٰذا جمعہ کے دن فاسق وفاجر، بلکہ کافر سے عذاب کے مرتفع ہونے کا قول، بلکہ جمعہ کے دن

فاسق وفاجر کے فوت ہونے پر عذاب نہ ہونے کا قول اپنی مذکورہ تعلیل وتفصیل کے ساتھ محلِّ تامل ہے، البتہ اگر کوئی مومن ومتقی جمعہ کے دن فوت ہوتو جمعہ کی برکت سے اس سے ہمیشہ کے لئے عذابِ قبر کا مرتفع ہونا محلِ تامل ومحلِ کلام نہیں۔

مذکورہ عبارات کا حاصل

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ جن احادیث وروایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے پر قبر کے فتنہ، یا قبر کے عذاب سے بچاؤ وحفاظت کا ذکر آیا ہے، اگر مجموعی طور پر ان احادیث کو ضعیف کے بجائے حسن ومعتبر مانا جائے، تو قبر کے عذاب یا فتنۂ قبر سے محفوظ ہونے کے کئی معنیٰ ہوسکتے ہیں، مثلاً:

(1)...... ممکن ہے کہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کی فضیلت کامل مومن، یعنی نیک صالح کے ساتھ مختص ہو، کیونکہ ''ضغطۃُ القبر'' یعنی قبر کا بھینچنا ہر ایک کے لیے ہوتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا اس سے بھی محفوظ رہتا ہو۔

(2)...... جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے فتنۂ قبر، یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے قبر کے عذاب سے محفوظ کردیا جاتا ہو۔

(3)...... جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے فتنۂ قبر، یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ قبر کے صرف سخت وشدید عذاب سے محفوظ کردیا جاتا ہو، نہ کہ ہر طرح کے قبر کے عذاب سے۔

(4)...... جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے فتنۂ قبر، یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ جس جمعہ کو فوت ہوتا ہے، صرف اس

جمعہ کو قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہو، نہ کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے۔

(5)...... جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے فتنۂ قبر، یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہو، یعنی کسی بھی جمعہ کو عذاب نہیں دیا جاتا۔

(6)...... جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے فتنۂ قبر، یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ جمعہ کا دن باعثِ برکت اور باعثِ فضیلت دن ہے، اور اس دن فوت ہونے والے مؤمن کو فی الجملہ عذابِ قبر و فتنۂ قبر سے امن فراہم کیا جاتا ہے۔

پھر اگر وہ مؤمن متقی صالح، یا تائب ہو کر فوت ہو، تو تقوے اور توبہ وطہارت کے باعث تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ کر لیا جاتا ہے، ورنہ اپنے حسبِ اعمال کماً و کیفاً عذاب دیا جاتا ہے، البتہ جمعہ کی برکت سے کماً یا کیفاً تخفیف کی جاتی ہے۔ مگر یہ کہ اللہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے محفوظ فرمادے۔

لہٰذا اتنے سارے احتمالات کے ہوتے ہوئے خاص یہ سمجھنا، یا پختہ عقیدہ بنالینا کہ نیک، صالح ومتقی اور اس کے مقابلہ میں فاسق و فاجر لوگ جو بھی جمعہ کے دن فوت ہوں، وہ تمام افراد بلا امتیاز، بہر صورت تا قیامت ہر طرح کے قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیے جاتے ہیں، خواہ وہ قرآن اور صحیح احادیث کی رو سے عذابِ قبر و برزخ کا باعث بننے والی بداعمالیوں کے کتنی ہی کثرت اور شدت سے مرتکب رہے ہوں، بندہ کو یہ موقف راجح اور اعتدال پر مبنی معلوم نہیں ہوتا، اگرچہ کسی دوسرے کو اعتدال پر مبنی اور راجح کیوں نہ معلوم ہوتا ہو۔ [1]

---

[1] بعض حضرات نے جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ امام ترمذی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب ما جاء فی من یموت یوم الجمعة" اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں یہ باب قائم کیا ہے "باب من یموت یوم الجمعة"۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کے مذکورہ احتمالات پائے جانے کا مسئلہ واضح تھا، اور دلائل سے اس کی توضیح وتشریح کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ بعض حضرات نے دیگر احتمالات کو نظر انداز کر کے صرف جمعہ کے دن فوت ہونے پر نیک و بد اور متقی و فاسق ہر ایک کے لئے یکساں طریقہ پر تا قیامت ہر طرح کا عذابِ قبر مرتفع ہونے کے احتمال کی متعین و منظّم انداز میں تبلیغ و تشہیر کرنا شروع کر دی، جس سے مختلف غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، اور دیگر اصولِ شریعت سے معارضہ بھی لازم آیا۔

اس لیے اب اختصار کے ساتھ چند ایسے نصوص اور نظائر پیش کیے جاتے ہیں، جن میں بعض اعمال پر جہنم کے عذاب سے حفاظت، بلکہ جہنم کے حرام ہونے اور جنت کا مستحق ہونے، بلکہ جنت کے واجب ہونے، جیسے مضبوط وصریح اور مطلق الفاظ کا ذکر آیا ہے، اور وہ اعمال اختیاری درجہ کے ہیں، لیکن وہاں محدثین واہلِ علم حضرات نے مختلف احتمالات ظاہر کیے، اور مختلف قیود کا لحاظ رکھا اور محض ان اعمال کی بناء پر ہمیشہ کے لیے جنت واجب ہونے، ہمیشہ کے لیے جہنم حرام ہونے اور جہنم سے محفوظ ہونے کے لیے دوسرے اعمال کو نظر انداز کر دینے کے طرزِ عمل کو نہیں اپنایا، جیسا کہ زیرِ بحث باب میں اپنایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان اعمال کے باب میں اس طرح کی افراط وتفریط سے حفاظت رہی، جو افراط وتفریط زیرِ بحث مسئلہ میں لازم آرہی ہے، اوپر سے اس غلطی کو پختہ کرنے کے سلسلہ کو بھی ترقی دی جارہی ہے۔

توحید پر جنت اور شرک پر جہنم کی نظیر

اس مسئلہ کی پہلی نظیر وہ نصوص ہیں، جن میں ایمان وتوحید پر جنت کا مستحق ہونے، اور جہنم کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حالانکہ اولاً تو محدثین جب کسی حدیث پر باب قائم کرتے ہیں، اس سے کسی حدیث کا صحیح ومستند ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ مرحلہ اس سے الگ ہے۔

دوسرے اس طرح کے ابواب سے جمعہ کے دن ہر فوت ہونے والے مومن سے، تا قیامت ہر طرح کے عذاب کا مرتفع ہو جانا ثابت نہیں ہوتا۔ و من ادعیٰ فعلیه البیان۔ محمد رضوان۔

حرام وغیرہ ہونے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْمُوْجِبَتَانِ؟ فَقَالَ: مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ (مسلم، رقم الحديث ١٥١ "٩٣" كتاب الإيمان، باب من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، ومن مات مشركا دخل النار)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی کیا چیزیں ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا، وہ جہنم میں داخل ہوگا (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الجَنَّةَ، أَوْ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ، قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٣٢٢٢، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جبریلِ امین نے یہ کہا کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی اس حالت میں مرے گا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یا فرمایا کہ جہنم میں نہیں جائے گا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ (اس نے زنا اور چوری کی ہو) (بخاری)

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ (بخاری، رقم الحديث ۴۲۵، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے حرام کر دیا، جہنم پر اس شخص کو، جس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ''لا الٰــہ الا اللّٰہ'' کہا (بخاری)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –: مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوْتُ تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، يَرْجِعُ ذٰلِكَ إِلٰى قَلْبِ مُوْقِنٍ، إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۷۹۶، ابواب الأدب، باب فضل لا إله إلا الله) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نفس کو بھی موت اس حال میں آئے کہ وہ اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور یہ گواہی دل کے یقین سے ہو، تو اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا (ابنِ ماجہ)

مذکورہ اور ان جیسی دوسری احادیث میں محض ایمان و توحید پر جنت میں داخل ہونے، جنت کے واجب ہونے، اور جہنم سے محفوظ ہونے، جہنم کے حرام ہونے، بلکہ مغفرت کیے جانے کا کسی قید و شرط کے بغیر ''من مات'' اور ''من قال'' اور ''ما من نفس تموت'' جیسے الفاظ کے ساتھ ذکر آیا ہے، بلکہ بعض روایات میں تو بداعمالیوں کا ارتکاب کیوں نہ کرے، کا بھی ذکر

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

آیا ہے، لیکن اس قسم کی احادیث سے یہ عقیدہ بنانا درست قرار نہیں دیا جاتا کہ جو شخص بھی محض ایمان واسلام کی حالت میں فوت ہو جائے، تو وہ ابتداء ہی سے جنت کا مستحق ہو جائے گا، اور ہمیشہ کے لیے جہنم اور برزخ وقبر کے عذاب سے محفوظ و مامون ہو جائے گا، خواہ زنا، چوری اور دوسری ایسی بداعمالیوں میں کیوں نہ مبتلا رہا ہو، جن پر جہنم کے عذاب اور جنت سے محروم ہونے اور عذابِ قبر کا ذکر آیا ہے، مثلاً زکاۃ ادا نہ کرنا، فرض روزے نہ رکھنا، قدرت کے باوجود حج نہ کرنا، وغیرہ وغیرہ، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اگر گناہ گار ہو کر توبہ وتلافی کیے بغیر فوت ہوا، تو اصولی اعتبار سے سزا پا کر جنت میں داخل ہوگا، اور توبہ کر کے، یا نیک صالح ہونے کی حالت میں فوت ہوا، تو ابتداء ہی میں جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے محفوظ رہے گا۔

اور مذکورہ تفصیل کے مطابق موقف اختیار کرنے والے کو مندرجہ بالا اور اس جیسی احادیث کا مخالف قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ نصوص کے موافق قرار دیا جاتا ہے، تاکہ دوسری ان بے شمار نصوص سے معارضہ لازم نہ آئے، جن میں دوسرے اعمال کی اہمیت کا ذکر آیا ہے۔

پس اسی طرح جمعہ کے دن فوت ہونے کے مسئلہ میں بھی ہر شخص کے حق میں خواہ نیک ہو، یا بد ہو یہ حکمِ عام لگانا مناسب نہ ہوگا کہ وہ تاقیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا مسلمان اگر اس قسم کی بداعمالیوں میں مبتلا ہو، جو عذابِ قبر کا سبب بنتی ہیں، مثلاً نماز کا اہتمام نہ کرنا، زکاۃ ادا نہ کرنا، فرض روزے نہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، تو صرف جمعہ کے دن فوت ہونے کی وجہ سے اس سے تاقیامت قبر کا عذاب نہیں اٹھایا جاتا، بلکہ یا جمعہ کے دن عذاب اٹھالیا جاتا ہے، یا عذاب کی شدت میں کمی کر دی جاتی ہے اور اپنی بداعمالیوں کے بقدر عذاب کا بھی سامنا کرتا ہے، اور اس موقف کو بھی غلط اور احادیث کے مخالف قرار دینا درست نہ ہوگا، بلکہ اس موقف کو دیگر نصوص کے مطابق ہی قرار دیا جائے گا۔

پانچ یا مخصوص نمازوں پر حصولِ جنت اور نجاتِ جہنم کی نظیر

اس مسئلہ کی دوسری نظیر وہ نصوص ہیں، جن میں پانچ نمازوں، یا مخصوص نمازوں کے اہتمام پر جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کا ذکر آیا ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ رُكُوْعِهِنَّ وَسُجُوْدِهِنَّ وَوُضُوْئِهِنَّ وَمَوَاقِيْتِهِنَّ وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ قَالَ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۴۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے رکوع کی بھی، اور ان کے سجدوں کی بھی، اور ان کے وضو کی بھی، اور ان کے اوقات کی بھی (یعنی ان تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ پانچ نمازوں کا اہتمام کیا) اور اس بات کا یقین بھی رکھا کہ یہ نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور فرض ہیں، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی (مسند احمد)

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِى الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ

(مسلم، رقم الحديث ۶۳۴ "۲۱۳" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاتى الصبح والعصر، والمحافظة عليهما)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح بشواهده (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان سنا کہ آگ میں کوئی بھی ایسا شخص ہرگز داخل نہیں ہوگا، جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے، اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے، یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھی (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۵۷۴، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الفجر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ''بَرْدَیْن'' (یعنی فجر اور عصر) کی نماز پڑھی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا (بخاری)

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۱۶۰، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء فيمن صلى قبل الظهر أربعا وبعدها أربعا)[1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں پڑھیں، تو اللہ اُس کو جہنّم پر حرام فرمائے گا (ابنِ ماجہ)

مذکورہ اور اس جیسی احادیث میں پانچ وقت کی نمازوں کے اہتمام و قیام پر جنت میں داخل ہونے، جنت کے واجب ہونے، اور بعض احادیث میں فجر و عصر کی نماز پڑھنے پر جنت میں داخل ہونے اور جہنم میں ہرگز داخل نہ ہونے اور بعض احادیث میں ظہر سے پہلے اور بعد میں چار رکعت پڑھنے پر جہنم کے حرام ہونے کا صراحت و اطلاق کے ساتھ ''مَن حافظ'' اور ''من صلّٰی'' جیسے عربی الفاظ میں ذکر آیا ہے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

لیکن ان احادیث سے یہ عقیدہ بنانا درست قرار نہیں دیا جاتا کہ جو شخص بھی صرف پانچ وقت کی نماز، یا صرف فجر وعصر کی نماز کا اہتمام کرلے، یا صرف ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار رکعات پڑھنے کا اہتمام کرلے، اور اسی کے ساتھ وہ دوسری ایسی بداعمالیوں میں بھی مبتلا ہو کہ جو جہنم کے عذاب اور جنت سے محرومی کا سبب ہیں، مثلاً نہ فرض روزے رکھتا ہو، نہ زکاۃ ادا کرتا ہو، نہ ہی فرض ہونے کے باوجود حج کرتا ہو، تو وہ شخص بھی ابتداء ہی سے جنت کا اسی طرح مستحق ہوجائے گا، اور ہمیشہ کے لیے جہنم کے عذاب سے اسی طرح محفوظ و مامون ہوجائے گا، جس طرح مذکورہ اور دوسرے نیک اعمال کرنے والا متقی شخص ہوگا۔

اور اس موقف کو مذکورہ احادیث کے خلاف قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ نصوص کے موافق قرار دیا جاتا ہے، تاکہ ان دوسری نصوص سے معارضہ لازم نہ آئے، جن میں دوسرے اعمال کی اہمیت کا ذکر آیا ہے۔

پس اسی طرح جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن میں نیک و بد کا فرق کیے بغیر سب کے لیے یکساں طریقہ پر تا قیامت ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے محفوظ ہوجانے کا متعین حکم لگانا بھی مناسب نہ ہوگا، بلکہ اس طرح کی تفصیل مناسب ہوگی کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا اگر اس قسم کی بداعمالیوں میں مبتلا ہو، جو عذابِ قبر کا سبب بنتی ہیں، تو صرف جمعہ کے دن فوت ہونے کی وجہ سے اس سے تا قیامت قبر کا عذاب نہیں اٹھایا جاتا، بلکہ یا جمعہ کے دن عذاب اٹھالیا جاتا ہے، یا عذاب کی شدت میں کمی کردی جاتی ہے، اور اس موقف کو غلط اور احادیث کے خلاف کہنا درست نہ ہوگا۔

نماز، جمعہ ورمضان کے کفارہ ہونے کی نظیر

اس مسئلہ کی ایک نظیر وہ نصوص ہیں، جن میں پانچ نمازوں، جمعہ اور رمضان کو گناہوں کا کفارہ ہونے کا سبب بتلایا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی گناہوں سے اجتناب، بالخصوص کبائر سے اجتناب

کی قیود لگائی گئی ہیں۔

چنانچہ بعض احادیث میں فرض نماز، جمعہ اور رمضان کو گناہوں کے کفارہ کا سبب بتایا گیا ہے، لیکن بعض روایات میں کبیرہ گناہوں سے بچنے، بلکہ بعض روایات میں بعض دوسرے اعمال اختیار کرنے کی شرط پر نماز اور جمعہ ورمضان کو گناہوں کے کفارہ کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَلصَّلَوٰتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَابَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ (مسلم،رقم الحديث ٢٣٣"٦ ١"كتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ پانچ نمازوں میں سے ہر نماز دوسری نماز تک اور ایک جمعہ (کی نماز) دوسرے جمعہ (کی نماز) تک اور ایک رمضان، دوسرے رمضان تک درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ نہ کرے (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا تَطَهَّرَ الرَّجُلُ فَأَحْسَنَ الطُّهُوْرَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَلْغُ، وَلَمْ يَجْهَلْ حَتّٰى يَنْصَرِفَ الْإِمَامُ، كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ، وَفِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَالْمَكْتُوْبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ (مسند احمد، رقم الحديث ١١٣٤٧) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف عطية، وهو ابن سعد العوفي، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير هشام -وهو ابن معاوية القصار الأزدي- فمن رجال مسلم، وهو مختلف فيه حسن الحديث (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی پاکی حاصل کرتا ہے، اور اچھی طرح پاکی حاصل کرتا ہے، پھر نمازِ جمعہ کے لیے آتا ہے، اور کوئی لغو حرکت نہیں کرتا، اور نہ ہی جہالت والا کام کرتا ہے، یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے، تو یہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے کہ جس میں کوئی مومن آدمی بھی اللہ سے کسی چیز کا سوال کرے، تو اللہ اس کو ضرور عطا فرماتا ہے، اور فرض نمازیں ایک دوسرے کے درمیانی اوقات کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں (مسند احمد)

مذکورہ احادیث میں صرف فرض نمازیں، یا جمعہ کی نماز، یا رمضان کو علی الاطلاق گناہوں کا کفارہ قرار دینے کے بجائے، کبیرہ گناہوں سے بچنے اور بعض احادیث میں جمعہ کی نماز کو اچھی طرح طہارت کے ساتھ ادا کرنے اور لغو اور جہالت سے اجتناب کرنے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے، اور اس کو تا قیامت عذابِ قبر سے نجات پانے کو کبیرہ گناہوں، یا دوسرے عذابِ قبر کے اسباب سے بچنے، یا توبہ کر کے فوت ہونے کی شرط پر معلق کیا جائے، تو بھی غلط یا احادیث کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ نصوص میں اس کی نظیر ہونے کی وجہ سے اس موقف کو بھی درست قرار دیا جائے گا۔ [1]

اسمائے حسنیٰ یاد کرنے پر دخولِ جنت کی نظیر

اس مسئلہ کی ایک نظیر وہ احادیث ہیں، جن میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ یاد کرنے پر دخولِ جنت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

---

[1] (إذا اجتنب الكبائر) هكذا هو في أكثر الأصول(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۳ص۱۱۸، كتاب الطهارة،باب فضل الوضوء والصلاة عقبه)

معناه أن الذنوب كلها تغفر إلا الكبائر فإنها لا تغفر وليس المراد أن الذنوب تغفر مالم تكن كبيرة (شرح النووى على مسلم، ج۳ص۱۲۲، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وُسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ(بخاری، رقم الحديث ٢٧٣٦، كتاب الشروط، باب ما يجوز من الاشتراط والثنيا فی الإقرار والشروط الخ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے، یعنی ایک کم سو، نام ہیں، جس نے ان کی حفاظت کی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا (بخاری)

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام صرف یاد کرلے، اور اسی کے ساتھ دوسرے کبیرہ گناہوں کا بھی ارتکاب کرے، مثلاً فرض نمازوں کا اہتمام نہ کرے، اسی طرح زکاۃ، فرض روزہ اور حج وغیرہ بھی قدرت ہونے کے باوجود ادا نہ کرے اور توبہ وتلافی کیے بغیر فوت ہوجائے، تو مذکورہ اور اس جیسی احادیث کے پیشِ نظر اس کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھا جائے گا کہ وہ سزا پائے بغیر، ابتداء میں جنت میں ضرور داخل ہوگا، جس طرح دوسرے نیک اعمال کرنے والا بھی ابتداء میں جنت میں داخل ہوگا اور دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

اسی طرح محض جمعہ کے دن فوت ہونے والے شخص کے بارے میں بھی تا قیامت عذابِ قبر سے حفاظت کے لیے اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے منع کرنا، اور اس میں بھی نیک صالح ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے فرق کیا جانا مناسب ہوگا، تاکہ دوسری نصوص سے تعارض و معارضہ لازم نہ آئے، اور اس موقف کو احادیث کی مخالفت قرار نہ دیا جائے گا۔

تین چیزوں پر جہنم حرام ہونے کی نظیر

اس مسئلہ کی نظیر وہ احادیث بھی ہیں، جن میں چند اعمال اختیار کرنے والے پر جہنم کے حرام ہونے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ حُرِّمَ عَلَى النَّارِ، وَحُرِمَتِ النَّارُ عَلَيْهِ: إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ، وَحُبُّ اللّٰهِ، وَأَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ فَيُحْرَقَ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٢١٢٢) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین چیزیں، جس کے اندر ہوں گی، اس کو جہنم پر حرام کر دیا جائے گا، اور جہنم اس پر حرام کر دی جائے گی، ایک تو اللہ پر ایمان، اور دوسرے اللہ سے محبت، اور تیسرے اسے آگ میں ڈالا جائے، جس سے وہ جل جائے، یہ اسے، اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہو کہ وہ کفر کی طرف لوٹے (مسند احمد)

مذکورہ اور اس جیسی دوسری احادیث کی بناء پر بھی یہ عقیدہ رکھنا درست نہ ہوگا کہ جس شخص میں محض مذکورہ تین چیزیں ہوں، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم پر حرام ہو جائے گا، خواہ وہ دوسری ایسی بداعمالیوں کا مرتکب کیوں نہ ہو، جن کی وجہ سے جہنم کے عذاب کی وعیدوں کا ذکر آیا ہے، اور وہ توبہ وتلافی کیے بغیر فوت ہو گیا ہو، جیسا کہ وہ شخص اسی طرح کی فضیلت کا مستحق ہوگا، جس نے مذکورہ حدیث کے مطابق بھی اعمال اختیار کیے اور دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بچا۔ [2]

اسی طرح اگر جمعہ کے دن فوت ہونے والے ہر مومن کے متعلق تا قیامت عذابِ قبر سے حفاظت سے کوئی اختلاف کرے، اور اس میں عذابِ قبر کے اسباب، یا کبیرہ گناہوں سے اجتناب، یا ان سے توبہ کرنے کی شرط لگائے، اور اس شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشيه مسند احمد)

[2] (أربع من كن فيه حرمه الله) في الآخرة (على النار) أي منعه من دخولها إذا فعل مع ذلك المأمورات وتجنب المنهيات (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ٩١٧)

حسبِ عمل عذاب ہونے، البتہ جمعہ کے دن فوت ہونے کی وجہ سے مخصوص عذاب سے نجات پانے کے موقف کو اختیار کرے، اس کو بھی غلط، یا احادیث کا منکر قرار دینا درست نہ ہوگا، جیسا کہ بعض حضرات یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ [1]

نصف شعبان کی رات میں مغفرت کی نظیر

اس مسئلہ کی ایک نظیر وہ احادیث بھی ہیں، جن میں شعبان کی پندرہویں رات میں تمام مخلوق کی مغفرت کا ذکر آیا ہے، سوائے چند گناہ گار لوگوں کے۔ [2]

اور ان احادیث سے یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں کہ اس رات میں مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ سوائے ان چند گناہ گار لوگوں کے تمام مخلوق اس رات میں ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر سے محفوظ

---

[1] چنانچہ ''جمعہ کے دن موت کی فضیلت'' کے ضمن میں مؤلف لکھتے ہیں:

''احادیث میں اس دن وفات پر عذابِ قبر سے نجات کی بشارتیں ہیں، اور یہ بات مستند احادیث سے ثابت ہے، اس کے باوجود ہمارے کچھ بھائی اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

میرا ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اس انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ ایک بات جو احادیث میں صاف صاف موجود ہو، اس کا انکار کیوں کیا جائے''

حالانکہ اگر کسی صاحبِ علم کو بعض احادیث کی اسناد پر علمی و تحقیقی اعتبار سے کلام ہو، جس کی وجہ سے وہ عقائد کے باب میں ان کو معتبر ماننے سے اختلاف کرتا ہو، یا ان احادیث سے، کسی تاویل و تخصیص کے بغیر اطلاق کے ساتھ جس قسم کا عقیدہ ثابت کیا جارہا ہو، اور بے شمار نصوص میں مذکور قیودات کو نظر انداز کیا جارہا ہو، اگر وہ ان قیود کا لحاظ کرتا ہے، تو اس کو مستند احادیث سے ثابت شدہ صاف صاف بات کا منکر قرار دینا درست نہیں، بلکہ اس قسم کا دعویٰ کرنا، خود مستند احادیث سے ثابت شدہ صاف صاف قیود کو نظر انداز کردینے کے مترادف ہے۔ محمد رضوان۔

[2] عن أبي موسى الأشعري، عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: " إن الله ليطلع في ليلة النصف من شعبان، فيغفر لجميع خلقه، إلا لمشرك أو مشاحن "(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٣٩٠)

قال شعيب الارنؤوط: حسن بشواهده(حاشية سنن ابنِ ماجه)

عن معاذ بن جبل، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يطلع الله إلى خلقه في ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه إلا لمشرك أو مشاحن (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٥٦٦٥)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بشواهده(حاشية صحيح ابنِ حبان)

ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے حق میں بھی مذکورہ عقیدہ رکھنا درست نہ ہوگا۔

مذکورہ نصوص صرف نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں، ورنہ قرآن وسنت میں اس طرح کی نصوص کی کمی نہیں ہے کہ ان میں اگرچہ ایک مطلق اور عام حکم بیان کیا جاتا ہے، لیکن دیگر نصوص، یا اس میں مذکور قیود کے پیشِ نظر، ان کو اطلاق اور عموم کے ساتھ لینے کے بجائے، دوسری نصوص کے مقتضیات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

پھر نہ معلوم کہ جمعہ کے دن فوت ہونے کے باب میں نصوص کی ان تمام تصریحات وقیودات کو نظر انداز کر کے ہر مومن خواہ نیک ہو، یا بد، سب کو برابر درجہ دے کر تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے بریٔ قرار دینے پر کیوں زور دیا جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں جو شخص دیگر بے شمار نصوص کی تصریحات وقیودات کے مطابق اس باب میں بھی حکم بیان کرے، اس کو اجنبی وغیر مانوس، یا بیگانہ نظر سے کیوں دیکھا جاتا ہے۔

بظاہر اس کی وجہ یہی ہے کہ اس باب میں ایک خاص انداز میں تبلیغ وتشہیر کی وجہ سے مخصوص فکر پہلے سے بن چکی ہے، اس لیے اس کے خلاف موقف اجنبی محسوس ہوتا ہے، حالانکہ وہ موقف نصوصِ کثیرہ صریحہ کے موافق ہے، اور شرعی قواعد کے اعتبار سے غیر مانوس نہیں ہے، جیسا کہ گزرا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لیے عذابِ قبر سے حفاظت کی جو احادیث و روایات آئی ہیں، اگر ان کو سند کے اعتبار سے معتبر مانا جائے، تو بھی ان سے اس حتمی عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوتا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا اگر متقی ونیک ہو، جس طرح وہ تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے محفوظ اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے، اسی طرح فاسق وفاجر بھی شہادت کا

مرتبہ پانے کی وجہ سے جنت کا مستحق اور عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے، بلکہ اس میں کئی احتمالات ہیں، مثلاً یہ کہ جمعہ کے دن فوت ہونے پر کماً، یا کیفاً مخصوص عذاب سے حفاظت ہوتی ہے، تا قیامت ہر طرح کے عذاب سے حفاظت نہیں ہوتی۔

پھر اگر جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے پاس اگر دوسرے اعمالِ صالحہ ایسے ہوں، جو ہمیشہ کے لیے ہر طرح کے عذاب سے بچانے کا سبب ہوں، تو ہمیشہ کے لیے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے، ورنہ مخصوص عذاب سے حفاظت کے بعد اپنے حسبِ عمل، شدید، یا خفیف، اور قصیر، یا طویل عذاب ہوتا ہے۔

اور یہ موقف بھی نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں ہے، بلکہ نصوص سے مؤید ہے، اور اس احتمال کو نظر انداز کر کے صرف ایک احتمال کے مطابق احادیث وروایات کی تبلیغ و تشہیر کر کے بے اعتدالیوں کا باعث بننا اور دوسرے احتمالات کے قائلین کو احادیث وروایات کا منکر قرار دینا درست نہیں، بلکہ دیگر کثیر وصریح نصوص پر نظر نہ ہونے کی علامت ہے۔

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعُلَمُ .

(خاتمہ)

عذابِ قبر کے اسباب اور اس میں مبتلا اشخاص

قرآن وسنت کی متعدد نصوص سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کفار کو روزانہ صبح، شام اور بعض فساق مسلمانوں کو بھی بداعمالیوں کے سبب، اپنے حسبِ اعمال قبر و برزخ کا عذاب ہوتا ہے، جن میں رمضان، یا جمعہ کے دن کے استثناء کا ذکر نہیں۔

اس طرح کی چند نصوص ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

آلِ فرعون کو صبح وشام قبر کا عذاب

قرآن مجید کی سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ .النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (سورۃ غافر، رقم الآیات ۴۵، ۴۶)

ترجمہ: اور گھیر لیا آلِ فرعون کو برے عذاب نے، ان کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے، صبح اور شام، اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم دیا جائے گا کہ) داخل کردو آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں (سورہ غافر)

یعنی قیامت سے پہلے آلِ فرعون کو روزانہ صبح وشام آگ پر پیش کر کے برزخ کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اور اس کے بعد آلِ فرعون کو برزخ کے مقابلہ میں زیادہ شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

مذکورہ آیات میں آلِ فرعون کو صبح وشام قبر و برزخ کے مخصوص عذاب میں مبتلا کیے جانے کا

ذکر ہے، لیکن اس میں ماہِ رمضان یا جمعہ کے دن کا استثنا مذکور نہیں۔ [1]

کفار کو قبر کا عذاب

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو برزخ میں عذاب دیا جاتا ہے، بطورِ خاص فوت ہونے کے بعد سوال جواب میں ناکامی کے بعد کفار کو روزانہ عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، اور مومن، دراصل کفار والے مخصوص اور شدید عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا نَخْلًا لِبَنِي النَّجَّارِ، فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رِجَالٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ مَاتُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٤١٥٢) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغ میں داخل ہوئے، جہاں بنی نجار کے چند لوگوں کی چیخ و پکار کو سنا، جو جاہلیت کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے، ان کو قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ کی کیفیت میں باہر تشریف لائے، اور اپنے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ قبر کے عذاب سے پناہ طلب کریں (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ

---

[1] قال الله سبحانه وتعالى :(وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا وعشيا) أخبر أنهم بعد ما أغرقوا يعذبون بكرة وأصيلا، ثم قال :(ويوم تقوم الساعة أدخلوا آل فرعون أشد العذاب) أخبر أنهم يعذبون يوم القيامة أشد مما كانوا يعذبون قبله، يعني في القبر(شرح السنة،للبغوي، ج٥ ص ٤٢١، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ : هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ القِيَامَةِ (صحيح بخارى، رقم الحديث ١٣٧٩)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی فوت ہوجاتا ہے، تو اس کے (جنت یا جہنم کے) ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے، تو جنت والے ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اور اگر وہ اہلِ جہنم میں سے ہوتا ہے، تو جہنم والے ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا اصل ٹھکانہ ہے، یہاں تک کہ اللہ قیامت کے دن تجھ کو اٹھائے (بخاری)

اس حدیث میں اہلِ جنت سے مومن اور اہلِ نار سے کافر مراد ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اہلِ نار میں، وہ گناہ گار مومن بھی داخل ہوں، جو سزا پانے کے لیے پہلے جہنم میں بھیجے جائیں گے۔ واللہ أعلم۔

اس حدیث میں بھی رمضان، یا جمعہ کے دن کا استثناء مذکور نہیں۔

بعض احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ مومن اپنی قبر میں ایک باغیچے کے اندر ہوتا ہے، اور اس کی قبر کو ستر ذراع تک کشادہ کردیا جاتا ہے، اور اس کے لیے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشنی کردی جاتی ہے، جبکہ کافر پر سینکڑوں سانپوں کی فوج کو مسلط کردیا جاتا ہے، جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ [1]

---

[1] حدثنا أحمد بن عيسى، حدثنا ابن وهب، حدثنا عمرو بن الحارث، أن أبا السمح، حدثه عن ابن حجيرة، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: المؤمن في قبره في روضة، ويرحب له قبره سبعين ذراعا، وينور له كالقمر ليلة البدر، أترون فيما أنزلت هذه الآية :(فإن له معيشة ضنكا، ونحشره يوم القيامة أعمى)، قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث سے کافروں کو قیامت تک عذاب ہونا معلوم ہوتا ہے، جس میں جمعہ، یا رمضان کا کوئی استثناء مذکور نہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْ جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ، وَلَمَّا يُلْحَدُ، فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، كَأَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ، وَفِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ، كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ، وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ، فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، اخْرُجِيْ إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَأْخُذُوْهَا، فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ، وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ قَالَ: فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أتدرون ما المعيشة الضنک؟، قالوا :الله ورسوله أعلم، قال :عذاب الكافر فی قبره، والذی نفسی بيده إنه ليسلط عليهم تسعة وتسعون تنينا، أتدرون ما التنين؟، قال :تسعة وتسعون حية لكل حية سبعة رء وس ينفخون فی جسمه ويلسعونه، ويخدشونه إلى يوم القيامة(مسند أبی يعلى، رقم الحديث ٦٦٤٤)

قال حسين سليم أسد الدارانی:إسناده حسن(حاشية مسند ابی يعلیٰ)

يَمُرُّوْنَ، يَعْنِيْ بِهَا، عَلٰى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَّا قَالُوْا: مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيْهَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ، وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ، وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ، وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى. قَالَ: فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهٖ، فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: وَمَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا، وَطِيْبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ قَالَ: وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ، فَيَقُوْلُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ، فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِيْ، وَمَالِيْ قَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ، مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ، فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ

الْـمَـوْتِ، حَتّٰـى يَـجْـلِـسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ، فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ، اخْـرُجِـىْ إِلٰـى سَـخَـطٍ مِـنَ الـلّٰـهِ وَغَـضَـبٍ قَالَ: فَتُفَرَّقُ فِىْ جَسَدِهٖ، فَيَـنْـتَـزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَـذَهَـا لَـمْ يَـدَعُـوْهَـا فِـىْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوْهَا فِىْ تِلْكَ الْـمُـسُـوْحِ، وَيَـخْـرُجُ مِـنْـهَـا كَـأَنْتَـنِ رِيْـحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْـهِ الْأَرْضِ، فَيَـصْـعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَّا قَـالُـوْا: مَـا هَـذَا الـرُّوْحُ الْـخَبِيْـثُ؟ فَيَـقُـوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْـمَـائِـهِ الَّتِىْ كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِى الدُّنْيَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ الـدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهٗ، فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ: لَا تُـفَتَّـحُ لَهُـمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْـجَـمَـلُ فِـىْ سَـمِّ الْـخِيَـاطِ،فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِىْ سِـجِّيْـنٍ فِـى الْأَرْضِ السُّـفْـلٰـى، فَتُـطْـرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَأَ: وَمَنْ يُشْـرِكْ بِـالـلّٰـهِ، فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِىْ بِهِ الـرِّيْـحُ فِـىْ مَـكَـانٍ سَـحِيْق،فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِىْ جَسَدِهٖ، وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُـجْـلِسَـانِـهٖ، فَيَـقُـوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَـاهْ هَاهْ لَا أَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَـاهْ هَاهْ لَا أَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا هَـذَا الـرَّجُـلُ الَّـذِىْ بُـعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِىْ، فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ، فَافْرِشُوْا لَهٗ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَى الـنَّـارِ، فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا، وَسَمُوْمِهَا، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْـهِ أَضْلَاعُـهٗ، وَيَـأْتِيْـهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ، قَبِيْحُ الثِّيَابِ، مُنْتِنُ الرِّيْحِ، فَيَـقُـوْلُ: أَبْشِـرْ بِـالَّـذِىْ يَسُوْئُكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِىْ كُنْتَ تُوْعَدُ،

فَيَقُوْلُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِّ، فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٥٣٤) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے کے لئے نکلے، پس جب قبر کے پاس پہنچے، ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، گویا کہ پرندے ہمارے سروں پر تھے (یعنی ہم ساکن وساکت ہوکر بیٹھ گئے) اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ سے پناہ (و حفاظت) طلب کرو، قبر کے عذاب سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، یا تین مرتبہ یہ بات فرمائی۔

پھر فرمایا کہ جب مومن بندہ کے دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت کے سفر پر جانے کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے آتے ہیں، گویا کہ ان کے چہرے سورج کی طرح چمک دار ہوتے ہیں، اور ان کے پاس (اس مومن شخص کے لئے) جنت کے کفنوں میں سے ایک کفن، اور جنت کی حنوط (خوشبو) میں سے ایک حنوط (یعنی مخصوص خوشبو) ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ تاحدِ نگاہ (اس کے سامنے) بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملکُ الموت فرشتہ آتا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی اس (مومن شخص) کے سرہانہ بیٹھ جاتا ہے، پس یہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے پاک وصاف (یعنی پاکیزہ) نفس! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا وخوشنودی کی طرف نکل، پھر اس کی روح اس سے ایسے آسانی کے ساتھ نکلتی ہے،

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی بہہ کر بآسانی نکل جاتا ہے، پھر ملکُ الموت اس روح کو لے لیتا ہے، اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر اس روح کو ملکُ الموت کے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے، بلکہ اس سے لے کر (جنت سے لائے ہوئے) اس کفن میں لپیٹ دیتے ہیں، اور اس پر یہ حنوط (مخصوص خوشبو) بھی مَل دیتے ہیں، اور اس مومن شخص کے جسم سے مشک کے ایک خوشگوار جھونکے جیسی خوشبو آتی ہے، جو زمین پر (بآسانی) محسوس کی جاسکے۔

پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر (آسمان کی طرف) چڑھتے ہیں، اور ان کا گزر فرشتوں کے جس گروہ سے بھی ہوتا ہے، وہ گروہ پوچھتا ہے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے جواب میں اس کا وہ (اچھا اور) بہترین نام بتاتے ہیں، جس سے لوگ اسے دنیا میں پکارتے تھے، یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچ جاتے ہیں، پھر یہ فرشتے اس (مومن کی روح) کے لئے (آسمان کے) دروازے کھلواتے ہیں، پس دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے فرشتے اس کے پیچھے چلتے ہوئے، اگلے آسمان تک اسے چھوڑ کر آتے ہیں، یہاں تک کہ اس روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے، پھر (اس کے بعد) اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے (اس بندہ) کا نامۂ اعمال ''علیین'' میں لکھ دو، اور اس کو زمین کی طرف واپس لوٹا دو، پس بے شک میں نے اپنے بندوں کو زمین کی مٹی سے ہی پیدا کیا، اور اسی میں ان کو واپس لوٹاؤں گا، اور اسی سے دوبارہ ان کو نکالوں گا، چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے (یہ سب عمل عادتاً و حکمتاً بندوں کی نظروں سے مخفی رکھا جاتا ہے) پھر (قبر میں، یا جہاں بھی اس کا جسم، جس حالت میں ہو) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، وہ اس

سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین ''اسلام'' ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے، جو تمہاری طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، پس میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔

اس پر آسمان سے ایک منادی، ندا کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، پس اس کے لئے جنت کا بستر بچھادو، اور اسے جنت کا لباس پہنادو، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ (جنت کے دروازے سے) اس کو جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور تاحدِ نگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس خوبصورت چہرہ، خوبصورت لباس اور عمدہ خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے، پھر وہ (اس سے) کہتا ہے کہ تمہیں خوشخبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ (مومن) اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تمہارا تو چہرہ ہی خیر کا پتہ دیتا ہے، وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں، اس پر وہ (مومن) کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت ابھی قائم کر دیجئے، تاکہ میں اپنے (اسی) گھر (یعنی جنت) اور اپنے مال (یعنی جنت کی نعمتوں) کی طرف واپس لوٹ جاؤں۔

(پھر) فرمایا کہ جب کسی کافر شخص کے دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت کے سفر پر جانے کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں، اور ان کے پاس ٹاٹ (یعنی بوسیدہ اور پھٹے اور پرانے چیتھڑے) ہوتے ہیں، پس وہ اس کے سامنے تاحدِ نگاہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملکُ الموت فرشتہ اس کے پاس آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے، پھر یہ (ملکُ الموت

فرشتہ) کہتا ہے کہ اے ناپاک و بری جان! اللہ کی ناراضگی اور اس کے غصہ کی طرف نکل (پھر) فرمایا کہ (یہ سن کر) اس کی روح جسم میں دوڑنے لگتی ہے، پھر ملکُ الموت اس (اس روح) کو جسم سے اس طرح کھینچتا ہے، جیسی گیلی اون سے سیخ کھینچی جاتی ہے، اور اسے پکڑلیتا ہے، اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے، بلکہ اس سے لے کر اس ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں، اور اس روح سے کسی مردار کے جیسی بدبو جیسا جھونکا آتا ہے، جو کہ زمین پر (بآسانی) محسوس کیا جاسکے، پھر وہ اس (روح کو) لے کر اوپر چڑھتے ہیں، پس فرشتوں کے جس گروہ سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے، تو وہ گروہ (ان سے) یہ پوچھتا ہے کہ یہ بری روح کون سی ہے؟ فرشتے جواب میں اس کا وہ برا نام بتاتے ہیں، جس سے لوگ اسے دنیا میں پکارتے تھے، یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچ جاتے ہیں، فرشتے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں، لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطورِ تائید کے، سورہ اعراف کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ" کہ "نہ ہی ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے، اور اور نہ یہ جنت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہوجائے" پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال "سجین" میں زمین کے نچلے حصہ میں لکھ دو، پھر اس کی روح کو (وہاں سے ہی) پھینک دیا جاتا ہے، پھر نبی ﷺ نے (بطورِ تائید کے، سورہ حج کی) یہ آیت تلاوت فرمائی "وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ، فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ" کہ "اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، وہ گویا

کہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیں، یا ہوا اسے دور دراز کی جگہ میں پھینک ڈالے“ پھر اس (کافر کی) روح (اس کے گوشت پوست، مٹی یا راکھ والے) جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے، اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور وہ اسے بٹھاتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ ہائے افسوس میں نہیں جانتا، پھر یہ (فرشتے) پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ (پھر یہی جواب دیتا ہے کہ) ہائے افسوس میں نہیں جانتا، پھر یہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ (پھر یہی جواب دیتا ہے کہ) ہائے افسوس میں نہیں جانتا، اس پر آسمان سے ایک منادی، ندا کرتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے (یعنی ایسی بات کرتا ہے، جس کی تصدیق وتائید نہیں کی جاسکتی) اس کے لئے آگ کا بستر بچھادو، اور اس کے لئے آگ (یعنی جہنم) کی طرف ایک دروازہ کھول دو (جہنم کی طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے) پھر جہنم کی طرف سے گرمی اور اس کی تپش اس کو پہنچنے لگتی ہے، اور اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کے پاس ایک بدصورت آدمی گندے کپڑے پہن کر آتا ہے جس سے بدبو آرہی ہوتی ہے، پھر یہ آدمی اس کافر سے کہتا ہے کہ جو تکلیف تمہیں پہنچ رہی ہے، اس سے خوش ہوجا، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، چنانچہ وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے ہی سے شر کے اثرات ظاہر ہورہے ہیں، پس وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں، پھر یہ (کافر) کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا (مسند احمد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے، جس کے آخر میں ”کافر کی قبر تنگ کردیے جانے اور اس کی پسلیاں آپس میں ملادیے جانے کے بعد“ درج

ذیل اضافہ ہے:

ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى أَبْكَمُ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا قَالَ:فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا، ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ (سنن ابی داود، رقم الحديث ۴۷۵۳، كتاب السنة، باب فی المسألة فی القبر وعذاب القبر) [1]

ترجمہ: پھر اس (کافر) پر ایک ایسے فرشتے کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو کہ اندھا اور گونگا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں اتنا بڑا گرز ہوتا ہے کہ اگر کسی پہاڑ پر مارا جائے، تو وہ پہاڑ مٹی مٹی ہو جائے، اور وہ اس گرز سے اس (کافر شخص کو) ایک ضرب لگا تا ہے کہ جس کی آواز جن وانس کے علاوہ مشرق ومغرب کے درمیان ساری مخلوق سنتی ہے، جس سے وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، پھر اس میں روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے (اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے) (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث سے مومن اور کافر کے فوت ہونے کے بعد قبر و برزخ کی حالتوں کا علم ہوا کہ کافر سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے، اور مومن بندہ اس عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اگر مومن بندہ نیک صالح ہو، تو وہ ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، ورنہ اپنی بداعمالیوں کے بقدر، تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا قُبِرَ أَحَدُكُمْ أَوِ الْإِنْسَانُ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا : الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ: النَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ؟ فَهُوَ قَائِلٌ مَا كَانَ يَقُوْلُ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَالَ : هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داؤد)

اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ : إِنْ کُنَّا لَنَعْلَمُ إِنَّکَ لَتَقُوْلُ ذٰلِکَ ثُمَّ یُفْسَحُ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِیْنَ ذِرَاعًا وَیُنَوَّرُ لَہٗ فِیْہِ فَیُقَالُ لَہٗ : نَمْ فَیَنَامُ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُہٗ إِلَّا أَحَبُّ أَھْلِہٖ إِلَیْہِ حَتّٰی یَبْعَثَہُ اللّٰہُ مِنْ مَضْجَعِہٖ ذٰلِکَ.

وَإِنْ کَانَ مُنَافِقًا قَالَ: لَا أَدْرِیْ کُنْتُ أَسْمَعُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا فَکُنْتُ أَقُوْلُہٗ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ : إِنْ کُنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُوْلُ ذٰلِکَ ثُمَّ یُقَالُ لِلْأَرْضِ: اِلْتَئِمِیْ عَلَیْہِ فَتَلْتَئِمُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْھَا أَضْلَاعُہٗ فَلَا یَزَالُ مُعَذَّبًا حَتّٰی یَبْعَثَہُ اللّٰہُ مِنْ مَضْجَعِہٖ ذٰلِکَ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۱۱۷، کتاب الجنائز، فصل فی أحوال المیت فی قبرہ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص یا انسان کو قبر (وبرزخ) میں پہنچا دیا جاتا ہے، تو اس کے پاس دو سیاہ، نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، پھر وہ دونوں اس قبر والے سے کہتے ہیں کہ تم اس آدمی یعنی محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ پس وہ قبر والا جواب میں وہی کچھ کہتا ہے، جو وہ (دنیا میں) کہا کرتا تھا، پس اگر وہ مومن ہوتا ہے، تو جواب میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر وہ فرشتے اس قبر والے سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ تو یہی کہا کرتا تھا، پھر اس کے لئے سترّ سترّ ہاتھ تک قبر میں کشادگی کردی جاتی ہے، اور اس کے لئے روشنی کردی جاتی ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تم سو جاؤ، پھر وہ نئے دولہا (ودلہن) کی نیند سو جاتا ہے کہ جس کو اس کے گھر کے سب

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ قوی (حاشیۃ صحیح ابنِ حبان)

سے زیادہ محبت کرنے والے لوگ ہی بیدار کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے اس لیٹنے کی جگہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر وہ قبر والا منافق ہوتا ہے، تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) معلوم نہیں، میں لوگوں کو ان کے متعلق کچھ کہتا ہوا سنا کرتا تھا، پس میں بھی ان کے بارے میں وہی کچھ کہا کرتا تھا، تو وہ فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ تو یہی کہا کرتا تھا، پھر زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر لپٹ جا، تو وہ زمین اس پر لپٹ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کو برابر عذاب دیا جاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے اس لیٹنے کی جگہ سے (قیامت کے دن) اٹھائے گا (ابنِ حبان)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

مذکورہ حدیث سے جہاں کافر کے عذابِ قبر میں مبتلا ہونے کا علم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کو تا قیامت مسلسل عذاب دیا جاتا رہے گا، اور اس میں جمعہ، یا رمضان کا انقطاع واستثناء نہیں، جیسا کہ مذکورہ حدیث کے آخر کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

---

[1] عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا قبر الميت – أو قال: أحدكم – أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، وللآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول فى هذا الرجل؟ فيقول: ما كان يقول: هو عبد الله ورسوله، أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له فى قبره سبعون ذراعا فى سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له، نم، فيقول: أرجع إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذى لا يوقظه إلا أحب أهله إليه، حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك، وإن كان منافقا قال: سمعت الناس يقولون، فقلت مثله، لا أدرى، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمى عليه، فتلتئم عليه، فتختلف فيها أضلاعه، فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك.

وفى الباب عن على، وزيد بن ثابت، وابن عباس، والبراء بن عازب، وأبى أيوب، وأنس، وجابر، وعائشة، وأبى سعيد، كلهم رووا عن النبى صلى الله عليه وسلم فى عذاب القبر، حديث أبى هريرة حديث حسن غريب (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٠٧١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ : فَبِيْ تُفْتَنُوْنَ، وَعَنِّيْ تُسْأَلُوْنَ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهِ غَيْرَ فَزِعٍ، وَلَا مَشْعُوْفٍ ،ثُمَّ يُقَالُ لَهُ : فِيْمَ كُنْتَ؟ فَيَقُوْلُ: فِي الْإِسْلَامِ؟ فَيُقَالُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ : مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَصَدَّقْنَاهُ، فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَيُقَالُ لَهُ : اُنْظُرْ إِلٰى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، وَيُقَالُ : عَلَى الْيَقِيْنِ كُنْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ، أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهِ فَزِعًا مَشْعُوْفًا، فَيُقَالُ لَهُ فِيْمَ كُنْتَ؟ فَيَقُوْلُ : لَا أَدْرِيْ، فَيُقَالُ : مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ : سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوْا، فَتُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ اُنْظُرْ إِلٰى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْكَ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَيُقَالُ لَهُ : هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، كُنْتَ عَلَى الشَّكِّ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُعَذَّبُ (مسند احمد،رقم الحديث ۲۵۰۸۹) [1]

ترجمہ: جہاں تک قبر کے فتنہ کا تعلق ہے، تو (قبر میں) میرے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) ذریعہ سے تمہاری آزمائش کی جائے گی اور میرے متعلق تم سے

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

سوال کیا جائے گا، پس اگر قبر والا نیک صالح آدمی ہوگا، تو اسے قبر میں اس طرح بٹھادیا جائے گا کہ اس پر کوئی خوف اور گھبراہٹ نہیں ہوگی، پھر اس کو کہا جائے گا کہ تم نے کس چیز میں وقت گزارا؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ اسلام میں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ وہ کون آدمی تھا، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہمارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے (جن میں قبر کے حالات بھی تھے) جن کی ہم نے تصدیق کی، پھر اس کو جہنم کی طرف ایک راستہ کھول کر دکھایا جائے گا، جس کی طرف وہ دیکھے گا، کہ اس کا بعض حصہ بعض میں لپٹیں مار رہا ہوگا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ آپ اس چیز کو دیکھ لو، جس سے اللہ عزوجل نے آپ کو بچالیا، پھر اس کو جنت کی طرف ایک راستہ کھول کر دکھایا جائے گا، جس کی رونق اور نعمتوں کو وہ دیکھے گا، پھر اسے کہا جائے گا کہ یہ اس جنت میں آپ کا ٹھکانہ ہے، اور کہا جائے گا کہ تم (ایمان و) یقین کی حالت میں زندہ تھے، اور اسی پر تم مرے، اور اسی پر تمہیں ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا۔

اور اگر وہ قبر والا برا آدمی ہوگا، تو اس کو اس کی قبر میں گھبراہٹ اور خوف کی حالت میں بٹھایا جائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو کس دین پر تھا؟ تو وہ کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا، تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا، پس میں بھی وہی کہتا تھا، جو وہ لوگ کہتے تھے، پھر اس کے لئے جنت کی طرف راستہ کھولا جائے گا، جس کی رونق اور نعمتوں کو یہ دیکھے گا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تُو اس چیز کو دیکھ لے، جس کو اللہ عزوجل نے تجھ سے ہٹا دیا، پھر اس کے لئے جہنم کی طرف راستہ کھولا جائے گا، جس کی طرف وہ دیکھے گا کہ اس کا بعض حصہ بعض میں لپٹیں مار رہا ہوگا، اور اس سے کہا جائے گا

کہ یہ تیرا اس جہنم میں ٹھکانہ ہے، تو شک کی حالت میں زندہ تھا، اور اسی پر تو مرا، اور اسی پر ان شاء اللہ تجھے اٹھایا جائے گا، پھر اس کو عذاب دیا جائے گا (مسند احمد)

صالح آدمی میں مومن اور متقی، اور برے آدمی میں کافر، منافق وفاسق داخل ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مومن ومتقی کو قبر میں راحت ونعمت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح کافر وفاسق کو عذاب بھی ہوتا ہے۔

نماز، روزہ وغیرہ اعمال نہ ہونے پر قبر کا عذاب

بعض احادیث میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ مومن بندہ کے نیک اعمال اس کی قبر میں عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اور ان کے نہ ہونے پر عذابِ قبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ إِنَّهٗ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِيْنَ يُوَلُّوْنَ عَنْهُ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهٖ وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَكَانَتِ الزَّكَاةُ عَنْ شِمَالِهٖ وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوْفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ فَيُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ فَتَقُوْلُ الصَّلَاةُ : مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ الصِّيَامُ : مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى عَنْ يَّسَارِهٖ فَتَقُوْلُ الزَّكَاةُ : مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَتَقُوْلُ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوْفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ.

فَيُقَالُ لَهٗ : اِجْلِسْ فَيَجْلِسُ وَقَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ وَقَدْ أُدْنِيَتْ

لِلْغُرُوْبِ فَيُقَالُ لَهٗ: أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ مَا تَقُوْلُ فِيْهِ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهٖ عَلَيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: دَعُوْنِىْ حَتّٰى أُصَلِّىَ فَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ أَخْبِرْنِىْ عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ مَا تَقُوْلُ فِيْهِ وَمَاذَا تَشْهَدُ عَلَيْهِ؟ قَالَ فَيَقُوْلُ: مُحَمَّدٌ أَشْهَدُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّهٗ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَيُقَالُ لَهٗ: عَلٰى ذٰلِكَ حَيِيْتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُوْرًا ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا لَوْ عَصَيْتَهٗ فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُوْرًا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَيُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ، وَيُعَادُ الْجَسَدُ لِمَا بَدَأَ مِنْهُ فَتُجْعَلُ نَسْمَتُهٗ فِى النَّسَمِ الطَّيِّبِ وَهِىَ طَيْرٌ يُعَلَّقُ فِىْ شَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ: فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ.

قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أُتِىَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ لَمْ يُوْجَدْ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ عَنْ شِمَالِهٖ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ فَيُقَالُ لَهٗ: اِجْلِسْ فَيَجْلِسُ خَائِفًا مَرْعُوْبًا فَيُقَالُ لَهٗ: أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ مَاذَا تَقُوْلُ فِيْهِ؟ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهٖ عَلَيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: أَىُّ رَجُلٍ؟ فَيُقَالُ: الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ فَلَا يَهْتَدِىْ لِاِسْمِهٖ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ: مُحَمَّدٌ فَيَقُوْلُ: مَا أَدْرِىْ سَمِعْتُ النَّاسَ قَالُوْا قَوْلًا فَقُلْتُ كَمَا قَالَ النَّاسُ، فَيُقَالُ لَهٗ: عَلٰى ذٰلِكَ

حَيِيْتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَـابٌ مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ فَيُقَالُ لَهٗ: هٰـذَا مَقْعَدُكَ مِنَ النَّارِ وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَـا فَيَـزْدَادُ حَسْـرَةً وَّثُبُوْرًا ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ: ذٰلِكَ مَقْعَدُكَ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهِ لَوْ أَطَعْتَهٗ فَيَـزْدَادُ حَسْرَةً وَّثُبُوْرًا ثُمَّ يُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهٗ فَتِـلْكَ الْـمَعِيْشَةُ الـضَّنْكَةُ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ : (فَإِنَّ لَـهٗ مَـعِيْشَةً ضَنْكاً وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى) (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۱۱۳، كتاب الجنائز، فصل فى أحوال الميت فى قبره)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مُردہ کو جب اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو وہ لوگوں کے (تدفین سے فارغ ہوکر) لوٹتے ہوئے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے، پھر اگر وہ مومن (صالح) ہوتا ہے، تو نماز اس کے سر کی طرف اور روزے اس کی دائیں طرف اور زکاۃ اس کی بائیں طرف، اور صدقہ اور (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی اور نیک سلوک اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا عمل، اس کے پیروں کی طرف آ جاتا ہے، پھر جب اس کے سر کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو نماز کہتی ہے کہ میرے سامنے سے کوئی راستہ نہیں ہے، پھر جب اس کی دائیں طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو روزے کہتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی راستہ نہیں ہے، پھر جب اس کی بائیں طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو زکاۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے کوئی راستہ نہیں، پھر جب اس کے پیروں کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو صدقہ اور (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی اور نیک سلوک اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا عمل کہتا ہے کہ میری طرف سے کوئی راستہ نہیں ہے، پھر اس سے کہا جاتا

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية ابنِ حبان)

ہے کہ تو بیٹھ جا، تو وہ بیٹھ جاتا ہے، اور اس کو سورج غروب ہونے کے مثل (منظر) محسوس ہوتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا؟ تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو، یہاں تک کہ میں نماز پڑھ لوں، تو وہ کہنے والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ بے شک تو عنقریب یہ عمل کرلے گا، ہمیں اس چیز کے بارے میں بتاؤ، جس کے بارے میں ہم تجھ سے سوال کررہے ہیں، تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا؟ تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ یہ محمد ہیں، جن کے بارے میں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے (جس میں قبر کی اس حالت کا بھی ذکر تھا) پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تُو اسی عقیدہ پر زندہ تھا، اور اسی پر تُو فوت ہوا، اور اسی پر تجھے ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ جنت میں تیرا ٹھکانہ ہے، اور اس میں وہ چیزیں ہیں، جس کو اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھا ہے، پھر اس کے رشک اور خوشی میں اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر تو اس (یعنی، اللہ) کی نافرمانی کرتا، تو یہ تیرا اس جہنم میں ٹھکانہ تھا، اور اس میں جو کچھ اللہ نے تیار کررکھا تھا، پھر اس کے رشک اور خوشی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کی قبر میں ستّر ہاتھ تک کشادگی کردی جاتی ہے، اور اس قبر میں اس کے لئے روشنی کردی جاتی ہے، اور اس کے جسم کو اس چیز کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، جس سے

وہ پیدا ہوا تھا، پھر اس کی روح کو پاکیزہ روحوں میں کر دیا جاتا ہے، اور وہ پرندہ کی شکل میں ہوتی ہے، جو جنت کے درخت میں لٹکی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کا (سورہ ابراہیم میں) قول ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت (وقبر) میں بھی (مضبوط رکھے گا)

اور کافر کے جب سر کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر اس کی دائیں طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر اس کی بائیں طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی (یعنی اس کے نامۂ اعمال میں نماز، زکاۃ وغیرہ نہیں ہوتے، جو اس کی عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بنیں) پھر اس کے پیروں کی طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو بیٹھ جا، پھر وہ خوف زدہ اور وحشت کی حالت میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا، تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ کون سا آدمی؟ اس کو جواب میں کہا جاتا ہے کہ جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا، تو اس کو نام بھی معلوم نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ محمد، تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں سے ان کے بارے میں کچھ کہتا ہوا سنا تھا، تو میں نے بھی وہی کچھ کہا جو لوگ کہتے تھے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تو اسی عقیدہ پر زندہ رہا، اور اسی پر فوت ہوا، اور اسی پر ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھر اس کے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا جہنم میں ٹھکانہ ہے، اور جو کچھ اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کر رکھا ہے، تو اس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے،

پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر تو ان کا کہنا مانتا، تو تیرا جنت میں یہ ٹھکانہ تھا، اور جو کچھ اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کر رکھا تھا، تو اس کی حسرت اور غم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اس پر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، تو یہی وہ تنگ زندگی ہے، جس کے بارے میں اللہ نے (سورہ طٰہٰ میں) فرمایا (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ بے شک اس کے لئے تنگ زندگی ہے، اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن بندہ کے نیک اعمال بطورِ خاص، نماز، روزہ، زکاۃ وخیرات وغیرہ، عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور یہ اعمال نہ ہونے کی صورت میں قبر کے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَتۡ: قَالَ: إِذَا دَخَلَ الۡإِنۡسَانُ قَبۡرَهٗ، فَإِنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا، أَحَفَّ بِهٖ عَمَلُهٗ، الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ ."قَالَ: فَيَأۡتِيۡهِ الۡمَلَكُ مِنۡ نَحۡوِ الصَّلَاةِ، فَتَرُدُّهٗ، وَمِنۡ نَحۡوِ الصِّيَامِ، فَيَرُدُّهٗ قَالَ: فَيُنَادِيۡهِ: اجۡلِسۡ قَالَ: فَيَجۡلِسُ، فَيَقُوۡلُ لَهٗ: مَاذَا تَقُوۡلُ فِيۡ هٰذَا الرَّجُلِ، يَعۡنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ،؟ قَالَ: مَنۡ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ .قَالَ: أَنَا أَشۡهَدُ أَنَّهٗ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوۡلُ: وَمَا يُدۡرِيۡكَ؟ أَدۡرَكۡتَهٗ؟ قَالَ: أَشۡهَدُ أَنَّهٗ رَسُوۡلُ اللّٰهِ قَالَ: يَقُوۡلُ: عَلٰى ذٰلِكَ عِشۡتَ، وَعَلَيۡهِ مِتَّ، وَعَلَيۡهِ تُبۡعَثُ قَالَ: وَإِنۡ كَانَ فَاجِرًا، أَوۡ كَافِرًا قَالَ: جَاءَ الۡمَلَكُ لَيۡسَ بَيۡنَهٗ وَبَيۡنَهٗ شَيۡءٌ يَرُدُّهٗ قَالَ: فَأَجۡلَسَهٗ قَالَ: يَقُوۡلُ: اجۡلِسۡ، مَاذَا تَقُوۡلُ فِيۡ هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ: أَيُّ رَجُلٍ؟ قَالَ:

مُحَمَّدٌ قَالَ: يَقُولُ: وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا، فَقُلْتُهٗ قَالَ: فَيَقُوْلُ لَهُ الْمَلَكُ: عَلٰى ذٰلِكَ عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ قَالَ: وَتُسَلَّطُ عَلَيْهِ دَابَّةٌ فِيْ قَبْرِهٖ، مَعَهَا سَوْطٌ، ثَمَرَتُهٗ جَمْرَةٌ مِثْلُ غَرْبِ الْبَعِيْرِ، تَضْرِبُهٗ مَا شَاءَ اللّٰهُ، صَمَّاءُ لَا تَسْمَعُ صَوْتَهٗ فَتَرْحَمَهٗ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٦٩٧٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان اپنی قبر میں چلا جاتا ہے، تو اگر مومن ہوتا ہے، تو اس کا عمل نماز، روزہ، اس کو گھیر لیتا ہے، فرشتہ اس کی نماز والی طرف سے آتا ہے، تو نماز اس کو روک دیتی ہے، اور فرشتہ روزہ والی طرف سے آتا ہے، تو روزہ اس کو روک دیتا ہے، پھر وہ اس کو آواز دیتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، پھر وہ بیٹھ جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کو کہتا ہے کہ اس آدمی کے بارے آپ کیا کہتے ہو؟ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں، وہ کون ہیں؟ یہ جواب میں کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، فرشتہ کہتا ہے کہ آپ نے ان سے کیا پایا، وہ کہتا ہے کہ میں نے ان سے یہ پایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر آپ زندہ رہے، اسی پر آپ مرے، اور اسی پر آپ کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

اور اگر وہ فاسق وفاجر یا کافر ہوتا ہے، تو فرشتہ آتا ہے، اور اس کے اور انسان کے درمیان کوئی عمل حائل نہیں ہوتا، پھر اس کو فرشتہ بٹھاتا ہے، اور کہتا ہے کہ بیٹھ جا، تو اس آدمی کے بارے میں کہا کہتا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ کون سے آدمی کے بارے میں، فرشتہ کہتا ہے کہ محمد کے بارے میں، وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتے ہوا سنا تھا، پس میں نے بھی کوئی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات رجال الصحيح غير أن محمد بن المنكدر لم يذكروا له سماعاً من أسماء بنت أبي بكر، وهو قد أدركها (حاشية مسند احمد)

بات کہہ دی تھی، اس کو فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر تو زندہ رہا، اور اسی پر تو مرا، اور اسی پر تجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، پھر اس کی قبر میں جانوروں کو مسلط کر دیا جاتا ہے، جن کے ساتھ کوڑے ہوتے ہیں، جن کے آگے، اونٹ کے پانی پینے والے برتن کی طرح (بڑا) آگ کا انگارا ہوتا ہے، وہ جتنا اللہ چاہتا ہے، اس کو مارتا ہے، اور وہ بہرا ہوتا ہے، جو اس کی آواز کو نہیں سنتا کہ اس پر رحم کر سکے (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں نیک اعمال، عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور نیک اعمال سے محرومی اور گناہ کا ارتکاب، عذابِ قبر کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مذکورہ احادیث کی تائید اُن احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں، یا معراج میں چند بداعمالیوں کے مرتکبین کو عذاب میں مبتلا دیکھا، اور ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

نبی ﷺ کا دو قبر والوں کو عذاب میں مبتلا دیکھنا اور شاخ گاڑنا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِيْ قُبُوْرِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ: بَلٰى، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ. ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ، فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ: إِلٰى أَنْ يَّيْبَسَا (صحيح البخاری، رقم الحديث ٢١٦، كتاب الوضوء، باب: من الكبائر أن لا يستتر من بوله)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے قریب سے گزرے، پھر آپ نے (بحکمِ الٰہی) دوانسانوں کی آواز کو سنا، جن کو قبر میں عذاب دیا جارہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو عذاب دیا جارہا ہے، اور ان کو کسی بڑی (سمجھے جانے والی) چیز میں عذاب نہیں ہورہا، پھر فرمایا کہ ہاں! ان میں سے ایک تو (پیشاب کرتے وقت) اپنے پیشاب (یعنی پیشاب والے مقام) سے آڑ نہیں کرتا تھا (جس کی وجہ سے چھینٹوں، یا بے پردگی سے حفاظت نہیں ہوتی تھی) اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا، پھر آپ نے ایک شاخ منگوائی، جس کو دو ٹکڑے کردیا، پھر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا، آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ کیوں کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید ان دونوں کے عذاب کو شاخوں کے خشک ہونے تک ہلکا کردیا جائے (بخاری)

اس روایت میں پیشاب کے علاوہ دوسرا گناہ چغل خوری کا مذکور ہے، اور بعض روایات میں چغل خوری کے بجائے، غیبت کا ذکر ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ فِيْ غَيْرِ كَبِيْرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَأْكُلُ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ صَاحِبَ نَمِيْمَةٍ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ، فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ، فَوَضَعَ نِصْفَهَا عَلٰى هٰذَا الْقَبْرِ، وَنِصْفَهَا عَلٰى هٰذَا الْقَبْرِ وَقَالَ: عَسٰى أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا دَامَتَا رَطْبَتَيْنِ (مسند ابو داود للطيالسي، رقم الحديث ٢٧٦٨، ج٤ص ٣٦٩، وما أسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب) [1]

---

[1] قال ابن حجر: ولأبي داود الطيالسي عن بن عباس بسند جيد مثله (فتح الباري، ج١٠ ص ٤٧١، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم خير دور الأنصار)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر آئے، پھر فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے، جو (ایسے گناہ کی وجہ سے ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں) بڑی چیز نہیں ہے، ایک تو ان میں سے لوگوں کے گوشت کو کھاتا تھا (یعنی غیبت کرتا تھا) اور دوسرا چغل خور تھا، پھر آپ نے ایک شاخ منگوائی، جس کے دو حصے کیے، جس کا آدھا حصہ اس قبر پر، اور آدھا حصہ دوسری قبر پر رکھ دیا، اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ دونوں شاخیں تر (اور ہَری) رہیں، ان کے عذاب کو ہلکا کر دیا جائے

(مسند ابوداؤد طیالسی)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَمْشِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَّ عَلٰى قَبْرَيْنِ، فَقَالَ مَنْ يَّأْتِيْنِيْ بِجَرِيْدَةِ نَخْلٍ؟ قَالَ: فَاسْتَبَقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ آخَرُ، فَجِئْنَا بِعَسِيْبٍ، فَشَقَّهٗ بِاثْنَيْنِ، فَجَعَلَ عَلٰى هٰذَا وَاحِدَةً، وَعَلٰى هٰذَا وَاحِدَةً، ثُمَّ قَالَ: أَمَا إِنَّهٗ سَيُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا كَانَ فِيْهِمَا مِنْ بُلُوْلَتِهِمَا شَيْءٌ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ فِي الْغِيْبَةِ وَالْبَوْلِ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٠٤١١) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، تو آپ کا گزر دو قبروں پر ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور کی ایک ٹہنی مجھے کون لا کر دے گا؟ تو میں اور ایک دوسرا آدمی آگے بڑھے، اور ہم ایک ٹہنی لے آئے، آپ نے اس ٹہنی کے دو حصے کیے، اور اس کا ایک حصہ ایک قبر پر، اور دوسرا حصہ دوسری قبر پر رکھ دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تَر (یعنی ہری) رہیں گی، اس وقت تک ان کا عذاب ہلکا کر دیا جائے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں قبر

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث قوی (حاشية مسند احمد)

والوں کو غیبت اور پیشاب کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا (مسند احمد)

حضرت یعلیٰ بن سیابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ عَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتٰى عَلٰى قَبْرٍ يُعَذَّبُ صَاحِبُهُ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا كَانَ يَأْكُلُ لُحُوْمَ النَّاسِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ رَطْبَةٍ، فَوَضَعَهَا عَلٰى قَبْرِهٖ، وَقَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُ مَا دَامَتْ هٰذِهٖ رَطِبَةً

(المعجم الأوسط للطبراني ،رقم الحديث ۲۴۱۳، ج۳ص ۱۴۱، باب من اسمه ابراهيم) [1]

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو پایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس آئے، جس میں موجود شخص کو عذاب دیا جا رہا تھا، پھر فرمایا کہ یہ لوگوں کے گوشت کو کھاتا تھا (یعنی غیبت کیا کرتا تھا) پھر آپ نے ایک تر ٹہنی منگوائی، اور اس کو اس کی قبر پر رکھ دیا، اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ تر (اور گیلی) رہے، اس کا عذاب ہلکا کر دیا جائے (طبرانی)

مذکورہ احادیث وروایات میں جن لوگوں کے عذابِ قبر کا ذکر ہے، اُن سے بظاہر مسلمان مراد ہیں۔

---

[1] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الأوسط وأحمد فی حديث طويل يأتی فی علامات النبوة، وفيه عاصم بن بهدلة وهو ثقة وفيه ضعف، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، ج۸ص ۹۳، تحت رقم الحديث ۱۳۱۳۷، باب ما جاء فی الغيبة والنميمة)

وقال ابن حجر:

والطبرانی أيضا من حديث يعلی بن شبابة أن النبی صلی الله عليه وسلم مر علی قبر يعذب صاحبه فقال إن هذا كان يأكل لحوم الناس ثم دعا بجريدة رطبة الحديث ورواته موثقون ولأبی داود الطيالسی عن بن عباس بسند جيد مثله وأخرجه الطبرانی وله شاهد عن أبی أمامة عند أبی جعفر الطبری فی التفسير وأكل لحوم الناس يصدق علی النميمة والغيبة والظاهر اتحاد القصة ويحتمل التعدد وتقدم بيان ذلك واضحا فی كتاب الطهارة(فتح الباری، ج۱۰ ص ۴۷۱،باب قول النبی صلی الله عليه وسلم خير دور الأنصار)

اور مذکورہ روایات میں تصریح ہے کہ ''شاید ان دونوں کے عذاب کو شاخوں کے خشک ہونے تک ہلکا کر دیا جائے''

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو بھی بعض بداعمالیوں پر عذابِ قبر ہوتا ہے، اور وہ بداعمالیوں کے بقدر ہوتا ہے، نہ یہ کہ ہر ایک کو ایک ہی مقدار کا اور ایک ہی مدت تک ہوتا ہے، یا ہر ایک کا عذاب، ماہِ رمضان، یا جمعہ کا دن آنے پر اٹھا لیا جاتا ہے، اور اس کے بعد تا قیامت عذاب نہیں ہوتا۔ [1]

پیشاب کی وجہ سے قبر کا عذاب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ الْبَوْلِ

(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۴۸، ابواب الطهارة وسننها) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذابِ قبر، اکثر پیشاب کی (چھینٹوں سے نہ بچنے کی) وجہ سے ہوتا ہے (سنن ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] ووقع فی حديث أبی بكرة عند الإمام أحمد والطبرانی بإسناد صحيح يعذبان وما يعذبان فی كبير وبلى وما يعذبان إلا فی الغيبة، والبول بأداة الحصر وهی تنفی كونهما كافرين لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام المسلمين فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلا خلاف، وبذلك جزم العلاء بن العطار وقال :لا يجوز أن يقال إنهما كانا كافرين لأنهما لو كانا كافرين لم يدع لهما بتخفيف العذاب عنهما ولا ترجاه لهما، وقد ذكر بعضهم السر فی تخصيص البول والنميمة بعذاب القبر، وهو أن القبر أول منازل الآخرة وفيه نموذج ما يقع فی القيامة من العقاب والثواب والمعاصی التی يعاقب عليها يوم القيامة نوعان :حق لله وحق لعباده، وأول ما يقضى فيه من حقوق الله تعالى عز وجل الصلاة، ومن حقوق العباد الدماء ، وأما البرزخ فيقضى فيه مقدمات هذين الحقين ووسائلهما، فمقدمة الصلاة الطهارة من الحدث والخبث ومقدمة الدماء النميمة فيبدأ فی البرزخ بالعقاب عليهما(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،للقسطلانى،ج ١ ،ص٢٨٧، كتاب الوضوء،باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية سنن ابنِ ماجه)

عَـامَّةُ عَـذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۶۵۴، كتاب الطهارة)

ترجمہ: عام طور پر عذابِ قبر پیشاب کی (چھینٹوں سے نہ بچنے کی) وجہ سے ہوتا ہے (مستدرک حاکم)

حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَـرَجَ عَـلَيْـنَـا رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهٖ كَهَيْئَةِ الـدَّرَقَةِ، قَـالَ:فَـوَضَـعَهَـا، ثُمَّ جَلَسَ، فَبَالَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ:انْظُرُوْا إِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْأَةُ، قَالَ: فَسَـمِـعَـهُ الـنَّبِـيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:وَيْحَكَ أَمَا عَلِمْتَ مَا أَصَـابَ صَـاحِـبَ بَـنِي إِسْرَائِيْلَ؟ كَانُوْا إِذَا أَصَابَهُمْ شَيْءٌ مِنَ الْبَوْلِ، قَـرَضُـوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ، فَنَهَاهُمْ، فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۷۷۵۸) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے ہاتھ میں چمڑے کی ڈھال جیسی کوئی چیز تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آڑ کے طور پر اپنے سامنے رکھ کر پیشاب کیا، لوگوں میں سے کسی نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی طرح بیٹھ کر پیشاب کر رہے ہیں، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی، اور فرمایا کہ ہائے افسوس! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ بنی اسرائیل کے جسم پر اگر پیشاب وغیرہ لگ جاتا، تو وہ اس حصے کو قینچی سے کاٹ دیتے تھے (ان کے یہاں پیشاب سے پاک ہونے کا یہ طریقہ تھا) ایک شخص نے انہیں ایسا

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح(حاشية مسند احمد)

کرنے سے روکا (گویا کہ پیشاب کی نجاست سے بچنے سے روکا) تو اس شخص کو عذابِ قبر میں مبتلا کر دیا گیا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ پیشاب سے حفاظت نہ کرنا، یعنی پیشاب کی نجاست سے اپنے جسم اور لباس کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرنا، عذابِ قبر میں مبتلا کرنے کا سبب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں چند لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلَاةَ الْغَدَاةِ ، أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ : هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ فَإِنْ كَانَ أَحَدٌ رَأٰى تِلْكَ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَيْهِ، فَيَقُوْلُ فِيْهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ: فَسَأَلَنَا يَوْمًا، فَقَالَ " :هَلْ رَأٰى أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ قَالَ: فَقُلْنَا : لَا، قَالَ: لٰكِنْ أَنَا رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ، فَأَخَذَا بِيَدَيَّ، فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى أَرْضٍ فَضَاءٍ، أَوْ أَرْضٍ مُسْتَوِيَةٍ، فَمَرَّا بِيْ عَلٰى رَجُلٍ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهٖ بِيَدِهٖ كَلُّوْبٌ مِّنْ حَدِيْدٍ، فَيُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهٖ، فَيَشُقُّهٗ، حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يُخْرِجُهٗ فَيُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهِ الْآخَرِ، وَيَلْتَئِمُ هٰذَا الشِّدْقُ، فَهُوَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ بِهٖ، قُلْتُ: مَا هٰذَا ؟ قَالَا : انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، فَإِذَا رَجُلٌ مُسْتَلْقٍ عَلٰى قَفَاهُ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ بِيَدِهٖ فِهْرٌ، أَوْ صَخْرَةٌ، فَيَشْدَخُ بِهَا رَأْسَهٗ، فَيَتَدَهْدَى الْحَجَرُ، فَإِذَا ذَهَبَ لِيَأْخُذَهٗ عَادَ رَأْسُهٗ كَمَا كَانَ، فَيَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا ؟ قَالَا: اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، فَإِذَا بَيْتٌ مَبْنِيٌّ عَلٰى بِنَاءِ التَّنُّوْرِ، أَعْلَاهُ ضَيِّقٌ، وَأَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ، يُوْقَدُ تَحْتَهٗ نَارٌ، فَإِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ،

فَإِذَا أُوقِدَتْ اِرْتَفَعُوا حَتّٰى يَكَادُوا أَنْ يَّخْرُجُوا، فَإِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوا فِيهَا، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا ؟ قَالَا لِیْ: اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ، فَإِذَا نَهَرٌ مِّنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ، وَعَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ، فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ الَّذِیْ فِی النَّهَرِ، فَإِذَا دَنَا لِيَخْرُجَ، رَمٰى فِیْ فِيهِ حَجَرًا، فَرَجَعَ إِلٰى مَكَانِهٖ، فَهُوَ يَفْعَلُ بِهٖ ذٰلِکَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَا: اِنْطَلِقْ فَإِذَا رَوْضَةٌ خَضْرَاءُ، فَإِذَا فِيهَا شَجَرَةٌ عَظِيمَةٌ، وَإِذَا شَيْخٌ فِیْ أَصْلِهَا حَوْلَهٗ صِبْيَانٌ، وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيبٌ مِّنْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ، فَهُوَ يَحْشُشُهَا وَيُوْقِدُهَا، فَصَعِدَا بِیْ فِی الشَّجَرَةِ، فَأَدْخَلَانِیْ دَارًا لَمْ أَرَ دَارًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا، فَإِذَا فِيهَا رِجَالٌ شُيُوخٌ وَشَبَابٌ، وَفِيهَا نِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ، فَأَخْرَجَانِیْ مِنْهَا، فَصَعِدَا بِیْ فِی الشَّجَرَةِ، فَأَدْخَلَانِیْ دَارًا هِیَ أَحْسَنُ، وَأَفْضَلُ فِيهَا شُيُوخٌ وَشَبَابٌ، فَقُلْتُ لَهُمَا: إِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَانِیْ مُنْذُ اللَّيْلَةِ، فَأَخْبِرَانِیْ عَمَّا رَأَيْتُ، فَقَالَا: نَعَمْ، أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِیْ رَأَيْتَ فَإِنَّهٗ رَجُلٌ كَذَّابٌ، يَكْذِبُ الْكَذِبَةَ فَتُحْمَلُ عَنْهُ فِی الْآفَاقِ، فَهُوَ يُصْنَعُ بِهٖ مَا رَأَيْتَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَصْنَعُ اللّٰهُ بِهٖ مَا شَاءَ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ رَأَيْتَ مُسْتَلْقِيًا، فَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ، وَلَمْ يَعْمَلْ بِمَا فِيهِ بِالنَّهَارِ، فَهُوَ يُفْعَلُ بِهٖ مَا رَأَيْتَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَمَّا الَّذِیْ رَأَيْتَ فِی التَّنُّوْرِ فَهُمُ الزُّنَاةُ، وَأَمَّا الَّذِیْ رَأَيْتَ فِی النَّهَرِ، فَذَاکَ آكِلُ الرِّبَا، وَأَمَّا الشَّيْخُ الَّذِیْ رَأَيْتَ فِیْ أَصْلِ الشَّجَرَةِ، فَذَاکَ إِبْرَاهِيمُ، وَأَمَّا الصِّبْيَانُ الَّذِیْ رَأَيْتَ، فَأَوْلَادُ النَّاسِ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ رَأَيْتَ يُوْقِدُ النَّارَ وَيَحْشُشُهَا فَذَاکَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ، وَتِلْكَ النَّارُ، وَأَمَّا الدَّارُ الَّتِیْ دَخَلْتَ أَوَّلًا فَدَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ،

وَأَمَّا الدَّارُ الْأُخْرىٰ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ، وَأَنَا جِبْرِيْلُ، وَهٰذَا مِيْكَائِيْلُ، ثُمَّ قَالَا لِيْ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ، فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ، فَإِذَا كَهَيْئَةِ السَّحَابِ، فَقَالَا لِيْ: وَتِلْكَ دَارُكَ، فَقُلْتُ لَهُمَا: دَعَانِيْ أَدْخُلُ دَارِيْ، فَقَالَا: إِنَّهُ قَدْ بَقِيَ لَكَ عَمَلٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ، فَلَوْ اسْتَكْمَلْتَهُ دَخَلْتَ دَارَكَ

(مسنداحمد، رقم الحدیث ۲۰۱۶۵) [1]

ترجمہ: رسول اللہ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے اُس رات کوئی خواب دیکھا ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کر دیتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی مشیت (وچاہت) کے مطابق اس کی تعبیر دے دیتے، چنانچہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے معلوم کیا کہ آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ نہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک صاف زمین یا برابر زمین کی طرف لے گئے، پھر وہ مجھے ایک آدمی کے قریب سے لے کر گزرے، جس کے سَر کے قریب ایک آدمی کھڑا ہوا تھا، جس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور تھا، کھڑا ہوا آدمی بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ میں وہ زنبور ڈال کر ایک طرف سے اس کا جبڑا (اور کلّا) چیر کر گُدّی تک پہنچ جاتا تھا اور پھر اس زنبور کو نکال لیتا تھا، اور پھر دوسرے جبڑے کو بھی اسی طرح چیر کر گدی تک پہنچ جاتا تھا، اتنے میں پہلا جبڑا صحیح ہو جاتا تھا اور وہ پھر اُس کے ساتھ اسی طرح کرتا تھا (یہ تعذیب وتکلیف کا عمل مسلسل جاری تھا) میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ہے؟ ان دونوں شخصوں نے کہا کہ آگے چلو، تو میں اُن کے ساتھ آگے چل دیا، ایک جگہ پہنچ کر دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا ہوا ہے اور ایک آدمی اس کے قریب بڑا پتھر لیے کھڑا ہے، پھر وہ کھڑا ہوا شخص اس پتھر کو اُس لیٹے ہوئے شخص کے سر پر دے مارتا ہے، پھر وہ پتھر لڑھک کر دُور چلا جاتا ہے، پھر وہ آدمی پتھر لینے چلا جاتا ہے، اتنے میں اس (زخمی) آدمی کا سر درست ہوجاتا ہے اور مارنے والا آدمی پھر اسی طرح واپس آکر اس کو مارتا ہے (اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے) میں نے معلوم کیا کہ یہ کون ہے؟ ان دونوں شخصوں نے کہا کہ آگے چلو، میں اُن کے ساتھ آگے چل دیا، ایک جگہ دیکھا کہ تندور کی طرح ایک گڑھا ہے، جس کا منہ (یعنی اوپر والا حصہ) تنگ ہے اور اندر سے کشادہ (اور وسیع) ہے، اس میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس میں برہنہ (یعنی ننگے) مرد وعورتیں موجود ہیں، جب آگ بھڑکتی ہے، تو وہ لوگ (اُس آگ کے ساتھ) اوپر اُٹھ آتے ہیں، اور باہر نکلنے کے قریب ہوجاتے ہیں اور جب آگ نیچے ہوجاتی ہے، تو وہ لوگ بھی اُس میں واپس لوٹ جاتے ہیں، میں نے معلوم کیا کہ یہ کون ہیں؟ ان دونوں نے مجھے کہا کہ آگے چلو، میں آگے چل دیا؛ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خون کی نہر ہے، جس میں ایک آدمی ہے، اور نہر کے کنارے پر بھی ایک آدمی موجود ہے، جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے ہیں، پھر نہر کا آدمی جب نہر سے باہر نکلنے کے قریب ہوتا ہے، تو باہر والا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے، جس کی وجہ سے وہ (نہر سے نکلنے کا ارادہ کرنے والا آدمی پتھر کے زور سے) اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے، اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح (مسلسل) کر رہا ہے، میں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اُن دونوں نے کہا کہ آپ آگے چلیے، تو آگے چل کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سبز حجرہ ہے، اور اس میں ایک اونچا درخت ہے، اور وہاں درخت کے نیچے ایک بزرگ

(و معمَّر) آدمی ہے، جس کے اردگرد کچھ لڑکے ہیں، اور اُس کے قریب میں ایک اور آدمی ہے، جس کے سامنے آگ ہے، اور وہ اُس آگ کو جلا اور بھڑکا رہا ہے، وہ دونوں مجھے اس درخت کے اوپر لے کر چڑھ گئے، اور اُن دونوں نے مجھے ایک مکان میں داخل کیا، اُس مکان سے اچھا مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا، اُس (مکان) میں کیا دیکھتا ہوں کہ اندر بہت سے بوڑھے اور جوان لوگ جمع ہیں، اور اس میں عورتیں اور بچے بھی ہیں، پھر اُن دونوں نے مجھے اس (مکان) سے نکال لیا، پھر وہ دونوں مجھے لے کر درخت کے اور اوپر چڑھے اور مجھے (اس پہلے مکان سے) زیادہ حسین اور افضل مکان میں لے گئے، اُس مکان میں بوڑھے اور جوان بہت سے جمع ہیں، پھر میں نے اُن دونوں سے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا پھرایا؛ اب جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی تفصیل بتاؤ، تو ان دونوں نے کہا کہ جی ہاں! جس شخص کو آپ نے سب سے پہلے دیکھا تھا، تو وہ جھوٹا آدمی تھا جو جھوٹی باتیں کہتا تھا، اور لوگ اس کے جھوٹ کو دنیا جہان میں پھیلاتے تھے، تو اُس آدمی کے ساتھ (عالَمِ برزخ میں) قیامت تک یہی کچھ ہوتا رہے گا، جو آپ نے دیکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا، اور جس شخص کو آپ نے لیٹے ہوئے (اور سر کچلتے ہوئے) دیکھا، تو وہ ایسا شخص ہے، جس کو اللہ نے قرآن عطا فرمایا تھا، لیکن وہ قرآن سے غافل ہو کر رات کو سو جاتا تھا اور دن میں اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا تھا؛ تو اس آدمی کے ساتھ (برزخ میں) قیامت تک وہی کچھ ہوتا رہے گا، جو آپ نے دیکھا ہے، اور جن لوگوں کو آپ نے تندور میں دیکھا ، تو وہ لوگ زنا کار تھے، اور جس شخص کو آپ نے خون کی نہر میں دیکھا تھا، تو وہ شخص سود خور تھا (اور اس کے ساتھ بھی یہ تعذیب و تکلیف کا سلسلہ جاری رہے گا، جب تک اللہ تعالیٰ چاہے) اور درخت کی جڑ کے پاس، جس بزرگ (اور معمَّر) شخص کو

آپ نے دیکھا تو وہ حضرت ابراہیم تھے اور وہ بچے لوگوں کی اولادیں تھیں (جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگئیں) اور جو شخص بیٹھا ہوا آگ جلا اور بھڑکا رہا تھا، تو وہ آگ (یعنی جہنم کا) کا داروغہ (مالک) تھا، اور وہ سامنے آگ (یعنی جہنّم) تھی، اور جس گھر میں آپ پہلے داخل ہوئے تو وہ عام مؤمنوں کا گھر تھا، اور دوسرا گھر شہیدوں کا تھا، اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں، اب آپ اپنا سر اٹھائیں، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میرے اوپر بادل سایہ کیے ہوئے تھا، انہوں نے کہا کہ یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا کہ مجھے اب اپنے مکان میں جانے دو، انہوں نے کہا کہ ابھی آپ کی زندگی کا عمل (یعنی عمر) باقی ہے، جس کو آپ نے پورا نہیں کیا، جب آپ اُس کو پورا کر چکیں گے، تو آپ اپنے مکان میں داخل ہوجائیں گے (مسند احمد)

اور صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قُلْتُ: طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ، فَأَخْبِرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ، قَالَا :نَعَمْ، أَمَّا الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ، فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالكَذْبَةِ، فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الآفَاقَ، فَيُصْنَعُ بِهِ إِلٰى يَوْمِ القِيَامَةِ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ، فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ القُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهِ إِلٰى يَوْمِ القِيَامَةِ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ آكِلُوا الرِّبَا (صحیح البخاری، رقم الحدیث، ۱۳۸۶، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین)

ترجمہ: میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا پھرایا؛ اب جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اس کی تفصیل بتاؤ؛ تو ان دونوں نے کہا کہ جی ہاں! جس شخص کے آپ نے کلّے چیرتے دیکھے، تو وہ جھوٹا آدمی تھا، جو جھوٹی باتیں کہتا تھا، اور لوگ اس کے جھوٹ کو دنیا جہان میں پھیلاتے تھے، تو اُس آدمی کے ساتھ (عالَمِ برزخ میں)

قیامت تک یہی کچھ ہوتا رہے گا، اور جس شخص کے آپ نے سر کچلتے دیکھا، تو وہ ایسا شخص تھا، جس کو اللہ نے قرآن عطا فرمایا تھا، لیکن وہ قرآن سے غافل ہو کر رات کو سوجاتا تھا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا، تو اس آدمی کے ساتھ (برزخ میں) قیامت تک اسی طرح ہوتا رہے گا، اور جن لوگوں کو آپ نے تندور میں دیکھا تھا، تو وہ لوگ زنا کار تھے، اور جس شخص کو آپ نے خون کی نہر میں دیکھا تھا، تو وہ شخص سود خور تھا (اور اس کے ساتھ بھی یہ تعذیب وتکلیف کا سلسلہ جاری رہے گا، جب تک اللہ تعالیٰ چاہے) (بخاری)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہی ہے کہ:

أَمَّـا الَّذِیُ یُثْلَغُ رَأْسُهٗ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهٗ یَأْخُذُ الْقُرْآنَ، فَیَرْفِضُهٗ، وَیَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَکْتُوبَةِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۱۴۳، کتاب التهجد، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس إذا لم یصل باللیل)

ترجمہ: جس کا سَر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، وہ ایسا شخص تھا، جو قرآن کو حاصل کر کے پھر اُس کو چھوڑ دیتا تھا، اور فرض نماز چھوڑ کر سوتا رہتا تھا (بخاری)

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب وحی ہوتا ہے، یہ خواب بھی وحی تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض گناہوں پر قبر و برزخ کا عذاب ہوتا ہے، اور بعض گناہوں پر قیامت تک قبر و برزخ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، لہٰذا یہ کہنا کہ جمعہ کے دن، یا رمضان میں ہر مسلمان سے قبر کا عذاب اٹھا لیا جاتا ہے، جو کہ قیامت تک لوٹ کر نہیں آتا، یہ بات درست نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں چند لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ عَلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِىْ، فَرَأَيْتُ فِيْهَا رِجَالًا تُقْطَعُ أَلْسِنَتُهُمْ وِشِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ، فَقُلْتُ :يَا جِبْرِيْلُ، مَا هٰؤُلَاءِ؟قَالَ :هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ (مسند أبی یعلی،رقم الحدیث ۴۱۶۰، مسند انس بن مالک، دار المأمون للتراث - دمشق) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات میں آسمانِ دنیا پر آیا، تو میں نے اس میں ایسے لوگوں کو دیکھا، جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کے خطیب (جو ''یقولون مالا یفعلون'' کے مصداق ہیں، یعنی دوسروں کو ایسی باتوں کی نصیحت کرتے ہیں، جن پر عمل نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے) (مسند ابی یعلیٰ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِىْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ .قَالَ :قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ ؟ قَالُوْا :خُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا مِمَّنْ كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ ، وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ، وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ، أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (مسند أحمد ، رقم الحدیث ۱۲۲۱۱، مؤسسة الرسالة، بیروت) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا کہ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ دنیادار خطیب ہیں، جو لوگوں کو نیکی

---

[1] قال حسین سلیم أسد الدارانی: حدیث صحیح (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

[2] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیہ مسند احمد)

کا حکم کرتے ہیں، اوراپنے آپ کو بُھلا دیتے ہیں، اوروہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، کیا یہ سمجھتے نہیں (مسنداحمد)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ رَجُلًا يَسْبَحُ فِيْ نَهَرٍ وَيُلْقِمُ الْحِجَارَةَ، فَسَأَلْتُ مَا هٰذَا، فَقِيْلَ لِي: آكِلُ الرِّبَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۱۰۱، مؤسسة الرسالة، بيروت) [1]

ترجمہ: اللہ کے نبی نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں ایک آدمی کو دیکھا کہ جو نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب میں مجھے بتایا گیا کہ یہ سود خور ہے (مسنداحمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَرَجَ بِيْ رَبِّيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ، يَخْمُشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۳۳۴۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے میرے رب نے معراج کرائی، تو میرا گزر ایسی قوم پر ہوا، جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں (مسنداحمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوی (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم من جهة عبد الرحمن بن جبير، وأما متابعه راشد بن سعد، فمن رجال أصحاب السنن، وهو ثقة. (حاشيه مسنداحمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں کئی قسم کی بداعمالیوں کے مرتکبین کو بار بار عذابِ قبر وبرزخ میں مبتلا پایا، جن میں جمعہ، یا رمضان کے مہینہ میں عذابِ قبر کا استثناء مذکور نہیں۔

جانور کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار دینے پر عذاب میں مبتلا ہونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ اَلنَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۳۰۷۱، كتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق يقتلن فی الحرم)

ترجمہ: ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگئی، جس کو اس عورت نے باندھ کر رکھا ہوا تھا، اسے کھانے کو نہیں دیتی تھی، اور نہ اسے چھوڑتی تھی، تاکہ وہ زمین سے حشرات الارض (چوہے اور دوسرے جانور) کھالیتی (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُذِّبَتْ اِمْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۳۲۲۳، كتاب احاديث الانبياء، باب حديث الغار)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، جس کو اس عورت نے قید کر کے رکھ لیا تھا، یہاں تک کہ وہ بلی مر گئی، تو وہ عورت اس بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگئی، اس عورت نے اس بلی کو قید کرنے کے بعد نہ تو کھلایا، اور نہ پلایا، اور نہ اسے چھوڑا، تاکہ وہ زمین سے حشرات الارض

(چوہے اور دوسرے جانور) کھالیتی (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے اس عورت کو عذاب میں مبتلا دیکھا، جس سے بظاہر برزخ کا عذاب مراد ہے، اور اس عورت کو عذاب جانور کو بے جا تکلیف پہنچا کر قتل کر دینے کی وجہ سے ہوا۔

پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ عورت مسلمان تھی، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو بداعمالیوں کے سبب قبر و برزخ کا عذاب ہوتا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ وہ عورت کافرہ تھی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں اس کا ذکر ہے، لیکن اس جانور کو بے جا تکلیف پہنچا کر قتل کر دینے کے گناہ کی وجہ سے اضافی عذاب ہوا، جو کہ کفر کے عذاب سے علاوہ تھا، کیونکہ کفار کا مخاطب بالفروع ہونا راجح ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالے میں بیان کردی ہے۔ [1]

---

[1] عن علقمة، قال: كنا عند عائشة فدخل أبو هريرة فقالت: أنت الذى تحدث أن امرأة عذبت فى هرة لها ربطتها، فلم تطعمها ولم تسقها؟ فقال: سمعته منه – يعنى النبى صلى الله عليه وسلم قال عبد الله كذا قال أبى – فقالت: هل تدرى ما كانت المرأة؟ إن المرأة مع ما فعلت، كانت كافرة، وإن المؤمن أكرم على الله عز وجل من أن يعذبه فى هرة، فإذا حدثت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فانظر كيف تحدث (مسند احمد، رقم الحديث ١٠٧٢٧)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

وظاهر هذا الحديث أن المرأة عذبت بسبب قتل هذه الهرة بالحبس قال عياض يحتمل أن تكون المرأة كافرة فعذبت بالنار حقيقة أو بالحساب لأن من نوقش الحساب عذب ثم يحتمل أن تكون المرأة كافرة فعذبت بكفرها وزيدت عذابا بسبب ذلك أو مسلمة وعذبت بسبب ذلك قال النووى الذى يظهر أنها كانت مسلمة وإنما دخلت النار بهذه المعصية كذا قال ويؤيد كونها كافرة ما أخرجه البيهقى فى البعث والنشور وأبو نعيم فى تاريخ أصبهان من حديث عائشة وفيه قصة لها مع أبى هريرة وهو بتمامه عند أحمد(فتح البارى لابنِ حجر، ج٦ص٣٥٧،٣٥٨، قوله باب قول الله تعالى وبث فيها من كل دابة)

الصواب المصرح به فى الحديث أنها عذبت بسبب الهرة وهو كبيرة لأنها ربطتها وأصرت على ذلك حتى ماتت والإصرار على الصغيرة يجعلها كبيرة كما هو مقرر فى كتب الفقه وغيرها وليس فى الحديث ما يقتضى كفر هذه المرأة (شرح النووى علىٰ مسلم، ج٦ص٢٠٧، ٢٠٨، كتاب الكسوف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مالِ غنیمت میں خیانت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ، فُلَانٌ شَهِيْدٌ، حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ، فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، إِنِّيْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا، أَوْ عَبَاءَةٍ (صحيح مسلم، رقم الحديث ١١٤ "١٨٢"كتاب الايمان، باب غلظ تحريم الغلول، وأنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون)

ترجمہ: غزوۂ خیبر میں چند صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والصواب ماقدمناه أنها كانت مسلمة وأنها دخلت النار بسببها كما هو ظاهر الحديث (شرح النووى علىٰ مسلم، ج١٤ ص ٢٤٠، ٢٤١، كتاب قتل الحيات وغيره، باب تحريم قتل الهرة)

ثم ظاهر هذا الحديث إن المرأة عذبت بسبب قتل هذه الهرة بالحبس وأختلف فى أنها مؤمنة كانت أو كافرة .قال القرطبى وعياض: يحتمل أن تكون المرأة كافرة فعذبت بكفرها وزيدت عذابا بسبب ظلمها على الهرة، واستحقت ذلک لكونها ليست مؤمنة تغفر صغائرها باجتناب الكبائر، ويحتمل أن تكون مسلمة وعذبت بسبب الهرة .وقال النووى: الصواب إنها كانت مسلمة وإنها دخلت النار بسببها كما هو ظاهر الحديث، وهذه المعصية ليست صغيرة، بل صارت بإصرارها كبيرة .وليس فى الحديث أن تخلد فى النار– انتهى .وهذا يدل على أنهم لم يطلعوا على نقل فى ذلک .قال الحافظ: ويؤيد كونها كافرة ما أخرجه البيهقى فى البعث والنشور وأبونعيم فى تاريخ أصبهان من حديث عائشة .وفيه قصة لها مع أبى هريرة وهو بتمامة عند أحمد– انتهى .وقال الديرمى: كانت هذه المرأة كافرة كما رواه البزار فى مسنده، وأبونعيم فى تاريخ أصبهان، والبيهقى فى البعث والنشور عن عائشة، فاستحقت التعذيب بكفرها وظلمها(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٦ ص ٣٣٩، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

قال أبو العباس القرطبى فإن كانت كافرة فيه دليل على أن الكفار مخاطبون بالفروع ومعاقبون على تركها، وإن لم تكن كافرة فقد تمحض أن سبب تعذيبها فى النار حبس الهرة إلى أن ماتت جوعا (طرح التثريب فى شرح التقريب ، لزين الدين العراقى، ج٨ص ٢٤٣، ابواب الادب، باب الرجاء والخوف)

کرنے لگے کہ فلاں آدمی شہید ہے، فلاں آدمی شہید ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر ہوا تو اس کے متعلق بھی کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے (سرکاری واجتماعی مال میں سے) چادر، یا عباء کی چوری کرنے کی وجہ سے اس کو جہنم (کے عذاب) میں دیکھا ہے (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کو آگ میں جو دیکھا، اس سے بظاہر برزخ کا عذاب مراد ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ بعض بداعمالیوں کی وجہ سے قبر و برزخ کا عذاب ہوتا ہے۔

بعض اعمال کی بنا پر قبر کے عذاب سے حفاظت

جس طرح بعض بُرے اعمال عذابِ قبر و برزخ میں مبتلا کرنے کا سبب ہیں، اسی طرح بعض اعمال قبر و برزخ کے عذاب سے حفاظت کا بھی سبب ہیں۔

چنانچہ پہلے کئی احادیث کے ضمن میں ایمان کے ساتھ ساتھ، نماز، روزہ، زکاۃ، صدقہ و خیرات، صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ جیسے اعمال کا عذابِ قبر سے حفاظت کا سبب ہونا، گزر چکا ہے۔

بعض روایات میں تلاوتِ قرآن اور صدقہ اور مساجد کی طرف چلنے وغیرہ کے اعمال کو بھی عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی هریرة، -رفعه -قال :یؤتی الرجل فی قبره، فإذا أتی من قبل رأسه دفعته تلاوة القرآن، وإذا أتی من قبل یدیه دفعته الصدقة، وإذا أتی من قبل رجلیه دفعه مشیه إلی المساجد، والصبر حجزه ، فقال :أما إنی لو رأیت خلیلا کنت صاحبه لم یرو هذا الحدیث عن طلحة بن مصرف إلا مالک بن مغول، ولا عن مالک إلا سفیان، ولا عن سفیان إلا محمد بن الصلت، تفرد به أبو حفص(المعجم الأوسط،للطبرانی ، رقم الحدیث ۹۴۳۸)

قال الالبانی:(حسن) (صحیح الترغیب والترهیب .للألبانی،ج۳،ص۴۰۵ ،کتاب الجنائز وما یتقدمها ، الترهیب من المرور بقبور الظالمین ودیارهم ومصارعهم مع الغفلة عما أصابهم، وبعض ما جاء فی عذاب القبر ونعیمه وسؤال منکرٍ ونکیرٍ علیهما السلام)

اور بعض روایات میں سورہ ملک کو عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ ؎1

جبکہ بعض احادیث میں شہید کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا ذکر آیا ہے۔

؎1 عن ابن مسعود رضی الله عنه، قال: " يؤتى الرجل فى قبره فتؤتى رجلاه فتقول رجلاه: ليس لكم على ما قبلى سبيل كان يقوم يقرأ بى سورة الملك، ثم يؤتى من قبل صدره أو قال بطنه، فيقول: ليس لكم على ما قبلى سبيل كان يقرأ بى سورة الملك، ثم يؤتى رأسه فيقول: ليس لكم على ما قبلى سبيل كان يقرأ بى سورة الملك، قال: فهى المانعة تمنع من عذاب القبر وهى فى التوراة سورة الملك، ومن قرأها فى ليلة فقد أكثر وأطنب (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۸۳۹)

قال الحاكم:هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

وقال الالبانی:

"سورة تبارک هى المانعة من عذاب القبر ."

أبو الشيخ فى "طبقات الأصبهانيين (264) "حدثنا إسحاق قال: حدثنا أحمد بن منيع فى "كتاب فضائل القرآن "قال: حدثنا أبو أحمد الزبيرى قال: حدثنا سفيان عن عاصم عن زر عن عبد الله مرفوعا .أورده فى ترجمة إسحاق هذا، وهو إسحاق ابن إبراهيم بن جميل يلقب "بشحه "وقال: " شيخ صدوق صاحب أصول من المعمرين كان قد قارب المائة، عنده "المسند "عن أحمد بن منيع وكتب هشيم ."

قلت:وسائر الرجال موثوقون معروفون فالسند حسن وقد أخرجه الحاكم (2/498) من طريق عبد الله أنبأنا سفيان به موقوفا أتم منه، وهو فى حكم المرفوع وقال: " صحيح الإسناد "ووافقه الذهبى .ويشهد له حديث ابن عباس قال: " ضرب بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم خبائه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر، فإذا فيه إنسان يقرأ سورة *(تبارک الذى بيده الملک) *حتى ختمها، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله إنى ضربت خبائى على قبر، وأنا لا أحسب أنه قبر، فإذا فيه إنسان يقرأ سورة (تبارک الملک) حتى ختمها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " هى المانعة، هى المنجية تنجيه من عذاب القبر ."

أخرجه الترمذى (146 / 2)وابن نصر (66)وأبو نعيم فى "الحلية (81 / 3) "من طريق يحيى بن عمرو بن مالك النكرى عن أبيه عن أبى الجوزاء عنه .وقال الترمذى: "حديث حسن غريب ."وقال أبو نعيم: " لم نكتبه مرفوعا مجودا إلا من حديث يحيى بن عمرو عن أبيه ."

قلت: أبوه عمرو بن مالك صدوق له أوهام .وابنه يحيى ضعيف ويقال: إن حماد بن زيد كذبه كما فى "التقريب "، وساق له فى "الميزان "من مناكيره أحاديث هذا أحدها(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۱۴۰)

چنانچہ ایک حدیث میں شہید کے لیے جن خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں ایک خصلت اس کے عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا بَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ يُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ إِلَّا الشَّهِيْدَ؟ قَالَ: كَفٰى بِبَارِقَةِ السُّيُوْفِ عَلٰى رَأْسِهٖ فِتْنَةً (سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۰۵۳، کتاب الجنائز، باب الشهيد)

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے (یعنی ان کو قبر میں عذاب ہوتا ہے) سوائے شہید کے (اس کی کیا وجہ ہے؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ شہید کے سر پر تلوار کی چمک کی آزمائش کافی ہے (نسائی)

یعنی شہید کو دنیا میں دشمنوں کی طرف سے تلوار اور اسلحے کے خوف کی آزمائش پیش آتی ہے، جس پر وہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کی برکت سے اس سے قبر کا عذاب ہٹالیا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن المقدام بن معدی کرب، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: "للشهيد عند الله ست خصال: يغفر له في أول دفعة من دمه، ويرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر، ويأمن من الفزع الأكبر، ويحلى حلة الإيمان، ويزوج من الحور العين، ويشفع في سبعين إنسانا من أقاربه(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۲۷۹۹)

قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن(حاشية ابنِ ماجه)

[2] (كفى ببارقة السيوف) أى بلمعانها قال الراغب: البارقة لمعان السيف (على رأسه) يعنى الشهيد (فتنة) فلا يفتن فى قبره ولا يسأل إذ لو كان فيه نفاق لفر عند التقاء الجمعين فلما ربط نفسه لله فى سبيله ظهر صدق ما فى ضميره وظاهره اختصاص ذلك بشهيد المعركة لكن أخبار الرباط تؤذن بالتعميم >تنبيه <قال القرطبى: إذا كان الشهيد لا يفتن فالصديق أجل قدرا وأعظم أجرا فهو أحرى أن لا يفتن لأنه المقدم فى التنزيل على الشهداء (أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ ابی زکریا خزاعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ سَلْمَانَ الْخَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ وَهُوَ يُحَدِّثُ شُرَحْبِيلَ بْنَ السِّمْطِ وَهُوَ مُرَابِطٌ عَلَى السَّاحِلِ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ رَابَطَ يَوْمًا أَوْ لَيْلَةً كَانَ لَهُ كَصِيَامِ شَهْرٍ لِلْقَاعِدِ، وَمَنْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَجْرَى اللّٰهُ لَهُ أَجْرَهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ : أَجْرَ صَلَاتِهٖ وَصِيَامِهٖ وَنَفَقَتِهٖ، وَوُقِيَ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ، وَأَمِنَ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۷۲۷)[1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت سلمان خیر رضی اللہ عنہ سے شرحبیل بن سبط کے ساحل پر پاسبانی کرتے ہوئے ہونے کی حالت میں سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک دن، یا ایک رات کے لئے اسلامی ملک کی پاسبانی کرتا ہے، تو یہ ایسا ہے، جیسا کہ کوئی بیٹھ کر ایک مہینہ کے روزے رکھے، اور جو شخص اللہ کے راستہ میں پاسبانی کرتے ہوئے فوت ہو جائے، تو اللہ اس کا اجر وثواب جاری رکھتا ہے اور اس کے نیک اعمال مثلاً نماز، روزہ اور (نیک جگہ) خرچ کرنے کا اجر وثواب بھی جاری رکھتا ہے، اور اسے قبر کی آزمائش (وفتنہ) سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور وہ (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ سے بھی محفوظ رہے گا (مسند احمد)

سرحد پر پہرہ دینے والے کو بھی دنیا میں دشمنوں کی طرف سے تلوار اور اسلحے کے خوف کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد جاء فی المرابط الذی هو أقل رتبة من الشهيد أنه لا يفتن فكيف بمن هو أعلى منه وهو الشهيد(ن عن رجل) له صحبة قال :يا رسول الله ما بال المؤمنين يفتنون فی قبورهم إلا الشهيد فذكره(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوی، ج۵ ص۴، تحت رقم الحديث ۶۲۴۸، حرف الكاف)

[1] قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

آزمائش پیش آتی ہے، جس پر وہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کی برکت سے اس سے قبر و برزخ کا عذاب ہٹالیا جاتا ہے۔

بعض روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس نے دشمن سے مقابلہ کیا، اور ثابت قدم رہا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا، تو وہ قبر کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوگا۔ [1]

بعض روایات میں پیٹ کی بیماری سے فوت ہونے والے کے بارے میں بھی عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر آیا ہے۔ [2]

پیٹ کی بیماری میں مبتلا شخص بڑی تکالیف اٹھاتا ہے، جس پر صبر کرے، تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور وہ شہید شمار ہوتا ہے، اس طرح اس کو قبر و برزخ کے عذاب سے

---

[1] أخبرني أحمد بن محمد العنزي، ثنا عثمان بن سعيد الدارمي، ثنا إسحاق بن إبراهيم الزبيدي، أن عثمان بن سعيد بن كثير بن دينار، حدثهم قال :ثنا أبو مطيع معاوية بن يحيى، عن نصر بن علقمة، عن أخيه محفوظ بن علقمة عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من لقي فصبر حتى يقتل، أو يغلب لم يفتن في قبره(مستدرک حاکم، رقم الحديث ٢٥٥٦)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه "

وقال الذهبي في التلخيص:معاوية ضعيف.

حدثنا علي قال: نا الهيثم بن مروان الدمشقي قال: نا منبه بن عثمان قال: نا صدقة بن عبد الله، عن نصر بن علقمة، عن أخيه محفوظ بن علقمة، عن ابن عائذ، عن أبي هريرة، عن أبي أيوب خالد بن زيد، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لقي العدو فصبر حتى يقتل أو يغلب لم يفتن في قبره

لا يروى هذا الحديث عن أبي هريرة، عن أبي أيوب إلا بهذا الإسناد، تفرد به: منبه بن عثمان "(المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ٤١١٨)

صدقة ابن عبد الله السمين أبو معاوية أو أبو محمد الدمشقي ضعيف من السابعة مات سنة ست وستين ت س ق(تقريب التهذيب لابنِ حجر،ص٢٧٥، رقم الترجمة ٢٩١٣)

[2] عن عبد الله بن يسار قال: كنت جالسا مع سليمان بن صرد، وخالد بن عرفطة وهما يريدان أن يتبعا جنازة مبطون، فقال: أحدهما لصاحبه، ألم يقل رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من يقتله بطنه، فلن يعذب في قبره "؟ فقال: بلى(مسند احمد، رقم الحديث ١٨٣١٠)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير عبد الله بن يسار – وهو الجهني– فقد روى له أبو داود والنسائي، وهو ثقة .وخالدُ بن عُرُفطة روى له أبو داود والنسائي هذا الحديث فقط(حاشية مسند احمد)

حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

اسی لیے جن احادیث میں شہیدوں کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں پیٹ کی بیماری میں فوت ہونے والا بھی داخل ہے۔ [1]

اس کے علاوہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل کے ساتھ شہادت کی دعاء کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے درجہ تک پہنچا دے گا، اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ فوت ہو۔ [2]

اوراس کی برکت سے وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ ہو جائے گا۔

پھر جس کے جیسے نیک اعمال ہوتے ہیں، اس نسبت سے عذابِ قبر و برزخ سے حفاظت ہوتی

---

[1] عن أبی هريرة رضی الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون، والغرق، وصاحب الهدم، والشهيد فی سبيل الله " (صحيح البخاری، رقم الحديث ۲۸۲۹)

عن يعلى بن شداد قال: سمعت عبادة بن الصامت يقول: عادنی رسول الله صلى الله عليه وسلم فی نفر من أصحابه فقال: " هل تدرون من الشهداء من أمتی؟ "، مرتين أو ثلاثا، فسكتوا .فقال: عبادة أخبرنا يا رسول الله .فقال: " القتيل فی سبيل الله شهيد، والمبطون شهيد، والمطعون شهيد، والنفساء شهيد يجرها ولدها بسرره إلى الجنة " (مسند الإمام أحمد ، رقم الحديث ۲۲۷۸۴)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

أن جابر بن عتيک أخبره: أن عبد الله بن ثابت لما مات قالت ابنته: والله إن كنت لأرجو أن تكون شهيدا، أما إنک قد كنت قضيت جهازک، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن الله قد أوقع أجره على قدر نيته، وما تعدون الشهادة؟ "قالوا: قتل فی سبيل الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " الشهادة سبع سوى القتل فی سبيل الله المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذی يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيدة "(مسند الإمام أحمد ، رقم الحديث ۲۳۷۵۳)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

[2] حدثنی أبو شريح، أن سهل بن أبی أمامة بن سهل بن حنيف، حدثه، عن أبيه، عن جده، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال: من سأل الله الشهادة بصدق، بلغه الله منازل الشهداء، وإن مات على فراشه، ولم يذكر أبو الطاهر فی حديثه: بصدق(مسلم، رقم الحديث ۱۹۰۹"۱۵۷")

ہے، کسی کو تا قیامت اور کسی کو مخصوص مدت کے لیے، اور کسی کو شدید عذاب سے کسی کو خفیف عذاب سے اور کسی کو ہر طرح کے عذاب سے۔ [1]

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص مرض الموت میں سورہ اخلاص کی قرائت کرلے، تو وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ [2]

لیکن اس حدیث کی سند میں سخت ضعف پایا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] قوله:" من قتله بطنه لم يعذب"؛ يعني: من مات لوجع البطن لم يعذب في القبر، ولعل سببه: أن وجع البطن شديد يكون كفارة لذنوبه، فلا يكون له عذاب في القبر (المفاتيح في شرح المصابيح لحسين بن محمود حنفي، ج٢ص ٤١١، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض)

مات من وجع بطنه "لم يعذب في قبره :"لأنه كان كفارة لذنوبه لشدته(شرح المصابيح لابن الملك، ج٢ص٣٢٧، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض)

[2] حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي قال: نا العباس بن الفضل القرشي البصري قال: ثنا أبو الحارث الوراق نصر بن حماد قال: نا مالك بن عبد الله الأزدي قال: نا يزيد بن عبد الله، عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ: قل هو الله أحد في مرضه الذي يموت فيه لم يفتن في قبره، وأمن من ضغطة القبر، وحملته الملائكة يوم القيامة بأكفها حتى تجيزه الصراط إلى الجنة.

لا يروى هذا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، إلا بهذا الإسناد، تفرد به أبو الحارث الوراق، ويزيد بن عبد الله هو يزيد بن عبد الله بن الشخير "(المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ٥٧٨٥)

[3] قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الأوسط وقال :لا يروى عن النبي -صلى الله عليه وسلم -إلا بهذا الإسناد، وفيه نصر بن حماد الوراق وهو متروك(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٥٣٨)

وقال الالباني:

"من قرأ (قل هو الله أحد) في مرضه الذي يموت فيه، لم يفتن في قبره، وأمن من ضغطة القبر، وحملته الملائكة يوم القيامة بأكفها حتى تجيزه من الصراط إلى الجنة.

موضوع.أخرجه الطبراني في "الأوسط "(2/ 54 / 2 /5913) وأبو نعيم (2/ 213) من طريق أبي الحارث نصر بن حماد البلخي قال :حدثنا مالك بن عبد الله الأزدي قال :حدثنا يزيد بن عبد الله بن الشخير العنبري عن أبيه مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد موضوع، المتهم به نصر هذا، وقد تفرد به، كما قال الطبراني، قال ابن معين :كذاب، وشيخه مالك بن عبد الله الأزدي لم أعرفه(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٣٠١)

مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ کفار وفساق کو قبر و برزخ کا عذاب برحق ہے، اور بعض اعمال میں قبر و برزخ سے نجات وحفاظت کی تاثیر ہے، لیکن صرف ایک یا چند اعمال کی بناء پر ہر جگہ تا قیامت ہر طرح کے عذابِ قبر سے حفاظت کا پختہ حکم لگا دینا مناسب نہیں، بلکہ حسبِ اعمال حکم لگانا چاہئے، اور قبر و برزخ کے عذاب کے ڈر وخوف سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔

محمد بن احمد سفارینی کا حوالہ

علامہ محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان سفارینی حنبلی اپنی تالیف ''البحور الزاخرة فی علوم الآخرة'' میں عذابِ قبر کا سبب بننے والے گناہوں پر روشنی ڈالی ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

فان قلت: ما الاسباب الموجبة لعذاب القبر؟

فالجواب من وجهين كما ذكره المحقق مجمل ومفصل.

أما المجمل فانهم يعذبون على جهلهم بالله، ومخالفتهم لأمره، وارتكابهم لمعاصيه، فلايعذب الله روحا عرفته وأحبته وامتثلت أمره واجتنبت نهيه، ولابدنا كانت فيه أبداً، فان عذاب القبر وعذاب الآخرة أثر غضب الله وسخطه على عبده، فمن أغضب الله وأسخطه فى هذه الدار ثم لم يتب ومات على ذلک كان له من عذاب البرزخ بقدر غضب الله وسخطه عليه.

وأما الجواب المفصل فقد أخبر صلى الله عليه وسلم عن الرجلين اللذين رآهما يعذبان فى قبورهما، يمشى أحدهما بالنميمة بين الناس، وبعدم التنزه من البول فهذا ترک الطهارة، وذاک ارتكب سببا موقعاً للعداوة بين الناس بلسانه وان كان صادقاً.

وفی هذا تنبيه على ان الموقع بينهم العداوة بالكذب والزور أعظم عـذابـاً، كـمـا أن فـي تـرك الاستبراء من البول تنبيهاً على أن من تـرك الـصـلاة التـي هـي الـمقصودة من الطهارة والاستبراء من البول أشد عذباً .

فعـذاب الـقبـر مـن مـعاصى القلب والعين والأذن والفم واللسان والبطن والفرج واليد والرجل والبدن كله.

فـالـكـذاب والـمغتاب وشاهد الزور، وقاذف المحصن، والوقيعة فـي الفتنة، والداعى الى البدعة، والقائل على الله ورسوله مالاعلم لـه بـه، والمجازف فى كلامه، وآكل الربا وكاتبه وشاهداه، وكذا مـعطيه، وآكل أموال اليتامى، وآكل السحت من الرشوة والباطل ونـحـوهـمـا، وآكـل مـال أخيه المسلم بغير حق، كذا مال الذمى والـمستـأمـن وشـارب الـمسـكـر، وأكلة لقمة الشجرة الملعونة والزانى واللوطى والخائن والغادر والمخادع والماكر، والمحلل والـمـحـلـل لـه، والـمـحتـال عـلى اسقاط فرائض الله، وارتكاب مـحـارمـه، ومـؤذى الـمسـلـمين، ومتبع عوراتهم، والحاكم بغير مـاأنـزل الـلـه، والـمفتى بخلاف ماشرعه الله، والمعين على الاثم والـعـدوان، وقاتل النفس التى حرم الله، والمقدم رأيه وذوقه على سـنة رسـول الله صلى الله عليه وسلم، والنائحة والمستمع اليها، ونـوابـح جهـنـم وهـم الـمـغـنـون الـغناء الذى حرم الله ورسوله، والـمستـمـع اليهـم، والذين يبنون المساجد على القبور ويوقدون عـليها القناديل والسرج، والمطففون فى استيفاء مالهم اذا أخذوه

ونقصهم ماعليهم اذا بذلوه، والجبارون والمراء ون والمتكبرون والهمازون والطعانون على السلف، والذين يأتون الكهنة والمنجمين والعرافين فيسألونهم ويصدقونهم، وأعوان الظلمة الذين قد باعوا آخرتهم بدنيا غيرهم، والذى اذا خوفته بالله وذكرته به لم ينزجر، واذا خوفته بمخلوق خاف وانزجر، والذى يهدى بكلام الله ورسوله فلا يهدى ولايرفع به رأسا، فاذا بلغه عمن يحسن الظن به ممن يصيب ويخطىء عض عليه بالنواجذ ولم يخالفه، والذى يعظم غيرالله عليه، والمفتخر بالمعصية، والذى لاتأمنه على مالک وحرمتک، وفاحش اللسان، والمؤخر الصلاة وناقرها نقراً، ومانع الزكاة، والذى لايحج مع قدرته على الحج، ولايؤدى ماعليه من الحقوق مع قدرته عليها، ولايتورع فى لحظه ولافى لفظه، ولايبالى مما حصل المال من حلال أو حرام، ولايصل رحمه، ولا يرحم المسلمين، ولا الأرملة ولا اليتيم ولا الجيران والحيوان، بل يدع اليتيم ولا يحض على طعام المسكين، ويرائى العالمين، ويمنع الماعون، ويشتغل بعيوب الناس عن عيبه، وبذنوبهم عن ذنبه.

فكل هؤلاء وأمثالهم يعذبون فى قبورهم بهذه الجرائم بحسب كثرتها وقلتها، وكبرها وصغرها، ان لم يعف عنهم أرحم الراحمين.

قال المحقق: ولما كان أكثر الناس كذلک كان أكثر أصحاب القبور معذبين، والفائز منهم قليل، فظاهر القبور تراب، وباطنها

حسـرـة وعذاب، ظواهرها بالتراب والحجارة المنقوشة مبنيات، وفي باطنها الدواهي والبليات، تغلي بالحشرات كما تغلي القدور بـمـا فيهـا، فكم جدث يزوق بالنقوش، وباطنه أرث من الحشوش

(البحور الزاخرة في علوم الأخرة، ج ۱، ص ۲۴۱، الىٰ ص ۲۴۳، الباب الثاني في عذاب القبر ونعيمه، الطبعة الاولىٰ: ۱۴۳۸ هجرى، مطبوعة: شرغراس للنشر والتوزيع، الكويت)

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ عذابِ قبر کن اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے؟

تو اس کا جواب دو طریقے سے ہے، جیسا کہ محقق نے ذکر کیا، ایک مجمل اور دوسرے مفصل۔

پس مجمل جواب تو یہ ہے کہ لوگوں کو قبر میں عذاب، اللہ تعالیٰ سے جاہل رہنے پر اور اللہ کے احکام کی مخالفت پر اور گناہوں کے ارتکاب پر دیا جاتا ہے، پس اللہ نہیں عذاب دیتا، کسی روح کو، جس نے اس کی معرفت حاصل کی ہو، اور اس سے محبت کی ہو، اور اس کے حکم کی تعمیل کی ہو، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کیا ہو، اور نہ ایسے بدن کو کبھی عذاب دیتا، جس میں یہ روح ہو، کیونکہ قبر کا عذاب اور آخرت کا عذاب، بندے پر اللہ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا اثر ہے، پس جس نے اللہ کو اس دنیا میں غضب دلایا، اور ناراض کیا، پھر وہ توبہ کیے بغیر اسی حالت میں فوت ہو گیا، تو اس کو اللہ کے غضب اور اس کی ناراضگی کے بقدر برزخ کا عذاب ہوگا۔

اور تفصیلی جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لوگوں کے بارے میں خبر دی، جن کو (بذریعہ وحی) ان کی قبروں میں عذاب ہوتے ہوئے دیکھا، ایک اُن میں سے لوگوں کے درمیان چغل خوری کیا کرتا تھا، اور دوسرا پیشاب سے

حفاظت نہیں کرتا تھا، پس اِس نے پا کی کو ترک کیا، اور اُس نے زبان کے ایسے سبب کو اختیار کیا، جو لوگوں کے درمیان عداوت پیدا کرنے والا تھا، اگرچہ وہ سچ بولنے والا ہو۔

اور اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ لوگوں کے درمیان جھوٹ بول کر اور دھوکے سے عداوت پیدا کرنا، زیادہ بڑے عذاب کا ذریعہ ہے، جیسا کہ پیشاب سے حفاظت نہ کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جس نے نماز کو ترک کیا، جو کہ طہارت حاصل کرنے اور پیشاب سے حفاظت کا مقصودِ اصلی ہے، تو اس کو زیادہ شدید عذاب ہوگا۔

پس قبر کا عذاب دل کے گناہوں اور آنکھوں کے گناہوں، اور کان کے گناہوں، اور منہ اور زبان کے گناہوں، اور پیٹ اور شرمگاہ کے گناہوں اور ہاتھ اور پاؤں کے گناہوں، اور تمام بدن کے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پس جھوٹ بولنے والا، اور غیبت کرنے والا، اور جھوٹی گواہی دینے والا، اور پاک دامن پر تہمت لگانے والا، اور فتنہ میں مبتلا، اور بدعت کی طرف دعوت دینے والا، اور علم کے بغیر، اللہ اور اس کے رسول کی طرف کوئی بات منسوب کرنے والا، اور اپنی بات اَٹکل سے کرنے والا، اور سود خور اور سود کو لکھنے والا، اور سود کی گواہی دینے والا، اور اسی طرح سود ادا کرنے والا، اور یتیموں کا مال کھانے والا، اور حرام اور رشوت اور باطل طریقے پر کھانے والا، اور اپنے مسلمان بھائی کا مال ناحق کھانے والا، اور اسی طریقہ سے ذمی اور مستامن کا مال کھانے والا، اور شراب نوشی کرنے والا، اور ملعون درخت کا لقمہ کھانے والا، اور زنا کار، اور لواطت کرنے والا، اور خائن، اور دھوکے باز، اور مکار، اور حلالہ کرنے والا، اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، اور اللہ کے فرائض کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ اختیار کرنے والا،

اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کا ارتکاب کرنے والا، اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والا، اور ان کی رازداریوں کی ٹوہ کرنے والا، اور اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والا، اور اللہ کی شریعت کے خلاف فتویٰ دینے والا، اور گناہ اور ظلم پر مدد کرنے والا، اور اللہ کے حرام کیے ہوئے نفس کو قتل کرنے والا، اور اپنی رائے اور ذوق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مقدم رکھنے والا، اور نوحہ کرنے والی، اور نوحہ سننے والی، اور اس گانے کو گانے والے، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا، اور اس طرح کے گانوں کو سننے والے، اور قبروں پر مساجد بنانے والے، اور قبروں پر چراغاں کرنے والے، اور ''مطففون'' جو لیتے وقت پورا پورا مال لیتے ہیں، اور دیتے وقت اپنے ذمہ میں مال کو کم کردیتے ہیں، اور ظلم اور زیادتی کرنے والے، اور ریا کاری کرنے والے، اور تکبر کرنے والے، اور غیبت و عیب جوئی کرنے والے، اور سلف پر طعن و تشنیع کرنے والے، اور جو لوگ کاہنوں اور نجومیوں اور غیب کی باتیں بتلانے والوں کے پاس آتے ہیں، اور ان سے سوال کرکے ان کی تصدیق کرتے ہیں، اور ظالموں کے مددگار، جنہوں نے اپنی آخرت کو دوسروں کے ہاتھوں دنیا کے عوض میں فروخت کردیا ہے، اور وہ شخص جسے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے، اور اس کو یاد کرایا جاتا ہے، تو وہ ڈرتا نہیں، اور جب مخلوق کا خوف دلایا جاتا ہے، تو اس سے خوف زدہ ہوجاتا اور ڈر جاتا ہے، اور جس کو اللہ اور اس کے رسول کے کلام سے ہدایت دی جاتی ہے، تو وہ ہدایت حاصل نہیں کرتا، اور اس کی طرف سر نہیں اٹھاتا، لیکن جب اسے ایسے شخص کی بات پہنچائی جاتی ہے، جس سے اس کا گمان اچھا ہوتا ہے، اور وہ ان لوگوں میں سے ہوتا ہے کہ جو صحیح بات بھی کہہ سکتا ہے، اور خطا بھی کرسکتا ہے، تو اس کو مضبوط ڈاڑھوں سے پکڑ لیتا ہے، اور اس کی مخالفت نہیں کرتا، اور جو اللہ کے مقابلہ میں دوسرے کو

بڑا سمجھتا ہے، اور جو گناہ پر فخر کرتا ہے، اور جس سے آپ اپنے مال اور اپنی عزت کو محفوظ نہ پائیں، اور فحش گوئی کرنے والا، اور نماز میں تاخیر کرنے والا، اور نماز کو ٹھونگیں مار کر جلدی جلدی پڑھنے والا، اور زکاۃ نہ دینے والا، اور جو حج پر قدرت کے باوجود حج نہیں کرتا، اور جو قادر ہونے کے باوجود اپنے ذمے کے حقوق ادا نہیں کرتا، اور جو اپنی چال وچلن اور گفتار میں احتیاط نہیں کرتا، اور حلال وحرام سے حاصل شدہ مال کی پروا نہیں کرتا، اور جو صلہ رحمی نہیں کرتا، اور جو مسلمانوں پر رحم نہیں کرتا، اور بیوہ اور یتیم اور پڑوسی اور جانور پر رحم نہیں کرتا، بلکہ یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں ابھارتا، اور لوگوں کو دکھلاوا کرتا ہے، اور ضرورت مندوں کو سخت ضرورت کی ہلکی پھلکی چیز (مثلاً پانی، نمک وغیرہ) بھی نہیں دیتا، اور اپنے عیب کو نظر انداز کر کے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگتا ہے، اور اپنے گناہ کو نظر انداز کر کے لوگوں کے گناہوں کے درپے ہوتا ہے۔

پس ان سب لوگوں کو اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو ان جرائم کی وجہ سے قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے، جرائم کی کثرت اور قلت کے اعتبار سے، اور جرائم کے بڑا اور چھوٹا ہونے کے اعتبار سے، اگر ارحم الراحمین نے ان کو معاف نہ کیا۔

محقق نے فرمایا کہ جبکہ اکثر لوگوں کے اعمال اسی نوعیت کے ہیں، تو اکثر قبر والے عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور قبر کے عذاب سے بچنے والے کم ہی لوگ ہوں گے، پس قبروں کا ظاہری حصہ مٹی ہوتا ہے، اور ان کے اندر حسرت اور عذاب پنہاں ہوتا ہے، قبروں کا ظاہر مٹی اور منقش عمارتوں اور پتھروں پر مبنی ہوتا ہے، اور ان کے اندر آفات اور بلیات مخفی ہوتی ہیں، جن میں موذی حشرات (سانپ، بچھو وغیرہ) جوش مار رہے ہوتے ہیں، جس طریقے سے ہانڈیاں جوش مارتی ہیں، پس کتنی قبریں ظاہر میں منقش ہوتی ہیں، اور اندر موذی حشرات (سانپ، بچھو وغیرہ) کا

ایندھن ہوتا ہے (البحور الزاخرة)

علامہ سفارینی کی مذکورہ مفصل و مدلل عبارت سے معلوم ہوا کہ کئی قسم کے کبیرہ گناہوں پر عذابِ قبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

خلاصہ

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس طرح کفار کو قبر و برزخ کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض گناہ گار مسلمانوں کو بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے عذابِ قبر و برزخ میں مبتلا کیا جاتا ہے، لیکن مومن کا عذابِ قبر، کافر کے عذابِ قبر کے مقابلہ میں ہلکا ہوتا ہے، اور ہر گناہ گار مومن کا عذاب کماً و کیفاً ایک جیسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شدت وخفت اور اس کا زمانہ حسبِ گناہ ہوتا ہے، اور ہر قسم کے گناہ پر ایک جیسا عذاب بھی نہیں ہوتا۔

تاہم احادیث سے کافروں، یا گناہ گار مومنوں سے جمعہ یا رمضان میں عذابِ قبر نہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا، اسی طرح یہ بھی ثبوت نہیں ملتا کہ ہر فوت شدہ مومن پہلا جمعہ آنے پر تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہو۔

جہاں تک جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کو عذابِ قبر نہ ہونے کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی ہر قسم کے گناہوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کو کفر وشرک کی وجہ سے اور مومنوں کو گناہوں کی وجہ سے فوت ہونے کے بعد قبر و برزخ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

البتہ مومن کا عذاب، کافر کے عذاب سے ہلکا اور کم ہوتا ہے، جبکہ ہر فوت شدہ شخص کے جمعہ ورمضان میں عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا ثبوت شرعاً نہیں پایا جاتا، اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے ہر شخص سے تا قیامت ہمیشہ کے لئے قبر و برزخ کے عذاب کے مرتفع وختم ہونے کا صراحتاً کسی بھی معتبر و مستند حدیث میں ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ فی الجملہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا کئی احادیث وروایات میں ذکر پایا جاتا ہے، جو کہ بعض کے نزدیک ضعیف یا شدید ضعیف ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک اس قسم کی روایات مجموعی طور پر حسن درجہ میں داخل ہیں، مگر اس کے باوجود بھی ان سے ظنیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، قطعیت اور یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان احادیث سے اس بات پر واضح دلالت ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے ہر مومن سے خواہ وہ فاسق وفاجر ہو، تا قیامت ہمیشہ کے لئے ہر طرح کے قبر کے عذاب کو ہٹا لیا اور دُور کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس میں کئی قسم کے احتمالات پائے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ کامل مومن سے کامل عذاب اٹھا لیا جاتا ہو، اور جو کامل نہ ہو، اس کے عذاب میں تخفیف و کمی کر دی جاتی ہو، یا صرف اس جمعہ کے دن، یا رات میں عذاب نہ ہوتا ہو، یا کسی بھی جمعہ کے دن عذاب نہ ہوتا ہو، یا ہر شخص کے حسبِ اعمال اس کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہو۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا بلکہ پختہ عقیدہ بنا لینا کہ جمعہ کے دن، یا ماہِ رمضان میں فوت ہونے والا شخص، خواہ کتنا ہی گناہ گار اور ایسے گناہوں میں مبتلا کیوں نہ ہو، جن پر عذابِ قبر کی صحیح احادیث میں

وعید آئی ہے، تا قیامت عذابِ قبر اور سوالِ قبر سے بھی مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے، یا شہادت کا مرتبہ پاکر شہید کے فضائل اور جنت کا مستحق ہوجاتا ہے، یہ درست نہیں، یا کم از کم خلافِ احتیاط ضرور ہے، بالخصوص جبکہ یہ عقائد کا معاملہ ہے، جس میں زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندوں کے متعلق اس معاملہ میں حسنِ ظن کا تعلق ہے، تو وہ ایک بالکل الگ معاملہ ہے، اس کی بنیاد پر کوئی عقیدہ بنالینا درست نہیں۔ [1]

البتہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے کے متعلق قبر کے فتنہ سے حفاظت کا بعض احادیث وروایات میں ذکر پائے جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن فوت ہونے والے مومن کی ایک درجہ میں فضیلت ثابت ہے، خواہ وہ فضیلت کسی بھی نوعیت کی ہو، یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہی کی ہو، اسی طرح رمضان کا مہینہ بابرکت اور مبارک اوقات میں سے ہے، جس میں جہنم کے دروازے بند رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اگر اس بابرکت وقت میں مومن، یا کافر، یا ہر دو قسم کے مُردوں سے عذاب کو مرتفع، یا ہلکا فرمادیتا ہو، تو یہ کوئی بعید نہیں، لیکن اس کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور برزخ سے ہے، جو ہماری نظروں سے پردۂ غیب میں اور اوجھل ہے، اور اس کا شریعت کے مضبوط دلائل سے ثبوت نہیں پایا جاتا، اس لئے جمعہ کے دن، یا رمضان کے مہینہ میں فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لئے، یا پورے ماہِ رمضان

---

[1] (لافی صفات اللہ) فان وجد حدیث ضعیف دل علی صفۃ من صفات اللہ تعالٰی ولم یثبت ذلک بدلیل معتبر ، لم یعتبر بہ، فان صفات اللہ واسماء ہ لایجترأ علی القول بھا بدون دلالۃ دلیل معتمد، لانھا من باب العقائد لا من باب الاعمال، ویلتحق بھا جمیع العقائد الدینیۃ ، فلا ثبت الا بحدیث صحیح او حسن لذاتہ او لغیرہ. کیف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان کان صحیحۃ ، لاتکفی فی باب العقائد، فما بالک بالضعیفۃ منھا؟ والمراد بعدم کفایتھا انھا لاتفید القطع ، فلایعتبر بھا مطلقا فی العقائد التی کلف الناس بالاعتقاد الجازم فیھا، لانھا لاتفید الظن ایضا، ولا انھا لاعبرۃ بھا رأسا فی العقائد مطلقا، کما توھمہ من ابناء عصرنا............(واحکام الحلال والحرام) فلایثبت بالحدیث الضعیف تحریم شیئ ولا تحلیلہ (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث،لمولانا عبدالحیئ اللکنوی ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ ،ملخصاً ، الباب الاول من المقاصد فی اقسام الحدیث وانواعہ، الفصل الثالث من الباب الاول فی الضعیف وتعریف الحدیث وبیان صنیع التعبیر عنہ عند ذکرہ بغیر اسناد)

عذابِ قبر و برزخ سے محفوظ ہونے کا قطعی حکم لگانے اور فیصلہ کرنے سے احتیاط برتنی چاہئے، بالخصوص جن گناہوں اور بداعمالیوں پر آخرت اور برزخ میں عذاب کا ذکر قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو، ان کو نظر انداز کر کے اس طرح کا عقیدہ بنا لینے سے سختی کے ساتھ بچنا چاہئے، تاکہ لوگوں کو بداعمالیوں کے ارتکاب میں جرأت نہ ہو۔

اور حتی الامکان قبر و برزخ کے عذاب سے حفاظت کے لئے گناہوں سے اجتناب اور نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے، نہ یہ کہ ان چیزوں کو نظر انداز کر کے صرف جمعہ کے دن فوت ہونے کی تمنا اور دعاء پر اکتفاء کیا جائے، اور اسی کو مقصود بنا لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ عذابِ قبر و برزخ سے حفاظت و نجات عطا فرمائے، اور گناہوں سے بچ کر نیک اعمال بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

مورخہ: 28/ محرم الحرام/ 1440ھجری 09/ اکتوبر/ 2018ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

اعمال نامہ یمین وشمال
میں دیے جانے کی تحقیق

دنیا میں ہر انسان کے نامۂ اعمال کو اللہ کی طرف سے لکھے جانے
اور آخرت میں اعمال نامہ کی شکل میں پیش کیے جانے
اور مومن وکافر وغیرہ کے اعمال ناموں کو دائیں، یا بائیں ہاتھ میں اور پشت
کی طرف سے دیے جانے کی تحقیق

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www,idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر — مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوکر، اللہ تعالیٰ کے حضور، پیشی اور حساب و کتاب، برحق ہے، اس پر ایمان لائے بغیر کوئی بندہ، مومن شمار نہیں ہوسکتا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسان، اپنی زندگی میں ایمان، یا کفر کے ساتھ مختلف قسم کے اچھے اور برے اعمال کرتا ہے، جن کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح صحیح حساب و کتاب ہوگا، اور اس کے لیے قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزانِ عمل قائم کرنے کا انتہائی مضبوط و مستحکم نظام مرتب فرمایا گیا ہے، اور اس مقصد کے لیے دنیا میں، فرشتوں کے ذریعے سے انسان کے تمام ظاہری و باطنی اچھے اور برے اعمال کو اپنے مالہٗ وماعلیہا کی تفصیل کے ساتھ درج کرنے کا انتظام کیا گیا ہے، یہ اعمال، جس کتاب میں درج ہوں گے، اور پھر یہ کتاب ہر انسان کو قیامت کے دن پیش کی جائے گی، اسی کو ''نامۂ اعمال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور قرآن مجید کی مختلف آیات میں آخرت میں یہ نامۂ اعمال کسی کو دائیں ہاتھ میں، کسی کو بائیں ہاتھ میں اور کسی کو پیٹھ کے پیچھے سے دیے جانے کا ذکر آیا ہے، پھر اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوا کہ دائیں یا بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے سے جن لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال پیش کیا جائے گا، یہ کون لوگ ہوں گے، اور یہ تقسیم ایمان وکفر کی بنیاد پر ہوگی، یا ناجی وغیر ناجی اور مطیع وغیر مطیع ہونے کی بنیاد پر ہوگی؟ اس سوال کے جواب میں بندہ محمد رضوان نے بعجلت ایک جواب، قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے، جس کو آئندہ اوراق وصفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان خان۔

02/شعبان المعظم/1440ہجری 08/اپریل/2019ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

اعمال نامہ یمین وشمال میں دیے جانے کی تحقیق

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

قیامت کے دن مومن مطیع کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں اور کافر کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو مومن فاسق وفاجر کو نامۂ اعمال ملے گا یا نہیں، اگر ملے گا تو کس ہاتھ میں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

اس مسئلہ میں اہلِ علم حضرات کے دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق تمام مومنین کو ان کا نامۂ اعمال، دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پھر اس کے بعد، جس طرح بعض مومنین ہر طرح کے عذاب سے محفوظ ہو کر جنت کے مستحق قرار پائیں گے، اسی طرح اللہ کی مشیت کے مطابق بعض گناہ گار مومنین کو کم وبیش عذاب دیا جائے گا، اور پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اور کافروں کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں اور پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

اور دوسرے قول کے مطابق صرف ان مومن ومتقیوں کو ہی ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو بالکلیہ جہنم کے عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے۔ [1]

---

[1] وقد قيل إن جميع الأمم من المؤمنين يأخذون كتبهم بأيمانهم ثم يعذب الله تعالى من شاء من عصاتهم وقيل إنما يأخذه بيمينه الناجون خاصة(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۱۵ ص۵۴، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته)

وظاهره أن من يؤتى كتابه بشماله قسمان قسم يؤتاه بشماله لا من وراء ظهره وقسم بشماله من ورائه وقال غيره: يعطى المؤمن العاصي كتابه بشماله والكافر من ورائه(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۱۶۰۳، حرف الهمزة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ اس سلسلہ میں اجتہادی ونظری طور پر جس طرح کسی کی طرف سے دونوں قولوں کا احتمال برابر قرار دینے کی گنجائش ہے، اسی طرح کسی دوسرے کی طرف سے ایک قول کو صواب یا راجح اور دوسرے قول کو خطا، یا مرجوح قرار دینے کی بھی گنجائش ہے۔

"وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا"

تاہم ہمارے نزدیک کم از کم اقتضاءُ النصوص کے دلائل کی رُو سے راجح یہ ہے کہ سب مومنوں کو خاص طور پر ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جن میں بعض تو زیادہ کامیاب ہوں گے، جو زیادہ مسرور ہو کر لوٹیں گے، اور فرطِ مسرت وفرحت سے دوسروں کو بھی اپنے نامۂ اعمال پڑھنے کی دعوت دیں گے، اور بعض اس سے نیچے درجہ کے ہوں گے، وہ بھی ایمان کی برکت سے اللہ کی طرف سے عفو و درگزر، یا زجر و تنبیہ، یا کچھ عذاب کے بعد بالآخر جنت کے مستحق ٹھہریں گے، اور اس حیثیت سے وہ بھی مسرور اور سعادت مند شمار ہوں گے۔

اور کافروں کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا، اور وہ اپنے نامۂ اعمال سے اس قدر مغموم ومتوحش ہوں گے کہ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھنا بھی گوارا نہ کریں گے، اور دائمی عذابِ جہنم کے مستحق ٹھہریں گے، جس کی وجہ سے وہ موت کو پکاریں گے، اور قیامت کے حساب اور اللّٰہُ العظیم پر ایمان نہ لانے پر حسرت کریں گے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد قيل إن جميع المؤمنين من الأمم يأخذون كتبهم بأيمانهم ثم يعذب الله من شاء من عصاتهم وقيل إنما يأخذه بيمينه الناجون خاصة (شرح السيوطى على مسلم، ج۵، ص ۳۰۹، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته)

فائدة أخرى: هل يتناول كل أحد من المؤمنين كتابه بيمينه يوم القيامة؟ وهل ذلك مخصوص بالناجين من النار؟

حكى النووى والقاضى عياض فى المسألة قولان:

أحدهما: أن جميع المؤمنين من الأمم يأخذون كتبهم بإيمانهم، ثم يعذب الله من يشاء من عصاتهم.

والثانى: إنما يأخذ بيمينه الناجون من النار خاصة (شرح البخارى للسفيرى، ج۲، ص ۳۸۶، المجلس السادس والاربعون)

بعض نصوص سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے، اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔
اور اس کے برعکس غیر مطیع وعاصی مومنوں کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیے جانے کا قول دلائل کی رو سے مرجوح اور کمزور معلوم ہوتا ہے۔
اصل جواب کے دلائل سے پہلے تمہید کے طور پر چند نصوص ذکر کی جاتی ہیں، جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ اصل جواب کو سمجھنے میں مدد حاصل ہوگی، جس کے بعد متعلقہ مسئلہ کے بارے میں چند نصوص مع فوائد وتشریح کے ذکر کی جائیں گی اور بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ خلاصۂ کلام ذکر کیا جائے گا۔

سورہ ھود اور ''تفسیر معارف القرآن'' کا حوالہ

سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيْدٌ . فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ . خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ . وَأَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (سورة هود، رقم الآيات ١٠٥ الىٰ ١٠٨)

ترجمہ: جب آئے گا وہ دن کہ کلام نہیں کر سکے گا کوئی نفس، مگر اُس (اللہ) کی اجازت سے ہی، پس ان میں سے بعض شقی ہوں گے، اور بعض سعید ہوں گے۔ پس جو لوگ شقی ہوں گے، تو وہ جہنم میں ہوں گے، ان کے لیے اُس (جہنم) میں چیخ اور پکار ہوگی۔ ہمیشہ رہیں گے وہ (شقی) لوگ اُس (جہنم) میں، جب تک قائم ہیں آسمان اور زمین، مگر یہ کہ جو چاہے آپ کا رب، بے شک آپ کا رب

’’فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد ‘‘(یعنی وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، اس کو اچھی طرح انجام دینے والا) ہے۔اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جو سعادت مند قرار دیے گئے، تو وہ جنت میں ہوں گے، ہمیشہ رہیں گے وہ (سعید) لوگ، اس (جنت) میں، جب تک قائم ہیں آسمان اور زمین، مگر یہ کہ جو چاہے آپ کا رب (یہ) عطیہ (وانعام) ہے، نہ ختم ہونے والا (سورہ ھود)

معارفُ القرآن عثمانی میں مذکورہ آیات کے’’خلاصۂ تفسیر‘‘میں ہے کہ:

(پھر) جس وقت وہ دن آئے گا (مارے ھیبت کے لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ) کوئی شخص بدون خدا کی اجازت کے بات تک (بھی) نہ کر سکے گا (ہاں جب حساب کتاب کے لیے حاضری ہوگی، اور ان کے اعمال پر جواب طلب کیا جائے گا، اس وقت البتہ منہ سے بات نکلے گی، خواہ وہ بات مقبول ہو، یا مقبول نہ ہو، سو اِس حالت میں تو سب اہلِ موقف شریک ہوں گے) پھر (آگے) ان میں (یہ فرق ہوگا کہ) بعض تو شقی (یعنی کافر) ہوں گے، اور بعضے سعید (یعنی مومن) ہوں گے، سو جو لوگ شقی ہیں، وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی (اور) ہمیشہ ہمیش کو اس میں رہیں گے، جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (یہ محاورہ ہے ابدیت کے لیے) اور کوئی نکلنے کی سبیل نہ ہوگی، ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو، تو دوسری بات ہے (کیونکہ) آپ کا رب جو کچھ چاہے، اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے (مگر باوجود قدرت کے یہ یقینی ہے کہ خدا یہ بات نہ چاہے گا، اس لیے نکلنا نصیب نہ ہوگا) اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں، سو وہ جنت میں ہوں گے (اور) وہ اس میں (داخل ہونے کے بعد) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (گو جانے کے قبل کچھ سزا بھگتی ہو) ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو، تو دوسری بات ہے (مگر یہ یقینی ہے کہ خدا یہ

بات کبھی نہ چاہے گا، پس نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا، بلکہ) وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا (معارف القرآن، ج۴ص۶۶۷، ۶۶۸، سورہ ھود، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ، اپریل2008ء)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ سورہ ھود کی مندرجہ بالا آیات میں ''شقی'' سے مراد، کافر ہے، جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور ''سعید'' سے مراد، مومن ہے، جو ایک مرتبہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس میں ہمیشہ رہے گا، خواہ وہ شروع میں داخل ہو، یا بعد میں داخل ہو۔

اور ہمارے نزدیک اسی سعید وشقی ہونے کی حیثیت سے دائیں، یا بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جائیں گے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اس کے بعد چند ایسی نصوص ملاحظہ فرمائیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہر انسان کے نامۂ اعمال کو درج کرنے کا ایک منظّم ومستحکم نظام قائم کیا گیا ہے، جو قیامت کے دن، پیش کیا جائے گا۔

سورہ اسراء، سورہ کہف اور سورہ انبیاء کا حوالہ

سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُوْرًا .اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا. مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (سورة الاسراء، رقم الآيات ۱۳ الیٰ ۱۵)

ترجمہ: اور لازم کردیا ہے ہم نے ہر انسان کے پروانے کو، اس کی گردن میں، اور نکالیں گے ہم اس کے لیے، قیامت کے دن، کتاب (یعنی نامۂ اعمال) کو، جو ملے گی اس کو نشر ہو کر (کہا جائے گا کہ) پڑھ لے اپنی کتاب (یعنی نامۂ اعمال)

کو، کافی ہے وہ، تیرے نفس کے لیے، آج کے دن تجھ پر حساب کے اعتبار سے۔جس نے ہدایت حاصل کی، تو اس نے ہدایت حاصل کی، اپنے نفس کے لیے، اور جو گمراہ ہوا، تو وہ گمراہ ہوا، اپنے نفس کے خلاف (سورہ اسراء)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کا نامۂ اعمال تیار کیا جاتا ہے، جو قیامت کے دن اس کو پیش کیا جائے گا، اور وہ خود اپنے نامۂ اعمال پر مطلع ہو سکے گا کہ اس میں کوئی غلط بات درج نہیں، اپنے ہی کیے ہوئے واقعی درجہ کے اعمال درج ہیں، پھر جس کے نامۂ اعمال میں ہدایت درج ہوگی، وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اور جس کے نامۂ اعمال میں ضلالت درج ہوگی، وہ اس سے نقصان اٹھائے گا۔

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَاوَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (سورة الكهف، رقم الآية ۴۹)

ترجمہ: اور رکھا جائے گا کتاب (یعنی نامۂ اعمال) کو، پھر دیکھے گا تُو، مجرمین کو کہ وہ ڈرنے والے ہوں گے، ان چیزوں کی وجہ سے، جو اس (کتاب) میں ہوں گی، اور کہیں گے وہ کہ ہائے ہماری شامت! کیا ہو گیا، اس کتاب کو، نہیں چھوڑا اس نے چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو، مگر شمار کر لیا اس کو، اور پائیں گے وہ ان چیزوں کو جو انہوں نے عمل کیا، حاضر، اور نہیں ظلم کرے گا تیرا رب کسی پر (سورہ کہف)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سب انسانوں کے نامۂ اعمال کو سامنے رکھا اور پیش کیا جائے گا، اور نامۂ اعمال میں ہر چھوٹی اور بڑی بات درج ہوگی، اور اس میں چونکہ ہر بات واقعہ کے مطابق درج ہوگی، اس لیے اللہ کی طرف سے کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی ہرگز نہ ہوگی۔

اور مجرم لوگوں نے جو بھی چھوٹے اور بڑے جرم کیے تھے، جب وہ سب ان کے سامنے آئیں گے، تو وہ اس سے بہت خوف اور وحشت زدہ ہوں گے۔

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (سورة الأنبياء، رقم الآية ٤٧)

ترجمہ: اور قائم کریں گے ہم انصاف کی ترازووں کو، قیامت کے دن، پھر ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر، ذرا بھی، اور اگر ہوگا (کوئی عمل) رائی کے دانہ کے برابر، لے آئیں گے ہم اس کو بھی، اور کافی ہیں ہم، حساب لینے والے (سورہ انبیاء)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن میزانِ اعمال کو قائم کیا جائے گا، اور یہ میزانِ اعمال کسی قسم کی کوتاہی اور نقص کا ارتکاب نہیں کرے گی، اور اس میں ہر طرح کے عمل کو تولنے اور جانچنے کی صلاحیت ہوگی، جس طرح آج کل ایک ہی مشین کئی قسم کی چیزوں کی جانچ پڑتال کرتی ہے، مثلاً بلڈ پریشر کی مشین، ایک ہی وقت میں اوپر اور نیچے، دونوں قسم کے بلڈ پریشر کی جانچ پڑتال کرتی ہے، اور مثلاً خون کے ایک نمونے سے کئی قسم کے امراض کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح قیامت کے دن اللہ کی طرف سے قائم کیے جانے والے میزانِ اعمال میں ہر قسم کے اصولی وفروعی، عقیدے اور عمل کے اعتبار سے اعمال کی جانچ پڑتال کرنے کی پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک صلاحیت ہوگی، جس میں ایمان، یا کفر کے ہونے، اور ایمان، یا کفر کے قوی، یا ضعیف ہونے، اور اعمال کے کم، یا زیادہ ہونے، اور ایمان، یا اعمال میں اخلاص، یا ریا کاری کے ہونے، اور اخلاص کے کم، یا زیادہ ہونے، اور عقائد کے اچھے، یا برے ہونے، اور اچھے، یا برے عقائد کے مضبوط، یا کمزور ہونے، اور باطنی وظاہری اعمال واخلاق کے اچھے، یا برا

ہونے وغیرہ وغیرہ، کی سب چیزوں کا پوری طرح جائزہ لینے کی مکمل صلاحیت ہوگی، اس لیے اس میزانِ اعمال کو جمع کے صیغے کے ساتھ ''الـــمـــوازیـــن'' کا نام دیا گیا، اوراس کے ساتھ ''القسط'' کی صفت لگائی گئی۔

اوراگر ایمان وعمل وغیرہ، یا پھر ہر شخص کے اعتبار سے الگ الگ میزانوں اور ترازووں کو مانا جائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، جس طرح دنیا میں ایک نوعیت اور ماڈل کی لاکھوں گاڑیاں ہوتی ہیں، ان کے مختلف ومتعدد ہونے کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں گاڑی ہے، یعنی جس طرح کبھی جمع کا صیغہ بولا جاتا ہے، اسی طرح واحد کے صیغے سے بھی اس کی تعبیر کی جاتی ہے، مگر ہم نے پیچھے جو تقریر کی، اس کی رُو سے ہر ایک کے لیے الگ نوعیت کے میزانوں کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ واللہ أعلم۔ [1]

---

[1] والـموازيـن جـمـع ميزان وأصله موزان فقلبت الواو ياء لكسرة ما قبلها واختلف فى ذكره هنا بـلـفـظ الـجـمـع هل المراد أن لكل شخص ميزانا أو لكل عمل ميزان فيكون الجمع حقيقة أو ليس هـنـاك إلا ميـزان واحد والجمع باعتبار تعدد الأعمال أو الأشخاص ويدل على تعدد الأعمال قوله تـعـالـى ومـن خـفـت مـوازينه ويحتمل أن يكون الجمع للتفخيم كما فى قوله تعالى كذبت قوم نوح الـمـرسلين مع أنه لم يرسل إليهم إلا واحد والذى يترجح أنه ميزان واحد ولا يشكل بكثرة من يوزن عـمـله لأن أحوال القيامة لا تكيف بأحوال الدنيا والقسط العدل وهو نعت الموازين وإن كان مفردا وهى جمع لأنه مصدر قال الطبرى القسط العدل وجعل وهو مفرد من نعت الموازين وهى جمع لأنه كـقـولـك عـدل ورضـا وقـال أبـو إسـحاق الزجاج المعنى ونضع الموازين ذوات القسط والقسط الـعـدل وهـو مـصدر يوصف به يقال ميزان قسط وميزانان قسط وموازين قسط وقيل هو مفعول من أجـله أى لأجل القسط واللام فى قوله ليوم القيامة للتعليل مع حذف مضاف أى لحساب يوم القيامة وقـيـل هـى بـمـعنى فى كذا جزم به بن قتيبة واختاره بن مالك وقيل للتوقيت كقول النابغة توهمت آيـات لهـا فعرفتها لستة أعوام وذا العام سابع وحكى حنبل بن إسحاق فى كتاب السنة عن أحمد بن حـنـبـل أنـه قال ردا على من أنكر الميزان ما معناه قال الله تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيامة وذكر النبى صلى الله عليه وسلم الميزان يوم القيامة فمن رد على النبى صلى الله عليه وسلم فقد رد عـلـى الـلـه عـز وجل قوله وإن أعمال بنى آدم وقولهم يوزن كذا للأكثر وللقابسى وطائفة وأقوالهم بـصـيـغـة الـجـمـع وهـو المناسب للأعمال وظاهره التعميم لكن خص منه طائفتان فمن الكفار من لا ذنـب لـه إلا الـكـفر ولم يعمل حسنة فإنه يقع فى النار من غير حساب ولا ميزان ومن المؤمنين من لا سيئة له وله حسنات كثيرة زائدة على محض الإيمان فهذا يدخل الجنة بغير حساب كما فى قصة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ مومنون، جاثیہ، قٓ، انفطار اور سورہ زلزلہ کا حوالہ

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورة المومنون، رقم الآية ٦٢)

ترجمہ: اور ہمارے پاس کتاب (یعنی نامۂ اعمال) ہے، جو بولے گی حق کے ساتھ، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (سورہ مومنون)

اور سورہ جاثیہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ، إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(سورة الجاثية، رقم الآية ٢٩)

ترجمہ: یہ ہماری کتاب (یعنی نامۂ اعمال) ہے، جو بولے گی تم پر حق کے ساتھ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السبعين ألفا ومن شاء الله أن يلحقه بهم وهم الذين يمرون على الصراط كالبرق الخاطف وكالريح وكأجاويد الخيل ومن عدا هذين من الكفار والمؤمنين يحاسبون وتعرض أعمالهم على الموازين ويدل على محاسبة الكفار ووزن أعمالهم قوله تعالى فى سورة المؤمنين فمن ثقلت موازينه فأولئک هم المفلحون ومن خفت موازينه فأولئک الذين خسروا أنفسهم إلى قوله ألم تكن آياتى تتلى عليكم فكنتم بها تكذبون ونقل القرطبى عن بعض العلماء أنه قال الكافر لا ثواب له وعمله مقابل بالعذاب فلا حسنة له توزن فى موازين القيامة ومن لا حسنة له فهو فى النار واستدل بقوله تعالى فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا وبحديث أبى هريرة وهو فى الصحيح فى الكافر لا يزن عند الله جناح بعوضة وتعقب أنه مجاز عن حقارة قدره ولا يلزم منه عدم الوزن وحكى القرطبى فى صفة وزن عمل الكافر وجهين أحدهما أن كفره يوضع فى الكفة ولا يجد له حسنة يضعها فى الأخرى فتطيش التى لا شىء فيها قال وهذا ظاهر الآية لأنه وصف الميزان بالخفة لا الموزون ثانيهما قد يقع منه العتق والبر والصلة وسائر أنواع الخير المالية مما لو فعلها المسلم لكانت له حسنات فمن كانت له حسنات جمعت ووضعت غير أن الكفر إذا قابلها رجح بها قلت ويحتمل أن يجازى بها عما يقع منه من ظلم العباد مثلا فإن استوت عذب بكفره مثلا فقط وإلا زيد عذابه بكفره أو خفف عنه كما فى قصة أبى طالب(فتح البارى لابنِ حجر، ج١٣ ص٥٣٧،٥٣٨،قوله باب قول الله تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيامة)

بے شک لکھتے تھے ہم ان کو، جو تم عمل کرتے تھے (سورہ جاثیہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے اعمال کو لکھنے کے لیے ایک کتاب مقرر ہے، جس کو نامۂ اعمال کہا جاتا ہے، اس میں فرشتوں کے ذریعہ سے ہر بات کو حق وسچ کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق آخرت میں وہ کلام کرے گی۔

اور سورہ قٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (سورة ق، رقم الآية ١٨)

ترجمہ: جو بات بھی کوئی بولتا ہے، تو اس کے پاس مضبوط محافظ (یعنی فرشتہ) ہوتا ہے (سورہ قٓ)

یعنی انسان کی ہر بات اور ہر لفظ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، مضبوط فرشتے کے ذریعے اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

اور سورہ انفطار میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ. كِرَامًا كَاتِبِينَ. يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (سورة الانفطار، رقم الآيات ١٠ الىٰ ١٢)

ترجمہ: اور بے شک تم پر نگرانی کرنے والے مکرم لکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں، جو تمہارے کاموں کو جانتے ہیں (سورہ انفطار)

یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال کو لکھنے کے لیے محافظ اور مکرم فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو انسانوں کے لکھے جانے والے اعمال سے باخبر ہیں، اور اس لیے وہ انسانوں کے نامۂ اعمال میں ان کے اعمال کو ٹھیک ٹھیک درج کرنے میں کسی قسم کی دشواری اور مشکل کا سامنا اور اس سلسلہ میں کسی طرح کی کوتاہی اور خیانت کا ارتکاب نہیں کرتے۔

سورہ زلزلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ .وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا

یَّرَہٗ(سورۃ الزلزلۃ، رقم الآیات ۷،۸)

ترجمہ: پس جو شخص عمل کرے گا ذرہ برابر، خیر کا، وہ دیکھ لے گا، اس کو، اور جو شخص عمل کرے گا ذرہ برابر شر کا، وہ دیکھ لے گا، اس کو(سورہ زلزلہ)

یعنی آخرت میں ہر خیر اور شر کا عمل کرنے والا اپنے عمل کو دیکھ لے گا، اور وہ دیکھنا اپنے نامۂ اعمال کی شکل میں ہی اجمالی، یا تفصیلی طور پر ہوگا، جس میں ہر خیر اور شر کے عمل کو اللہ کی طرف سے لکھا جا رہا ہے۔

مذکورہ تمہید کے بعد اب دائیں اور بائیں ہاتھ میں اور پیچھے سے نامۂ اعمال دیے جانے سے متعلق چند نصوص ضروری اور مفید تشریح وتوضیح کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ اسراء کا حوالہ

سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَوۡمَ نَدۡعُوۡ کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمۡ فَمَنۡ اُوۡتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ فَاُولٰٓئِکَ یَقۡرَءُوۡنَ کِتَابَهُمۡ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا. وَمَنۡ کَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا(سورۃ الاسراء، رقم الآیۃ ۷۱و۷۲)

ترجمہ: جس دن پکاریں گے ہم، سب لوگوں کو، ان کے اماموں کے ساتھ، پس جس کو دی جائے گی، اس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال) اس کے دائیں ہاتھ میں، تو یہ لوگ پڑھیں گے اپنی کتاب کو، اور نہیں مظلوم ہوں گے وہ، دھاگے کے برابر بھی۔ اور جو ہوگا اِس (دنیا) میں اندھا، تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا(سورہ اسراء)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ اپنی کتاب کو خوشی سے پڑھے گا۔

مذکورہ آیت میں صرف اتنی بات ہی مذکور ہے، بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے اوراس کی حالت کا صراحتاً ذکر نہیں، لیکن اگلی آیت میں ''اعمٰی'' سے مراد، کافر ہے، جو پہلی آیت کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، نیز دوسری آیات میں بھی دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والوں کے مومن ہونے اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والوں کے غیر مومن ہونے کا ذکر ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیے جانے کی حالت، مومن بندے کی بیان ہوئی ہے اور کافر کی حالت اس کے برعکس، بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے کی ہے۔ [1]

سورہ حآقہ کا حوالہ

سورہ حآقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] وإيتاؤه باليمين دليل على نجاة الطائع وخلاص الفاسق من النار إن دخلها وبشارته أنه لا يخلد فيها فأولئك جاء جمعا على معنى من إذ قد حمل على اللفظ أولا فأفرد فى قوله أوتى كتابه بيمينه وقراء تهم كتبهم هو على سبيل التلذذ بالاطلاع على ما تضمنتها من البشارة، وإلا فقد علموا من حيث إيتاؤهم إياها باليمين أنهم من أهل السعادة ومن فرحهم بذلك يقول البارى لأهل المحشر : هاؤم اقرؤا كتابيه ولم يأت هنا قسيم من أوتى كتابه بيمينه وهو من يؤتى كتابه بشماله، وإن كان قد أتى فى غير هذه الآية بل جاء قسيمه قوله.
ومن كان فى هذه أعمى وذلك من حيث المعنى مقابله لأن من أوتى كتابه بيمينه هم أهل السعادة(البحر المحيط فى التفسير،لا بن حيان الأندلسى،ج۷،ص۸۷،۸۸،سورة الإسراء)
فإن قلت :لم خص أصحاب اليمين بقراء ة كتابهم؟ كأن أصحاب الشمال لا يقرؤن كتابهم .قلت: بلى، ولكن إذا اطلعوا على ما فى كتابهم، أخذهم ما يأخذ المطالب بالنداء على جناياته، والاعتراف بمساويه، أما التنكيل به والانتقام منه، من الحياء والخجل والانخزال، وحبسة اللسان، والتتعتع، والعجز عن إقامة حروف الكلام، والذهاب عن تسوية القول، فكأن قراء تهم كلا قراء ة .وأما أصحاب اليمين فأمرهم على عكس ذلك، لا جرم أنهم يقرؤن كتابهم أحسن قراء ة وأبينها، ولا يقنعون بقراء تهم وحدهم حتى يقول القارء لأهل المحشر :هاؤم اقرؤا كتابيه(الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل،لجار الله الزمخشرى،ج٢،ص ٦٨٢ ،سورة الإسراء)
(فمن أوتى) من هؤلاء المدعوين (كتابه بيمينه فأولئك يقرؤون كتابهم) وإنما قيل أولئك لأن من فى معنى الجمع (ولا يظلمون فتيلا) ولا ينقصون من ثوابهم أدنى شىء ولم يذكر الكفار وإيتاء كتبهم بشمالهم اكتفاء بقوله ومن كان فى هذه أعمى فهو فى الآخرة أعمى وأضل سبيلا(تفسير النسفى،ج ٢،ص ٢٧٠ ،سورة الإسراء)

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَيَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُ وْا كِتَابِيَهْ . إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ . فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ . فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ . قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ . كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ .

وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُوْلُ يَالَيْتَنِيْ لَمْ أُوْتَ كِتَابِيَهْ . وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ . يَالَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ . مَا أَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ . هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْ . خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ . ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ . ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ . إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ . وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ . فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ . وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ . لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُوْنَ (سورة الحاقة، رقم الآيات ۱۹ الی ۳۷)

ترجمہ: پس وہ شخص جس کو دی جائے گی، اس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال) اس کے دائیں ہاتھ میں، تو وہ کہے گا کہ آ ؤ! پڑھو تم اس کتاب کو۔ بے شک میں گمان (یعنی یقین) کرتا تھا کہ بے شک میں ملاقات کرنے والا ہوں، اپنے (اس آخرت کے) حساب سے۔ پس وہ عیش میں راضی ہوگا۔ عالی شان جنت میں ہوگا۔ اس (جنت) کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے (اللہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ) کھاؤ تم اور پیو تم مزے سے، ان چیزوں (یعنی اعمال) کی وجہ سے، جو تم گزرے ہوئے دنوں میں (یعنی دنیا کے اندر) کر چکے ہو۔

اور وہ شخص جس کو دی جائے گی، اس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں، تو وہ کہے گا کہ کاش! کہ نہ دی جاتی مجھے میری کتاب۔ اور نہ جانتا میں اپنے حساب کو۔ کاش کہ! وہ (یعنی موت) خاتمہ کرنے والی ہوتی (یعنی موت پر کام تمام ہو جاتا، اور دوبارہ زندہ ہو کر آج اس دن کا سامنا کرنے کی نوبت نہ

آتی) نہیں فائدہ پہنچایا میری طرف سے میرے مال نے۔ برباد ہوگیا مجھ سے میرا اقتدار واختیار (اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) پکڑو اس کو، پھر طوق پہنا دو اس کو۔ پھر جہنم میں جھونک دو اس کو۔ پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ذراع ہے، جکڑ دو اِس کو۔ بے شک وہ نہیں ایمان رکھتا تھا اللہ پر جو انتہائی عظیم ہے۔ اور نہ ہی ترغیب دیتا تھا، مسکین کو کھلانے کی۔ پس نہیں ہے، اس کا آج کے دن یہاں کوئی دوست۔ اور نہ ہی کھانا ہے، مگر دھوون (یعنی زخموں وغیرہ کا میل کچیل) نہیں کھائیں گے، اس کو مگر خطا کار ہی (سورہ حاقہ)

مذکورہ آیات میں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے شخص کا بھی ذکر ہے، اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے شخص کا بھی ذکر ہے، ساتھ ہی ان دونوں قسم کے لوگوں کے کچھ اعمال واحوال کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے شخص کے بارے میں ایک بات یہ مذکور ہے کہ:

"إِنِّیْ ظَنَنْتُ أَنِّیْ مُلَاقٍ حِسَابِیَهْ"

''بے شک میں یقین کرتا تھا کہ بے شک میں ملاقات کرنے والا ہوں، اپنے حساب سے''

یعنی یہ شخص آخرت کے حساب وکتاب سے ملاقات کرنے اور حساب وکتاب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ عقیدہ اس کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔ [1]

اور مومن بندہ یا تو شروع میں، یا پھر کچھ سزا کاٹنے کے بعد، بالآخر عالی شان جنت میں پہنچ جائے گا، جس میں ہر طرح کا عیش وآرام ہوگا، اور اس میں ہر طرح کے پھل اور میوے ہوں

---

[1] وإنما أجرى الظن مجرى العلم لأن الظن فى الغالب يقوم مقام العلم فى العادات والأحكام أنى ملاق حسابيه أى فى الآخرة والمعنى أنى كنت فى الدنيا أستيقن أنى أحاسب فى الآخرة (تفسير الخازن، ج۴ص ۳۳۶، سورة الحاقة)

گے، جنت کی ان نعمتوں سے وہ مومن بندہ دنیا میں کیے ہوئے اپنے نیک اعمال کی بدولت، یا کم از کم ایمان کی بدولت جلد، یا بدیر مستفید ہوگا۔

اور گزشتہ آیات میں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے شخص کے بارے میں ایک بات یہ مذکور ہے کہ:

''إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ''

''بے شک وہ نہیں ایمان رکھتا تھا اللہ پر جو انتہائی عظیم ہے''

اس میں، اللہ پر ایمان نہ ہونے کا ذکر ہے، اور یہ عقیدہ اس کے کافر ہونے کی دلیل ہے اور مومن، اس سے خارج ہے، کیونکہ مومن بندہ کا اللّٰہُ العظیم پر ایمان ہوتا ہے۔ [1]

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے کہ:

''وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ''

تو یہ کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کی دلیل ہے، اور کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مستقل مضمون میں بیان کردی ہے، جو ''کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کا حکم'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

نیز مذکورہ آیات میں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے کے متعلق یہ بھی مذکور ہے کہ:

'' يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ''

''کاش کہ! وہ (یعنی موت) خاتمہ کرنے والی ہوتی''

اور موت سے خاتمہ ہونے اور مٹی ہوجانے اور زندہ نہ کیے جانے کی حالت بھی اس کے کافر ہونے کی متقاضی ہے۔

---

[1] إنه كان لا يؤمن بالله العظيم أى لا يصدق بوحدانية الله وعظمته(تفسير الخازن، ج۴ص ۳۳۶، سورة الحاقة)

والذين يؤتون كتابهم بشمائلهم :هم المخلدون فى النار أهل الكفر فيتمنون أن لو كانوا معدومين لا يجرى عليهم شيء(تفسير ابن عطية الأندلسى، ج۵،ص ۳۶۰،سورة الحاقة)

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ نباء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا

(سورة النباء، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: جس دن دیکھے گا آدمی ان اعمال کو، جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے، اور کہے گا کافر کہ اے کاش! ہوتا میں مٹی (سورہ نبا)

سورہ نساء میں بھی کافروں کے بارے میں اسی طرح کی خواہش کے اظہار کرنے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کافر، اپنے مٹی ہونے کی تمنا کرے گا، تاکہ وہ جانوروں کی طرح مٹی ہوکر ہر طرح کے عذاب سے محفوظ ہو جائے، لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ [2]

پس مذکورہ دلائل وقرائن سے معلوم ہوا کہ مومن کو اس کا نامۂ اعمال، دائیں ہاتھ میں اور کافر کو اس کا نامۂ اعمال، بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

سورہ انشقاق کا حوالہ

سورہ انشقاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ (سورة النساء، رقم الآية ۴۲)

[2] (يوم) ظرف لعذابا بصفته (ينظر المرء) كل امرء (ما قدمت يداه) من خير وشر (ويقول الكافر يا) حرف تنبيه (ليتنى كنت ترابا) يعنى فلا أعذب يقول ذلك عندما يقول الله تعالى للبهائم بعد الاقتصاص من بعضها لبعض كونى ترابا (تفسير الجلالين، سورة النبأ)

(يومئذ) يوم المجيء (يود الذين كفروا وعصوا الرسول لو) أى أن (تسوى) بالبناء للمفعول والفاعل مع حذف إحدى التاء ين فى الأصل ومع إدغامها فى السين أى تتسوى (بهم الأرض) بأن يكونوا ترابا مثلها لعظم هوله كما فى آية أخرى (ويقول الكافر يا ليتنى كنت ترابا) (تفسير الجلالين، سورة النساء)

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ . فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا . وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا . وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ . فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا. وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا . إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا . إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ . بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا (سورة الانشقاق، رقم الآيات ۷ الی ۱۵)

ترجمہ: پھر وہ شخص کہ دیا جائے گا اس کی کتاب (نامۂ اعمال) کو اس کے دائیں ہاتھ میں، تو عنقریب حساب کیا جائے گا اس کا، آسان حساب، اور لوٹے گا وہ اپنے گھر والوں کی طرف، خوشی کی حالت میں، اور وہ شخص کہ دیا جائے گا، اس کی کتاب (نامۂ اعمال) کو اس کی پشت کے پیچھے سے، تو عنقریب پکارے گا وہ موت کو، اور داخل ہوگا وہ جہنم میں، بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں مسرت کی حالت میں، بے شک گمان کرتا تھا وہ کہ ہرگز لوٹ کر نہیں جائے گا، کیوں نہیں! بے شک اس کا رب، تھا اس کو خوب اچھی طرح دیکھنے والا (سورہ انشقاق)

مذکورہ آیات میں پیٹھ کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیے جانے والے کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

''يَدْعُو ثُبُورًا'' ''پکارے گا وہ ہلاکت کو''

اور ہلاکت کو پکارنے کی حالت، اس کے کافر ہونے کا قرینہ ہے، جیسا کہ اس سے پہلی آیات کے ذیل میں گزرا۔

نیز قرآن مجید میں دوسرے مقام پر قیامت کا انکار کرنے والوں کے متعلق اسی حالت کا ''دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا'' کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔ [1]

---

[1] بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا. إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا. وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا. لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا (سورة الفرقان، رقم الآيات ۱۱ الیٰ ۱۴)

(فسوف يدعو ثبورا) ينادى بالويل والهلاك إذا قرأ كتابه يقول: يا ويلاه يا ثبوراه، كقوله تعالى: "دعوا هنالك ثبورا" (تفسير البغوى، ج ۵ ص ۲۲۹، سورة الانشقاق)

فهـذا والـلّٰــه أعـلـم، هـو الأظهر، لأنـه المذكور فى الآية الأخرى والـقـرآن يفسر بعضه بعضا، وهذا أولٰى ما يفسر به، ثم الأحاديث الصحيحة ثم الآثار.

نیز مذکورہ آیات میں اسی شخص کے متعلق آگے یہ بھی ارشاد ہے کہ:

"إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَّحُوْرَ"

"بے شک گمان کرتا تھا وہ کہ ہرگز لوٹ کر نہیں جائے گا"

اور لوٹ کر نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں دوبارہ زندہ نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کافر کا ہوتا ہے، مومن کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پیچھے سے نامۂ اعمال کافر کو دیا جائے گا، جبکہ اس سے پہلی آیت میں کافر کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانا، گزر چکا ہے، دونوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ کافروں کو اپنے کفر کے جرم کی بنا پر، اللہ یا اس کے فرشتوں کا سامنا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور جس طرح دنیا میں انتہائی خطرناک مجرموں اور دہشت گردوں کو دوسری طرف رُخ کر کے اور بعض اوقات ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر، ان کے لیے احکام صادر کیے جاتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن کفر کے جرم میں مبتلا لوگوں کو ان کے نامۂ اعمال پشت کی طرف سے، بائیں ہاتھ میں پیش کیے جائیں گے۔ اکثر مفسرین سے بھی یہی بات مروی ہے، اور کافر دراصل اسی سلوک کے لائق ہے۔ [1]

---

[1] وأمـا مـن أوتـى كتـابـه وراء ظهره ، فتغل يده اليمنى إلى عنقه وتجعل يده الشمال وراء ظهره، فيؤتى كتابه بشماله من رواء ظهره .وقال مجاهد: تخلع يده اليسرى من وراء ظهره(تفسير البغوى، ج۵ص ۲۲۹، سورة الانشقاق)

وقـوله تعالى: وأمـا مـن أوتـى كتابه وراء ظهره أى بشماله من وراء ظهره تثنى يده إلى ورائه ويعطى كتابه بها كذلك فسوف يدعوا ثبورا أى خسارا وهلاكا ويصلى سعيرا إنه كان فى أهله مسرورا أى فـرحـا لا يفكر فى العواقب ولا يخاف مما أمامه، فأعقبه ذلك الفرح اليسير الحزن الطويل إنه ظن أن لـن يـحور أى كان يعتقد أنه لا يرجع إلى الله ولا يعيده بعد موته، قاله ابن عباس وقتادة وغيرهما، والحور هو الرجوع قال الله: بلى إن ربه كان به بصيرا يعنى بلى سيعيده الله كما بدأه ويجازيه على أعـمـالـه خيـرهـا وشـرهـا فإنه كان به بصيرا أى عليما خبيرا(تفسير ابنِ كثير، ج۸ص ۳۵۳، سورة الانشقاق)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے، اور امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ ''کتاب تفسیر القرآن'' میں ''سورۃ إذا السماء انشقت'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

قَالَ مُجَاهِدٌ: كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ يَأْخُذُ كِتَابَهُ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ (صحيح البخارى، كتاب تفسير القرآن)

ترجمہ: مجاہد نے ''كتابه بشماله'' کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی کتاب کو اپنی پشت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما من أوتى كتابه وراء ظهره يعنى أنه تغل يده اليمنى إلى عنقه، وتجعل يده اليسرى وراء ظهره، فيعطى كتابه بشماله من وراء ظهره، وقيل تخلع يده الشمال فتخرج من وراء ظهره فيعطى بها كتابه فسوف يدعوا ثبورا يعنى عند إعطائه كتابه بشماله من وراء ظهره يعلم أنه من أهل النار فيدعو بالويل والهلاک، فيقول يا ويلاه يا ثبوراه ويصلى سعيرا أى ويقاسى التهاب النار وحرها إنه كان فى أهله يعنى فى الدنيا مسرورا يعنى باتباع هواه وركوب شهواته إنه ظن أن لن يحور أى لن يرجع إلينا ولن يبعث والحور الرجوع بلى ليس الأمر كما ظن بل يحور إلينا، ويبعث ويحاسب إن ربه كان به بصيرا أى من يوم خلقه إلى أن يبعث (تفسير الخازن، ج۴ص ۴۰۹، سورة الانشقاق)

وأما من أوتى كتابه بشماله وهو الكافر يجعل شماله وراء ظهره فياخذ بها كتابه كذا اخرج البيهقى عن مجاهد قال ابن اسائب يلوى يده اليسرى خلف ظهره ثم يعطى كتابه وقيل ينزع يده اليسرى من صدره الى خلف ظهره (التفسير المظهرى، ج۱۰ ص ۵۴، ۵۵، سورة الحاقة)

(وأما من أوتى كتابه وراء ظهره) هو الكافر تغل يمناه إلى عنقه وتجعل يسراه وراء ظهره فيأخذ بها كتابه (تفسير الجلالين، سورة الانشقاق)

وأما من أوتى كتابه وراء ظهره: أى يؤتاه بشماله من وراء ظهره قيل تغل يمناه إلى عنقه ويجعل شماله وراء ظهره فيؤتى كتابه بشماله وقيل تخلع يده اليسرى من وراء ظهره (تفسير ابو السعود، ج۹ص ۱۳۲، سورة الانشقاق)

يقول تعالى ذكره: وأما من أعطى كتابه منكم أيها الناس يومئذ وراء ظهره، وذلک أن جعل يده اليمنى إلى عنقه وجعل الشمال من يديه وراء ظهره، فيتناول كتابه بشماله من وراء ظهره، ولذلک وصفهم جل ثناؤه أحيانا أنهم يؤتون كتبهم بشمائلهم، وأحيانا أنهم يؤتونها من وراء ظهورهم.
وبنحو الذى قلنا فى ذلک أهل التأويل.
ذكر من قال ذلک:

حدثنى محمد بن عمرو، قال: ثنا أبو عاصم، قال: ثنا عيسى؛ وحدثنى الحارث، قال: ثنا الحسن، قال: ثنا ورقاء، جميعا، عن ابن أبى نجيح، عن مجاهد، قوله: (وأما من أوتى كتابه وراء ظهره) قال: يجعل يده من وراء ظهره (تفسير الطبرى، ج۲۴ص ۳۱۵، سورة الانشقاق)

کے پیچھے سے لے گا (بخاری)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''البعث والنشور'' میں حضرت مجاہد کا مذکورہ قول باسند طریقے پر روایت کیا ہے۔ [1]

اور بخاری کے شارحین نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔ [2]

جبکہ کافروں کے مقابلہ میں مومنوں کو ان کے ایمان واعمالِ صالحہ، یا کم از کم ایمان کی بدولت سامنے کی طرف سے ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال پیش کیا جائے گا۔ [3]

لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہر وہ مومن جس کو نامۂ اعمال، دائیں ہاتھ میں دیا گیا، ضروری نہیں کہ وہ ہر طرح کے عذابِ جہنم سے محفوظ ہو کر ابتداء سے ہی جنت میں داخل ہو جائے، بلکہ جس طرح کسی مومن کے متقی و پرہیزگار ہونے کی صورت میں بغیر عذاب کے، جنت میں داخلہ کی نعمت میسر ہوگی، اور یہ اس کے لیے کامل مسرت کا ذریعہ ہوگی، اسی طرح

---

[1] قال: وحدثنا آدم، حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، في قوله: (وأما من أوتي كتابه وراء ظهره)قال: يجعل شماله وراء ظهره فيأخذ بها كتابه(البعث والنشور، رقم الرواية ۳۵۲)

[2] معنى أخذ كتابه بشماله أنه يأخذ من وراء ظهره، وفسره مجاهد في قوله تعالى(وأما من أولى كتابه وراء ظهره)أنه نقل يده اليمنى إلى عنقه وتجعل يده الشمال وراء ظهره فيؤتى كتابه من وراء ظهره، وعن مجاهد أيضا، أنه تخلع يده من وراء ظهره(عمدة القارى للعينى، ج۱۹ ص۲۸۳، ۲۸۴، كتاب تفسير القرآن،سورة إذا السماء انشقت)

[3] ثم قال عز وجل: فأما من أوتي كتابه بيمينه يعني: المؤمن فسوف يحاسب حسابا يسيرا يعني: حسابا هينا وينقلب أي: يرجع إلى أهله مسرورا الذى أعد الله له في الجنة سرورا به .وروى ابن أبي مليكة، عن عائشة– رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:
من نوقش في الحساب يوم القيامة عذب فقلت: أليس يقول الله تعالى فسوف يحاسب حسابا يسيرا يعني: هينا .قال: ليس ذلك في الحساب، إنما ذلك العرض، ولكن من نوقش للحساب يوم القيامة، عذب .ويقال: حسابا يسيرا، لأنه غفرت ذنوبه، ولا يحاسب بها، ويرجع من الجنة مستبشرا .وأما من أوتي كتابه وراء ظهره يعني: الكافر، يخرج يده اليسرى من وراء ظهره، يعطى كتابه بها فسوف يدعوا ثبورا يعني: بالويل والثبور على نفسه .ويصلى سعيرا يعني: يدخل في الآخرة نارا وقودا(تفسير السمر قندى، ج۳ص ۵۶۱، سورة الانشقاق)
فأما من أوتي كتابه ديوان عمله بيمينه وهم المؤمنون(التفسير المظهرى، ج۱۰ ص ۲۲۹، سورة الانشقاق)

گناہ گار اور فاسق و فاجر ہونے کی صورت میں اپنی اپنی بداعمالیوں کے اعتبار سے اللہ کے حکم کے مطابق جہنم کے عذاب کا سامنا کرکے، پھر جنت کی نعمت حاصل ہو سکے گی، جو کہ اس کے لیے بالآخر باعثِ مسرت ہوگی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مومن بندے کے نامۂ اعمال میں کچھ قابلِ مؤاخذہ گناہ ہونے کی صورت میں حساب و کتاب کے وقت اللہ کے سامنے شرمندگی اور خوف کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے، یہ بھی ایک طرح کا عذاب ہوگا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے درگزر کر دیا جائے گا، اور جہنم کے عذاب کے بغیر جنت میں داخل کر دیا جائے گا، یہ بھی مومن کے لیے فی الجملہ مسرور ہونے کا ذریعہ ہوگا۔ [1]

تفسیر معارفُ القرآن کا حوالہ

پھر بندہ کو مذکورہ موقف کی تائید ''معارف القرآن'' وغیرہ میں بھی دستیاب ہوئی۔

چنانچہ تفسیر معارفُ القرآن عثمانی میں سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کے ذیل میں ہے کہ:

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال صرف کفار کو دیا جائے گا، جیسا کہ ایک آیت میں ہے:

''إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ''

---

[1] قلت: والذی یظهر من الأحادیث التی فی أخبار البعث: أن الصحف تنشر دفعة واحدة للطائع والعاصی، والمؤمن والکافر، فالمؤمن یأخذ کتابه بیمینه، فیسر، فإن کان کاملا فسروره ظاهر، وإن کان عاصیا فرح أن مآله للجنة، ویجوز أن یبهم الأمر علیه حینئذ، فیفرح لظنه النجاة، فإن مر علی الصراط زلت قدمه لمکان معاصیه، فینفذ فیه الوعید، ثم یخرج، وأما بعد خروجه من النار وحسابه حینئذ فبعید جدا، لم یرد به نص.

قال الشیخ ابن أبی جمرة رضی الله عنه: عادته تعالی فی التنزیل أن یذکر الکامل فی الطاعة، والکامل فی العصیان ـ أی: الکفر ـ ویسکت عن المخلط، فدل علی أنه یری من هذا ویری من هذا. هـ .بالمعنی .فالذی یقول: (هاؤم اقرأوا کتابیه)هو الکامل، أو الذی حوسب وعفی عنه، وأما العاصی الذی ینفذ فیه الوعید، فلعله یسکت .والله تعالی أعلم، وسترد وتعلم(البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، لأحمد بن محمد الفاسی، ج۷،ص ۱۲۹،سورة الحاقة)

اور ایک دوسری آیت میں ہے:

"إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ"

پہلی آیت میں صراحتاً ایمان کی نفی کی گئی ہے، اور دوسری میں انکارِ آخرت، مذکور ہے، وہ بھی کفر ہی ہے، اس تقابل سے معلوم ہوا کہ داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال، اہلِ ایمان کو دیا جائے گا، خواہ متقی ہوں یا گناہ گار۔ مومن اپنے نامۂ اعمال کو خوشی کے ساتھ پڑھے گا، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھوائے گا، یہ خوشی ایمان کی اور عذابِ ابدی سے نجات کی ہوگی، گو بعض اعمال پر سزا بھی ہوگی (معارف القرآن عثمانی، ج۵،ص ۵۰۸، سورہ بنی اسرائیل، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ، اپریل 2008ء)

تفسیر معارفُ القرآن کا دوسرا حوالہ

تفسیر معارفُ القرآن عثمانی ہی میں سورہ انشقاق کی تفسیر کے خلاصۂ تفسیر میں ہے کہ:

(اس روز) جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا، سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ (اس سے فارغ ہوکر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا (آسان حساب کے مراتب مختلف ہیں، ایک یہ کہ اس پر بالکل عذاب مرتب نہ ہو، بعض کے لیے تو یہ ہوگا، اور حدیث میں اسی کی تفسیر یہ آئی ہے کہ جس حساب میں مناقشہ (خوردہ گیری) نہ ہو، صرف پیشی ہوجاوے، اور یہ ان کے لیے ہوگا، جو بلا کسی عذاب کے نجات پائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اس پر عذابِ دائمی نہ ہو، اور یہ عام مومنین کے لیے ہوگا، اور مطلق عذاب اس کے منافی نہیں) اور جس شخص کا نامۂ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا (مراد اس سے کفار ہیں، اور پشت کی طرف سے ملنے کی دو صورتیں ہوسکتی

ہیں۔ایک یہ کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں گی، تو بایاں ہاتھ بھی پشت کی طرف ہوگا، دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جائے گا، **کذا فی الدر المنثور**)سو وہ موت کو پکارے گا (جیسا مصیبت میں عادت ہے موت کی تمنا کرنے کی) اور جہنم میں داخل ہوگا، یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل وعیال وحشم وخدم) میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرطِ خوشی میں آخرت کی تکذیب کرنے لگا تھا، جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے (معارف القرآن عثمانی، ج۸،ص۷۰۱،۷۰۲، سورہ انشقاق ،مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ، اپریل 2008ء)

اور تفسیر معارف القرآن عثمانی ہی میں مذکورہ مقام پر ''معارف ومسائل'' کے ذیل میں ہے کہ:

''**فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ . فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا . وَيَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِهِ مَسْرُوْرًا**''

اس میں مومنین کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے، اور ان سے بہت آسان حساب لے کر جنت کی بشارت دے دی جائے گی، اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش واپس ہوگا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**من حوسب یوم القیامۃ عذب**'' یعنی قیامت کے روز، جس سے حساب لیا جائے، وہ عذاب سے نہ بچے گا، اس پر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے ''**يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا**'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اس آیت میں، جس کو حسابِ یسیر فرمایا، وہ درحقیقت مکمل حساب نہیں، بلکہ صرف رب العزت کے سامنے پیشی ہے، اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا، وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومنین کے اعمال بھی ربُّ العزت کے سامنے پیش تو سب ہوں گے، مگر ان کے ایمان کی برکت سے ان کے ہر ہر عمل پر مناقشہ نہیں ہوگا، اسی کا نام ''حسابِ یسیر'' ہے، اور اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس ہونے کے دو معنیٰ ہوسکتے ہیں، یا تو گھر والوں سے مراد جنت کی حوریں ہیں، جو وہاں اس کے اہل ہوں گی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں جو اس کے اہل وعیال تھے، محشر کے میدان میں جب حساب کے بعد کامیابی ہوگی، تو دنیا کی عادت کے مطابق اس کی خوشخبری سنانے ان کے پاس جائے، ائمہ تفسیر نے دونوں احتمال بیان فرمائے ہیں (معارف القرآن عثمانی، ج۸،ص۷۰۴، ۷۰۵،سورہ انشقاق،مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن،کراچی،طبع جدید: ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ،اپریل 2008ء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس سلسلہ میں مختلف روایات کے الفاظ تو آگے آتے ہیں، لیکن گزشتہ عبارات سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ سب مومنوں کو ان کے ایمان کی ہدایت و سعادت کی برکت سے ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں پیش کیے جائیں گے، اور سب کافروں کو ان کے کفر کی ضلالت وشقاوت کی وجہ سے ان کے نامۂ اعمال، بائیں ہاتھ میں پشت کی طرف سے دیے جائیں گے۔

بعض احادیث وروایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:لَیْسَ أَحَدٌ یُحَاسَبُ إِلَّا ہَلَکَ قَالَتْ:قُلْتُ:یَا رَسُولَ اللّٰہِ جَعَلَنِی اللّٰہُ فِدَائَکَ، أَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ:(فَأَمَّا مَنْ أُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِینِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا) قَالَ:ذَاکَ الْعَرْضُ یُعْرَضُوْنَ وَمَنْ نُوْقِشَ الْحِسَاب ہَلَکَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۹۳۹، کتاب تفسیر القرآن، باب فسوف یحاسب حسابا یسیرا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) جس کا حساب لیا گیا، وہ ہلاک ہوجائے گا (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے، کیا اللہ عزوجل نے (سورہ انشقاق میں) یہ نہیں فرمایا کہ ''پس جس کواس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی، تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ (آسان حساب جس کا ذکر اس آیت میں ہے) صرف (اللہ کے حضور) پیشی ہے، لیکن جس شخص سے حساب میں مناقشہ کیا گیا (یعنی پورا پورا حساب لیا گیا) وہ تو ہلاک ہوگا (بخاری)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَیْسَ أَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ إِلَّا ہَلَکَ فَقُلْتُ:یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، أَلَیْسَ قَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: (فَأَمَّا مَنْ أُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:إِنَّمَا ذٰلِکِ الْعَرْضُ، وَلَیْسَ أَحَدٌ

يُنَاقَشُ الحِسَابَ يَوْمَ القِيَامَةِ إِلَّا عُذِّبَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٦٥٣٧، كتاب الرقاق، باب: من نوقش الحساب عذب)

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) جس کا بھی حساب لیا جائے گا، وہ ہلاک ہوجائے گا (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ عزوجل نے (سورہ انشقاق میں) یہ نہیں فرمایا کہ "پس جس کو اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی، تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ یہ حساب (جس کا ذکر اس آیت میں ہے) صرف (اللہ کے حضور) پیشی ہے، لیکن جس شخص سے حساب میں مناقشہ کیا گیا، وہ تو عذاب میں مبتلا ہوگا (بخاری)

اس سے پہلی روایت میں ہلاک ہونے کا ذکر تھا، اور مذکورہ روایت میں عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے، دونوں میں درحقیقت ٹکراؤ نہیں، کیونکہ گزشتہ حدیث میں ہلاک ہونے سے مراد، عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے، خواہ وہ عذاب، کسی بھی نوعیت کا ہو، کیونکہ اللہ کا ہر عذاب ہی بندہ کی ہلاکت وتباہی کا ذریعہ ہے، جس کو سہنے کی بندہ میں طاقت نہیں۔ اللّٰھم احفظنا منه۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی تیسری روایت

مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحِسَابِ الْيَسِيْرِ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ؟ فَقَالَ: الرَّجُلُ تُعْرَضُ عَلَيْهِ ذُنُوْبُهُ، ثُمَّ يُتَجَاوَزُ لَهُ عَنْهَا، إِنَّهُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٥٥١٥) [1]

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى، عبد الواحد بن حمزة بن عبد الله بن الزبير لا بأس به (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''حسابِ یسیر'' کے بارے میں سوال کیا، اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ''حسابِ یسیر'' کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ آدمی پر اس کے گناہ پیش کیے جائیں گے، پھر اس سے درگزر کر دیا جائے گا۔
لیکن جس کے حساب کا مناقشہ کیا گیا، وہ ہلاک ہو جائے گا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث و روایات سے معلوم ہوا کہ ''حسابِ یسیر'' دراصل ایک طرح سے اللہ کے حضور پیشی ہے، جس کے بعد اللہ کی طرف سے مومن بندہ کو جلد یا بدیر جنت کا مستحق قرار دے دیا جائے گا۔
لیکن مناقشہ کے ساتھ مکمل حساب، جس سے ہوگا، اس کا حساب بھی آسان نہ ہوگا۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی چوتھی روایت

امام ابوداؤد نے حضرت حسن بصری کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

''تین مواقع پر کوئی کسی سے کچھ ذکر نہیں کرے گا، ایک تو میزانِ عمل کے وقت، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا میزانِ عمل ہلکا رہتا ہے، یا بھاری ہوتا ہے، اور دوسرے نامۂ اعمال کے وقت، جب یہ کہا جائے گا کہ ''هاؤم اقرء وا كتابيه'' یہاں تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں واقع ہوتی ہے، یا بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے، اور تیسرے پل صراط کے

---

[1] و(قوله: إنما ذلک العرض) يعني: أن الحساب المذكور في الآية إنما هو أن تعرض أعمال المؤمن عليه، ويوقف عليها تفصيلا حتى يعرف منة الله تعالى عليه في سترها عليه في الدنيا، وفي عفوه عنها في الآخرة، كما جاء في حديث ابن عمر الآتي بعد هذا(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، ج٨ص١٥٨، كتاب ذكر الموت وما بعده،باب في المحاسبة ومن نوقش هلک)

وقت، جب اس (پل صراط) کو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا"۔ [1]

حضرت حسن نے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت نہیں کی، اس لیے مذکورہ حدیث کی سند منقطع ہے، جس کی وجہ سے بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "مشکاۃ" کی شرح میں فرمایا کہ "سنن ابی داؤد" کے بعض نسخوں میں مذکورہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ:

"حتی یعلم: أین یقع کتابه، أفی یمینه أم فی شماله من وراء ظهره؟"

یعنی "یہاں تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں واقع ہوتی ہے، یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے" [3]

مطلب یہ ہے کہ سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں "شمالہٖ" کے بعد "أم" کا اضافہ نہیں، اس حیثیت سے نامۂ اعمال دیے جانے کی جہات تین کے بجائے دو ہی بنتی ہیں، یعنی ایک دائیں، اور دوسری بائیں، جبکہ پیچھے کی جہت، بائیں جہت میں داخل ہے، اکثر مفسرین کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے اور پشت کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیے

---

[1] حدثنا یعقوب بن إبراهیم وحمید بن مسعدة، أن اسماعیل بن إبراهیم حدثهم، أخبرنا یونس، عن الحسن عن عائشة: أنها ذکرت النار، فبکت، فقال رسول الله –صلی الله علیه وسلم–: ما یبکیک؟ "قالت: ذکرت النار، فبکیت، فهل تذکرون أهلیکم یوم القیامة؟ فقال رسول الله –صلی الله علیه وسلم–: "أما فی ثلاثة مواطن فلا یذکر أحد أحدا: عند المیزان حتی یعلم أیخف میزانه أو یثقل، وعند الکتاب حین یقال: }هاؤم اقرئوا کتابیه {حتی یعلم أین یقع کتابه أفی یمینه، أم فی شماله، أم من وراء ظهره، وعند الصراط إذا وضع بین ظهری جهنم (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۷۵۵، باب فی ذکر المیزان)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده ضعیف لانقطاعه .الحسن: وهو البصری لم یسمع من عائشة(حاشیة سنن ابی داؤد، تحت رقم الحدیث ۴۷۵۵)

[3] (حتی یعلم: أین یقع کتابه، أفی یمینه أم فی شماله من وراء ظهره؟) .کذا فی سنن أبی داود، وبعض نسخ المصابیح، وفی أکثرها: أو من وراء ظهره(مرقاة المفاتیح، ج۸ص ۳۵۳۲، کتاب صفة القیامة والجنة والنار،باب الحساب والقصاص والمیزان)

جانے والوں کی قرآن مجید میں دونوں جگہ جو صفات مذکور ہیں، وہ کافر ہونے کی متقاضی ہیں، اور ہمارے نزدیک یہی راجح بھی ہے، جیسا کہ پہلے باحوالہ گزرا۔

البتہ اگر لفظِ ''أم'' والے الفاظ کو راجح قرار دیا جائے، تو پھر نامۂ اعمال پیش کی جانے والی جہات بظاہر تین بنتی ہیں، یعنی ایک دائیں، دوسری بائیں اور تیسری پیچھے۔

لیکن ایک تو مذکورہ حدیث میں بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیے جانے والوں کے بارے میں یہ تصریح نہیں کہ وہ دونوں کافر ہوں گے، یا ایک کافر ہوگا، اور دوسرا مومن ہوگا، اس لیے اس کے فیصلے کے لیے پھر دوسری نصوص کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور دوسری نصوص سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ دونوں قسم کے لوگ، کافر ہی ہوں گے، اس صورت میں ممکن ہے کہ بعض کافر وہ ہوں، جن کو مثلاً کفر کی وجہ سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پیش کیے جائیں، اور بعض وہ ہوں، جو مثلاً کفار کے مکلّف بالفروع ہونے کے اصول کی بناء پر، فروع میں کثرتِ سیئات کی وجہ سے پیٹھ کے پیچھے سے دیے جانے کے بھی مستحق ہوں، تاکہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے لوگوں کے کافر ہونے کی متقاضی نصوص سے معارضہ لازم نہ آئے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔ [1]

اور یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے، جبکہ مذکورہ روایت کو سند کے اعتبار سے معتبر مانا جائے، ورنہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس روایت کی سندی حیثیت کا قرآن مجید کی نصوص سے معارضہ کرنا درست نہیں۔

---

[1] (حتى يعلم أين يقع كتابه أفي يمينه) فيكون من أصحاب اليمين فسلام لک من أصحاب اليمين (أم في شماله) فيكون من أصحاب المشأمة (أو من وراء ظهره) وهذه الثلاث الجهات التى قد ثبتت فى القرآن أنها جهات إعطاء الكتاب إلا أن ظاهر كلام أئمة التفسير أن الإعطاء من وراء الظهر ومن جهة الشمال واحدة، قال المحقق أبو السعود فى قوله:(وأما من أوتى كتابه وراء ظهره)أى يؤتى بشماله من وراء ظهره قيل: تغل يمينه إلى عنقه وتجعل شماله وراء ظهره فيؤتى كتابه بشماله وقيل: تخلع يده اليسرى من وراء ظهره ومثله فى الكشاف.

وظاهر حديث الكتاب أنها ثلاث جهات ولا مانع أن يكون منهم من يعطاه بشماله من تلقاء وجهه ومنهم من يعطاه بها من وراء ظهره (التنوير شرح الجامع الصغير، للصنعانى، ج٣ص ٢١٥، حرف الهمزة، الهمزة مع اللام واللام مع الموحدة على مقتضى ترتيب الحروف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اسراء کی اس آیت:

''يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ''

کے بارے میں فرمایا کہ لوگوں میں سے کسی کو بلایا جائے گا، پھر اس کی کتاب کو اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور اس کے جسم کو ساٹھ ذراع لمبا کر دیا جائے گا، اور اس کے چہرے کو سفید (یعنی روشن ومنور) کر دیا جائے گا، اور اس کے سر پر چمک دار موتیوں کا تاج رکھ دیا جائے گا، پھر وہ اپنے اصحاب (یعنی گھر والوں) کی طرف جائے گا، وہ اس کو دور سے دیکھ کر کہیں گے کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرمایئے، یہاں تک کہ وہ (مومن) شخص اپنے اصحاب کے پاس پہنچ جائے گا، پھر کہے گا کہ تم خوشخبری حاصل کرو کہ تم میں سے ہر ایک مومن کے لیے اسی کے مثل ہے۔

جہاں تک کافر کا تعلق ہے، تو اس کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، اور اس کے چہرے کو سیاہ کر دیا جائے گا، اور اس کے جسم کو آدم کی صورت کے مطابق ساٹھ ذراع لمبا کر دیا جائے گا، اور اس کو آگ کا تاج پہنایا جائے گا، جس کو اس کے اصحاب دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اے اللہ! اس کو رسوا کر دیجیے، جس کے جواب میں یہ (کافر) شخص کہے گا کہ تمہیں اللہ (رحمت سے) دور کرے، تم میں سے بھی ہر ایک کافر کے لیے اسی کے مثل ہے (جو میرے لیے ہے)''۔ [1]

---

[1] أخبرنا أحمد بن علي بن المثنى، حدثنا سريج بن يونس، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا إسرائيل، عن إسماعيل بن عبد الرحمن، عن أبيه.

عن أبي هريرة، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- في قوله: (يوم ندعو كل أناس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث میں کافر کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے کے مقابلے میں، دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والے شخص کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ مومن کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں، اور کافر کو اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس حیثیت سے مذکورہ مضمون قرآن مجید کی نصوص کے مطابق ہے۔

پھر بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بإمامهم)قال: " يدعى أحدهم فيعطى كتابه بيمينه ويمد له فى جسمه ستون ذراعا ويبيض وجهه، ويجعل على رأسه تاج من لؤلؤ يتلألأ، قال: فينطلق إلى أصحابه فيرونه من بعيد فيقولون: اللهم بارك لنا .فى هذا، حتى يأتيهم فيقول: أبشروا فإن لكل رجل منكم مثل هذا .وأما الكافر فيعطى كتابه بشماله مسودا وجهه، ويمد له فى جسمه ستون ذراعا على صورة آدم، ويلبس تاج من نار، فيراه أصحابه فيقولون: اللهم اخزه. فيقول: أبعدكم الله، فإن لكل رجل منكم مثل هذا "(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ٢٥٨٨، باب عرض المؤمنين والكافرين)

[1] قال حسين سليم أسد الدرانى:

إسناده حسن من أجل إسماعيل بن عبد الرحمن السدى، ووالده عبد الرحمن بن أبى كريمة بسطنا القول فيه عند الحديث المتقدم برقم (777)، والحديث فى الإحسان 222 /9برقم .(7305)

وأخرجه أبو يعلى فى المسند 3 /11– 4برقم (6144)من طريق الحارث بن سريج، حدثنا عبد الرحمن بن مهدى، بهذا الإسناد.

وهذا معناه أن لأبى يعلى شيخين فى هذا الحديث: الحارث بن سريج، وهو هذا الذى تقدم، وسريج بن يونس ولعله فى المسند الكبير لأبى يعلى، والله أعلم.

وأخرجه الحاكم 242 /2– 243من طريق سعيد بن مسعود، حدثنا عبيد الله بن موسى، أنبأنا إسرائيل، به .وقال الحاكم:" صحيح على شرط مسلم "ووافقه الذهبى.

وذكره المنذرى فى "الترغيب والترهيب 417 - 414 /4 "وقال:" رواه الترمذى، وابن حبان فى صحيحه واللفظ له، والبيهقى فى البعث."

ولتمام تخريجه انظر مسند الموصلى، وجامع الأصول 213 /2، وتحفة الأشراف 151 /10" برقم .(13616) (حاشية موارد الظمآن، تحت رقم الحديث ٢٥٨٨)

حدثنا الحارث بن سريج، حدثنا عبد الرحمن بن مهدى، حدثنا إسرائيل، عن السدى، عن أبيه ، عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله: (يوم ندعو كل أناس بإمامهم)، قال: " يدعى أحدهم فيعطى كتابه بيمينه ويمد له فى جسمه ستون ذراعا، ويبيض وجهه ويجعل على رأسه تاج من لؤلؤ، قال: فينطلق إلى أصحابه فيرونه من بعيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن بعض دیگر حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيقولون: اللهم ائتنا بهذا، وبارک لنا فی هذا، حتی يأتيهم، فيقول: أبشروا إن لكل رجل منكم هذا، وأما الكافر فيؤتى كتابه بشماله يسود وجهه ويزاد فی جسمه ستون ذراعا على صورة آدم ويلبس تاجا من النار، فيراه أصحابه فيقولون: نعوذ بالله من شر هذا، اللهم لا تأتنا بهذا، فيأتيهم فيقولون اللهم أخره، فيقول: أبعدكم الله فإن لكل رجل منكم مثل هذا "(مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ٦١٤٤)

قال حسين سليم أسد: إسناده حسن (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

أخبرنا أبو العباس محمد بن أحمد المحبوبی، ثنا سعيد بن مسعود، ثنا عبيد الله بن موسى، أنبأ إسرائيل، عن السدی، عن أبيه، عن أبی هريرة، عن النبی صلى الله عليه وسلم فی قوله تعالى: (يوم ندعو كل أناس بإمامهم)قال: يدعى أحدهم فيعطى كتابه بيمينه، ويمد له فی جسمه ستون ذراعا قال: ويبيض وجهه، ويجعل على رأسه تاج من لؤلؤ يتلألأ قال: فينطلق إلى أصحابه قال: " فيرونه من بعيد فيقولون: اللهم ائتنا به وبارک لنا فی هذا حتى يأتيهم فيقول: أبشروا، إن لكل رجل منكم مثل هذا، وأما الكافر فيسود وجهه، ويمد له فی جسمه ستون ذراعا، على صورة آدم فيراه أصحابه فيقولون: نعوذ بالله من هذا، اللهم لا تأتنا به قال: فيأتيهم فيقولون: اللهم أخره .قال: فيقول أبعدكم الله، فإن لكل منكم مثل هذا (مستدرک حاكم، رقم الحديث ٢٩٥٥)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه .

و قال الذهبی فی التلخيص: على شرط مسلم.

[1] أخبرنا أحمد بن علی بن المثنی قال: حدثنا سريج بن النعمان بن يونس قال: حدثنا عبد الرحمن بن مهدی قال: حدثنا إسرائيل عن إسماعيل بن عبد الرحمن عن أبيه عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم فی قوله: (يوم ندعو كل أناس بإمامهم) قال:" يدعى أحدهم فيعطى كتابه بيمينه ويمد له فی جسمه ستون ذراعا ويبيض وجهه ويجعل على رأسه تاج من لؤلؤ يتلألأ قال: فينطلق إلى أصحابه فيرونه من بعيد فيقولون: اللهم بارک لنا فی هذا حتى يأتيهم فيقول: أبشروا فإن لكل رجل منكم مثل هذا وأما الكافر فيعطى كتابه بشماله مسودا وجهه ويزاد فی جسمه ستون ذراعا على صورة آدم ويلبس تاجا من نار فيراه أصحابه فيقولون: اللهم أخزه فيقول: أبعدكم الله فان لک واحد منكم مثل هذا "(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٧٣٤٩)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف .عبد الرحمن – وهو ابن أبی كريمة – لم يرو عنه غير ابنه إسماعيل، ولم يوثقه غير المؤلف .وباقی رجاله رجال الصحيح.

وأخرجه الترمذی"3136"فی التفسير: باب ومن سورة الإسراء، والبزار فيما ذكر ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایات کو اگر معتبر مانا جائے، تو ان سے بھی دائیں اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے کے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے، جو گزشتہ آیات کے ذیل میں ذکر کیا گیا، اور اگر ان روایات کو معتبر نہ مانا جائے، تب بھی گزشتہ آیات سے مذکورہ مدعا کا ثبوت کافی ہے اور وہ آیات مذکورہ مدعا کے لیے کسی ضمِ ضمیمہ کی محتاج نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کثیر فی "تفسیره3/56 "، والحاکم 2/242– 243من طرق عن عبید الله بن موسی، عن إسرائیل، بهذا الإسناد .وقال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب، وقال البزار: لایروی إلا من هذا الوجهن وصححه الحاکم علی شرط مسلم! وذکره السیوطی فی "الدر المنثور 5/317 "وزاد نسبته إلی ابن أبی حاتم وابن مردویه (حاشیة صحیح ابنِ حبان)

وقال الالبانی:

(یدعی أحدهم، فیعطی کتابه بیمینه، ویمد له فی جسمه ستون ذراعاً، ویبیض وجهه، ویجعل علی رأسه تاج من لؤلؤ یتلألأ، فینطلق إلی أصحابه، فیرونه من بعید فیقولون: اللهم! ائتنا بهذا، وبارک لنا فی هذا، حتی یأتیهم فیقول: أبشروا، لکل رجل منکم مثل هذا .قال: وأما الکافر فیسود وجهه، ویمد له فی جسمه ستون ذراعاً علی صورة آدم؛ فیلبس تاجاً، فیراه أصحابه فیقولون: نعوذ بالله من شر هذا، اللهم! لا تأتنا بهذا .قال: فیأتیهم فیقولون: اللهم! اخزه .فیقول: أبعدکم الله؛ فإن لکل رجل منکم مثل هذا) .

ضعیف.

أخرجه الترمذی (193 /2)، وابن حبان (2588)، والبزار فی "مسنده "من طریق السدی عن أبیه عن أبی هریرة عن النبی – صلی الله علیه وسلم –: فی قول الله: (یوم ندعو کل أناس بإمامهم) ، قال: ... فذکره، والسیاق للترمذی، وقال: "حدیث حسن غریب .والسدی اسمه: إسماعیل بن عبد الرحمن."

قلت: وهو ثقة من رجال مسلم؛ لکن العلة من أبیه – وهو عبد الرحمن بن أبی کریمة –؛ قال الذهبی: "ما روی عنه سوی ولده."

قلت: فهو مجهول العین .وقول الحافظ فی "التقریب:" "مجهول الحال!"

لعله سبق قلم؛ فإن مجهول الحال هو الذی روی عنه اثنان فصاعداً، وهذا لم یرو عنه غیر ابنه إسماعیل؛ کما سبق عن الذهبی، وهو ظاهر کلام الحافظ فی "التهذیب"؛ حیث لم یذکر له راویاً غیر ابنه.

وعلیه؛ فتحسین الترمذی لإسناده غیر حسن، لا سیما وقد أشار إلی أنه لا یروی إلا من هذه الطریق، وذلک بقوله: "غریب"؛ وهو ما صرح به البزار عقبه، فقال: "لا یروی إلا من هذا الوجه"، کما فی "تفسیر الحافظ ابن کثیر "(- 208 /5منار) ، ولم یعزه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کعب رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دورانِ گفتگو کہا کہ:

''مومن کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور کافر کو اس کا نامۂ اعمال، بائیں ہاتھ میں اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الحافظ إلا إليه، ففاته أنه عند الترمذي وابن حبان؛ وذلك مما يتعجب منه .ولكن الكمال لله وحده .

وقد عزاه المنذري في "الترغيب (4/ 238) "إليهما؛ وزاد: "والبيهقي"؛ يعني: في "كتاب البعث."

(فائدة) : المراد هنا بـ (الإمام) : هو كتاب الأعمال .ولهذا قال تعالى: (يوم ندعو كل أناس بإمامهم فمن أوتي كتابه بيمينه فأولئك يقرؤون كتابهم) ؛ أي: من فرحته وسروره بما فيه من العمل الصالح؛ يقرأه ويحب قرائته.

ورجحه الحافظ ابن كثير؛ خلافاً لابن جرير؛ فإنه قال – بعد أن ذكر هذا القول وغيره –:"والأولى قول من قال: معنى ذلك: يوم ندعو كل أناس بإمامهم الذي كانوا يقتدون به ويأتمون به في الدنيا؛ لأن الأغلب من استعمال العرب (الإمام) : فيما ائتم واقتدي به."

قال ابن كثير: "وقال بعض السلف: هذا أكبر شرف لأصحاب الحديث؛ لأن إمامهم النبي – صلى الله عليه وسلم –."(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۵۰۲۵)

[1] نا نعيم قال: نا ابن المبارك قال: أنا الحكم – أو أبو الحكم، شك نعيم – عن إسماعيل بن عبد الرحمن، عن رجل من بني أسد قال: قال عمر لكعب: ويحك يا كعب، حدثنا حديثا من حديث الآخرة، قال: نعم يا أمير المؤمنين، "إذا كان يوم القيامة رفع اللوح المحفوظ، ولم يبق أحد من الخلائق إلا وهو ينظر إلى عمله فيه، قال: ثم يؤتى بالصحف التي فيها أعمال العباد، قال فتنتشر حول العرش، فذلك قوله (ووضع الكتاب فترى المجرمين مشفقين مما فيه ويقولون يا ويلتنا ما لهذا الكتاب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة إلا أحصاها)قال الأسدي: الصغيرة ما دون الشرك، والكبيرة: الشرك إلا أحصاها "، قال كعب: " ثم يدعى المؤمن فيعطى كتابه بيمينه، فينظر فيه فحسناته باديات للناس، وهو يقرأ سيئاته؛ لكي لا يقول كانت لي حسنات فلم تذكر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ روایت حضرت کعب سے موقوفاً مروی ہے، اور اس روایت سے بھی نہ صرف یہ کہ گزشتہ موقف کی تائید ہوتی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ اس چیز کی بھی تائید ہوتی ہے کہ کافر کو اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا۔

تاہم مذکورہ روایت میں ایک راوی کے مبہم ہونے اور حضرت کعب کے اس قول میں اسرائیلی روایت کا احتمال ہونے کی بنا پر کچھ ضعف کی گنجائش موجود ہے، لیکن گزشتہ دلائل اس موقف کے لیے کافی ہیں، اور ان کی تائید کے طور پر مذکورہ روایت کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأحب الله أن يريه عمله كله، حتى إذا استنقص ما فى الكتاب وجد فى آخر ذلک كله أنه مغفور، وإنک من أهل الجنة، فعند ذلک يقبل إلى أصحابه، ثم يقول: (هاؤم اقرئوا كتابيه إنى ظننت أنى ملاق حسابيه) ثم يدعى الكافر فيعطى كتابه بشماله، ثم يلف فيجعل من وراء ظهره، ويلوى عنقه فذلک قوله: (وأما من أوتى كتابه وراء ظهره)ينظر فى كتابه، فسيئاته باديات للناس، وينظر فى حسناته؛ لكى لا يقول: أفأثاب على السيئات؟ "(الزهد والرقائق لابن المبارک والزهد لنعيم بن حماد، ج۲ص۱۱۷، ۱۱۸،ما رواه نعيم بن حماد فى نسخته زائدا على ما رواه المروزى عن ابن المبارک فى كتاب الزهد،باب صفة النار)

[1] وكان كعب من علماء أهل الكتاب ثم أسلم فى خلافة أبى بكر وقيل بل فى خلافة عمر رضى الله عنهما توفى بحمص فى سنة اثنتين وثلاثين فى خلافة عثمان رضى الله عنه وهو من فضلاء التابعين وقد روى عنه جماعة من الصحابة رضى الله عنهم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۳ص۷۶، كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار)

والمراد بالمحدثين أنداد كعب ممن كان من أهل الكتاب وأسلم فكان يحدث عنهم وكذا من نظر فى كتبهم فحدث عما فيها قال ولعلهم كانوا مثل كعب إلا أن كعبا كان أشد منهم بصيرة وأعرف بما يتوقاه وقال بن حبان فى كتاب الثقات أراد معاوية أنه يخطء أحيانا فيما يخبر به ولم يرد أنه كان كذابا وقال غيره الضمير فى قوله لنبلو عليه للكتاب لا لكعب وإنما يقع فى كتابهم الكذب لكونهم بدلوه وحرفوه وقال عياض يصح عوده على الكتاب ويصح عوده على كعب وعلى حديثه وإن لم يقصد الكذب ويتعمده إذ لا يشترط فى مسمى الكذب التعمد بل هو الإخبار عن الشىء بخلاف ما هو عليه وليس فيه تجريح لكعب بالكذب وقال بن الجوزى المعنى أن بعض الذى يخبر به كعب عن أهل الكتاب يكون كذبا لا أنه يتعمد الكذب وإلا فقد كان كعب من أخيار الأحبار وهو كعب بن ماتع بكسر المثناة بعدها مهملة بن عمرو بن قيس من آل ذى رعين وقيل ذى الكلاع الحميرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کی روایت

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرْضَاتٍ، فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيْرُ، وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ، فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِيْ، فَآخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَآخِذٌ بِشِمَالِهٖ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۴۲۵، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب ما جاء في العرض)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ (اللہ کے حضور) تین مرتبہ پیش کئے جائیں گے، پہلی دو مرتبہ تو جدال (یعنی کٹ حجتی) اور عفو ودرگزر کا سلسلہ ہوگا، جبکہ تیسری مرتبہ نامۂ اعمال کو ہاتھوں میں دیا جائے گا، چنانچہ کوئی نامۂ اعمال، دائیں ہاتھ میں اور کوئی بائیں ہاتھ میں لے گا (ترمذی)

مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

یہ حدیث حضرت حسن کی سند سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت حسن نے، حضرت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقيل غير ذلك في اسم جده ونسبه يكنى أبا إسحاق كان في حياة النبي صلى الله عليه وسلم رجلا وكان يهوديا عالما بكتبهم حتى كان يقال له كعب الحبر وكعب الأحبار وكان إسلامه في عهد عمر وقيل في خلافة أبي بكر وقيل إنه أسلم في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وتأخرت هجرته والأول أشهر والثاني قاله أبو مسهر عن سعيد بن عبد العزيز وأسنده بن منده من طريق أبي إدريس الخولاني وسكن المدينة وغزا الروم في خلافة عمر ثم تحول في خلافة عثمان إلى الشام فسكنها إلى أن مات بحمص في خلافة عثمان سنة اثنتين أو ثلاث أو أربع وثلاثين والأول أكثر قال بن سعد ذكروه لأبي الدرداء فقال إن عند بن الحميرية لعلما كثيرا وأخرج بن سعد من طريق عبد الرحمن بن جبير بن نفير قال قال معاوية إلا إن كعب الأحبار أحد العلماء إن كان عنده لعلم كالبحار وإن كنا فيه لمفرطين وفي تاريخ محمد بن عثمان بن أبي شيبة من طريق بن أبي ذئب أن عبد الله بن الزبير قال ما أصبت في سلطاني شيئا إلا قد أخبرني به كعب قبل أن يقع ثم ذكر فيه حديثين الحديث الأول حديث أبي هريرة(فتح الباری لابنِ حجر، ج۱۳ ص ۳۳۴، ۳۳۵، قوله باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تسألوا أهل الكتاب عن شيء)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماعت نہیں کی، اور حضرت حسن کی روایت، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، مگر وہ حدیث بھی صحیح نہیں، کیونکہ حضرت حسن نے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی سماعت نہیں کی۔ [1]

حضرت حسن بصری سے ہی مروی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ حضرت حسن سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ: فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيْرُ، وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِيْ فَآخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَآخِذٌ بِشِمَالِهٖ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۱۹۷۱۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ (اللہ کے حضور) تین مرتبہ پیش کئے جائیں گے، پہلی دو مرتبہ تو جدال (یعنی کٹ حجتی) اور عفو ودرگزر کا سلسلہ ہوگا، جبکہ تیسری مرتبہ نامۂ اعمال کو ہاتھوں میں دیا جائے گا، پس کوئی نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں اور کوئی بائیں ہاتھ میں لے گا (مسند احمد)

چونکہ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے سماعت نہیں کی، اس لیے اس کی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے، اور اسی لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [2]

---

[1] ولا يصح هذا الحديث من قبل أن الحسن لم يسمع من أبي هريرة وقد رواه بعضهم عن علي بن علي وهو الرفاعي، عن الحسن، عن أبي موسى، عن النبي صلى الله عليه وسلم،: ولا يصح هذا الحديث من قبل أن الحسن لم يسمع من أبي موسى (سنن الترمذي، تحت رقم الحديث ۲۴۲۵)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف لانقطاعه، الحسن البصري لم يسمع من أبي موسى، كما بيَّنَّا في الرواية السالفة برقم (19487) . وقد اختُلف فيه على علي بن عليٍّ بن رِفاعة (حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ۱۹۷۱۵)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابنِ ماجہ میں بھی مروی ہے۔ [1]
اوراس کی سند میں بھی انقطاعِ مذکور پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اہلِ علم حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات

البتہ اسی طرح کی حدیث حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی بسندِ حسن مروی ہے۔ اور حضرت ابوقتادہ سے موقوفاً اور مرسلاً بھی مروی ہے، اور مسئلہ صرف قیاسی نہیں، جس کی وجہ سے حضرت حسن بصری کی مذکورہ منقطع روایات کو بھی حسن قرار دیے جانے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

چنانچہ امام بیہقی نے ''البعث والنشور'' میں حضرت ابووائل سے روایت کیا ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرْضَاتٍ، فَأَمَّا عَرْضَتَانِ، فَجِدَالٌ ومَعَاذِيْرُ، وأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ، فَتَطَايُرُ الْكُتُبِ فِي الْأَيْمَانِ والشَّمَائِلِ .مَوْقُوْفٌ عَلٰى اِبْنِ مَسْعُوْدٍ (البعث والنشور،للبيهقي، رقم الحديث ٣٦٣ ،ص٢٧٨، باب قول الله – عز وجل –:وكل إنسان ألزمناه طائره فى عنقه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ (اللہ کے حضور) تین مرتبہ پیش کئے جائیں گے، پہلی دومرتبہ تو جدال (یعنی کٹ

---

[1] قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: " يعرض الناس يوم القيامة ثلاث عرضات، فأما عرضتان فجدال ومعاذير، وأما الثالثة فعند ذلک تطير الصحف فى الأيدى، فآخذ بيمينه، وآخذ بشماله"(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٤٢٧٧)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف لانقطاعه، الحسن –وهو البصرى– لم يسمع من أبى موسى فيما ذكر أبو حاتم وأبو زرعة كما فى "المراسيل "ص 39– 40، وعلى ابن الله وريني كما فى "جامع التحصيل "ص .195وقد اختلف على على بن على بن رفاعة فى إسناده وفى رفعه ووقفه، كما هو مبين فى "المسند.(19715) "(حاشية سنن ابنِ ماجه، تحت رقم الحديث ٤٢٧٧)

حجتی) اورعفو ودرگزر کا سلسلہ ہوگا، جبکہ تیسری مرتبہ نامۂ اعمال ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، پس کوئی دائیں ہاتھ میں اور کوئی بائیں ہاتھ میں لے گا۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ حدیث ابنِ مسعود پر موقوف ہے(البعث والنشور)

اس طرح کا مضمون ابوقتادہ سے موقوفاً اور مرسلاً بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ روایات کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ تو پیشی کے وقت میں بندے، اور خاص کر کفار، اللہ کے حضور، اپنے کفرواعمالِ سیئہ کے متعلق کٹ حجتی کریں گے اور دوسری مرتبہ پیشی کے وقت اللہ کی طرف سے مومن بندوں کے ساتھ درگزر کا معاملہ ہوگا، اور تیسری مرتبہ پیشی کے وقت نامۂ اعمال دائیں، یا بائیں ہاتھوں میں دیے جانے کا سلسلہ ہوگا۔

اور یہ تینوں مراحل، اللہ کے حضور پیشی کے ہی ہوں گے، جس طرح دنیا میں بھی حساب و

---

[1] وقد تتبعت الأحاديث التى رواها الحسن عن أبى موسى فى مسند أحمد فلم أره صرح فى واحد منها بالسماع منه، والله أعلم.

وللحديث شاهد عن ابن مسعود موقوفا وآخر عن قتادة قوله وعنه أيضا مرسلا.

فأما حديث ابن مسعود فأخرجه الطبرى (29/ 59)عن مجاهد بن موسى الخوارزمى ثنا يزيد ثنا سليم بن حيان عن مروان الأصفر عن أبى وائل عن ابن مسعود قال: يعرض الناس يوم القيامة ثلاث عرضات: عرضتان معاذير وخصومات، والعرضة الثالثة تطير الصحف فى الأيدى.

وإسناده صحيح رواته ثقات.

وأما قول قتادة فيرويه معمر بن راشد عن قتادة فى قوله تعالى (تعرضون لا تخفى منكم خافية)قال: تعرضون ثلاث عرضات: فأما عرضتان ففيهما الخصومات والمعاذير، وأما الثالثة فتطاير الصحف فى الأيدى.

أخرجه عبد الرزاق فى "تفسيره (2/ 314) "عن معمر به.

وأخرجه الطبرى (29/ 60)عن محمد بن عبد الأعلى الصنعانى ثنا محمد بن ثور الصنعانى عن معمر عن قتادة به.ورواته ثقات .

وأما حديث قتادة مرسلا فأخرجه الطبرى (29/ 59 - 60)عن بشر بن معاذ العقدى ثنا يزيد بن زريع ثنا سعيد بن أبى عروبة عن قتادة، قوله (يومئذ تعرضون لا تخفى منكم خافية)ذكر لنا أن نبى الله –صلى الله عليه وسلم– كان يقول "يعرض الناس ثلاث عرضات يوم القيامة: فأما عرضتان ففيهما خصومات ومعاذير وجدال، وأما العرضة الثالثة فتطير الصحف فى الأيدى ."رواته ثقات(أَنِيسُ السَّارى تخريج احاديث فتح البارى،ج٩،ص٦٧٢٧،٦٧٢٨، تحت رقم الحديث ٤٧٣٥،حرف الياء ،حرف الياء)

کتاب اور کاغذوں کی جانچ پڑتال کے مختلف مراحل ہوتے ہیں اور جس طرح کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے، تو اس کے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ کی جانچ پڑتال اور انٹری کے مختلف مراحل ہوتے ہیں، اور وہ کاغذات، متعلقہ لوگوں کو فراہم کردیے جاتے ہیں، جس کے بعد سامان کی جانچ پڑتال اور کسٹم وغیرہ کا نمبر آتا ہے، پھر بعض اوقات غیر قانونی، یا قابلِ ٹیکس تھوڑا بہت سامان ہونے کی صورت میں درگزر کردیا جاتا ہے، لیکن کسی کے دہشت گردوغیرہ ثابت ہونے، یا غیر معمولی غیر قانونی، یا قابلِ ٹیکس سامان ہونے کی صورت میں سخت مواخذہ ہوتا ہے۔

مذکورہ مجموعی روایات سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بندوں کی اللہ کے حضور پیشی مختلف مراحل میں ہوگی، اور اہلِ سعادت واہلِ ہدایت کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور اہلِ شقاوت واہلِ ضلالت کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ [1]

اور گزشتہ دلائل سے بظاہر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ شقاوت وضلالت سے مراد کفار، اور اہلِ سعادت وہدایت سے مراد مومن ہیں، پس مومنوں کو ان کے ایمان کی ہدایت وسعادت کی وجہ سے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ الگ بات ہے کہ ان میں سے کوئی مومن، ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کی بناء پر زیادہ سعادت مند ہونے کی وجہ سے شروع

---

[1] (وعن الحسن) أی :البصری (عن أبی هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم: يعرض الناس) أی :على الله (يوم القيامة ثلاث عرضات) بفتحتين، قيل :أی ثلاث مرات :فأما المرة الأولى فيدفعون عن أنفسهم ويقولون لم يبلغنا الأنبياء ويحاجون الله تعالى، وفی الثانية: يعترفون ويعتذرون بأن يقول كل فعلته سهوا وخطأ، أو جهلا، أو رجاء ونحو ذلک، وهذا معنى قوله :(فأما عرضتان فجدال ومعاذير) : جمع معذرة ولا يتم قضيتهم فی المرتين بالكلية، (وأما العرضة الثالثة فعند ذلک تطير الصحف) ، كذا هو سنن الترمذی، وجامع الأصول، وفی نسخ المصابيح :تطاير، أی تتطاير الصحف، وهو بضمتين جمع الصحيفة وهو المكتوب، وقال شارح للمصابيح :تطاير الصحف أی تفرقها إلى كل جانب، فروايته بالمصدر، وأما على رواية غيره فبالمضارع أی يسرع وقوعها (فی الأيدی) أی :أيدی المكلفين جميعا (فآخذ بيمينه، وآخذ بشماله) : الفاء تفصيلية أی :فمنهم آخذ بيمينه وهو من أهل السعادة، ومنهم آخذ بشماله وهو من أهل الشقاوة، فحينئذ تتم قضيتهم على وفق البداية، ويتميز أهل الضلالة من أهل الهداية(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٨، ص ٣٥٣٠، باب الحساب والقصاص والميزان)

میں ہی جنت میں داخل ہو جائے گا، اور کوئی مومن، اعمال میں کوتاہی کی بناء پر حساب وکتاب میں زجر وتنبیہ وغیرہ کے بعد ایمان، اور بعض اعمالِ صالحہ کی بناء پر جنت میں داخل ہوگا، اور کوئی مومن کسی کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا، اور کوئی مومن، جہنم میں اپنی سزا کاٹ کر جنت میں داخل ہوگا، لیکن ہر مومن اپنے ایمان کی سعادت کی وجہ سے بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا، جہاں وہ جنت کی مختلف نعمتوں سے مستفید ہوگا، اور اس کی بناء پر وہ اپنے نامۂ اعمال پر مسرور ہوگا، جس کا ذکر دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے والوں سے متعلق آیات کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

جبکہ مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو ان کے کفر کی ضلالت وشقاوت کی وجہ سے بائیں ہاتھ میں پشت کی طرف سے مجرموں کی طرح نامۂ اعمال دیا جائے گا، اور کافر کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو کافر پر حرام قرار دے دیا ہے، اس لیے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے دائمی عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، اور اپنے نامۂ اعمال سے غمگین ومحزون ہوگا، اور اس کو پڑھنا تک بھی گوارا نہ کرے گا۔ [1]

---

[1] قوله ليس أحد يحاسب يوم القيامة إلا هلك ثم قال أخيرا وليس أحد يناقش الحساب يوم القيامة إلا عذب وكلاهما يرجعان إلى معنى واحد لأن المراد بالمحاسبة تحرير الحساب فيستلزم المناقشة ومن عذب فقد هلك.

وقال القرطبي في المفهم قوله حوسب أي حساب استقصاء وقوله عذب أي في النار جزاء على السيئات التي أظهرها حسابه وقوله هلك أي بالعذاب في النار قال وتمسكت عائشة بظاهر لفظ الحساب لأنه يتناول القليل والكثير قوله يناقش الحساب بالنصب على نزع الخافض والتقدير يناقش في الحساب قوله أليس قد قال الله تعالى تقدم في تفسير سورة انشقت من رواية يحيى القطان عن أبي يونس بلفظ فقلت يا رسول الله جعلني الله فداءك أليس يقول الله تعالى قوله إنما ذلك العرض في رواية القطان قال ذاك العرض تعرضون ومن نوقش الحساب هلك وأخرج الترمذي لهذا الحديث شاهدا من رواية همام عن قتادة عن أنس رفعه من حوسب عذب وقال غريب قلت والراوي له عن همام علي بن أبي بكر صدوق وربما أخطأ قال القرطبي معنى قوله إنما ذلك العرض أن الحساب المذكور في الآية إنما هو أن تعرض أعمال المؤمن عليه حتى يعرف منة الله عليه في سترها عليه في الدنيا وفي عفوه عنها في الآخرة كما في حديث بن عمر في النجوى قال عياض قوله عذب له معنيان أحدهما أن نفس مناقشة الحساب وعرض الذنوب والتوقيف على قبيح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

و اللہ اعلم .

اللہ تعالیٰ اہلِ ہدایت واہلِ سعادت میں شامل ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔

آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ما سلف والتوبيخ تعذيب والثانى أنه يفضى إلى استحقاق العذاب إذ لا حسنة للعبد إلا من عند الله لاقداره عليها وتفضله عليه بها وهدايته لها ولأن الخالص لوجهه قليل ويؤيد هذا الثانى قوله فى الرواية الأخرى هلك وقال النووى التأويل الثانى هو الصحيح لأن التقصير غالب على الناس فمن استقصى عليه ولم يسامح هلك وقال غيره وجه المعارضة أن لفظ الحديث عام فى تعذيب كل من حوسب ولفظ الآية دال على أن بعضهم لا يعذب وطريق الجمع أن المراد بالحساب فى الآية العرض وهو إبراز الأعمال وإظهارها فيعرف صاحبها بذنوبه ثم يتجاوز عنه ويؤيده ما وقع عند البزار والطبرى من طريق عباد بن عبد الله بن الزبير سمعت عائشة تقول سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحساب اليسير قال الرجل تعرض عليه ذنوبه ثم يتجاوز له عنها وفى حديث أبى ذر عند مسلم يؤتى بالرجل يوم القيامة فيقال اعرضوا عليه صغار ذنوبه الحديث وفى حديث جابر عند بن أبى حاتم والحاكم من زادت حسناته على سيئاته فذاك الذى يدخل الجنة بغير حساب ومن استوت حسناته وسيئاته فذاك الذى يحاسب حسابا يسيرا ثم يدخل الجنة ومن زادت سيئاته على حسناته فذاك الذى أوبق نفسه وإنما الشفاعة فى مثله ويدخل فى هذا حديث بن عمر فى النجوى وقد أخرجه المصنف فى كتاب المظالم وفى تفسير سورة هود وفى التوحيد وفيه يدنو أحدكم من ربه حتى يضع كنفه عليه فيقول أعملت كذا وكذا فيقول نعم فيقرره ثم يقول إنى سترت عليك فى الدنيا وأنا أغفرها لك اليوم.

وجاء فى كيفية العرض ما أخرجه الترمذى من رواية على بن على الرفاعى عن الحسن عن أبى هريرة رفعه تعرض الناس يوم القيامة ثلاث عرضات فأما عرضتان فجدال ومعاذير وعند ذلك تطير الصحف فى الأيدى فآخذ بيمينه وآخذ بشماله قال الترمذى لا يصح لأن الحسن لم يسمع من أبى هريرة وقد رواه بعضهم عن على بن على الرفاعى عن الحسن عن أبى موسى انتهى وهو عند بن ماجه وأحمد من هذا الوجه مرفوعا وأخرجه البيهقى فى البعث بسند حسن عن عبد الله بن مسعود موقوفا.

قال الترمذى الحكيم الجدال للكفار يجادلون لأنهم لا يعرفون ربهم فيظنون أنهم إذا جادلوا نجوا والمعاذير اعتذار الله لآدم وأنبيائه بإقامته الحجة على أعدائه والثالثة للمؤمنين وهو العرض الأكبر تنبيه وقع فى رواية لابن مردويه عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة مرفوعا لا يحاسب رجل يوم القيامة إلا دخل الجنة وظاهره يعارض حديثها المذكور فى الباب وطريق الجمع بينهما أن الحديثين معا فى حق المؤمن ولا منافاة بين التعذيب ودخول الجنة لأن الموحد وإن قضى عليه بالتعذيب فإنه لا بد أن يخرج من النار بالشفاعة أو بعموم الرحمة(فتح البارى لابنِ حجر، ج ١١ ص ٤٠٢، ٤٠٣،قوله باب من نوقش الحساب عذب)

خلاصۂ کلام

اس مضمون میں شروع سے اب تک جو بحث ذکر کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا میں اللہ کی طرف سے جو بندوں کے تمام ظاہری وباطنی اعمال کو درج کرنے کا منظّم ومستحکم نظام قائم کیا گیا ہے، وہ آخرت میں ٹھیک ٹھیک اور پورا ایک کتاب کی شکل میں ہر بندے کو پیش کیا جائے گا۔

اور اس کتاب کو ہمارے عرف وزبان میں ''نامۂ اعمال'' کہا جاتا ہے۔

پھر کئی آیات کی رو سے کسی کو یہ نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں، کسی کو بائیں ہاتھ میں، اور کسی کو پشت کی طرف سے دیا جائے گا۔

اتنی بات تو قرآن مجید کی آیات سے عبارۃُ النص کے طور پر بالکل واضح ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ نامۂ اعمال، جن کو دائیں ہاتھ میں پیش کیا جائے گا، وہ اہلِ ہدایت واہلِ سعادت ہوں گے، اور جن کو بائیں ہاتھ میں، یا پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا، وہ اہلِ ہدایت واہلِ سعادت نہیں ہوں گے، بلکہ اہلِ ضلالت واہلِ شقاوت ہوں گے۔

لیکن دائیں، یا بائیں ہاتھ میں، یا پشت کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیے جانے کی تقسیم وتفریق، ایمان وکفر کی بنیاد پر ہوگی، یا مطیع وغیر مطیع ہونے کی بنیاد پر؟

اس کے متعلق قرآن وسنت میں اس مذکورہ درجہ کی وضاحت وصراحت نہیں پائی جاتی، بلکہ اس کے مقابلہ میں ایک گونہ اجمال وابہام پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اہلِ علم حضرات کے مابین بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہوگیا، اور اصحابِ علم حضرات کے دونوں قسم کے اقوال ہوگئے۔

لیکن قرآن وسنت کے دلائل میں غور وتحقیق کرنے، بلکہ کم ازکم قرآن کے **اقتضاءُ النص** سے اور بعض احادیث سے صراحتاً ہمارا رجحان اس طرف ہوا کہ تمام مومنوں کو ان کے نامۂ

اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے، پھر مطیع ومتقی مومن کے نامۂ اعمال، چونکہ بڑے خوش کن ہوں گے، اور ان کو زیادہ اعزاز واکرام کے ساتھ نامۂ اعمال پیش کیا جائے گا، جس طرح دنیا میں اعلیٰ درجات، مثلاً ممتاز، جید جداً، اور جید وغیرہ ہونے کے اعتبار سے کامیابی پانے اور پاس ہونے والوں کو زیادہ اعزاز واکرام سے نوازا جاتا ہے، اور وہ خوشی سے اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹتے اور ان کو اس سے آگاہ کرتے ہیں، اسی لیے اس طرح کے درجات کو پانے والے، خوشی خوشی لوٹیں گے، اور اپنے نامۂ اعمال کو پڑھنے کی دوسروں کو دعوت دیں گے، اور اس پر بہت زیادہ مسرور ہوں گے، جس طرح دنیا میں بھی اس طرح کے درجات پانے والوں کی طرف سے، دوسرے کے سامنے اپنے اعلیٰ درجات سے کامیابی پانے کی تشہیر وتبلیغ کی جاتی ہے۔

اور غیر مطیع وغیر متقی اگرچہ اپنے نامۂ اعمال دوسروں کو پڑھنے کی دعوت نہ دے، جس طرح غیر اعلیٰ درجات سے کامیاب اور پاس ہونے والوں کی طرف سے دوسروں کے سامنے تشہیر وتبلیغ کا اہتمام نہیں کیا جاتا، بلکہ یا تو سکوت رکھا جاتا ہے، یا خود اپنے نمبرات اور درجہ کو ملاحظہ کر کے ایک طرح سے مسرور ہوا جاتا ہے، یا پھر کبھی دوسروں کو اپنے کامیاب اور پاس ہونے سے آگاہ ومطلع کر دیا جاتا ہے، اور کامیابی کی سند وڈگری کے حاصل ہونے پر کسی ملازمت وغیرہ کی توقع ہونے پر سکون ہوتا ہے۔

اسی طرح مومن بھی ایمان کی دولت ونعمت سے سرفراز ہونے کی وجہ سے مسرور ہوگا، اور وہ بھی جلد، یا بدیر بالآخر جنت کا مستحق ٹھہرے گا، اور کامیاب و پاس ہونے والوں کی فہرست میں شامل ہوگا، اگرچہ اعلیٰ درجات کے اعزاز واکرام کا مستحق نہ ہو، لیکن ایمان کی سند وڈگری اس کو ایک نہ ایک وقت میں جنت کا مستحق بنا دے گی، یہ بھی اس کے لیے مسرت وفرحت کا سبب ہوگی۔

اور اس کے برعکس کافر کو اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں پشت کی طرف سے مجرموں کی

طرح دیا جائے گا، اور اس کا نامۂ اعمال مسرور ہونے اور پڑھنے کے قابل نہ ہوگا، اس لیے وہ اپنے نامۂ اعمال سے غمگین ومتوحش ہوگا، اور دائمی جہنم کے عذاب کا مستحق ٹھہر کر ناکام اور ناقابلِ تلافی طریقہ پر بالکل راسب شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال حاصل ہونے والوں کے اعلیٰ زمرہ میں داخل فرمائے۔آمین۔

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحُکَمُ.

محمد رضوان خان

02 / شعبان المعظم/ 1440ہجری 08 / اپریل/ 2019ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

شبلی اور فراہی

کی

تکفیر کا مسئلہ

صاحبِ ''سیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' علامہ شبلی نعمانی صاحب مرحوم اور مشہور مفسر مولانا حمیدُ الدین فراہی صاحب مرحوم کے متعلق ایک ''تکفیر'' کے فتوے کی حقیقت اور اس کا پسِ منظر۔

مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمیدُ الدین فراہی صاحبان کے افکار اور طریق ومنہج کے متعلق معتدل نقطۂ نظر کی وضاحت اور اس سلسلے میں مختلف اہلِ علم واہلِ فکر حضرات کی عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں کلام

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

یہ بات مخفی نہیں کہ اہلِ علم حضرات میں علمی و دینی اختلافات پہلے زمانے میں بھی پیش آیا کرتے تھے، اور آج کے زمانے میں بھی پیش آتے ہیں، لیکن پہلے اور آج کے زمانے میں اس طرح کے اختلافات کے مابین جو واضح فرق نظر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں عام طور پر اختلاف کے پیچھے نیک نیتی اور اصلاح پنہاں ہوتی تھی، اسی وجہ سے بعد میں دوسرے کی رائے کی طرف رجحان ہونے پر اپنی سابق رائے کے ترک کرنے اور دوسرے کی رائے کی طرف رجحان ومیلان کے اظہار میں حیل وحجت اور لیت ولعل سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔

اسی طرح دوسرے کی طرف سے اپنی رائے کے متعلق توضیح یا رجوع کے بعد اس کے قبول کرنے میں بھی کوئی عذر نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، جس کے بعد بحث ومباحثہ نہ ہوتا تھا۔

لیکن افسوس کہ آج بہت سے اہلِ علم حضرات، اس جذبے سے محروم ہیں، جس کی وجہ سے اپنی رائے پر بے جا اصرار اور دوسرے کی رائے پر بے جا نکیر کے مناظر قدم قدم پر سامنے آتے ہیں۔ اور پھر اس کے نتیجے میں بے جا تعصّب وتحزّب کو ہوا ملتی ہے، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، بلکہ دوسرے کی تحقیر وتذلیل تک کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا جاتا ہے، جس کی شدت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے اپنے آپ کو بچانے کی سخت ضرورت ہے۔

ایک زمانے میں چند اہلِ علم حضرات نے ایک استفتاء کے جواب میں مولانا شبلی نعمانی اور

مولانا حمید الدین فراہی کی تکفیر کی تھی، جس پر بعد میں بہت شور وغوغا ہوا اور جن چیزوں کی بنیاد پر، ان کی تکفیر کی گئی تھی، ان کی توضیح کی گئی، اس کے نتیجے میں ان حضرات نے تکفیر کے فتوے سے رجوع فرمالیا، جو ان حضرات کے حق پرست ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن بعد کے لوگوں کو اس واقعے کی پوری حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات افراط وتفریط کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور متفرق مقامات پر پھیلی ہوئی ابحاث کو مختصر تحریر میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کو آیندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان کی شخصیت کے کچھ اہم پہلوؤں کو اُجاگر کیا جائے اور ان کے افکار وطرزِ عمل میں جہاں قابلِ اصلاح امور کی گنجایش ہو، ان پر بھی مختصر روشنی ڈالی جائے، تاکہ دوسروں کے لیے غلط فہمی کا باعث نہ بنے۔

اس ضمن میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ، مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب مرحوم کی جو مکاتبت ہوئی، اس کو بھی نقل کیا گیا ہے، اور مفید حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے، جس سے خود بندے کو علمی ودینی اعتبار سے بہت فائدہ ہوا، اور کئی علمی ودینی مخفی پہلو نظر کے سامنے آئے، امید ہے کہ قارئین کو بھی فائدہ محسوس ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تحاسد وتباغض، افراط وتفریط اور تعصّب وتحزّب سے بچ کر عدل وانصاف کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

04/محرم الحرام/1440ہجری 15/ستمبر/2018عیسوی بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں:

ہم نے سنا ہے کہ اکابرِ دیوبند اور علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان کے مابین سخت اختلاف تھا، اور مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی اور بعض دوسرے علمائے کرام نے، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان کے متعلق کفر کا فتویٰ جاری کیا تھا۔

جب کہ بعض حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کا فتویٰ ایک مرتبہ اگرچہ دیا گیا تھا، لیکن بعد میں وضاحت سامنے آنے پر اس فتوے سے رجوع کرلیا گیا تھا۔

بعض لوگوں نے اس سلسلے میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحبان کی کتابوں کا ذکر کیا کہ ان کی بعض کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے، ہم اس سلسلے میں آپ کی طرف سوال بھیج رہے ہیں، تاکہ آپ اصل مسئلہ کی حقیقت اور اس کے پسِ منظر کو واضح کردیں، تاکہ ہر قسم کا شک وشبہ اور اختلاف دور ہوجائے۔

امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہمیں تفصیل سے آگاہ فرمائیں گے۔

والسلام

سائل----------

سلطان پورہ

راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

آپ نے سوال میں حضرت تھانوی، مولانا شبلی اور مولانا حمیدُ الدین فراہی صاحبان کے مابین اختلاف اور فتوے کے بارے میں تفصیل معلوم کرنا چاہی ہے۔

اس سلسلے میں پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اہلِ حق حضرات کا کسی سے اتفاق، یا اختلاف دین کے تابع ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں کسی کا استاد، یا شاگرد، اور پیر، یا مرید ہونا، یا اپنی کسی مخصوص جماعت سے منسلک اور اس کی طرف منسوب ہونا، نہ ہونا، اس کے متعلق، آزادانہ ومنصفانہ حقِ رائے دہی میں حائل و مانع نہیں ہوتا، نیز اہلِ حق کا اختلاف اپنی حدود پر قائم رہتا ہے، اسی وجہ سے اختلاف کے باوجود دوسرے کی اچھی باتوں سے افادہ واستفادہ اور اس کی تحسین کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اسی طرح اہلِ حق کا اختلاف دوسرے کے شخصی وذاتی احترام کے منافی بھی نہیں ہوتا۔

جو لوگ ان امور میں فرق کو نہیں سمجھتے، وہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف، نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کے لیے ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ”الافاضات الیومیہ“۔ (ماخوذ از: آپ بیتی نمبر ۶ یادِ ایام نمبر ۵، صفحہ ۳۳۰، فصل نمبر ۱۵ ”اکابر کا معمول، تنقیدات اور آپس کے اختلاف کے بارے میں“ مطبوعہ: مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی)

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

علم وتحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں، جہاں ایک طالب علم کو کسی دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض مقامات پر اپنے بڑوں سے بھی

اختلاف کرنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت والد صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب واحترام اس سے اختلافِ رائے کے اظہار میں مانع ہوا، اور نہ کبھی اختلافِ رائے نے ادب واحترام میں ادنیٰ رخنہ اندازی کی، آپ نے بعض مسائل میں بڑے بڑے علماء سے اختلاف کیا، بلکہ اپنے شیخ ومربی حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بھی چند فقہی مسائل میں اختلافِ رائے رہا، اور خود حضرت نے آپ سے یہ فرمایا کہ تمھارے دلائل پر مجھے شرح صدر نہیں ہوتا، اور میرے دلائل پر تمہیں شرح صدر نہیں، اس لیے دونوں اپنے موقف پر رہیں، تو کچھ حرج نہیں، لیکن ایسے مواقع پر حضرت والد صاحب کا عام معمول یہ تھا کہ جن صاحب سے اختلافِ رائے ہوا ہے، نہ صرف یہ کہ ان کے ادب واحترام میں کوئی ادنیٰ فرق نہ آنے دیتے، بلکہ ان کے کلام کا کوئی صحیح محمل بھی تلاش کر کے لکھ دیتے (میرے والد میرے شیخ، ص ۱۳۸، ۱۳۹، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1430ھ، جنوری 2009ء)

یہ صرف چند نمونے ذکر کیے گئے ہیں، اگر تفصیل کی ضرورت ہو، تو بندے کی دوسری تالیف ''اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

مقصدِ اصلی یہ ہے کہ حضرت تھانوی، علامہ شبلی، مولانا فراہی اور اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبان کے حوالے سے جو بحث آرہی ہے، اس کو اخلاص ونیک نیتی کے ساتھ، اسی علمی ودینی جذبے کے تناظر میں ملاحظہ کرنا چاہیے، اور اس کو ذاتی اونچ نیچ کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔

مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کا تعارف

مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان کے اوصاف وخدمات کا اہلِ علم نے اعتراف کیا ہے، اور ان کی خدمات کو سراہا ہے، لیکن فردِ بشر ہونے کی حیثیت سے ان کے علمی و دینی کاموں میں جو فروگزاشتیں محسوس کیں، ان پر شخصی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری کی بنا پر تنقید بھی کی، اور اس تنقید کو ان کی خدمات، یا شخصی احترام میں حائل نہیں ہونے دیا۔

البتہ ان امور کا ذکر نہ تو ایک ساتھ کرنا ضروری ہوتا، اور نہ ہی ہر شخص کا ان سے واقف ہونا ضروری ہوتا، یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کی مخصوص حالت پر باخبر ہو، اور دوسرے حالات پر باخبر نہ ہو، اسی طرح ہر قسم کے پہلوؤں کا کسی ایک مقام پر ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ حسبِ موقع وحسبِ ضرورت کبھی کوئی ایک پہلو اور کبھی دوسرا پہلو اور کبھی ضرورت پڑنے پر مختلف پہلوؤں کا ذکر کردیا جاتا ہے۔

اسی لیے اگر کوئی کسی ایک حالت کا حکم بیان کرے، اور دوسرا کسی دوسری حالت کا حکم بیان کرے، تو درحقیقت ان چیزوں میں تعارض وٹکراؤ نہیں ہوتا۔

مولانا شبلی نعمانی صاحب کی ولادت 1274ھ، مطابق 1857ء میں، بندول ضلع اعظم گڑھ (یوپی۔انڈیا) میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد کا نام شیخ حبیبُ اللہ تھا۔

مولانا احمد علی محدّث سہارن پوری، اور مولانا مفتی لطفُ اللہ علی گڑھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

فراغت کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا اور کچھ دن وکالت بھی کی، پھر اس کو چھوڑ کر سرکاری ملازمت اختیار کی اور امین دیوانی کے عہدے پر فائز رہے، چند دنوں کے بعد اس سے بھی مستعفی ہوگئے۔

1882ء میں علی گڑھ گئے، جہاں آپ کی ملاقات سر سید احمد خاں سے ہوئی۔انھوں نے

آپ کو علی گڑھ کالج میں فارسی کا پروفیسر مقرر کردیا۔

سر سید احمد خاں کے انتقال کے بعد 1898 عیسوی میں علی گڑھ سے قطع تعلق کرلیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد سید علی بلگرامی کی خواہش پر حیدر آباد گئے اور وہاں چار برس تک بحیثیت ناظم، محکمہ تعلیم میں کام کیا، پھر ندوۃ العلماء، لکھنؤ تشریف لائے، جہاں معتمدِ تعلیم کے عہدے پر قائم ہوئے اور یہیں سے آپ کی شہرت کا آغاز ہوا۔

بعد میں ندوۃ العلماء، لکھنؤ کو خیر باد کہہ کر اعظم گڑھ ہی میں اپنی جائیداد وقف کر کے دارُالمصنفین کی بنیاد رکھی اور علمی کاموں میں مشغول ہوگئے۔

مولانا شبلی نعمانی صاحب، اردو و فارسی کے ادیب و شاعر تھے، تاریخ نویسی میں بھی خاصی دل چسپی اور مہارت تھی، آپ کے علمی کارناموں میں سیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی جلد، المامون، الفاروق، سیرۃُ النعمان، الغزالی، سوانح مولانا روم، علم الکلام، شہدائے قوم اور مکاتیبِ شبلی وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔

آپ کی وفات 1333 ہجری، مطابق 18 نومبر 1914 عیسوی کو ہوئی، اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

مولانا شبلی نعمانی صاحب کے متعلق مزید کلام آگے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے حوالے سے آتا ہے۔

جہاں تک مولانا حمید الدین فراہی صاحب کا تعلق ہے، تو آپ 18 نومبر 1863 عیسوی کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے، اور 11 نومبر 1930 عیسوی کو وفات پائی، مولانا امین احسن اصلاحی کا شمار، مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے تلامذہ و شاگردوں میں ہوتا ہے۔

مولانا حمید الدین فراہی صاحب سے، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا قریبی تعلق تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مولانا حمید الدین فراہی کے انتقال کے بعد ان پر ایک

مضمون لکھا تھا، جس کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

مولانا (حمید الدین صاحب مرحوم) اپنے نام کے ساتھ کبھی کبھی فراہی لکھا کرتے تھے، مولانا شبلی مرحوم اور مولانا حمید الدین دونوں ممیرے پھپھیرے بھائی تھے، مولانا حمید الدین کے والد مولوی عبدالکریم صاحب، مولانا شبلی کے ماموں تھے، دونوں بھائیوں کی پیدائش چھ برس آگے پیچھے ہوئی، مولانا شبلی 1275ھ، 1857ء میں پیدا ہوئے، اور مولانا حمید الدین صاحب 1280ھ، 1862ء میں (یادِ رفتگاں، ص۱۱۲، ۱۱۳، مطبوعہ: مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، سالِ اشاعت: 1983)

مولانا (فراہی) بیس برس کی عمر میں 1300ھ، 1882ء میں عربی تعلیم سے فارغ ہوگئے، اور عربی ادب میں بھی وہ کمال حاصل کیا کہ سچ یہ ہے کہ وہ اس میں اپنے استادوں سے بھی گویا سبقت لے گئے، ان کا عربی دیوان، اس بیان کا شاہد ہے۔

اس زمانے میں انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا، مگر یہ کفر مولانا نے توڑا، نج کے طور پر (راز داری کے ساتھ) انگریزی کچھ پڑھ لینے کے بعد کرنل گنج اسکول الٰہ آباد میں داخل ہوگئے، انٹرنس کا امتحان پرائیویٹ طور پر دے کر ایم-اے-او- کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ (یادِ رفتگاں، ص۱۱۵)

مولانا حمید الدین صاحب علی گڑھ (کالج) میں دو سال کے قریب (عربی کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے مقیم) رہے۔ (یادِ رفتگاں، ص۱۲۰)

(مولانا فراہی، تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں) اجزا جو لکھتے جاتے تھے، وہ مولانا شبلی مرحوم کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے، شروع شروع میں استاد کو اپنے شاگرد کے اس نظریے سے اختلاف تھا کہ قرآن پاک کے مطالب ومعانی مرتب ومنظّم ہیں، اور وہ مولانا حمید الدین صاحب کی اس کوشش کو رائیگاں سمجھتے تھے، لیکن جب

انھوں نے ان کی تفسیر کے متعدد اجزا دیکھے، تو قائل ہوتے چلے گئے، اور آخر داد دینے لگے اور حوصلہ افزائی کرنے لگے، اور آخر آخر میں تو وہ مولانا حمید الدین کی نکتہ دانی کے اس درجہ قائل ہو گئے تھے کہ قرآنی مشکلات کے حل میں وہ ان سے مشورہ لینے لگے تھے۔ (یادِ رفتگاں، ص۱۱۸، ۱۱۹)

مولانا حمید الدین فراہی صاحب تفسیر کے سلسلے میں ربطِ آیات پر غیر معمولی زور دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ تفسیر کو بھی اس کے تابع کرتے تھے، اور اس کے نتیجے میں بعض صحیح احادیث کی تفسیر نظر انداز ہو جایا کرتی تھی۔

یہ طریقہ چونکہ تفسیر کے صحیح منہج پر قائم نہ تھا، اس لیے اس میں کئی دشواریاں خود ان کو بھی پیش آتی تھیں، جن میں سے بعض کا احساس مولانا شبلی نعمانی صاحب کو بھی ہوا۔

چنانچہ مولانا شبلی نعمانی صاحب، مولانا حمید الدین فراہی صاحب کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

تم صرف ربط والی چیزوں کو لیتے ہو، حالانکہ اعتراض یہ ہے کہ مربوط مطلب کے بیچ میں، جو غیر متعلق باتیں آجاتی ہیں، وہ سلسلۂ کلام کو درہم برہم اور غیر منظّم کر دیتی ہیں۔ ان کا تعلق اور ربط ثابت کرنا چاہیے (مکاتیبِ شبلی، ج۲ص۱۴، مکتوب نمبر۱۹، مولانا حمید الدین صاحب، بی۔اے کے نام، مطبع: معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء)

ایک اور مکتوب میں مولانا شبلی نعمانی صاحب، مولانا فراہی صاحب کو لکھتے ہیں:

جن دو آیتوں میں تم ربط بتلاتے ہو، ان کے درمیان میں اور آیتیں آجاتی ہیں، جو بظاہر ان دونوں سے بے تعلق معلوم ہوتی ہیں، تاہم مجموعی طور سے یہ کوشش بے سود نہیں (مکاتیبِ شبلی، ج۲ص ۱۵، مکتوب نمبر۲۰، مولانا حمید الدین صاحب، بی۔اے کے نام، مطبع: معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء)

چونکہ مولانا فراہی کا ربطِ آیات پر غیر معمولی توجہ دینا، یہاں تک کہ تفسیر کو اس کے تابع کرنا

دوسروں کی نظر میں غیر ضروری امر تھا، اس لیے اس سے مذکورہ الجھنیں پیدا ہوتی تھیں۔
مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی بعض تفسیری فروگزاشتوں کا ذکر آگے آتا ہے۔
مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب، اپنے ایک مضمون ''مفسر الفراہی'' میں لکھتے ہیں:

(مولانا فراہی) غیرتِ دینی کے پتلے تھے، مولانا شبلی کبھی کبھی ہنسی ہنسی میں یا فرطِ شوخی سے مذہب پر چوٹ کر جاتے، مولانا فراہی کو اس کی ذرا برداشت نہ تھی، سنجیدگی سے جواب میں مقالہ، یا رسالہ لکھ ڈالتے، اور جب تک لکھ نہ لیتے، محسوس ایسا کرتے کہ جیسے بخار چڑھ آیا ہو۔ (معاصرین، ص۱۲۲، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

نیز مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں:

موضع ''پھریا''، ضلع اعظم گڑھ کے ایک فاضل بزرگ مولانا حمید الدین تھے، مولانا شبلی کے عزیز وقریب، ادبیاتِ عربی کے ماہر، اور قرآن کے بڑے گہرے طالبِ علم، انگریزی میں بھی گریجویٹ، جو کچھ لکھتے، عموماً عربی ہی میں لکھتے، تفسیرِ قرآنی ایک فلسفیانہ اسلوب پر کرتے، اور متعدد تفسیری رسالوں کے مصنف تھے، ایک مدرسہ بھی، ان کے خاص انداز پر چلایا ہوا ''مدرسۃُ الاصلاح'' کے نام سے ''سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ'' میں قائم تھا، ان کی تفسیر ''نظامُ الفرقان'' کا تذکرہ ان اوراق میں 1929 عیسوی کے واقعات کے ذیل میں آچکا ہے، 1930 عیسوی میں وفات پائی، چند سال بعد ان کے بعض ناتمام قلمی مسودے ان کے شاگردوں نے اسی صورت میں شائع کردیے، ان میں یقیناً بعض الفاظ دینی حیثیت سے بے جا اور قابلِ گرفت موجود تھے۔ (نظرِ ثانی کے وقت مولانا خود ان کی اصلاح ضرور کردیتے) مولوی صاحبان ایسے موقع کی تاک ہی میں لگے رہتے ہیں، اور یہاں تو پھر ایک مدرسہ بھی اس مدرسے کے مقابل تھا، زور وشور سے تکفیر ہونے لگی، اور مکفرین میں حضرت مولانا (تھانوی) کے بعض شاگردوں

کے ساتھ ساتھ خود حضرت مولانا کا نام بھی آنے لگا۔(''حکیم الامت'' نقوش وتاثرات

،صفحہ ۴۵۷، مقالہ نمبر ۸۷ سنہ 1936 عیسوی، ناشر: الفیصل ،غزنی سٹریٹ، لاہور، تاریخِ اشاعت: اگست

1992 عیسوی)

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے مذکورہ تحریر کے بعد مولانا حمیدالدین فراہی صاحب کی تکفیر کے سلسلے میں پوری تفصیل اوراس کے پسِ منظراور نتیجے کواپنی مذکورہ کتاب میں نقل کیا ہے۔

اس بارے میں ان کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تفصیلی مکاتبت بھی ہوئی تھی، جس میں مولانا حمیدالدین فراہی اور مولانا شبلی نعمانی صاحبان کے متعلق تکفیر کا فتویٰ جاری ہونے اور اس سے رجوع کرنے کی تفصیل مذکور ہے،اسی کے ساتھ یہ مکاتبت بہت سے علمی، فقہی اور اصلاحی پہلوؤں کو بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے، آگے اس مفید مکاتبت کونقل کیا جاتا ہے،کہیں کہیں بندہ محمد رضوان نے حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔

شبلی وفراہی کے متعلق مکاتبتِ تھانوی ودریابادی کا حوالہ

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے مولانا حمیدالدین فراہی اور مولانا شبلی نعمانی صاحبان کی تکفیر کے فتوے سے متعلق 1936 عیسوی میں جو مکاتبت ، اپنے شیخ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سے کی، اس کو ذیل میں ملاحظہ فرمایے،مولانا عبدالماجد دریابادی اور حضرت تھانوی کی تحریرات کے شروع میں ان کا نام درج کردیا گیا ہے، تاکہ افہام وتفہیم میں آسانی رہے۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) ''مدرسۃُ الاصلاح'' سرائے میر کے ایک کارکن اور''رسالۃُ الاصلاح'' کے مدیر (یعنی مولوی امین احسن صاحب اصلاحی) کا ایک مضمون یا خط میرے نام پیش تر بھی آیا تھا، اب کل پھر سے آیا

ہے، اس کے اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

''(۱)......مولانا تھانوی کا فتویٰ شائع ہوگیا، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کافر ہیں، اور چونکہ مدرسہ ان ہی دونوں کا مشن ہے، اس لیے ''مدرسۃُ الاصلاح'' مدرسۂ کفر و زندقہ ہے، اور اس کے تمام متعلقین، کافر و زندیق ہیں، یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسے کے جلسوں میں شرکت کریں، وہ بھی ملحد اور بے دین ہیں۔

(۲)......افسوس کہ اصل فتویٰ نہ مل سکا، مل جاتا، تو اصل، یا نقل آپ کی خدمت میں بھیج دیتا۔

(۳)......عام مولویوں کی شکایت فضول ہے، ان سے توقع ہی کسے تھی، البتہ بڑی مایوسی مولانا تھانوی سے ہوئی۔

جن دو عبارتوں پر مولانا حمید الدین کی تکفیر کی گئی ہے، ہر چند کہ میرے نزدیک وہ بالکل واضح ہیں، تاہم آپ کی ہدایت کی تعمیل میں، ان دونوں کی تشریح جون کے پرچہ ''الاصلاح'' میں چھپ گئی ہے''۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) (۱)......اس کا جواب میری تحریرِ کلی میں معروض ہے۔

(۲)......وہ میرے پاس بھی نہیں، مگر بعض اجزا جو فتویٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، غالباً غیظ اُس نسبت کا سبب ہے، امید ہے کہ وہ اجزا اس فتوے میں نہ ملیں گے، شاید روایت بالمعنیٰ کو کذب سے بچنے کے لیے کافی سمجھا گیا ہو، مگر ہر روایت بالمعنیٰ کو اس شان کا سمجھنا غلط ہے۔

(۳)......اس کا عذر تحریرِ کلی میں مرقوم ہے۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) مولانا حمید الدین مرحوم کی خدمت میں مجھے مدتوں نیاز حاصل رہا ہے، اپنے علم میں اتنی دِین داری اور خشیت میں

نے بہت کم لوگوں میں پائی ہے، دین پر ادنیٰ اعتراض سن کر جوش سے بھر جاتے تھے، میں نے خود اپنے دورِ الحاد (یہ دور کالج کی طالب علمی کے زمانے 1908 عیسوی سے لے کر 10، 11 سال تک قائم رہا۔ عبدالماجد) میں بارہا ان کی ڈانٹ کھائی ہے، ایک دن خود مولوی شبلی صاحب نے (جو آخر میں خود بھی بہت درست ہو گئے تھے) قرآن مجید کے متعلق شوخی سے گفتگو کی تھی، مولانا حمید الدین کو گویا بخار چڑھ آیا، اور جب تک مفصل تردید نہ کر لی، چین سے نہ بیٹھے، نماز کے عاشق تھے، تہجد گزار تھے، وقس علیٰ ھٰذا، اور یہ مشاہدات تنہا میرے نہیں، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی بھی ان شاء اللہ پوری شہادت دیں گے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) میں تو شہادت کا بھی محتاج نہیں، اور شہادت کے بعد تو کوئی حق بھی نہیں، ان واقعات میں شبہ کرنے کا، لیکن ان سب کے ساتھ یہ مقدمہ بھی جائز الذہول نہیں کہ یہ سب اعمال واحوال ہیں۔ عقائد ان سے جداگانہ چیز ہیں، صحتِ عقائد کے ساتھ، فسادِ اعمال واحوال اور فسادِ عقائد کے ساتھ، صحتِ اعمال واحوال جمع ہو سکتا ہے۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) ایک طرف یہ سب کچھ ہے، دوسری

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا ارشاد میں، یہ نہایت اہم اصول بیان فرمایا ہے، جس میں افراط یا تفریط، یا کسی ایک پہلو پر نظر نہ ہونے سے معتدلانہ رائے اور حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں یہ غلط فہمی آج کل بہت عام ہے کہ جس کسی کے اعمال اور تقویٰ وطہارت کا چند دن مشاہدہ کر لیا جاتا ہے، اس کے تمام عقائد ونظریات اور دوسرے اعمال کو شریعت کے اصول وقواعد کی کسوٹی پر جانچے بغیر، درست اور حجت قرار دیا جانے لگتا ہے، اور اس پر ہر طرح کی نکیر اور قابلِ اصلاح چیز کو قابلِ رد سمجھا جانے لگتا ہے، لیکن حضرت تھانوی اور دیگر اکابر ومشائخ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ گیری بصیرت عطا فرمائی تھی، جن کی ہدایات اور مساعی جمیلہ کی بدولت افراط وتفریط سے حفاظت رہی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

محمد رضوان

طرف یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ جناب والا آسانی سے کسی کلمہ گو کی تکفیر کرنے والے نہیں، خدا معلوم کیا صورتِ واقعات پیش آئی، جو یہ نوبت آ کر رہی۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) یہ تحریرِ طویل میں معروض ہے۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) لفظ ''غیر انسب (کا استعمال بعض الفاظِ قرآنی کے متعلق) اور اسمائے سور والی عبارت یہ دونوں مجھے بھی کھٹکے تھے، لیکن دل نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ یا تو یہ الفاظ مولانا (فراہی) کے ہیں ہی نہیں، کاتبوں نے خدا معلوم کیا سے کیا کر دیا، اور یا اگر اُن ہی کے ہیں، تو یقیناً بے خیالی میں قلم سے نکل گئے، اور اُن کا وہ مطلب تو اُن (مولانا فراہی) کے ذہن میں ہو بھی نہیں سکتا، جو بہ ظاہر ان سے متبادر ہوتا ہے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) مجھ سے یہ دونوں لفظ پڑھے نہیں گئے، نہ کچھ یاد آیا، نہ وہ عبارتیں سامنے ہیں کہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) اور مولانا کی وہ تحریر تو چھپنے کے لیے تھی بھی نہیں، خود اپنے لیے بطور یادداشت لکھی تھی، معتقدین نے خواہ مخواہ بلا ترمیم واصلاح بجنسہٖ شائع کر دی۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) مگر کسی محقق متقیظ عالم سے مشورہ کر لیا جاتا۔ [2]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) مجھے اپنی جگہ پر تو یقین ہے کہ مرحوم اگر زندہ ہوتے، تو بلا تامل ایسی عبارتوں کو بدل دیتے۔

---

[1] لفظ ''انسب'' اور سورتوں کے ناموں کے متعلق بحث، آگے امداد الفتاویٰ کے رسالہ ''ملاحۃُ البیان'' میں آتی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] جب ایسا نہ کیا گیا اور اس کو شائع کر دیا گیا، تو اس پر مؤاخذے کی ضرورت پیش آ گئی۔ محمد رضوان۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) ان جذبات پر فضل کیا بعید ہے۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) خدمتِ والا میں چونکہ بہت گستاخ ہوں، اس لیے بلا تکلف یہ سب عرض کر ڈالا۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) ایسی گستاخی و بے تکلفی کا تو بھوکا ہوں، مگر دوسرے لوگ نفرت و غصہ سے کہتے ہیں، اس لیے ''بشر'' بن جاتا ہوں، اور ''بشر'' بھی وہ جس میں ''با، جارہ'' ہے، اور ''شر'' مجرور۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر بے چین ہو رہا ہوں۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) مسلمان کا تو یہ تمغہ ہے: ؎

چو از محنتِ دیگراں بے غمی　　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) مدرسے کی حمایت میں مجھے کچھ کہنا نہیں ہے، جیسی آزادی آج کل سب کہیں ہے (مولانا فراہی کے) مدرسہ (الاصلاح) میں بھی ہوگی، مجھے تو جو کچھ عرض کرنا تھا، وہ صرف مولانا مرحوم کی ذات سے متعلق ہے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) اس انصاف و غیر جانب داری پر، دعاء بلکہ دعائیں نکلتی ہیں۔ میں رسائل کا منتظر ہوں (یعنی وہ دو رسالے، جو مولانا شبلی اور مولانا فراہی کی صفائی میں لکھے گئے ہیں) [2]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اصل حکم تو کسی کی تحریر پر لگایا جاتا ہے، نہ کہ جذبات پر، اگر کسی کا جذبہ، حق واضح ہونے کے بعد رجوع کرنے کا تھا، لیکن اس کے سامنے حق واضح نہ ہوسکا، جس کی وجہ سے وہ اس رجوع سے محروم رہا، تو وہ اپنے جذبے کے مطابق عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہے، لیکن اس کی سابقہ رائے میں اگر کوئی بات قابلِ اصلاح و قابلِ تنبیہ محسوس ہو، تو اصولاً اس پر تنبیہ اور اس کا اصولی حکم بیان کرنا اپنی جگہ ضروری ہے۔ محمد رضوان۔

[2] تاکہ ان کو ملاحظہ کر کے ان کی روشنی میں، وضاحت یا رجوع وغیرہ کیا جاسکے۔ محمد رضوان۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) ابھی یہ مفروضہ بالکل خانگی حیثیت رکھتا ہے، صرف جناب والا کے ملاحظہ کے لیے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) ان شاء اللہ تعالیٰ اسی پر عمل ہوگا، البتہ میری تحریرِ کلی میں بعض چیزیں طالبِ علموں کے لیے مفید ہیں، ان کو یادداشت میں رکھنے کے لیے ایسے عنوان سے نقل کرالوں گا کہ کسی کو نہ واقعہ معلوم ہو، نہ اصحابِ واقعہ کا، نہ آپ کے خطاب کا پتہ چلے، اسی لیے رسالہ ''الاصلاح'' کا نام کاٹ دیا ہے، اوراس کو ابھی شائع نہ کیا جائے گا، بلکہ بعد غور کے جب کہ اس میں نہ خود کوئی محظور و معذر معلوم ہو، نہ کسی دوست کی تنبیہ سے۔ [1]

چنانچہ نقل کی تمہید کی یہ عبارت ہے:

''احقر (اشرف علی) نے ایک ایسے فتویٰ پر دستخط کردیے، جو بعض صاحبوں کی بعض عبارات کے متعلق تھا، ایک مخلص دوست کی اطلاع پر بعض نقول میں تردد ہوگیا، اس کے متعلق ذیل کا جواب لکھا گیا''۔

اب اس کے آگے حضرت (مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) کی وہ مفصل اورکلی تحریر ہے، جس کا حوالہ مکتوبِ بالا میں بار بار آیا ہے۔

از اشرف علی عفی عنہ

بخدمت مکرمی دام لطفہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

پرسوں رسالہ اور کل الطاف نامہ پہنچا، رسالے کے بعد خط کا انتظار تھا، کیوں کہ رسالہ بھیجنے کی غایت معلوم نہ ہوئی تھی، خط سے سب کچھ معلوم ہوگیا۔

---

[1] لیکن جب بعض رسائل میں تحریراً اس ساری بحث کو نام سمیت شائع کردیا گیا، اور بہت سے لوگوں کے علم میں آ گیا، تو پھراب نام کے اظہار کے ساتھ وضاحت کرنے میں بھی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ محمد رضوان۔

اس خیر خواہی و رہنمائی کا شکر گزار ہوں، آپ سے بوجہ آپ کے خلوص کے کچھ تکلف نہیں، اور میں تو کسی سے بھی تکلف و تلبیس نہیں کرتا، اس لیے بے تکلف عرض کرتا ہوں۔

سب سے پہلے بعض مقدمات عرض کرتا ہوں، پھر مقصود عرض کروں گا، اور سب مختصر ہوگا۔

نمبر 1: مفتی کا منصب قانون دان وکیل کا ہوتا ہے، قاضی کا نہیں ہوتا، یعنی قاضی کا حکم فیصلہ ہوتا ہے، اس لیے اس پر واجب ہے کہ واقعات کی تنقیح کرے، مفتی کے ذمہ یہ نہیں، اس کے قول کا حاصل محض قانون بتلانا ہوتا ہے، وہ بھی پوچھنے پر، تمام بار، سائل پر ہوتا ہے، بہ لفظِ دیگر اس کا قول قضیہ شرطیہ ہوتا ہے، یعنی اگر یہ واقعہ اس طرح ہے، تو اس کا قانونی حکم یہ ہے، حدیثِ صحیح میں تصریح ہے کہ ہند نے اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تنگیِ خرچ کی شکایت کرکے استفتاء کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوں تنقیحِ واقعہ کے ارشاد فرمایا: ”خذی (بلااذنہ کما ھو مصرح فی سوالھا) ما یکفیک وولدک بالمعروف“۔ [1]

اگر مفتی باوجود کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہونے کے کوئی احتیاط کرے، وہ تبرع ہے، جو لازم نہیں۔ [2]

---

[1] عن عائشة رضی الله عنها: قالت هند أم معاوية لرسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أبا سفيان رجل شحيح، فهل علی جناح أن آخذ من ماله سرا؟ قال: خذی أنت وبنوک ما یکفیک بالمعروف. (بخاری، رقم الحدیث ۲۲۱۱)

[2] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے نہایت مختصر طریقے پر مفتی اور اس کے فتوے کی حقیقت کو واضح فرمادیا ہے، جس سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ مفتی سے جو سوال کیا جاتا ہے، تو وہ اس صورتِ مسئولہ ہی کے مطابق جواب دینے کا پابند ہوتا ہے، اسی لیے عام طور پر فتوے کے شروع میں جواب دیتے وقت اس قسم کی عبارت تحریر کی جاتی ہے کہ ”صورتِ مسئولہ میں حکم یہ ہے“ جس کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمبر 2: کبھی وہ اس تبرع یعنی احتیاط کو اختیار کرتا ہے، جہاں دوسرا پہلو، یعنی عدمِ تبرع کا قوی نہ ہو، اور کبھی وہ اس کو اختیار نہیں کرتا، جہاں خاص احتیاط کرنے میں کوئی قوی مفسدہ ہو، اور مفسدہ کا قوی وضعیف ہونا، اس کے اجتہاد پر ہے، اور نیک وبد ہونے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

نمبر 3: انشا اور موافقت میں بھی فرق ہوتا ہے، یعنی ایک تو خود کسی قول کا دعویٰ کرنا دوسرے کسی دوسرے کے قول کے ساتھ موافقت کرنا، اول میں زیادہ تحقیق کرتا ہے، ثانی میں تھوڑی بھی گنجایش ہوتی ہے، اس میں مخالفت نہیں کرتا۔ [1]

ان مقدماتِ ثلاثہ کے بعد واقعہ عرض کرتا ہوں، مستفتی نے میرے سامنے واقعات پیش کر کے جواب چاہا، میرے قویٰ بھی مضمحل ہو گئے، مشاغل کا بھی ہجوم ہو گیا، میں نے جواب لکھنے سے عذر کر دیا، اور صاحبوں سے لکھوا لیا جائے، انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر میرے سامنے جواب پیش کیا، واقعات مسئول عنہا کی تحقیق کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''ہم سے، یا مجھ سے جو سوال کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے'' اب مفتی صرف اس بات کا جواب دیتا ہے، جس کا اس سے سوال کیا گیا ہے۔

قطع نظر اس سے کہ حقیقت میں واقعے کی اصل صورت کیا ہے، اگر سوال میں غلط بیانی کی گئی ہے، تو اس کا وبال، سوال کرنے والے پر عاید ہوتا ہے، مفتی کے ذمہ اصل واقعہ کی تحقیق واجب نہیں، بلکہ ممکن بھی نہیں کہ مثلاً کسی کے ایمان وکفر، یا کسی کے نکاح وطلاق، کسی کے ذبیحہ وغیرہ کے متعلق بھی سوال کیا جایا کرے، پہلے وہ اس متعلقہ شخص، یا اشخاص کے پاس جا کر حقیقت اور واقعہ مسئول عنہا کی تحقیق کیا کرے، اور پھر اصل واقعہ کے مطابق جواب دیا کرے۔

ظاہر ہے کہ نہ تو ایسا ممکن ہے، اور نہ ہی لوگوں کے لیے قابلِ قبول، جس کا نتیجہ سوال کے جواب سے محرومی اور فتوے کے ناجائز ہونے کی صورت میں ہی نکلے گا۔

البتہ اگر کوئی مفتی صورتِ مسئولہ کی ممکنہ تحقیق کرے، تو وہ احتیاط پر مبنی اور تبرع ہے، لازم وضروری نہیں کہ ایسا نہ کرنے پر اس کو الزام دیا جائے۔

لہٰذا مذکورہ واقعے میں جن اہلِ علم حضرات نے تکفیر کا فتویٰ دیا، وہ کسی کے نام کے بغیر صورتِ مسئولہ کا جواب تھا، قطع نظر اس سے کہ سوال حقیقت کے مطابق تھا، یا نہیں۔ محمد رضوان۔

[1] یعنی جو فتویٰ خود دیا جاتا ہے، اس میں تحقیق کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، بہ نسبت دوسرے کے لکھے ہوئے فتوے کی تصدیق کرنے کے۔ محمد رضوان۔

میں نے اپنے نزدیک ضروری نہیں سمجھا، دو وجہ سے، ایک تو مقدمۂ اولیٰ کی وجہ سے، دوسرے مستفتی کے علم و تدین کی وجہ سے۔

جواب چونکہ سوال کے مطابق تھا، میں نے موافقت پر دستخط کر دیے۔

یہ ضرور ہے کہ اگر میں خود جواب لکھتا، اس میں عنوانات و معنونات، دونوں میں زیادہ رعایت کرتا، مگر چونکہ موافقت میں توسع ہوتا ہے، مقدمۂ ثالثہ کی وجہ سے، اس لیے میں نے اس میں تنگی نہیں کی۔

نمبر 4: چونکہ مجھ سے یہ ظاہر کیا گیا، جس کی تکذیب کی کوئی دلیل بھی میرے پاس نہ تھی کہ بہت سے لوگ نئے خیال کے اس مدرسے سے بگڑ رہے ہیں، اور بہت لوگ پرانے خیال کے بگڑنے کو ہیں، اور اکثر لوگ متردد ہیں، اور حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اس فتویٰ کی سخت حاجت ہے، ان حالات کو سن کر تبرع واحتیاط کے پہلو پر انتظام کا پہلو غالب آیا، اور احتیاطِ معتاد کو لازم نہیں سمجھا، بنابر مقدمۂ ثانیہ۔ [1]

اتنا پھر بھی کیا کہ مستفتی کو سوال میں کسی کا نام لکھنے سے نہایت تاکید کے ساتھ روک دیا، تاکہ فتویٰ کا محل کسی کی ذات نہ ہو، محض وہ عقائد ہوں، پھر مجھ کو معلوم نہیں، انھوں نے کس مصلحت، یا ضرورت، یا کسی کے مشورے سے طباعت کے وقت بین القوسین غالباً نام بھی لکھ دیے، غالباً انھوں نے اس ہیئت کو عرف کے سبب، سوال سے خارج ہونے کے لیے کافی سمجھا، جس میں، میں موافق نہیں۔ [2]

سوال میں خاص رسالے سے جو مضمون نقل کیا گیا، ظاہر ہے کہ اس کو جس شخص

---

[1] آگے آتا ہے کہ کہیں عوام اور جمہور کو عقائد وافکار کے بگاڑ سے بچانے کے لیے انتظاماً کچھ سختی کرنا پڑتی ہے، اور اس میں مفتی کے اجتہاد کو بھی دخل ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مستفتی کو سوال میں کسی کا نام ظاہر کرنے سے تاکید کے ساتھ منع فرما دیا تھا، تاکہ کسی کی ذات کو ہدف بنا کر فتنہ برپا نہ کیا جائے، لیکن بعد میں اس فتوے کو شائع کرتے وقت ناموں کا اضافہ کر دیا گیا، جو فتنے کا باعث بنا۔ محمد رضوان۔

کے سامنے پیش کیا جائے گا، وہ وہی جواب دے گا، جو اس سوال پر لکھا گیا، اب دوسرا رسالہ آنے سے ضرور تردّد ہو گیا کہ آیا منقول عنہ سابق میں اسی طرح ہے، جو سوال میں نقل کیا گیا ہے، یا اس طرح ہے، جو دوسرے رسالے میں لکھا گیا ہے، اس لیے میں آج خط لکھ کر مستفتی صاحب سے منقول عنہ منگاتا ہوں، پھر تطابق وعدمِ تطابق کو دیکھوں گا، اور اس کے بعد اس کے متعلق کچھ عرض کرسکوں گا، اگر انھوں نے کسی عذر سے، یا کسی خاص مقتضیٰ سے رسالہ نہ بھیجا، تو آپ سے درخواست کروں گا کہ کسی سے مستعار بھجوا دیجیے۔

میں نے سب واقعہ بدون افراط وتفریط کے لکھ دیا، اب حالتِ موجودہ میں آپ سے بھی مستفیدانہ مشورہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ کو مختلف حالات میں کیا کرنا مناسب ہے کہ کسی خاص کو بھی ضرر نہ ہو، اور عوام کو بھی ضرر نہ ہو، میں بشرط سمجھ میں آجانے کے دل وجان سے اسی پر عمل کروں گا۔ والسلام۔ [1]

(حضرت تھانوی کے اس مکتوب کو نقل کرنے کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں)

یہ تو عرض کلی تھی، اب بعض جزئیات خود الطاف نامہ کے حواشی پر عرض کرتا ہوں، اور یہ حواشی وہی ہیں، جو پچھلے نمبر میں سلسلہ وار نقل ہو چکے۔

دنیا بھی ایک عجیب وغریب جگہ ہے، عجیب سے عجیب واقعات جن کا سمجھ میں آنا مشکل ہوتا ہے، مولانا حمید الدین خود ایک بڑے متقشّف عالم تھے، کوئی خیال بھی کرسکتا تھا کہ نوبت ان کی تکفیر کی آئے گی، لیکن آئی، اور بالکل بلاوجہ بھی نہیں،

---

[1] یہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی غایت تواضع کا معاملہ تھا کہ دوسرے سے مستفیدانہ مشورہ طلب کیا، لیکن یہ بات واضح ہے کہ دوسرے کے مشورے پر عمل کرنا ضروری نہیں، البتہ اس کو ٹھنڈے دل سے سننا اور غور کرنا اور پھر جو حق معلوم ہو، اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔
چنانچہ حضرت تھانوی نے ایسا ہی کیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

خلافِ احتیاط اور قابلِ گرفت الفاظ بے شک ان کی ایک یادداشت میں نکلے، جسے ان کے شاگرد نے بجنسہٖ اسی صورت میں چھاپ دیا تھا۔

رہے مولانا شبلی، تو ان کی ''الکلام'' میں قابلِ گرفت عبارتیں برسوں پیش تر سے لکھی چلی آ رہی تھیں، میرے یہ دونوں بزرگ بڑے محسن اور عملاً استاد تھے، ان کی جائز حمایت ونصرت میں (جو اس وقت عین حق وانصاف کی حمایت تھی) جو کچھ بھی عاجزانہ کوششیں بن پڑیں، کی گئیں، اور شکر ہے کہ حضرت (تھانوی) کے ہاں حضرت ہی کی انصاف پسندی اور اعتدال دوستی کی بنا پر بڑی حد تک کامیاب ومقبول ہی ہوئیں۔

مولوی شاہ عبدالغنی پھول پوری اور مولانا سید سلیمان ندوی آج (مندرجہ بالا واقعہ پیش آنے کے کافی عرصے بعد 1948) عیسوی میں ماشاء اللہ دونوں ایک دوسرے کے دوست ومحبّ اور حضرت ہی کے دونوں خلیفہ مجازین ہیں، 1936 عیسوی میں (جب مندرجہ بالا مکاتبت کا سلسلہ اور مذکورہ واقعہ پیش آیا تھا، اس وقت) صورتِ حال اس کے برعکس تھی، مولوی شاہ عبدالغنی صاحب مع ساری جماعتِ اشرفیہ کے اس طبقے کے شدید مخالف تھے، جس کی سیادت مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی کے ہاتھ میں تھی، سید صاحب کی متعدد تحریریں، اس زمانے میں شائع ہوئیں، اور مولوی صاحب کے خانگی خطوط میرے نام داد وتحسین کے آتے رہے، ان سب کی تفصیل الگ کی جائے، تو یہ بحث خود ایک رسالے کی ضخامت اختیار کرلے، اور پھر حضرت حکیم الامت کی ذات سے براہِ راست اس کا تعلق بھی نہیں۔

حضرت سے تفصیلی مراسلت اس (مولانا شبلی اور مولانا فراہی کے فتوے کے) موضوع پر کچھ روز تک جاری رہی، اور مولانا حمیدُ الدین مرحوم کی صفائی ایک بڑی

حد تک ہوگئی۔

4 جولائی کا عریضہ اسی بحث سے پیدا ہونے والے حالات سے لبریز ہے۔(جو درجِ ذیل ہے)

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) گرامی نامہ نیز مفصل کلی تحریر نے سرفراز کیا، بحمداللہ ایک بڑا بار قلب سے ہٹ گیا، میں نے دونوں تحریریں جناب کا انتظار کیے بغیر، مولانا مناظر احسن صاحب (کہ انھیں بھی میری طرح مولانا حمیدالدین مرحوم کی صفائی کی فکر تھی) کی خدمت میں بھیج دی ہیں۔

(**مولانااشرف علی تھانوی**) درکارِ خیر، حاجتِ اذن واشارہ نیست۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) اب جو کچھ عرض کرنا ہے، ان شاءاللہ موصوف ہی کریں گے۔

(**مولانااشرف علی تھانوی**) ٹھنڈے دل سے دیکھوں گا۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) اس کے بعد بھی کچھ ضرورت باقی رہی، تو یہ نامہ سیاہ بھی عرض کردے گا۔

(**مولانااشرف علی تھانوی**) بہتر۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) آج دو اموراور عرض کرنا چاہتا ہوں، جن کا اس موضوع سے براہِ راست تو کوئی تعلق نہیں، البتہ وہ خیالات پیدا اسی سلسلے میں ہوئے ہیں۔

ایک یہ کہ بے احتیاط مصنفین بارہا اپنے قلم کی رَو میں بالکل بے خیالی سے ایسے الفاظ لکھ جاتے ہیں، جو بجائے خود نہایت گستاخانہ بلکہ ملحدانہ ہوتے ہیں، لیکن ان

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ بات، اپنے متوسل ومرید کو تحریر فرمائی، جس میں تواضع اور تلاشِ حق کا اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے، اس کا خود حضرت تھانوی نے اپنے مکتوب میں بھی ذکر کیا تھا، اور وہ پہلے گزر چکا۔
اللہ تعالیٰ ان حضرات کے طرزِ عمل کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

بے چاروں کی کبھی بھی یہ نیت نہیں ہوتی، بلکہ اکثر تو اس کے برعکس، عین خدمتِ اسلام ونصرتِ دین ہی کی ہوتی ہے، ایسے اشخاص کے ساتھ میری فہمِ ناقص میں معاملہ ہمیشہ نرمی وآشتی کا رکھنا چاہیے، یعنی صرف یہ تنبیہ کافی ہوجانا چاہیے کہ ایسے الفاظ سے خوف کفر کا ہے، نہ یہ کہ انھیں واقعتاً کافر بنا کر دشمنانِ دین ومعاندینِ اسلام کی صف میں کھڑا کر دیا جائے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) بعض اوقات یہی طرز نافع ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات مضر بھی ہوتا ہے، اگر ان کو نہیں، تو دوسروں کو۔ [1]

غرض یہ ایک امرِ اجتہادی ہے، پھر جب ان کی نیت کی بنا پر ان کے ساتھ نرمی مناسب ہوسکتی ہے، اسی طرح زجر کرنے والوں کی نیت بھی خدمتِ دین وحفاظت کی ہوسکتی ہے، ان کو بھی معذور سمجھنا چاہیے، حق تعالیٰ کے نزدیک دونوں مستحقِ رحمت ہوسکتے ہیں، کسی کی شخصی مصلحت پر نظر ہوتی ہے، کسی کی جمہوری مصلحت پر۔ [2]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) دوسری چیز میرے ذاتی تجربے کی ہے، انگریزیت کے اثر سے مدتوں ملحد رہ چکا ہوں، سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ ایک عناد کی کیفیت تھی، مولانا شبلی کی ''سیرۃ النبی'' جلدِ اول اس

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعض اوقات نرمی کا طرز نافع ہوتا ہے، جس کی طرف مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے رجحان ظاہر کیا، تو بعض اوقات یہ طرز نقصان دہ بھی ہوتا ہے، اگر خود مبتلیٰ بہ کو نہ ہو، لیکن دوسروں کو نقصان دہ ہوتا ہے، مثلاً دوسروں کو دین پر جرأت ہوتی ہے، یا وہ اس قسم کے غیر محتاط مضامین کی وجہ سے بے راہ روی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی اس پہلو کو اختیار کر کے نرمی کے بجائے سختی اختیار کرے، وہ بھی قابلِ ملامت نہیں، بلکہ اپنی نیت وعمل کے مطابق وہ بھی ماجور ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایک ہی قسم کے واقعے میں انداز میں فرق ہوسکتا ہے، ایک کا انداز کسی کی شخصی رعایت ملحوظ رکھ کر نرمی کا ہوسکتا ہے، جس پر اس کو اجر وثواب حاصل ہوگا۔
اور دوسرے کا انداز جمہوری یعنی عامۃ المسلمین کی مصلحت کی خاطر زجر وتنبیہ کا ہوسکتا ہے، جس پر اس کو اجر وثواب حاصل ہوگا، اس لیے ان میں سے کسی ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینا درست نہ ہوگا۔ محمد رضوان۔

وقت شائع ہوئی، عبارت، اسلوبِ بیان وغیرہ بالکل ہم انگریزی خوانوں کے مذاق کے مطابق تھا، اسی دور میں اس کا مطالعہ میرے حق میں اکسیر ہوگیا۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) بالکل تصدیق کرتا ہوں، مگر بہت سے آزاد لوگوں کو ضرر بھی پہنچ رہا ہے کہ تمام اکابرِ امت اور ان کی روایات کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، اور ان کی تصانیف کو تاییدِ تمسخر بناتے ہیں۔ [1]

---

[1] معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب کی سیرۃ النبی کی جب پہلی جلد ابتدائی طور پر شائع ہوئی، اس سے فائدہ ہونے کا انکار نہیں تھا، لیکن اس میں بعض چیزیں ایسی بھی تھیں، جو متنازع تھیں، اور ان سے بعض آزاد طبع لوگوں کو نقصان پہنچا تھا، اور کسی فائدہ کی وجہ سے نقصان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے اگلے ایڈیشن میں ''سیرت النبی'' کے بعض مضامین میں اصلاح کی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھتے ہیں:

''سید (سلیمان ندوی) صاحب فطری طور پر خود رائی سے بہت دور تھے، سید صاحب میں قلب و باطن کے تزکیہ و ترقی کا بڑا قیمتی فطری جوہر تھا، ان کی یہی خوبی تھی کہ بڑوں کیا، چھوٹوں کی بات کو بھی قبول کرنے کی آمادگی میں، جتنا ان کے ظرف کو عالی پایا، اتنا کم کسی کے ظرف کو پایا۔

(حضرت سید صاحب) حضرت (اقدس تھانوی) کے اشارے ہی سے اپنی تصنیفات کے ہزاروں صفحات کی نظرِ ثانی پر تُل گئے۔

۱۱ر رمضان مبارک ۱۳۶۳ ہجری کے والا نامہ میں (حضرت سید صاحب) فرماتے ہیں:

''ادھر جب سے حضرت والا کا ایما ہوا تھا، جس سے متعلق اشعار ''معارف'' میں چھاپ دیئے ہیں، یہ خیال غالب رہا ہے کہ اپنی تصنیفات پر نظرِ ثانی کر کے رکھ جاؤں، پھر جب چھپیں، چنانچہ سیرت جلد اول پر نظر ثانی آدھی سے زیادہ ہوگئی ہے اور وہ چھپ بھی رہی ہے''۔

''اسی سلسلے میں سیرت کی تیسری جلد معجزات والی بھی آتی ہے، اس میں جو حصہ آپ کا ہے، اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں، زبانی بھی کہہ چکا ہوں آپ مہربانی فرما کر نظر ثانی فرما کر بھیج دیں، لیت و لعل، یا حوالہ غفلت نہ کریں، اس میں آپ کا فائدہ ہے اور امت کا بھی''۔

سیرت کی پانچویں جلد نکلنے پر خصوصیت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ:

''آپ نے سیرت کی پانچویں جلد پڑھی بھی؟ آپ لوگوں سے اس لیے نہیں پوچھتا کہ تحسین مقصود ہے، بلکہ اس لیے کہ میں محسوس کروں کہ غلط نہیں چل رہا ہوں، سہارا چاہتا ہوں، تعریف نہیں''۔

(مکاتیبِ سلیمان، صفحہ ۸۰، ۸۱، مرتب: مفتی محمد زید ندوی، بحوالہ، ماہنامہ ''معارف'' سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ءِ ص ۹۸ و ۱۰۲، مضمون: مولانا عبدالباری صاحب ندوی)۔ محمد رضوان۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی) فرنگی شیاطین نے جتنے الزامات عائد کیے تھے، سب کی تردید ہوگئی، اور دل نے کہا کہ یہ صاحب بے شک ملکِ عرب، بلکہ نوعِ انسان کے بڑے مصلح تھے، نہ معاذ اللہ ڈاکو، اور ظالم تھے، اور نہ عیش پرست وطالبِ جاہ، بلکہ بڑے اچھے انسان تھے، قابلِ تعظیم، آج اپنے ان خیالات پر بھی ہنسی آتی ہے، لیکن اس وقت کے لحاظ سے یہی بڑی نعمت تھی، آپ حضرات کی تصانیف کی طرف تو اس وقت میں رخ بھی نہیں کرسکتا تھا، نام ہی سے نفرت و بے زاری اور بدعقیدگی تھی، اس منزل میں دست گیری، شبلی ہی جیسے مصنفین کے ذریعے سے ہوئی۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) مسلَّم ہے، مگر اس کی دوسری جانب بھی مسلّم ہونا چاہیے۔ [1]

(مولانا عبدالماجد دریابادی) مقصدِ گزارش یہ کہ اس قسم کے حضرات کا بھی وجود، کفر والحاد کے مقابلہ میں ایک بڑی سپر کا کام دیتا ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) مگر دوسرے زخمی بھی ہو رہے ہیں، ان پر شمشیر کا کام دیتا ہے، اب اس کا فیصلہ محض نیت و اجتہاد پر ہے، تسامح کرنے والا بھی معذور اور تشدد کرنے والا بھی۔ [2]

(مولانا عبدالماجد دریابادی) اور یہ سب اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق اسلام کے خادم ہی ہیں، دشمن، یا مخالف نہیں، دوست کیسا ہی نادان سہی، بہرحال ہوتا دوست ہی ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) یہ قاعدہ تو قادیانی کے حق میں بھی جاری

---

[1] یعنی جس طرح بندے کو دوسرے کا پہلو مسلم ہے، اسی طرح دوسرے کو بندے کا پہلو بھی مسلم ہونا چاہیے، کیوں کہ وہ بھی شرعی قواعد پر مبنی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اس مختصر سے جملے میں مختلف ذوق والوں کے لیے کئی اشکالات وشبہات رفع ہونے کا سامان ہے۔ محمد رضوان۔

ہوتا ہے، آخر اس کی کوئی حد ہونا چاہیے۔ [1]

(مولانا عبدالماجد دریابادی) آپ حضرات جس معیار سے گرفتیں کرتے ہیں، وہ بجائے خود بالکل صحیح، لیکن ہم انگریزی خوانوں کی اس منزل میں، نظر، اِن مفاسد پر تو پڑتی نہیں، ہمیں تو اسلام سے قریب لانے میں یہ تحریریں بہرحال معین ہی ہوجاتی ہیں۔

(مولانا اشرف علی تھانوی) تو اس بناپر اعتزال وارجا، جبر وقدر، اخراج ورفض، سب محلِ سکوت رہیں گے۔ [2]

(مولانا عبدالماجد دریابادی) مجھ سے کئی سال ہوئے ایک اردو خوان شخص نے جو محض ناول، افسانے وغیرہ پڑھنے کا عادی تھا، قرآن مجید کا اردو ترجمہ دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، میں نے صلاح دی کہ شروع ڈپٹی نذیر احمد صاحب [3] کے ترجمے سے کرو، لیکن دو ایک سال بعد، جب اسے دو ایک بار پڑھ چکو، تو بس اس کے بعد اسے بالکل چھوڑ دو، پھر مولانا تھانوی کا ترجمہ رکھو، صحیح ومستند وہی ہے، لیکن وہاں تک تمھیں لانے کے لیے یہ زینے کا کام دے گا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی حدود متعین ہیں، سب کے لیے یکساں حکم نہیں، ورنہ قادیانی کے کفریہ نظریات کو بھی درگزر کرنے کی ضرورت ہوگی، جو کہ کسی طرح درست نہیں۔ محمد رضوان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جتنے مشہور باطل فرقے اور مشہور باطل نظریات ہیں، مندرجہ بالا قاعدے کے پیشِ نظر ان پر بھی خاموشی اختیار کرنا پڑے گی، اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بڑا باب ہی مسدود ہوکر رہ جائے گا۔ محمد رضوان۔

[3] ڈپٹی نذیر احمد صاحب، اردو زبان میں پہلے ناول نگار ہونے کی حیثیت سے متعارف ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کی پیدائش 6 دسمبر 1836ء کو ضلع بجنور میں ہوئی، ان کے والد مولوی سعادت علی معلم تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، دہلی کے اورنگ آبادی مدرسہ میں مولوی عبدالخالق سے درس لیا۔

مدرسہ کی تعلیم کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے دہلی کالج میں داخلہ لیا، یہاں انھیں وظیفہ بھی مل گیا، دہلی میں 8 سال گزارنے کے بعد بسلسلہ ملازمت گجرات پہنچے، جہاں 80 روپے ماہوار پر انھیں نوکری مل گئی، اس کے بعد ترقی کرتے ہوئے وہ کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوگئے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) اوپر عرض کر چکا ہوں کہ یہ تدبیر کہیں نافع بھی ہے، کہیں مضر بھی، تو یہ مشورہ مجھ جیسے قاصر النظر، ضعیف القلب کو تو دیا جاسکتا ہے، اور اکثر موانع پر نرمی میرا طریق بھی ہے، مگر عام مشورہ دینا مصالحِ انتظامیہ کو برباد کرنا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، جیسا کہ ہر جج کو رائے دی جائے کہ مجرم کو بری کردیا جائے، اس سے اس کے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ یہی کہے گا کہ شریف طبیعت کا تو یہی خاصہ ہے، مگر ''لئیم'' تو زیادہ جسور ہوجائے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

1857ء کے انقلاب میں دہلی واپس آئے، یہاں سے نظامِ دکن نے انھیں حیدرآباد بلالیا، جہاں انھیں دفاتر کا معائنہ اور کارکردگی کی مفصل روداد پیش کرنے کی ملازمت مہیا کی گئی۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بہت سے ناول تحریر کیے، اور ان ناولوں میں زیادہ زور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری پر تھا، ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے ناولوں کے علاوہ جو علمی کام کیے، ان میں قرآن کا ترجمہ، قانونِ انکم ٹیکس، قانونِ شہادت نمایاں ہیں۔ انگریزوں کے ہندوستان کی عدلیہ کے لیے مرتبہ قوانین مجموعہ تعزیراتِ ہند کا اردو ترجمہ بھی غالباً اول اول انہوں نے کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے 3 مئی 1912ء میں دہلی میں وفات پائی، ان کے ترجمۂ قرآن میں کئی چیزیں قابلِ اصلاح تھیں، جن کی مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے نشان دہی کی تھی۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اپنے وعظ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

> ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے میں بہت سی غلطیاں تھیں، جن پر میں نے ایک رسالے میں تنبیہ کی تھی، ڈپٹی صاحب نے میری تنقید کو پسند کیا، اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے بعد طبع ثانی میں ان اغلاط کو صحیح کردوں گا، مگر ان کو موقع نہ ملا۔ (خطباتِ حکیم الامت، ج۲۰، ص۳۹۹)

مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

> مولوی نذیر احمد صاب کے ترجمہ قرآنی میں بہت سی غلطیاں ہیں، علمائے احناف کے خلاف ایسی بہت سی باتیں اس میں ہیں، جو لڑکوں کو مضر ہوں گی، لہٰذا اگر وہ ترجمہ مدرسے میں داخل کرلیا گیا ہے، تو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اصلاحِ ترجمہ دہلویہ، جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ہے، بچوں کو ضرور پڑھائی جائے، تاکہ جو کچھ غلطیاں اس ترجمے میں ہیں، اس کتاب سے ان کی اصلاح ہوجائے، مولانا نے مولوی نذیر احمد کی غلطیوں کی اس کتاب میں اصلاح کی ہے، اور بتایا ہے کہ انھوں نے کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔ (کفایت المفتی، ج۲، ص۱۴۱، کتاب التفسیر والتجوید، پانچواں باب، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، تاریخِ طباعت: جولائی 2001)

گا، اس لیے ہر جج ایسا نہیں کرسکتا۔

(آگے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں)

حضرت کی بہت زیادہ تحریروں سے تو اطمینان ہو جایا ہی کرتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس ارشاد سے پوری تشفی اب تک بھی نہیں ہوئی ہے، اور نہ جج کو ہر مجرم کے علی الاطلاق بَری کر دینے کی تمثیل سمجھ میں آئی، جج کو مشورہ تو صرف یہ دیا گیا تھا کہ مجرم کو سزا محض صورتِ جرم پر نہ دے دی جایا کرے، بلکہ حقیقتِ جرم کی بھی خوب تحقیق کر لی جائے کہ بہت سے جرم صرف صورتاً ہوتے ہیں، اور ان کے مرتکب کی تو بعید نیت بھی قانون شکنی ونافرمانی کی نہیں ہوتی۔ [1]

(پھر مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں: حضرت تھانوی کے ''اس والا نامہ کا آخری ٹکڑا'' درجِ ذیل ہے:)

''اطلاع کارروائی متعلق فتویٰ: ارادہ تھا کہ اس کارروائی کی تکمیل کر کے اطلاع عرض کروں گا، مگر ایسے موانع پیش آئے کہ اب تک قاصر رہا، ان موانع کی اجمالی فہرست یہ ہے کہ مجھ کو ایک روز بخار آ گیا، جو اُتر تو گیا، مغرب ہی کے وقت، مگر

---

[1] اس سلسلے میں بندہ محمد رضوان عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے عرض کلی کے پہلے نمبر میں مفتی کا منصب ''قانون دان وکیل'' کا قرار دیا تھا، اور قاضی بمعنیٰ جج کو اس سے الگ قرار دیا تھا، اور قاضی کے ذمہ واقعات کی تنقیح ضروری قرار دی تھی، اور مفتی کے ذمے سوال کرنے پر صرف قانون کا بتلانا قرار دیا تھا، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

یہاں مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے، خود مبتلیٰ بہ کو ڈپٹی نذیر حسین صاحب کا ترجمہ پڑھنے کا مشورہ دینے کا ذکر کیا تھا، جس میں مبتلیٰ بہ نے ایک حیثیت سے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کو اپنے حق میں جج وقاضی کا درجہ دے کر رائے معلوم کی تھی، جس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے، اس تدبیر کو کہیں مضر قرار دیا اور ایسے مواقع پر عام مشورہ دینے پر جج کی مثال پیش فرمائی۔

تو یہ قضیہ اس پہلے قضیے سے الگ ہوا، جس کی بنیاد پر مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے اشکال پیش کیا ہے، ورنہ مفتی کے فتوے والی حیثیت سے، جو مسئلہ پیچھے مولانا فراہی وغیرہ کے متعلق فتوے کی بابت گزرا، اس میں اشکال پیش نہیں آتا، اس کے متعلق شبہات کے جوابات خود حضرت نے اپنی سابقہ تحریر میں ذکر فرما دیے ہیں، جہاں مفتی اور جج وقاضی میں فرق واضح بیان فرما دیا ہے، پھر یہاں حضرت تھانوی، مفتی کو قاضی وجج کے درجے میں کیسے مثال کے لیے ذکر فرماتے؟ محمد رضوان۔

اس میں ایسی سمّیت تھی کہ مدتوں تک کے لیے ناکارہ کردیا، اب بفضلہٖ تعالیٰ قریب قریب اصلی حالت ہونے لگی، پھر مہمانوں کا ہجومِ متواتر، پھر اس کی بھی تدبیر سوچتا رہا کہ مستفتی کی رائے کو بھی بقدرِ جائز نرم کیا جائے، خط کے جواب کا انتظار ہے، ان موانع سے جواب میں دیر ہوگئی، اور ابھی غالباً پانچ چار روز کی اور دیر لگے گی، پھر آج خیال ہوا کہ خلافِ معمول توقف ہونے سے آپ کو انتظار کی تکلیف ہوگی، موجودہ حالت ہی کی اطلاع کر کے، رفعِ انتظار کردوں، پھر بعد فراغ اس وقت کی حالت کی اطلاع کردوں گا، اس لیے آج یہ خط بھیج رہا ہوں، عنقریب مکمل اطلاع کروں گا، اسی کے ساتھ ساتھ جون کا رسالہ (یعنی رسالہ ''الاصلاح'') واپس کردوں گا۔ (''حکیم الامت'' نقوش وتاثرات، صفحہ ۴۵۷ تا ۴۶۷، مقالہ نمبر ۸۷ تا ۸۹۔ سنہ 1936 عیسوی، ناشر: الفیصل، غزنی سٹریٹ، لاہور، تاریخِ اشاعت: اگست 1992 عیسوی)

یہ حضرت تھانوی صاحب کے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کے نام تفصیلی مکتوب کا آخری حصہ تھا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ مذکورہ تفصیلی مکاتبت کے بعد 26 جولائی 1936 عیسوی کو مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے ایک اور عریضہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کیا، جس کا حضرت تھانوی کی طرف سے جواب موصول ہوا، مولانا عبدالماجد دریابادی اور حضرت تھانوی کی یہ مکاتبت بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) سیدی ومطاعی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) والسلام علیکم۔

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا

مناظر احسن (گیلانی) صاحب کی مطبوعہ تحریریں، بغرضِ ملاحظہ ارسالِ خدمت ہیں۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) میں اپنا مضمون جو اِس لفافہ میں ملفوف ہے، روانہ کرنے کو تھا کہ آپ کا یہ مقالہ آ گیا۔ جو اِس لفافہ سے مقصود ہے، وہ پہلے ہی میں لکھ چکا، یہ آپ کی محبت ہے کہ سب واقعات پیش کر دیے، مگر الحمد للہ مجھ کو نہ اخبار کا انتظار، نہ اخبار کا کوئی اثر۔

حق جب طریق سے ثابت ہوجاتا ہے، الحمد للہ اس کا اتباع کرتا ہوں۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) مشیت میں جو کچھ ہوتا ہے، ہو کر رہتا ہے، میں نے بہت چاہا کہ قبل اس کے کہ ادھر سے سلسلۂ تحریر شروع ہو، آپ کا اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا بیان شائع ہو جائے (دونوں حضرات اس وقت تک اپنے فتویٰ تکفیر سے رجوع کر چکے تھے۔ عبدالماجد)

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) یہ آپ کی محبت ہے، مگر مجھ کو مستفتی کے خط کا اس لیے انتظار رہا کہ شاید وہ کوئی سہل سبیل نکالیں، مجھ کو تو سب ہی کے مصالح پر نظر رہتی ہے، مگر جب انتظار کی حد ہو گئی، میں نے جو کچھ لکھنا تھا، لکھ دیا، جو ملاحظہ سے گزرا ہوگا، پھر کل مولانا سید سلیمان صاحب کا مضمون دیکھا، اس پر جو کچھ لکھا گیا، وہ آج ملاحظے سے گزرے گا۔......

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) منصبِ مفتی سے جناب نے جو ارشاد فرمایا وہ ضابطہ سے بالکل درست سہی، لیکن پھر آخر بریلی والے کیوں بدنام ہیں، وہ بھی تو یہی کرتے ہیں کہ صاحبِ تقویۃ الایمان، حفظ الایمان وغیرہ کے اور

---

[1] حضرت تھانوی کی مذکورہ عبارت کا مطلب واضح ہے کہ مجھے کسی خاص شخصیت، یا آپ کی طرف سے صفائی اور وضاحت کی ضرورت نہیں، بلکہ میرے سامنے حق، جس طرح بھی ثابت ہوجاتا ہے، میں اس کا اتباع کرتا ہوں، اصل مقصود، اتباعِ حق ہے، حضرت کا یہ طریق، موجودہ دور کے لوگوں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ محمد رضوان۔

سارے عقائد سے، اور ان کے تقویٰ و تقدس سے قطع نظر کر کے درمیان سے ایک آدھ فقرہ، یا ایک آدھ لفظ لے لیتے ہیں، اور اسی پر تکفیر کر ڈالتے ہیں۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) ان کے سامنے تو سب واقعات ہیں، پھر قصداً تلبیس کرتے ہیں، اور بعد اطلاعِ حقیقت کے بھی رجوع نہیں کرتے، کیا خدانخواستہ یہاں ایسا ہوا ہے؟ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) رسالہ ''الاصلاح'' (یہ اسی مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ کا ماہ نامہ تھا، جس پر تکفیر کی یورش تھی، مولوی امین احسن اصلاحی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ عبدالماجد) نے اب کے یہ کیا ہے کہ خود جناب ہی کے ایک وعظ کا بڑا طویل حصہ جو احتیاط در بارۂ تکفیر میں ہے، نقل کر دیا ہے، میں نے خود بھی کلیدِ مثنوی میں یہ مضمون پڑھا تھا۔ (اصل الفاظ یاد نہیں، خلاصتاً لکھ رہا ہوں) کہ مولانا کا کوئی ایک شعر جو خلافِ شریعت نظر آئے، اس پر رائے نہ قائم کی جائے، بلکہ سارے کلام کو ملحوظ رکھ کر کی جائے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) میں اپنے مسلک پر بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہوں، اس کی تفصیل مع رفعِ شبہات اترسوں کے رجسٹری شدہ مضمون میں عرض کر چکا ہوں، امید ہے کہ ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ [2]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) ابھی دو ہی چار مہینے کی بات ہے کہ مولانا سید سلیمان نے اپنی شدید علالت کے دوران (سید صاحب اس زمانے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے بریلی کے حضرات کا جو طریقہ کار ذکر کیا گیا کہ وہ قصداً تلبیس کرتے ہیں، اور حقیقت پر مطلع ہونے کے بعد بھی رجوع نہیں کرتے، کیا یہاں بھی اللہ نہ کرے، ایسا ہی ہوا؟ ظاہر ہے کہ نہیں، خود حضرت تھانوی وغیرہ نے حقیقت پر مطلع ہونے کے بعد رجوع فرمالیا۔ فافترقا۔ محمد رضوان۔

[2] حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ تکفیر کے سلسلے میں جو احتیاط کا مسلک میرا ہے، میں اس پر قائم ہوں، اور فتوے میں جو کچھ لکھا اور کیوں لکھا؟ اس کی تفصیل پہلے مکتوب میں ذکر کی جا چکی ہے، اس میں اپنے مسلک کے مطابق ہی عمل کیا گیا؟ محمد رضوان۔

میں مرضِ قلب میں بہت سخت بیمار ہو گئے تھے۔ عبدالماجد) میں جناب کو خواب میں دیکھا، اور کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ حضرت مجھے چھوڑیں گے نہیں، یعنی بغیر اپنے حلقۂ ارادت میں لیے نہ رہیں گے۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) اچھا ہوا، خواب غلط ہو گیا، اللہ نے انھیں دھوکے سے بچا لیا۔ [1]

(**مولانا عبدالماجد دریابادی**) کہاں میرا دل اس سے باغ باغ ہو رہا تھا، کہاں آج یہ دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے! والسلام۔ محتاجِ دعاء۔ عبدالماجد۔

(**مولانا اشرف علی تھانوی**) غور نہیں فرمایا، میں تو اتر سوں کے مضمون میں ثابت کر چکا ہوں کہ میرے اصلی مسلک اور دستخطِ جدید میں تعارض ہی نہیں، باقی کجا حلقۂ ارادت، کجا میں، اس کی اہلیت تو پہلے ہی سے نہیں، یعنی قبل دستخط بھی، نجات ہی ہو جاوے، تو غنیمت ہے، جس کی دعاء کا سب احباب اور بزرگوں سے امیدوار ہوں۔

میں نے جو کچھ کیا، یا جو کچھ کر رہا ہوں، الحمدللہ کسی کے معتقد بنانے، یا معتقد رکھنے کے لیے نہیں، نہ کسی کے کم ہو جانے سے کوئی افسوس، اپنے نزدیک حق کی غلامی کی نیت ہے، خواہ کوئی معتقد رہے، یا نہ رہے، جتنے معتقد کم ہوں، اتنا ہی ہلکا رہوں گا،

---

[1] اس خواب کا تعلق چونکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تھا، اور حضرت کو یہ خواب سنانے سے گویا کہ تعبیر غلط ہونے کا باور کرا کر فتوے سے رجوع، یا اس کے طریق کار کے غلط ہونے کے تاثر کا اظہار تھا، لیکن چونکہ حضرت نے تو اصولِ شریعت و فتویٰ کی اتباع میں جواب پر دستخط فرمائے تھے، ان پر اس خواب سے کیا اثر پڑتا۔
اس لیے اپنی عقیدت قائم کرنے کے لیے کوئی تاویل کرنے کے بجائے، صاف صاف فرما دیا کہ خواب غلط ہونے کی وجہ سے، اللہ نے انھیں دھوکے سے بچا لیا، لیکن یہ حضرت رحمہ اللہ کی اتباعِ حق کی برکت تھی کہ اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے ارادت کا تعلق قائم کیا، اور حضرت تھانوی کی طرف سے شرفِ خلافت سے سرفراز ہوئے، اور اس تعلق کو تا دمِ آخر نہایت احسن طریقے سے نبھایا۔ محمد رضوان۔

جو کہ ضعفاء کے لیے عین مطلوب ہے۔ والسلام۔

(''حکیم الامت'' نقوش وتاثرات، صفحہ ۴۶۵ تا ۴۶۷، مقالہ نمبر ۸۹۔ سنہ 1936 عیسوی، ناشر: الفیصل، غزنی سٹریٹ، لاہور، تاریخِ اشاعت: اگست 1992 عیسوی)[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے، مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کے ساتھ جو مکاتبت فرمائی، اس میں حضرت تھانوی نے درجِ ذیل وضاحت بھی فرمائی کہ:

''اگر کوئی صاحب میرے سب مضامین کو، یا بعض کو چھاپنا چاہیں، تو میری طرف سے کوئی امر مانع نہیں، ورنہ یہاں تو چھپے ہی گا، مگر دیر میں، بالخصوص میری وہ تحریر جو بطور قولِ کلی کے ہے، غالباً وہ اوروں سے زیادہ مفید اور دائم الضرورۃ ہے، اگر سب مضامین چھپیں، اس کو بھی نہ بھولا جائے، آئندہ جو مصلحت ہو۔

والسلام، اشرف علی، از تھانہ بھون''۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں) اب اس کے بعد (حضرت تھانوی کا) وہ اصل مضمون جس کا اس خط میں حوالہ ہے، ملاحظہ ہو:

ضمیمۂ ثانیہ رسالہ ''الایضاح لما فی الافصاح''۔

رسالۂ مذکور کے ضمیمۂ اولیٰ کی تحریر سے تقریباً ایک ہفتہ بعد میرے پاس ''سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ'' سے (جیسا ڈاک خانہ کی مہر سے معلوم ہوا) ایک جدید مطبوع مضمون مُعَنون بہ ''عنوان فلاں فلاں حضرات پر غوغائے تکفیر'' مرقوم یکم جمادی الاولیٰ، جس میں زید وعمرو (زید سے مراد مولانا شبلی اور عمرو سے مراد مولانا حمید الدین ہیں۔ عبدالماجد) دونوں کے تبریہ کے متعلق توجیہات تھیں، پہنچا، چونکہ میں عمرو (یعنی مولانا حمید الدین فراہی) کے متعلق خود رسالہ ''الاصلاح'' میں اپنے دستخط

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے طریق اور مسلک کی پوری وضاحت فرمادی، جس پر وہ شروع سے آخر تک قائم رہے، اور اس میں کسی کی بے جا رعایت کے بجائے اصولوں کے مطابق عمل کیا، جس میں کوئی غرضِ فاسد پیشِ نظر نہیں تھی، دوسرے لوگوں نے اس کو غلط رنگ دیا، اور بے اعتدالی کا ارتکاب کیا، جس سے حضرت تھانوی کا دامن پاک تھا۔ محمد رضوان

سے رجوع کر چکا ہوں، اس حصہ کے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔

البتہ اس ضمیمہ میں زید (یعنی مولانا شبلی) کے متعلق بنابر کسی تاویل، یا تبریہ کے معلوم نہ ہوسکنے کے رجوع سے معذوری ظاہر کی تھی۔

اوراس جدید مضمون میں خود زید (یعنی مولانا شبلی) کی ایک تحریر سے نقل کیا گیا ہے کہ:

''جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے، اور خدا کا مخلوق نہیں، وہ ملحد اور زندیق ہے۔

(الٰی قولہٖ)

''الــکــلام'' میں، اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں، اور اس غرض سے نقل کیے ہیں کہ ان کا رَد کیا جائے، جو اِن کے تبریہ پر دال ہیں۔

اس لیے اس وقت اس حصے کے متعلق مختصراً بقدرِ ضرورت عرض کرتا ہوں۔

وہ یہ کہ زید کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ایسے عقائد خود زید کے نزدیک بھی الحاد اور زندقہ ہیں۔

مگر زید اپنے کو ان عقائد سے بَری کہتے ہیں۔

اور ''الکلام'' میں ان کے لکھنے کا ایک عذر کرتے ہیں۔

تو اس تقدیر پر فتوٰی ''الافصاح' کے مجیب اور خود زید ان عقائد کے، عقائدِ کفریہ ہونے میں تو متفق ہوئے۔

اس لیے اہلِ جواب کی یہ شکایت تو نہیں ہوسکتی کہ غیر کفر کو کفر کہہ دیا۔ [1]

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ جواب نے جدید مضمون تبریہ کا کیوں نہیں دیکھا؟

---

[1] یعنی جس چیز کی بنیاد پر تکفیر کی گئی تھی، بعد کی وضاحت کی روشنی میں، اس کے باعثِ تکفیر ہونے کے خود، مولانا شبلی بھی قائل ہوئے، لہٰذا مجیب اور مسئول بہٖ کے موقف میں کوئی تعارض نہ ہوا، اور اس بناء پر مجیب کو الزام دینا درست نہ ہوا۔ محمد رضوان۔

سو ظاہر ہے کہ یہ عدمِ احاطۂ نظر محلِ ملامت نہیں۔

اب صرف کلام اس میں باقی رہا کہ یہ عذر ''الکلام'' کے کسی مقام سے کلیاً، یا جزئیاً معلوم و مفہوم ہوتا ہے، یا نہیں؟

پھر اس تنقیح کے بعد جو حکمِ شرعی ہو، اس کا اتباع سب پر واجب ہے۔

مگر یہ موقوف ہے رسالہ ''الکلام'' کے بالاستیعاب دیکھنے پر، چونکہ میرے پاس نہ وہ رسالہ، نہ مجھ کو اتنی فرصت۔ [1]

اس لیے میں قصرِ مسافت کرکے اپنے مسلکِ توسع ''محاط بالحدود الشرعیة'' کی بنا پر عرض کرتا ہوں کہ:

اگر اس رسالے میں یہ عذر کلیاً، یا جزئیاً مذکور بھی نہ ہو، تب بھی زید کے اس انکارِ انتساب کو توبہ پر محمول کرکے زید کے متعلق بھی اپنے دستخط سے رجوع کرتا ہوں۔

مگر اسی کے ساتھ زید کی جماعت کو یہ مشورہ بھی دیتا ہوں کہ امتِ محمدیہ پر رحم کرکے، نہ زید کی ایسی تصنیفات کو شائع کریں، نہ ان کی حمایت کریں۔

اور مدرسۂ اصلاح کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ ایسے موہم موحش اقوال اور ان کے قائلین من حیث القائلین اور اشتہار مضمون بہ عنوان ''ایک دینی درس گاہ کی خدمت'' کے مضمون سے برأت کا اعلان کردیں۔ (''حکیم الامت'' نقوش وتاثرات، صفحہ ۴۷۵، مقالہ نمبر ۸۹۔ سنہ 1936 عیسوی، ناشر: الفیصل، غزنی سٹریٹ، لاہور، تاریخِ اشاعت: اگست 1992 عیسوی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے جو پہلے فتویٰ جاری فرمایا تھا، وہ بھی اصولِ افتاء کے مطابق تھا، جس میں مستفتی اور دیگر لوگوں کی طرف سے کچھ بے اعتدالیاں پیدا کی گئی تھیں، اور اس کی توضیح اور وضاحت سامنے آنے کے بعد حضرت تھانوی

---

[1] البتہ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرکے وضاحت کی ہے، جس کا ذکر آگے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے حوالے سے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

رحمہ اللہ نے جو بعد میں مندرجہ بالا رائے قائم کی، وہ بھی انتہائی اعتدال پر مبنی ہے، جس میں احوال وعوارض سے متاثر نہ ہونے اور فریقین کو اعتدال پر قائم رکھنے کی پوری پوری رعایت نظر آتی ہے۔

مذکورہ تحریر میں ایک طرف تو حضرت تھانوی نے، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی طرف سے علامہ شبلی کی وفات سے چھ ماہ قبل کی تحریر کو توبہ پر محمول کر کے فتوے پر اپنے دستخط سے رجوع کا اعلان فرمایا۔

دوسری جانب علامہ شبلی کی ''الکلام'' اور اس جیسی کتابوں کی اشاعت وحمایت نہ کرنے کا مشورہ بھی امتِ محمدیہ کے ایمان پر رحم کی خاطر تحریر فرمادیا، اور آگے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب وغیرہ کے حوالے سے آتا ہے کہ ''علم الکلام'' پر تصنیف کے زمانے میں علامہ شبلی پر سرسید احمد خان کے کچھ اثرات تھے، جن کے کچھ آثار کا ان کے اس زمانے کی تالیفات میں ظاہر ہونا بعید نہیں تھا، لیکن اولاً تو مولانا شبلی نعمانی صاحب کو سرسید احمد صاحب کے بہت سے مذہبی افکار سے اختلاف تھا، دوسرے بعد میں مولانا شبلی نعمانی صاحب نے اپنے سابق متعدد افکار سے رجوع کرلیا تھا۔

جس کی تفصیل مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے حوالے سے آگے آتی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی وضاحت

جب مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان کے متعلق تکفیر کے فتوے کا قضیہ پیش آیا، تو اس پر مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے بھی وضاحت کی تھی، جس سے معاملہ حل ہونے میں مدد ملی۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

مولانا شبلی کی تکفیر جن مسائل کی بنا پر کی گئی ہے، وہ ان کے نہیں، بلکہ ملحدین کے

خیالات ہیں، جن کو انھوں نے رد کے لیے نقل کیا ہے۔ بہر حال ان کے مفصل جوابات تو بعد میں شائع ہوں گے، اس وقت مختصراً یہ کہنا ہے کہ آج سے بائیس سال پیش تر ندوۃُ العلماء کے اختلافات کے سلسلے میں ندوہ کے اجلاس دہلی کے موقع پر 1332 ہجری میں ان ہی علماء میں سے چند نے انھیں عبارتوں کو نقل کر کے مولانا پر تکفیر کا فتویٰ مرتب کیا تھا، اس وقت (یعنی وفات سے چھ مہینے پہلے) مولانا نے اپنے دستِ خاص سے ایک مختصر تحریر لکھ کر شائع کی تھی، جو میرے پاس ہے، اس میں مخالفین کے ان الزامات کی پوری تردید کر دی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی آگاہی کے لیے اس کو مع سوال و جواب کے شائع کر دیا جائے۔

مولانا شبلی رحمہ اللہ کے عقائد

بحضرت مولانا شبلی صاحب، السلام علیکم

مجھے آپ سے چند سوال پوچھنے ہیں، اجازت ہو تو عرض کروں۔

(۱)...... میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی تصنیف ''الکلام'' میں مادۂ عالم کو غیر مخلوق لکھا ہے، کیا یہ آپ کا اعتقاد صحیح ہے؟ اور آپ نے اپنی تصنیف میں یہ مسئلہ اپنے مذہب کا لکھا ہے، یا کیا؟

(۲)...... کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نبوت کو اکتسابی سمجھتے ہیں؟ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ ہر ایک آدمی اکتساب اور محنت سے نبی ہو سکتا ہے؟ یا اس کی اصلیت کچھ اور ہے؟

(۳)...... اس کے علاوہ اور بھی کوئی خیال آپ نے ایسا ظاہر کیا ہے، جس کی شہادت قرآن مجید اور صحیح احادیث سے نہ مل سکے؟

آپ جو کچھ جواب دیں گے، اسے میں پبلک میں شائع کر دوں گا۔

عاجز

سید عبدالسلام، مالک مطبع فاروقی، دہلی

۴/ جمادی الآخر/۱۳۳۲ھ

الجواب

جناب میر صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

(۱) جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے اور خدا کا مخلوق نہیں، وہ ملحد اور زندیق ہے۔ میں مادے کو نہ قدیم بالذات تسلیم کرتا ہوں، نہ قدیم بالزمان۔ البتہ یہ مانتا ہوں کہ خدا کے تمام اوصاف قدیم ہیں۔ الکلام میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، تو وہ غیر مذہب والوں کے اقوال ہیں اور اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ ان کا رد کیا جائے۔

(۲) نبوت کے متعلق میرا ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ وہ اکتسابی ہے اور ہر شخص نبی ہو سکتا ہے۔ میں نبوت کو عطیۂ الٰہی سمجھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتا ہوں، اور جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آنحضرت کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے، اس کو مسلمان نہیں جانتا۔

(۳) باقی میرے عقائد وہی ہیں، جو قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہیں، میں عقیدتاً اور فقہاً دونوں لحاظ سے اہلِ سنت و جماعت سے ہوں۔

شبلی نعمانی۔ دہلی

(تذکرۂ سلیمان، ص ۱۰۱ و ۱۰۲، باب سوم، ناشر: ادارہ مجلسِ علمی، کراچی، سنِ طباعت: 1960 عیسوی)

مولانا شبلی نعمانی صاحب کے اس مکتوب کی مزید تفصیل آگے، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی کتاب ''حیاتِ شبلی'' کے حوالے سے آتی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب مذکورہ قضیہ کے سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

اعظم گڑھ میں بمقام سرائے میر عربی کا ایک جدید طرز کا مدرسہ مولانا شبلی مرحوم

کے بنائے ہوئے خاکہ کے مطابق ''مدرسۃ الاصلاح'' کے نام سے پچیس چھبیس برس سے قائم ہے، اس کے ناظم مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، مولانا حمید الدین صاحب نے مراجعتِ وطن کے بعد اپنی بقیہ زندگی، اسی مدرسے کی علمی و تعلیمی رہبری میں صرف فرمائی، اسی کی خاطر انھوں نے ہزار روپے ماہوار کی نوکری چھوڑی، گھر بار چھوڑا، مدرسے ہی میں بود و باش اختیار کی، اور وہاں کے طلبا و مدرسین کو قرآن پاک کا درس دینا شروع کیا، اور اپنی ساری متاعِ علمی، مدرسے کے چند ہونہار طلبہ کے سپرد کردی۔

اس مدرسے کا مقصد یہ ہے کہ عربی صرف ونحو کی دقتوں کو کم کر کے عربی علوم کی تعلیم دی جائے، قرآن پاک کو اس تعلیم کا محور بنایا جائے، دوسرے علوم کو قرآن پاک کا خادم سمجھ کر سکھایا جائے، اور فلسفہ و منطق کی دور از کار کتابوں کو بہت کم کر دیا جائے، مدرسے کا کاروانِ عمل شروع سے آج تک اسی راہ پر چل رہا ہے، اور اچھے نتیجے پیدا کر رہا ہے، اس میں کام کرنے والے چند مدرس نہایت ایثار پیشہ، بے غرض اور مخلص علماء ہیں، جن میں کچھ ندوۃُ العلماء کے تعلیم یافتہ اور کچھ خود اسی مدرسے سے نکلے ہوئے ہیں، مدح وستائش نہیں، واقعہ ہے کہ ان مدرسین نے مہینوں قوت لایموت پر گزر کر کے اور سال ہا سال تنخواہ نہ پا کر اس اخلاص اور ایثار کے ساتھ کام کیا ہے، اور اب تک کر رہے ہیں کہ ہمارے موجودہ قومیات میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

آس پاس میں ''علمائے زمانہ'' کی کمی نہیں، انھوں نے اس کے مقابل دوسرا مدرسہ قائم کیا، اور اپنے مدرسے کے چلانے کے لیے، یا اپنے زعم میں نیک نیتی سے وقتاً فوقتاً مدرسۃ الاصلاح کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو اس کی امداد سے روکنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر ست

ان کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی، اور مدرسۃ الاصلاح کا کام بڑھتا ہی رہا، چنانچہ کئی ماہ سے مدرسۃ الاصلاح کے چند علماء نے مل کر مولانا حمید الدین مرحوم کی یادگار اور ان کی تصنیفاتِ قرآنی کی اشاعت کے لیے دائرہ حمیدیہ قائم کیا ہے، اور اس کی طرف سے ''الاصلاح'' نام کا ایک رسالہ جاری ہوا ہے، جو ماہ بہ ماہ کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔

یہ جدید ترقی مخالفوں کے سامانِ ''ہیزم کشی'' کے لیے آگ ثابت ہوئی، انھوں نے اس کی تباہی کے لیے اپنے آخری بے پناہ حربہ (کافر گری) کو استعمال کیا، اور تھانہ بھون، سہارن پور، دہلی، بمبئی اور دیوبند وغیرہ کے چند علماء کو مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کی چند بے محل عبارتیں دکھلا کر دونوں کی تکفیر کا فتویٰ لے آئے، جس پر 41 علمائے کرام کی تصدیقی مہریں ثبت ہیں، پھر دہلی و میرٹھ و بچھرایوں وغیرہ سے ایک درجن ایسے علماء بلا کر لے آئے، جو اپنے مخالفوں کو بہتر سے بہتر مذہبی اور اخلاقی گالیاں دے سکیں، چنانچہ مدرسے کے قریب کی ایک زمین میں جلسہ جما کر تین روز تک پیہم ان دو مرحومین کو اور ان کے تعلق سے مدرسے کو بدتر سے بدتر کلماتِ ناشائستہ سے یاد فرماتے رہے۔

یہ واقعہ اپنی نوع کا جیسا بھی ہو، تاہم ہم اپنے برادران و عزیزانِ مدرسۃ الاصلاح کو مبارک باد دیتے ہیں کہ مخالفوں کے اس کل مظاہرہ میں انھوں نے صبر و سکون کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور ان کے پاؤں تہذیب و متانت اور وقار و تمکنت کے جادہ سے الگ نہیں ہوئے، دوسری بشارت اس میں یہ ہے کہ دشمنوں نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چھوڑ لیا اور انھیں معلوم ہو گیا کہ ان کے بازؤں میں زور اور ہمارے سینوں میں مضبوطی کتنی ہے، اب وہ بھی آرام سے رہیں گے اور ہم

بھی آرام پائیں گے۔ (ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ، انڈیا، ص۸۳و۸۴، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ، مطابق اگست ۱۹۳۶ء، جلد ۳۸ شمارہ۲)

مگر آج اتنی قوتِ برداشت کم ہی حضرات میں رہ گئی ہے، جو پہلے حضرات میں تھی، جس کا ذکر مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے مذکورہ مضمون میں کیا۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب اس سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین صاحب کی تکفیر کے فتویٰ پر جن لوگوں نے دستخط کیے تھے، ان میں سب سے ممتاز شخصیت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تھی، مولوی عبدالماجد دریابادی اور دوسرے دوستوں کے خطوط اور اخبارِ صدق لکھنؤ سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا نے فتویٰ کے بعض جوابی تشریحی مضامین پڑھنے کے بعد اپنے مسلکِ توسع کی بنا پر ان دونوں بزرگوں کی تکفیر کے فتویٰ سے رجوع فرمایا۔

اس زمانے میں جب کہ اعترافِ حق، کبریتِ احمر ہے، حضرت مولانا تھانوی کی یہ حق پسندی بے حد قابلِ قدر ہے۔ (ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ، انڈیا، ص۱۶۴، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ، مطابق ستمبر ۱۹۳۶ء، جلد ۳۸ شمارہ۳)

اس عبارت سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی حق پسندی اور اعترافِ حق کی عظیم الشان صفت ہونے پر روشنی پڑتی ہے، جس کا ''ترجیحُ الراجح'' کی صورت میں حضرت تھانوی نے مستقل انتظام واہتمام بھی کر رکھا تھا۔

مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا حوالہ

مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے بھی پہلے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرح علامہ شبلی کے متعلق دیگر اہلِ علم حضرات کے فتویٰ پر تائید کی تھی، بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔

اس سلسلے میں ان کے چند فتاویٰ ملاحظہ فرمایے۔

کفایتُ المفتی میں ہے:

''میرا پہلا کون سا فتویٰ تکفیر کا ہے، جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔

اگر 1332 ہجری کا مطبوعہ فتویٰ مراد ہے، تو اسے غور سے پڑھیے اور یہ بھی لحاظ رکھیے کہ اس کے بعد عرصے تک علامہ شبلی زندہ رہے اور توفیقِ الٰہی، ایک آن میں ملحد کو تائب کر سکتی ہے۔

میں اب بھی کہتا ہوں کہ جو شخص مادّے کو قدیم مانے اور خدا کو فاعل بالاضطرار جانے، نبوت کو اکتسابی کہے، وہ ملحد ہے۔

1332 ہجری کا فتویٰ الزامی طور پر مرحوم کی تحریرات سے عائد کیا گیا تھا۔

لیکن اگر اس کے بعد انھوں نے تبری کی ہو، جیسا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے، تو اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔ (کفایت المفتی، ج ۱، ص ۳۴۵، کتاب العقائد، پندرھواں باب، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخِ طباعت: جولائی 2001)

اپنے ایک اور فتویٰ میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں:

جناب محترم دام فضلہم۔

بعد سلام مسنون! میں جس قدر لکھ چکا ہوں، وہی کافی ہے۔

تکفیرِ مسلم میں انتہائی احتیاط کرنی چاہیے۔

میں نے ان کے جواب پر جو کچھ لکھا تھا، وہ الزاماً تھا، اور خود اپنی طرف سے تکفیر نہیں کی تھی۔

اور اگر علامہ شبلی ان عقائد سے تبری کرتے ہیں، تو ان کی طرف ان عقائد کی نسبت کر کے ان کی تکفیر کا اپنی طرف سے حکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے، اور وہ بھی اب

کہ ان کے انتقال کو سال ہا سال گزر چکے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ نبوت کو اکتسابی ماننا اور مادے کو غیر حادث کہنا اور خدا کو فاعل بالاضطرار بتانا، یہ عقائد ''کفریہ'' ہیں اور ان کے عقائدِ کفریہ ہونے کو علامہ شبلی بھی تسلیم کرتے ہیں، تو ضرور ہے کہ وہ اپنی پہلی عبارتوں کو مؤوَّل، یا منقول، یا منسوخ قرار دیتے ہیں، تو عدمِ تکفیر کے لیے اتنا کافی ہے۔

محمد کفایتُ اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔ (کفایت المفتی، ج ۱، ص ۳۴۶، کتاب العقائد، پندرھواں باب، مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی، تاریخِ طباعت: جولائی 2001)

مولانا شبلی نعمانی کے افکار، سید سلیمان ندوی کی نظر میں

مولانا شبلی نعمانی صاحب کے متعلق ایک بڑا خیال یہ کیا جاتا ہے کہ وہ سرسید احمد خان کے افکار کے حامل تھے، لیکن ہمیں اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی صاحب کے ایک مقالے میں وضاحت دستیاب ہوئی، سب سے پہلے اس کو ملاحظہ فرمایے۔

مولانا شبلی نعمانی صاحب، لکھتے ہیں:

زمانہ جانتا ہے کہ مجھ کو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا، اور میں ان کے بہت سے عقائد وخیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا، تاہم اس سے مجھ کو انکار نہ ہوسکا کہ ان مسائل کو سرسید، نے جس طرح اردو زبان میں ادا کیا ہے، کوئی اور شخص ادا نہیں کرسکتا۔ (مقالاتِ شبلی، ج ۲، ص ۶۴ ''بعنوان'' سرسید احمد اور اردو لٹریچر، مطبوعہ، معارف، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1931 عیسوی)

مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب کو سرسید احمد خان کے مذہبی مسائل اور بہت سے عقائد وخیالات سے سخت اختلاف تھا، جن کو مولانا شبلی نعمانی صاحب بالکل غلط سمجھتے تھے، ساتھ ہی ان کو سرسید صاحب کی کچھ خوبیوں کا اعتراف بھی تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ، نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کے بعد مولانا شبلی نعمانی صاحب کے حالات پر تفصیلی کتاب تالیف کی ہے، جو ''حیاتِ شبلی'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں انھوں نے مولانا شبلی نعمانی صاحب کے افکار اور ان کی تصنیفات پر انتہائی معتدل تبصرہ کیا ہے، جس کے چند اقتباسات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ مولانا شبلی نعمانی صاحب کے افکار کو سمجھنے میں مدد حاصل ہوگی۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:

نقائص اور عیوب، بشریت کا خاصہ ہیں، اس لیے کوئی سوانح نگار اپنی نسبت معصومیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اور نہ کسی ایک فیصلے کے متعلق سب کی رائیں ایک ہوسکتی ہیں، کیوں کہ محبت اور عقیدت کی نظر، جہاں مخدوموں کی بہت سی خامیوں کے دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں، وہاں بدگمانوں کی نگاہیں، سب سے پہلے ان ہی پر پڑتی ہیں، اور ان کے تکرار و اعادے میں ان کو ایسی لذت ملتی ہے کہ وہ ممکن کمالات سے بھی اغماض برت جاتی ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں درحقیقت نفسیاتِ فطرت کے مطابق ہیں۔

اور اس میں معتقد و منتقد دونوں معذور ہیں۔ فَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ وَ لٰكِنَّ عَيْنُ السُّخَطِ تُبْدِى الْمَسَاوِيَا۔

رضامندی کی آنکھ، ہر عیب کے مشاہدے سے قاصر رہتی ہیں، لیکن ناراضی کی آنکھ برائیوں ہی کو ظاہر کرتی ہیں۔

بہ ہر حال شبلی، شبلی تھے، جنید و شبلی نہ تھے۔

مولانا کا رنگ ان قدیم علمائے دین کا نہ تھا، جن کا پاک مشغلہ صرف خانقاہوں میں رشد و ہدایت اور مدرسوں میں درس و تدریس ہے، اگر ایسا ہوتا، تو ایسے

بزرگوں کے تذکروں کے لکھنے کا جو پرانا دستور چلا آتا ہے، تذکرہ نگار کو اس سیدھے راستے پر چلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی، بلکہ یہ عہدِ جدید کے سب سے پہلے عالم کی زندگی کے سوانح ہیں، جن میں قدیم کے ساتھ ایسے جدید رجحانات بھی پہلو بہ پہلو ہیں، جو عہدِ قدیم کی مانوس نگاہوں میں کبھی کبھی کھٹک پیدا کردیتے ہیں، کیوں کہ ان کے عہد میں ایک نئے دور کی بنیاد پڑی، اس لیے وہ قدیم وجدید کے ایک ایسے سنگم بنے، جس میں دونوں دریاؤں کے دھارے آ کر مل گئے تھے۔ **مرج البحرین یلتقیان** ۔اور اسی لیے ان کی زندگی کے کارنامے گزشتہ علمائے دین کے کارناموں سے نسبتاً مختلف ہیں ۔(حیاتِ شبلی، ص ۹، ۱۰، مطبوعہ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، ایڈیشن:1993ء)

اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ’’حیاتِ شبلی‘‘ کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی، تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا، عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئین پر حملے شروع کردیے۔

دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمران سے نجات پا کر اُن پر حملہ کی جرأت پائی، اور سب سے آخر میں یورپین علوم وفنون و تمدّن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی، خدا نے عیسائیوں کے مقابلے کے لیے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رحمت علی صاحب منگلوری، مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری (سابق ناظم ندوۃُ العلماء) وغیرہ اشخاص پیدا کیے، جنھوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑا دیے، اور خصوصیت کے ساتھ

ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو ردِّ عیسائیت کے باب میں تایید غیبی سے کم نہیں، اور کون باور کرسکتا تھا کہ اس وقت پادری فنڈر کے مقابلے کے لیے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہوگا، جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل، اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہوگا، جو عیسائیوں کو خود انھی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا، اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا نا قابلِ شکست قلعہ دم میں کھڑا کر دے گا۔

آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلے کے لیے خاص طور سے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور بھی تائیدِ غیبی ہی کا نشان تھا، اور پھر جس طرح عقائدِ حقہ کی اشاعت اور ردِّ بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعے انجام پایا، اس کے آثارِ باقیہ بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

یورپ کی نئی نئی سائنس اور قوانینِ فطرت کے نئے نئے اسرار کے انکشاف نے جو شبہات پیدا کیے، ان کا اصلی جواب تو وہ علماء دے سکتے تھے، جو ہمارے متکلمین کی طرح، جو قدیم فلسفے میں ماہر تھے، اس زمانے کے نئے علوم اور نئی تحقیقات سے واقف ہوتے، مگر بہ ہر حال **مالا یدرک کلّهٗ لا یترک کلّهٗ**، کے اگر پورا نہ مل سکے، تو ادھورا ہی سہی کے اصول کے مطابق ان ہی لوگوں میں سے جو گو نیم عالم تھے، سرسید، مولوی چراغ علی، مولوی کرامت علی صاحب جون پوری وغیرہ چند ایسے اشخاص کھڑے ہوئے، جنھوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا چاہا، اور ان سے بہتوں کو ایک معنیٰ کر فائدہ بھی پہنچا، لیکن چونکہ وہ با قاعدہ عالم نہ تھے، اور نہ علمائے حق کی صحبتوں سے مستفید تھے، انھوں نے اپنے

کاموں میں جگہ جگہ غلطیاں کیں، اور ایسی تاویلوں کے شکار ہوئے، جو حقیقت سے بہ مراحل دور تھیں، ان کی غلطیوں کا سبب ایک ہی تھا، اور وہ یہ کہ وہ اپنے زمانے کی طبعی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج کو یقینی اور قطعی مان کر مسائلِ شرعیہ کو ان کے مطابق پیش کرنے لگے، اور یہ وہی غلطی تھی، جس میں بہ مقابلۂ فلسفۂ یونان تیسری اور چوتھی صدی میں باطنیہ فرقے کے علماء اور مصنفین مبتلا ہو چکے تھے (اخوان الصفا، بوعلی سینا وغیرہم) ان کا یہ کہنا تھا کہ علماء وفلاسفہ جو کچھ کہتے ہیں، وہی انبیاء اور رسل علیہم السلام کہتے ہیں، اس لیے دونوں میں ایسی تطبیق دی جائے کہ انبیاء کا کلام کسی نہ کسی تاویل سے حکماء وفلاسفہ کے خیال کے مطابق ہو جائے، لیکن متکلمین اہلِ سنت نے یہ غلط راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ یہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا، اس کو قطعی ویقینی مان کر حکماء وفلاسفہ کے ان مسائل کی جو قطعاً مخالف تھے، دلائل سے غلطی ثابت کی، اور جو کسی قدر صحیح ہو سکتے تھے، اس کی تاویل کر دی، اور جو تمام تر مطابق تھے، یا کم از کم مخالف نہ تھے، یا انبیاء علیہم السلام نے ان سے نفیاً، یا اثباتاً بحث ہی نہیں کی تھی، ان کی توثیق کی۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک اور دور آیا، جب یورپ کے مستشرقین نے مسلمانوں کی تصنیفات کو پڑھ کر اور اُن کے علوم کو سیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے علوم وتاریخ و تمدن کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا، اور ان کے یہ اعتراضات بڑی تیزی کے ساتھ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سرایت کرنے لگے، اس دور میں اسلام کی خدمت کی سعادت، جس کے حصہ میں آئی، وہ ہمارے ان اوراق کا ہیرو ہے۔

مولانا شبلی مرحوم کا کام متعدد وجوہ سے اہمیتِ خاص رکھتا ہے، مرحوم جن معترضین کے جواب کے لیے اٹھے، وہ ان پڑھ مشنریوں میں نہ تھے، اور نہ مناظرانہ، یا الزامی جواب ان کے لیے کافی تھے، ان کے جواب دینے کے لیے ضرورت یہ تھی

کہ ایک ایک کونے سے نادر کتابوں کی تلاش اور ورق گردانی کی جائے، ان کے بنائے ہوئے حوالوں کی غلطی اور کم زوری بتائی جائے، اور اس کے بالمقابل اسلامی علوم وفنون اور تاریخ وتمدّن کے شان دار واقعات اور اہم کارناموں کو ابنائے زمانہ کے سامنے لایا جائے، تاکہ اسلام کی تاریخی وتمدنی عظمت اور علمی جلالت سب کے سامنے آجائے، جس سے قوم کے افسردہ دلوں میں ازسرِ نوتازگی اور امنگ بھی پیدا ہو، اور دشمنوں کو اپنے اعتراضات کی بے مایگی کا بھی اندازہ ہو۔ (حیاتِ شبلی، بعنوان''دیباچہ'' ص۱۴ تا ۱۷، مطبوعہ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، ایڈیشن:1993ء)

مذکورہ عبارت سے مولانا شبلی نعمانی صاحب کی امتیازی خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔

حیاتِ شبلی میں ہی آگے چل کر پھر ایک جگہ سید سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:

ان (الغزالی، سوانح مولائے روم، علم الکلام اور الکلام) کتابوں میں دو قسم کی کمیاں محسوس ہوتی ہیں، ایک یہ کہ جدید علوم ومسائل سے ان کی واقفیت بھی محض سنی سنائی ہی تھی، یا ثانوی درجے کی تھی، اس لیے وہ ان مقامات کی پوری تحدید نہ کرسکے، جہاں سے اسلامی مسائل پر زَد پڑتی تھی، دوسری کمی یہ ہوئی کہ انھوں نے اسلام کے صحیح عقائد کو متکلمین وحکمائے اسلام کی کتابوں سے چن کر یک جا کیا، حالانکہ ان کا اصلی سرچشمہ کتابِ الٰہی اور سنتِ نبوی تھی، اگر یہ دونوں چیزیں براہِ راست سامنے رکھی جاتیں، تو منزلِ مقصود کا صحیح پتہ لگ جاتا، اخیر زمانے میں علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے مطالعے نے یہ نقطۂ نظر ان کے سامنے کردیا تھا، مگر تصنیفی عمل کا وقت گزر چکا تھا، البتہ''سیرتِ نبوی'' کی تکمیل کا موقع ان کو ملتا، تو ضرور وہ اس کی تلافی کرتے۔ (حیاتِ شبلی صفحہ۲۲،''دیباچہ'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع:1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے انتہائی احسن طریقے پر اپنے استاذ محترم مولانا شبلی نعمانی صاحب کی مندرجہ بالا کتابوں میں محسوس ہونے والی کم زوری کا اظہار کر دیا ہے، لہٰذا مذکورہ کتابوں کو ملاحظہ کرتے وقت، ان پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''الفاروق'' کی نسبت یہ کہنا سچ ہے کہ اس میں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی زندگی کا خاکہ پوری طرح نہیں ابھارا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ خاکہ تو ہماری قدیم کتابوں میں بحمد اللہ پوری طرح موجود ہی ہے، مصنف نے صرف اس گوشہ کو اُجاگر کیا ہے، جو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا، اور جس کی ضرورت ان کے عہد میں بہت شدید تھی، چنانچہ یہ اعتراف ناگزیر ہے کہ ''الفاروق'' نے کتنے گِرتوں کو تھام لیا، اور کتنے دلوں میں اسلام کی صداقت کا بیج بو دیا، اسی طرح اس میں بعض اغلاط کا وجود اور بعض جوابی نظریوں کی کم زوری بھی مصنف کی بشریت کی حامل ہے، **والعصمة لله وحدهٗ**۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۳۲ ''دیباچہ'' ناشر: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا شبلی نعمانی صاحب کی تالیف ''الفاروق'' پر اور بھی اہلِ علم واہلِ فکر حضرات نے تنقید کی تھی۔

ہمارے خیال میں اس کتاب پر مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے، نہایت معتدل ہے۔

سر سید اور شبلی کے کام کا عہد انیسویں صدی عیسوی کا نصفِ دوم ہے۔ اس عہد میں یورپ کے تمدن، معاشرت، اور گڈ گورننس یعنی عمدہ نظامِ ریاست وحکومت کا چرچا تھا اور اس راہ سے ان کے مشنری، تعلیمی وابلاغی ادارے اپنی محکوم قوموں کو رام کر رہے تھے۔ نیز مستشرقین اپنی جدید تاریخ کی انھی چیزوں کو لے کر اسلام کے اشخاص، اعلام اور احکام کو دور بینی نظر سے ملاحظہ کر

کر کے، بال کی کھال اتار اتار کر دنیا کے سامنے ہدف تنقید و ملامت بنا رہے تھے۔ سر سید نے اپنے انداز میں مستشرقین کی ان دسیسہ کاریوں اور بدیسی سامراج یعنی فرنگی حکمرانوں کی مسلمانوں پر غیظ و غضب و ناراضگی کو معذرت خواہانہ رویہ اپنا کر دفاع کرنا اپنا وطیرہ بنایا اور مذہبی مسائل میں بے جا تاویلات کیں، اور شبلی مرحوم نے رسالہ ندوہ، الفاروق، المامون، الغزالی وغیرہم میں مسلمانوں کے شان دار ماضی، ان کے عہدِ تمدن، معاشرت اور نظم حکمرانی کا دفاع کیا۔

بعض اہلِ علم حضرات کو مولانا شبلی نعمانی صاحب سے اس بنیاد پر بھی اختلاف ہے کہ انھوں نے سر سید احمد صاحب کی شان میں قصیدہ کہا تھا، جو کہ سر سید احمد خان صاحب اپنے مخصوص غیر معتدل افکار کے باعث اس کے مستحق نہیں تھے۔

لیکن اس سلسلے میں پہلے تو مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی وضاحت ملاحظہ فرمالینا چاہیے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب، مولانا شبلی نعمانی صاحب کی طرف سے سر سید احمد خان کے حق میں قصیدہ کہنے کے متعلق فرماتے ہیں:

> قصیدہ میں سر سید کی صرف دو باتوں کی تعریف ہے، ایک اُن کے حسب ونسب وسیادت کی، اور دوسرے اُن کے قومی کاموں کی، ان دونوں باتوں کے بیان میں کسی قسم کا مدّاحانہ غلو اور پیشہ ور شاعروں کی طرح گداگرانہ مذلت وابتذال نہیں۔

(حیاتِ شبلی صفحہ ۱۲۰، ''ولادت اور تعلیم وتربیت'' ناشر: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخ طبع: 1993 عیسوی)

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب نے ایک عرصے تک، سر سید احمد صاحب کے کالج میں کام کیا ہے، اور سر سید احمد صاحب اس کالج کے سربراہ تھے۔

سربراہ ہونے کی حیثیت سے کسی کی شان میں اس طرح کی مدح کرنا، اس کے افکار سے متفق

ہونے کی دلیل نہیں۔

تیسرے سرسید صاحب میں بعض اوصاف قابلِ مدح بھی تھے، جن کی حضرت تھانوی وغیرہ نے بھی تحسین کی ہے۔

چوتھے اس وقت تک سرسید کے متعدد افکار کے غلط ہونے پر بعض حضرات کو آگاہی بھی نہیں ہوئی تھی، یا ان کے افکار کا اس درجہ خطرناک اور زائغانہ ہونا، بعض حضرات پر ظاہر نہ ہوا تھا، جس کا علم بعد میں ہوا۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ حیاتِ شبلی میں ہی فرماتے ہیں:

> سرسید پر تنقید کے لیے مولانا شبلی نعمانی صاحب کی زبان کالج میں آنے کے چند سال بعد کھل چکی تھی۔
>
> اس کے بعد دوسرا سبب مذہبی اختلاف ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید کی صحبت میں مولانا میں جو پہلے ہی سے علومِ عقلیہ سے دل چسپی رکھتے تھے، مذہبی عقل پسندی آ گئی تھی، اور عقل ونقل کی تطبیق کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، اور اشاعرہ کے بہت سے مسائل کی خامیاں، یا غلطیاں اُن کو نظر آنے لگی تھیں، مگر یہ قطعاً غلط ہے کہ وہ معتزلی بن گئے تھے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شدید حنفی تھے، اور اسی اصول پر وہ علمِ کلام کی طرف جھکے، تو ماتُریدیت پر آ کر رُکے، بہ ہر حال یہ بحث اپنے موقع پر آئے گی۔
>
> لیکن اس عقلیت پسندی کے باوجود، وہ ماشاء اللہ دینیات پر عبور رکھتے تھے، اور کلام ومحاوراتِ عرب کے پوری طرح ماہر تھے، اس لیے سید صاحب اپنی تفسیر اور اپنے مضامین میں جو تاویلات کیا کرتے تھے، ان کے لیے وہ مولانا سے جس قسم کی معلومات چاہتے تھے، وہ گوان کے لیے مہیّا کر دیتے تھے، مگر وہ خود اُن کی اس قسم کی تاویلات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (حیاتِ شبلی، ص ۲۸۴، ۲۸۵، مطبوعہ: دار المصنفین شبلی

اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، ایڈیشن: 1993ء)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

تصادم سے بچنے کے لیے سر سید کی زندگی بھر، مولانا نے عقائد پر کوئی کتاب کیا، کوئی رسالہ، یا مضمون تک نہیں لکھا، سر سید اپنے ''تہذیب الاخلاق'' کے لیے تقاضا کرتے، تو ٹال جاتے۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۲۸۶، ''سفر نامہ کلیات اور رسائل 1892 عیسوی'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

سر سید اپنی تفسیر کا ترجمہ عربی میں کرانا چاہتے تھے، اور اس کے لیے ان کی نظر بار بار مولانا شبلی پر پڑتی تھی، مولانا سے جب اس کا ذکر آیا، تو انھوں نے اپنی مصروفیتوں کا عذر کیا، اس کے بعد مولانا کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد مولانا حمید الدین فراہی پر نگاہ پڑی، جو اس زمانے میں عربی کی تکمیل کے بعد کالج میں پڑھتے تھے، اور جنہوں نے سر سید کے حکم سے ''طبقات ابنِ سعد'' کے ایک حصہ کا فارسی ترجمہ کیا تھا، مگر مولانا حمید الدین صاحب نے انکار کیا، اور جب سر سید نے اس کی وجہ پوچھی، تو صاف کہہ دیا کہ وہ اس باطل کی اشاعت میں ''تعاون علی الاثم'' کے گناہ میں مبتلا ہونا نہیں چاہتے، مولانا حمید الدین صاحب کی اس صاف گوئی سے گو مولانا شبلی کا کوئی تعلق نہ تھا، مگر سر سید کی بدگمانی میں اس سے اضافہ ہوا۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۲۸۸، ''سفر نامہ کلیات اور رسائل 1892 عیسوی'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی موجودہ بیماریوں کا علاج ایک (سر سید) کے نزدیک یہ تھا کہ مسلمان مذہب کے سوا ہر چیز میں انگریز ہو جائیں (یہ تصریح سر سید کی تحریروں میں ہے۔

سلیمان ندوی) اور دوسرے (مولانا شبلی) کے نزدیک یہ تھا کہ صحیح اسلامی عقائد واخلاق کی حفاظت اور بقا کے ساتھ ساتھ نئے زمانے کی صرف مفید باتوں کو قبول کیا جائے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ مولانا (شبلی) نے ندوہ کے کسی جلسے میں، یا کہیں اور ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ ''دوسری قوموں کی ترقی یہ ہے کہ آگے بڑھتے جائیں، آگے بڑھتے جائیں، لیکن مسلمانوں کی ترقی یہ ہے کہ وہ پیچھے ہٹتے جائیں، پیچھے ہٹتے جائیں، یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف سے جا کر مل جائیں'' سرسید کو ان کی اس تقریر پر بڑا غصہ آیا، کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو اس قسم کی نصیحتیں اس راستے سے پیچھے ہٹادیں گی، جس پر وہ لے جانا چاہتے ہیں، چنانچہ اس کے خلاف، انھوں نے سخت مضمون لکھا۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۲۹۰، ''سفر نامہ کلیات اور رسائل 1892 عیسوی'' ناشر: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب کو سرسید احمد کے جملہ افکار سے اتفاق نہ تھا، بلکہ اختلاف تھا، اور مولانا حمید الدین فراہی صاحب کو بھی اختلاف تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

مولانا (شبلی نعمانی صاحب) کی مذہبی زندگی میں مختلف تغیرات پیدا ہوتے رہے، ابتدا میں وہ ایک متعصب حنفی اور متشدد مولوی تھے، غیر مقلدوں سے مناظرے کرتے تھے، ان کی تردید میں رسالے لکھتے تھے، خود فرائض وسنن کے سخت پابند تھے، اور دوسروں سے نہایت سختی کے ساتھ ان کی پابندی کراتے تھے، فریضۂ حج سے تو زمانۂ طالب علمی ہی میں مشرف ہو چکے تھے، اور دوسرے فرائض کا بھی نہایت شدت سے اہتمام کرتے تھے۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱۴، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

علی گڑھ جا کر ان کی مذہبی زندگی میں جو انقلاب پیدا ہوا، اس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں عجیب عجیب بدگمانیاں ہیں، اور عوام بلکہ علماء تک کا خیال ہے کہ وہ علی گڑھ میں جا کر وضع، قطع، عقائد و اعمال کے لحاظ سے معاذ اللہ! بالکل آزاد خیال نیچری ہو گئے تھے، لیکن یہ تمام تر خلافِ واقعہ ہے، یہ بالکل سچ ہے کہ علی گڑھ جا کر ان کے مذہبی خیالات میں بہت کچھ وسعت اور آزادی پیدا ہو گئی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ جس شدت کے ساتھ وہ پہلے پابند تھے، علی گڑھ میں وہ اہتمام وتشدد باقی نہیں رہا، بلکہ حیدر آباد تک یہی حال رہا، اور یہ متکلمین کی ہر قسم کی کتابوں کے مطالعے کا نتیجہ تھا، اور کچھ ماحول کا اثر بھی، لیکن اس پر بھی ان کی حنفیت کا غلو اپنی جگہ قائم رہا۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱٦، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وضع قطع کے لحاظ سے مولانا (شبلی) اگرچہ کوئی متقشف مولوی نہیں معلوم ہوتے تھے، تاہم انگریزی لباس انھوں نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱۷، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

تاہم عقائد وخیالات کے لحاظ سے وہ عقلیت پسند تھے، لیکن اُن کی عقلیت پسندی کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ احکامِ مذہبی کو مصالح وحِکم پر مبنی سمجھتے تھے، اسی لیے وہ احکامِ الٰہی کی مصلحتوں اور حکمتوں کی تلاش میں رہتے تھے، اور اشاعرہ کے اس خیال کے کہ احکامِ الٰہی کا منشا محض مشیتِ الٰہی ہے، اور وہ کسی مصلحت وحکمت پر مبنی نہیں، سخت مخالف تھے، اسی بنا پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ معجزات کے بھی قائل نہ ہوں گے،

کیوں کہ وہ خرقِ عادت پر مبنی اور خلافِ عقل ہوتے ہیں، لیکن یہ سوئے ظن قطعاً غلط ہے، وہ معجزات کے قائل تھے اور سرسید وغیرہ کی تاویلات کو دوراز کار اور ملمع سمجھتے تھے۔(حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱۸، ۸۱۹، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

لیکن بایں ہمہ وہ بات بات کو معجزہ نہیں مانتے تھے، ان کے نزدیک معجزات کے ثبوت کے لیے قطعی شہادت کی ضرورت تھی، اور قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے، اس لیے اس میں جہاں خرقِ عادت کا ذکر ہوگا، واجبُ التسلیم ہوگا۔

لیکن مولانا کے نزدیک یہ امر نہایت غور اور دقتِ نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے الفاظ، اس کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہیں یا نہیں، مفسرین میں بقول مولانا، جو محقق گزرے، مثلاً قفال، ابو مسلم اصفہانی، ابوبکر اصم وغیرہ، ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید میں بہت کم خرقِ عادت مذکور ہیں، اور جو واقعی مذکور ہیں، ان کی صحت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔

ان کا یہ خیال ''الکلام'' کے لکھتے وقت یعنی 1902 عیسوی سے 1904 عیسوی تک تھا، لیکن سیرت کی تصنیف کے وقت وہ اپنے پچھلے خیال سے پھر چکے تھے، چنانچہ احادیثِ صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم کے جو معجزات مذکور ہیں، ان کا ذکر خود سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جلدوں میں کیا ہے، اور مقدمے میں لکھ بھی دیا ہے ''البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے، مثلاً معراج اور تکثیرِ طعام وغیرہ، ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھ دیا''۔ (خاتمہ دیباچہ سیرت، جلد اول)

وہ ''جن'' اور ''شیطان'' کے وجود کو بھی تسلیم کرتے تھے، لیکن ان کے متعلق عوام جو واقعات بیان کرتے ہیں، ان کو وہم پرستی سمجھتے تھے، چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ کے

حال میں ان کا جو مضمون ہے، اس میں لکھتے ہیں ''جن'' کے وجود سے انکار نہیں، لیکن ''جن'' یوں صورت بدل کر لوگوں کے پاس آیا جایا نہیں کرتے''۔(مقالاتِ شبلی، ج ۵ ص ۴۳)

اس سے شاید مولانا کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ دوسروں کی صورت بن کر نمایاں نہیں ہوا کرتے، ورنہ شخصیتوں سے امان اٹھ جائے، ہاں احادیث میں شیاطین کا بہ تبدیلِ صورت نظر آنا صاف وصریح مذکور ہے۔

وہ گو فرشتوں کے وجود کے پہلے بھی قائل تھے، لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ملائکہ کا اطلاق حسبِ تصریح مولانا روم و مولانا بحرالعلوم شارح مثنوی بعض ملکاتِ نبوی اور ملکاتِ بشری پر بھی ہوا ہے، جیسا کہ سوانح مولانا روم میں انھوں نے لکھا ہے، لیکن سیرت کی تالیف کے زمانہ میں اس حقیقت کے چہرہ سے بھی پردہ اٹھ چکا تھا، اور جبریلِ امین اور دوسرے فرشتوں کے مستقل شخصی وجود کے نام ان کی اس کتاب میں اسی طرح آئے ہیں، جس طرح عام مسلمان مانتے ہیں۔

حشر ونشر، جنت اور دوزخ اور واقعاتِ مابعد الموت کے متعلق جہاں تک ان کی قدیم کلامی تصنیفات کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے، وہ اپنی کلامی مشغولیتوں کے زمانے میں ان چیزوں کو فقط روحانی سمجھتے تھے، مگر جب سے انھوں نے ادھر چند اخیر برسوں میں سیرۃ النبی کے تعلق سے احادیث کا مطالعہ شروع کیا تھا، ان کے خیالات میں بڑا انقلاب پیدا ہوگیا تھا، ان کے ذہن وعقل کی دنیا ہی بدل گئی تھی، ان کے اس انقلاب میں علامہ ابنِ تیمیہ کی تصنیفات کو بڑا دخل ہے۔

بدعات سے ان کو ہمیشہ سخت نفرت تھی، بدعاتِ شعبان ومحرم کا ان کے ہاں پتہ بھی نہ تھا۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۲۱ تا ۸۲۳، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب کے عقائد و افکار، بعینہٖ سرسید احمد خان صاحب والے نہیں تھے، اور ان کو مذہبی و فکری اعتبار سے سرسید احمد خان صاحب کے ساتھ جوڑنا مبنی بر انصاف نہیں، تاہم فردِ بشر ہونے کی حیثیت سے بعض کم زوریاں مولانا شبلی میں ضرور پائی جاتی تھیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''الکلام'' میں مولانا نے ملحدین کے بہت سے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیے ہیں، بعض لوگوں نے دیدہ و دانستہ، یا نادانستہ ان اعتراضات کو مولانا کے عقائد میں داخل کر دیا۔

1914 عیسوی میں معاملاتِ ندوہ کی تحقیقات کے لیے دہلی میں جلسہ ہوا، اس میں بعض مخالف علماء نے ان ہی عقائد کی بنا پر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، اور ظاہر کیا کہ وہ مادے کو قدیم اور غیر مخلوق اور نبوت کو اکتسابی سمجھتے ہیں۔

اس پر سید عبدالسلام صاحب مرحوم، مالکِ مطبع فاروقی، دہلی نے مولانا سے اس کے متعلق سوال کیا، مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا: ''جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے اور خدا کا مخلوق نہیں ہے، وہ ملحد اور زندیق ہے۔ میں مادے کو نہ قدیم بالذات تسلیم کرتا ہوں، نہ قدیم بالزمان۔ البتہ یہ مانتا ہوں کہ خدا کے تمام اوصاف قدیم ہیں۔

''الکلام'' میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں اور اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ ان کا رَد کیا جائے۔

نبوت کے متعلق میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ وہ اکتسابی ہے، اور ہر شخص نبی ہو سکتا ہے، میں نبوت کو عطیۂ الٰہی سمجھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتا ہوں، اور جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آنحضرت کے بعد بھی کوئی نبی ہو

سکتا ہے، اس کو مسلمان نہیں جانتا۔

باقی میرے عقائد وہی ہیں، جو قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہیں، میں عقیدتاً اور فقہاً دونوں لحاظ سے اہلِ سنت و جماعت سے ہوں۔

اس اعلان میں آخری سطریں یوں ہی چھپی ہوئی ہیں، مگر چونکہ میں اس واقعے کے وقت حاضر تھا، جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے، اس لیے مجھے علم ہے کہ اصل میں پہلے جو کچھ مولانا نے لکھا تھا، اس کی اخیر سطریں انھوں نے یہ لکھی تھیں، جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اب تک میرے پاس ہیں:

''باقی میرے عقائد وہی ہیں، جو حضراتِ حنفیہ کے عقائد ہیں، میں عقائدِ اسلام اور مسائلِ فقہیہ دونوں میں حنفی ہوں''۔ شبلی 9 مئی 1914 عیسوی۔

مگر چونکہ سید عبدالسلام صاحب اہلِ حدیث تھے، اس لیے ان کی درخواست پر مولانا نے وہ الفاظ رکھے، جو اعلان میں ہیں، یہ ان کی وفات سے صرف چھ مہینے پہلے کی تحریر ہے۔

جن صاحبوں نے عقلیت پسندی کی بنا پر ان کو معتزلی سمجھا، یا سمجھانا چاہا ہے، وہ غلطی پر ہیں، چنانچہ مولانا نے اس اعلان میں تمام صفاتِ الٰہی کے قدیم ہونے کا جو عقیدہ ظاہر کیا ہے، وہ معتزلہ کا نہیں کہ وہ سرے سے صفات کو نہیں مانتے، اور نہ ذاتِ الٰہی کے سوا کسی چیز کو وہ قدیم مانتے ہیں، نہ اشاعرہ کا ہے کہ وہ صفاتِ فعلی کو حادث کہتے ہیں، بلکہ یہ خالص ماتریدیہ کا عقیدہ ہے، جیسا کہ کتبِ ماتریدیہ میں مذکور ہے۔

''وہ عقیدتاً بھی حنفی تھے'' یہ فقرہ ذرا تشریح طلب ہے، آج عام طور سے حنفی اور غیر حنفی مسلمان سب گویا اشعری ہیں، یا اشعری سمجھے جاتے ہیں، مگر شروع میں یہ کیفیت نہیں تھی، حنبلی جس طرح عقائد میں امام احمد بن حنبل کے اور مالکی امام

مالک کے پیرو تھے، اسی طرح شافعی عموماً امام شافعی کے بعد پیدا ہونے والے ایک شافعیُ المذہب امام ابوالحسن اشعری (المتوفیٰ: 324 ہجری) کے پیرو بنے، اور حنفی امام اعظم کے ایک شاگرد در شاگرد، امام ابو منصور ماتریدی حنفی (المتوفیٰ: 333 ہجری) کے مقلد ہوئے۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۲۲ تا ۸۲۵، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

مولانا مرحوم اپنی کتابوں میں سے علم الکلام کو بہت ناقص سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ ''مجھے افسوس رہ گیا کہ جس تفصیل سے اشاعرہ کے علمِ کلام کا ذکر میں نے کیا، ماتریدیہ کا کیوں نہیں کیا'' اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ انھوں نے اس کتاب کو علالت کے زمانے میں لکھا، جس کے سبب سے پوری تفصیل نہ کی جا سکی، اور شاید یہ بھی وجہ ہو کہ علمائے احناف نے علمِ کلام پر بہت کم کتابیں تصنیف کیں۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۲۸، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''غرض الکلام'' لکھتے وقت اُن پر سب سے زیادہ غزالی کا اور پھر رازی کا اثر تھا، لیکن اس کے بعد جب علامہ ابنِ تیمیہ کی کتابیں چھپ چھپ کر آنے لگیں، تو علامہ ممدوح کا اثر اُن پر غالب آنے لگا، اس اثر کا آغاز علامہ ابنِ تیمیہ کی کتاب ''الرد علی المنطقیین'' سے شروع ہوا، اور آخر یہاں تک بڑھا کہ وہ جولائی 1914 عیسوی میں، یعنی وفات سے چار ماہ پہلے مجھے لکھتے ہیں کہ ''تم نے شروع کر دیا، تو خیر، ورنہ ابنِ تیمیہ کی لائف فرضِ اولین ہے، مجھے اس شخص کے سامنے رازی وغزالی سب ہیچ نظر آتے ہیں، ان کی تصنیفات میں ہر روز نئی باتیں ملتی ہیں''۔

آخر میں مجھ سے فرماتے تھے کہ ''میں اب ہر چیز میں ابنِ تیمیہ کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کو تیار ہوں''۔

آخر زمانے میں ان میں روحانی جستجو کی خلش پیدا ہو گئی تھی، اسی زمانے میں بعض صوفیوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۳۱ و ۸۳۲، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ ''مولانا'' وجودِ باری کی ان فلسفیانہ دلیلوں کو جن کو متکلمین نے پیش کیا ہے، اعتراضات وشبہات سے بَری نہیں سمجھتے تھے، وجودِ باری کے اقرار کو فطری کہتے تھے، اور اس کو دلیلِ منطقی کا محتاج نہیں سمجھتے تھے، اور اس کے لیے قرآن پاک نے جو تنبیہی شہادتیں پیش کی ہیں، ان ہی کو مفیدِ یقین، یقین کرتے تھے۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۸۳۲، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مولانا شبلی نعمانی صاحب اور ان کے افکار پر جس طرح سے روشنی ڈالی ہے، نہایت معتدل معلوم ہوئی، جس سے کئی اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ حیاتِ شبلی کے آخر میں فرماتے ہیں:

ناظرین! آپ نے نو سو صفحوں تک میری رفاقت کی، اس اثنا میں آپ کے اس شریکِ سفر اور رفیقِ نظر نے ایک مجسمۂ علم وفن اور پیکرِ خدمتِ دین وملت کی زندگی کا مرقع، جیسا کہ اس نے دیکھا، یا دیکھنے والوں نے بتایا، کھینچ کر آپ کے سامنے پیش کیا۔

اس مرقع میں کہیں کہیں بشری کم زوریوں کی جھائیاں بھی موجود ہوں گی، لیکن مجموعی طور سے حسن وجمال کا ایک غیر معمولی منظر بھی تصور کی آنکھوں کے سامنے

ہوگا، آیئے ہم اور آپ اس کی دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائیں، اور زبان سے کہیں ''اللّٰھم اغفر لہٗ وارحمہ'' ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

30 اپریل 1941 عیسوی۔

شبلی منزل، اعظم گڑھ

(حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱۸، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا شبلی نعمانی صاحب کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے جو تفصیل بیان فرمائی، وہ ہمارے نزدیک کافی وافی، اور انتہائی معتدل، بلکہ بظاہر افراط وتفریط سے پاک ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کے افکار کے متعلق چند مزید حوالے

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے علاوہ دیگر کئی اصحابِ علم وقلم حضرات نے بھی مولانا شبلی نعمانی صاحب کی فکر اور مسلک پر روشنی ڈالی ہے، تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں، ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ فرمایے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا:

مولانا عبید اللہ سندھی نے، جب دہلی میں نظارۃُ المعارف قائم فرمایا، تو تھانہ بھون آئے تھے، انھوں نے فرمایا کہ میں علامہ شبلی نعمانی سے ملا، تو مسلمانوں کی عام بے راہ روی اور پریشانی اور مبتلائے آفات ہونے کا تذکرہ ہوا۔

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں قوم کی اصلاح کی تدبیر کیا ہے؟

علامہ شبلی نے کہا کہ قوم کی اصلاح صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں، جن کا قوم پر مکمل اثر ہو اور یہ اثر بغیر تقدس کے نہیں ہو سکتا، اور تقدس بغیر تقویٰ اور کثرتِ عبادت و

ذکر اللہ کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ''مجالسِ حکیم الامت'' ج۲۴،ص۷۹،

ملفوظ نمبر ۵۹، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخ اشاعت: رجب 1422 ہجری)

فتاویٰ محمودیہ میں ''سیرۃ النبی'' کے متعلق ایک سوال اور جواب درجِ ذیل طریقے پر ہے:

سوال (۱۰۰۷٦) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ''اشرفُ الجواب'' کے حصہ چہارم کے صفحہ ۱٦۳، پر عنوان ''تفاضلِ تفصیلی بین الانبیاء ممنوع ہے''۔ میں کتاب ''سیرۃ النبی'' مصنفہ مولانا شبلی نعمانی، جس کی تکمیل مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے فرمائی ہے، اس پر اعتراض کیا گیا ہے، اور مصنف صاحب پر تنقید کی گئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ کتاب 6 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اور میرے پاس موجود ہے، کیا اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کی سند میں کچھ شک وشبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتاب ''سیرۃ النبی'' مصنفہ علامہ شبلی نعمانی میں بعض احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے، جو کہ غلط ہے، اس کے علاوہ بھی ان (مولانا شبلی نعمانی) کی آزاد مزاجی کی وجہ سے بعض غلطیاں ہیں، اہلِ علم تو (ان غلطیوں کو) سمجھتے ہیں، اوروں کو پتہ نہیں چلتا، چونکہ ان کا مقصود اس کتاب سے عیسائیوں کو جواب دینا ہے، اس لیے بھی مضمون کی پوری رعایت نہیں ہوسکتی، سید سلیمان ندوی صاحب نے بعد کے ایڈیشن میں کچھ سنبھالا بھی ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ٦/۱۱/۱۴۰۰ ہجری (فتاویٰ محمودیہ، ج۲۱ص۲۹۰،

۲۹۱، باب الکتب المعتمدۃ وغیرہا، مطبوعہ: زیرِ نگرانی، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی)

ڈاکٹر مغنی تبسم لکھتے ہیں:

سرسید سے شبلی کا اختلاف بڑی حد تک نظریاتی تھا، اور اسی مفہوم میں وہ ایک

دوسرے کے حریف تھے۔ (شبلی نقادوں کی نظر میں، مرتبہ: ناز صدیقی ایم-اے، صفحہ ۵ "پیشِ لفظ" مطبوعہ: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدر آباد دکن، تاریخِ طباعت: 1976 عیسوی)

مولانا سعید احمد انصاری صاحب لکھتے ہیں:

مولانا شبلی نعمانی، امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنفیہ کوفی کے پیرو، فلسفہ، کلام، تاریخ، ادبِ عربی، نظمِ فارسی کے خاص ماہر تھے۔ (شبلی نقادوں کی نظر میں، مرتبہ: ناز صدیقی ایم-اے، صفحہ ۱۴۸ "مولانا شبلی اور علمِ کلام" مطبوعہ: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدر آباد دکن، تاریخِ طباعت: 1976 عیسوی)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور) اپنے مضمون "سرسید، شبلی اور مغرب" میں لکھتے ہیں:

سرسید احمد خان کی وفات پر مولانا شبلی نے نواب سید علی حسن خان کو لکھا:

"تزعزت ارکان الملة...... وتفرق شملنا، انی لا اقدر علی ان اشتغل بشیئ الا بعد برهة من الزمن".

"قومی عمارت کے ستون ہل گئے...... ہماری قوم کا شیرازہ بکھر گیا، میں کچھ دنوں تک کوئی کام نہیں کر سکتا"۔

تاسف و تعزیت کا یہ انداز سرسید سے مولانا شبلی کے تعلق خاطر اور عقیدت مندی کو ظاہر کرتا ہے۔......

سرسید احمد خان پر مغرب کا جو غیر معمولی اثر تھا، وہ کم و بیش ان کے تمام رفقا پر بھی رہا، حالؔی ہوں، یا ذکاء اللہ، چراغ علی ہوں، یا محسن الملک، ذہنی مرعوبیت براہِ راست، یا بالواسطہ سرسید ہی کا فیضان ہے، علامہ شبلی جو سید صاحب کے گروہ کے ایک نام ور بزرگ اور بقول شررؔ: "ان کی فوج کے ایک نامی گرامی پہلوان" سمجھے جاتے تھے، ان سب میں الگ نظر آتے ہیں، ابتدا میں وہ بھی انتہا پسند تھے، ان پر

حنفیت غالب تھی، اور اس میں شدت بھی تھی، لیکن سر سید احمد خان کی صحبت نے ان کے ذہن کو تبدیل کر دیا، وہ انتہا پسندی کی تنگ نائے سے نکل آئے، مگر بہ ایں ہمہ قربت و کسبِ فیض اور مداحی وعقیدت مندی، مولانا شبلی، سر سید کی راہ نہیں اپنا سکے، وہ سر سید کی طرح دوسری انتہا پر نہیں گئے، بلکہ اپنے توازنِ فکر و نظر کی بدولت ایک معتدل ذہنی رویہ اختیار کر کے ایک علاحدہ راستہ نکالنے میں کام یاب ہوئے۔(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، انڈیا، صفحہ ۳۹، ۴۰، ذوالحجہ 1409 ہجری، جولائی 1989 عیسوی، جلد نمبر 144، شمارہ نمبر 1)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

مولانا شبلی، سر سید کے مداح تھے، انھوں نے سر سید کے ''پرزور دست وقلم'' ان کی ''بہادری'' ان کی ''جاں بازی'' اور ان کی ''انصاف پسندی'' کا اعتراف کیا، مگر سر سید ہی کی تعلیم کردہ ''اجتہاد اور تقلید سے آزادی'' کے سبق کی روشنی میں وہ کسی ''بڑے سے بڑے شخص، یا نام ور لیڈر یا رفارمر'' کی رائے کو اہمیت نہ دیتے تھے، کیوں کہ ان کے بقول: ''ہم (مسلمان) وہ لوگ ہیں، جو پیغمبر کے سوا کسی کو معصوم نہیں سمجھتے'' انھیں سر سید کی جدیدیت اور تعلیمِ جدید کے بارے میں ان کا غلو کھٹکتا تھا، ان کے خیال میں جدید تعلیم انسان کو محض نوکری پیشہ بناتی ہے۔ (ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، انڈیا، صفحہ ۴۱، ۴۲، ذوالحجہ 1409 ہجری، جولائی 1989 عیسوی، جلد نمبر 144، شمارہ نمبر 1)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

سر سید ''تقلید'' کے زبردست مخالف اور اجتہاد کے داعی تھے، مگر پیرویِ مغرب کے باب میں انھوں نے بالکل برعکس روِش اپنائی، وہ سرتاپا مغرب کے مقلد ثابت ہوئے، مولانا شبلی نے ایسی اندھی تقلید سے اجتناب کیا، بقول خورشید الاسلام:

''شبلی کی زندگی توازن کی تلاش میں صرف ہوئی''۔

مولانا شبلی بھی مذہبی جوش، قومی حمیت اور ملت کی خیر خواہی میں سرسید سے کم نہ تھے، مگر قومی ترقی کے جوش میں انھوں نے ہوش کا دامن نہیں چھوڑا، انھوں نے سرسید کی عقلیت کو معتدل بنایا، سرسید نے جزوی تبدیلیوں کے ذریعے وقتی علاج کرنا چاہا، اور مذہب کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے تعبیر وتاویل کے ذریعے تجدیدِ قوم کا بیڑا اٹھایا، مگر مولانا شبلی، نشأۃِ ثانیہ کے لیے علمی بنیادوں پر ایک انقلاب لانا چاہتے تھے، انھوں نے ''جدید علوم کی مدد سے مذہب کی حفاظت'' کا اصول قائم کیا، اور یوں ان کا مسلک تجدیدِ قوم کے بجائے تجدیدِ دین قرار پایا۔(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، انڈیا، صفحہ ۴۴، ذوالحجہ 1409 ہجری، جولائی 1989 عیسوی، جلد نمبر 144، شمارہ نمبر 1)

اس قسم کے حوالے جات وعبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی صاحب مرحوم ایک زبردست مورخ ومحقق تھے، اور ان کا سرسید احمد صاحب کے افکار ونظریات سے اتفاق نہیں تھا، بلکہ کافی حد تک اختلاف تھا، بلکہ سرسید صاحب کی جماعت میں یہ ممتاز شخصیت ہیں، جنھوں نے سرسید احمد صاحب کے افکار کو سمجھ کر ان کو قبول کرنے کے بجائے ان کی کافی حد تک تردید بھی کی، مولانا شبلی نعمانی حنفی فکر کے حامل تھے، وہ الگ بات ہے کہ فردِ بشر ہونے کی حیثیت سے ان سے کچھ علمی فروگزاشتیں بھی ہوئیں، تاہم انھوں نے اپنے زمانے میں علمی وتحقیقی جس نوعیت کی خدمات سرانجام دیں، وہ اپنی نظیر آپ ہیں، اللہ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا حوالہ

اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے مولانا شبلی نعمانی صاحب کے متعلق

ایک تحریر بھی ملاحظہ کر دینا، فائدہ سے خالی معلوم نہ ہوگا۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں فرماتے ہیں:

اسی زمانے میں میں نے ایک کتاب لکھنی شروع کی، جس کے ناتمام اوراق، اس عہد کی یادگار اب تک موجود ہیں، سرسید کے اجتہادات کا ذوق یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ ایک مکمل اور مرتب سلسلہ اصول وفروع اس کی بنا پر میں نے قرار دے لیا تھا، اور بطورِ استخراج واستنباط بہت سے نئی نئی چیزیں پیدا کی تھیں، اس وقت دماغ کے لیے یہی سب سے بڑا مشغلہ تھا، فقہاء کی تقسیم کے مطابق اگر سرسید مجتہد مطلق تھے، تو میں گویا مجتہد فی المذہب کا درجہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

بہت سے اصول، بہت سے مسائل، بہت سے فروع ایسے تھے کہ انھوں نے بالتصریح کچھ نہیں لکھا ہے، لیکن ان اصول ومقدمات سے ان کا استنباط ہوسکتا ہے، یا کسی مسلک پر تاویلیں کی جاسکتی ہیں، میں یہ سب کچھ کرتا رہتا تھا، اور اپنے ذہن میں، میں نے بہت جلد ایک مکمل اصول وفروع کا ذخیرہ مدون کرلیا تھا، اب دو باتوں کا خیال ہوا، ایک تو یہ کہ اس (سرسید صاحب کے مطابق) مسلک کو بترتیبِ عقائد واصول مدون کیا جائے، دوسرا یہ کہ سرسید کے علمِ کلام پر ایک ریویو لکھا جائے۔

مولوی چراغ علی مرحوم کو ''تہذیبُ الاخلاق'' اشاعتِ سوم میں بجواب سوال واستفسار سرسید نے ایک بڑا سلسلہ ''العلوم الجدیدۃ والاسلام'' کا شروع کیا تھا، جس میں قدیم کلام کی تدوین اور علومِ یونانیہ کی ترویج بیان کی ہے۔

مجھے یہ نام بہت مناسب معلوم ہوا، اور اسی نام سے ایک کتاب لکھنا شروع کی، اس کے دو حصے کیے: پہلے حصے کا موضوع یہ قرار دیا کہ انقلابِ علوم اور اس کے لیے نئے کلام کی ضرورت، پھر اس باب میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جس قدر مواد فراہم ہو چکا ہے، اس سب کا ذکر، اور اس سب پر مسلکِ سرسید کی

ترجیح کے وجوہ، اور اثباتِ ترجیح کے بعد اس پر ایک مکمل تبصرہ، دوسرا حصہ گویا سرسید کے علمِ کلام کا ایک مکمل متن تھا، اور ارادہ تھا کہ تمام ابواب عقائد واصول قرار دے کر انھیں سرسید کے مسلک پر مرتب کیا جائے۔

اس زمانے میں مصر وبلادِ اسلامیہ کے نئے لٹریچر کا بھی خوب مطالعہ کر چکا تھا، اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ کیوں کر ''المنار'' اور ''شیخ محمد عبدہ'' اور دیگر مشاہیر مصروشام کے حالات سے واقفیت ہوئی ''المنار'' برابر دیکھتا تھا، شیخ محمد عبدہ کی ''کتاب التوحید'' اور دیگر مضامین پڑھ چکا تھا ''المنار'' میں تفسیر کا سلسلہ بھی جاری تھا، نئے قسم کی تاویلات کی بعض کتابیں اور بھی نظر سے گزر چکی تھیں، مثلاً شیخ محمد صدرالدین قازانی وغیرہ کی تصنیفات، پس اس کتاب کے حصۂ اول میں یہ بات دکھلانی تھی کہ یہ تمام کوششیں جو ہوئی ہیں، ان سب میں بمقابلۂ علومِ جدیدہ اگر کوئی علمِ کلام اور جدید دفاعِ مذہب واسلام میں کام یاب ہوسکتا ہے، تو وہ صرف سرسید کا علمِ کلام ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے لیے میں نے مولانا شبلی مرحوم کو بھی ایک خط لکھا، اور نئی تصنیفات اس بارے میں دریافت کیں، حالانکہ وہ خود اس زمانے میں کتاب ''علمِ کلام جدید'' لکھ رہے تھے، اور گو اس باب میں ان کا مسلک اصولاً سرسید سے الگ نہ تھا، لیکن وہ تمام نئے مسائل، ابنِ رشد، ابنِ آمدی، ابنِ مسکویہ، راغب اصفہانی، امام غزالی اور معتزلہ وحکمائے اسلام کی نسبت سے تسلیم کرنا پسند کرتے تھے، سرسید کی نسبت پسند نہ تھی، انھوں نے مجھے لکھا: ع

مرادرِوے سخن گفتن نہ شاید

(آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ''مولانا ابوالکلام آزاد کی خودنوشت'' صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۴، بعنوان ''مجتہد فی

المذہب۔شیخ محمد عبدہ اور المنار۔مولانا شبلی اور سرسید''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام صاحب کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی کے علم الکلام تالیف کرنے کے زمانے میں، ان پر سرسید احمد خان کے افکار کے کچھ اثرات تھے، تاہم خود مولانا شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب واضح کر چکے ہیں کہ ان کو سرسید کے بہت سے افکار سے اختلاف تھا، نیز مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی طرف سے تحریر شدہ تحریر کو ان کے رجوع پر محمول کرنا بہتر ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے بعد کے فتوے میں تحریر فرمایا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کو بھی پسند نہ فرمایا۔

علاوہ ازیں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے، مولانا شبلی نعمانی صاحب کے افکار کے متعلق جو ''حیاتِ شبلی'' میں وضاحت کی ہے، وہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جس میں انھوں نے اس طرح اشارہ کیا ہے کہ مولانا شبلی کے بعض افکار میں رجحان، مذکورہ کتاب لکھنے کے وقت جس طرف تھا ''سیرت النبیؐ'' کی تصنیف کے وقت اس طرح کا رجحان نہیں رہا تھا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق قائم ہونے کے بعد، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مولانا شبلی نعمانی صاحب کے حالات پر جو مفصل کتاب تالیف کی، اس میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

> ''اس (الفاروق) میں بعض اغلاط کا وجود اور بعض جوابی نظریوں کی کم زوری بھی مصنف کی بشریت کی حامل ہے، **والعصمة للّٰہ وحدہٗ**۔(حیاتِ شبلی صفحہ۴۲ ''دیباچہ''
>
> ناشر: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی صاحب نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ ''سیرت النبیؐ'' کی تالیف کے زمانے میں مولانا شبلی نعمانی صاحب کے متعدد افکار و رجحانات میں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی، اور آخری درجے میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے وہ جملے ملحوظ رکھنے کی ضرورت

ہے، جس پر انھوں نے ''حیاتِ شبلی'' کی مفصل کتاب کا اختتام فرمایا ہے، وہ جملے درجِ ذیل ہیں:

اس مرقع میں کہیں کہیں بشری کم زوریوں کی جھائیاں بھی موجود ہوں گی، لیکن مجموعی طور سے حسن وجمال کا ایک غیر معمولی منظر بھی تصور کی آنکھوں کے سامنے ہوگا، آیئے ہم اور آپ اس کی دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائیں، اور زبان سے کہیں ''اللھم اغفر لہٗ وارحمہ'' ۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(حیاتِ شبلی صفحہ ۸۱۸، ''اخلاق وعادات'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

جہاں تک مولانا شبلی نعمانی صاحب کی غزلوں میں عاشقانہ اشعار کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں وارث ریاضی صاحب لکھتے ہیں:

علامہ شبلی کی غزلوں کے عاشقانہ اشعار کے حوالے سے ان کے مخالفین نے ان کو حسن پرست اور ہوس ناک قرار دیا ہے، اگر معاندینِ شبلی کا یہ زاویۂ نگاہ درست ہے، تو پھر شیخ سعدی (1184-1292 عیسوی) اور خواجہ حافظ (1324-1389 عیسوی) اور اردو شعرا میں امیر مینائی (1829-1900 عیسوی) اور مولانا حسرت موہانی (1878-1951 عیسوی) پر بھی تو یہی الزام عاید کیا جاسکتا ہے۔ (ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، انڈیا، صفحہ ۳۰۸، مضمون ''مولانا شبلی کی کردار کشی'' ربیع الاول 1428 ہجری، اپریل 2007 عیسوی، جلد نمبر 179، شمارہ نمبر 4)

مولانا شبلی اور مولانا آزاد صاحبان کے مابین اگرچہ علمی اعتبار سے مراسم وتعلقات تھے، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو مولانا شبلی کے متشدد حنفی ہونے سے اختلاف تھا، تقلید کے سلسلے میں مولانا آزاد صاحب زیادہ وسعت اور کھلے ذہن کے مالک تھے، اور اس سلسلے میں ان پر سرسید احمد خان کے افکار کا گہرا اثر تھا، جس کی تفصیل ہم نے مولانا آزاد سے متعلق چند

سوالات کے جوابات کے مضمون میں ذکر کر دی ہے۔

مولانا آزاد صاحب کے مولانا شبلی نعمانی صاحب کی بعض تالیفات پر مرقوم حواشی سے بھی مولانا شبلی اور مولانا آزاد صاحب میں اختلاف کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔

سید مسیح الحسن صاحب نے ''حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر'' میں مولانا شبلی اور اُن کی کتب کے متعلق چند حواشی سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

''سید مسیح الحسن'' ان حواشی کے متعلق لکھتے ہیں:

میں اب سے پندرہ سولہ سال پہلے جب اس کتب خانے کی تنظیم و ترتیب میں مصروف تھا، تو باعتبارِ فرائض ہر کتاب کی ورق گردانی بھی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس دوران مولانا کے ذخیرے میں ایسی کتابیں نظر سے گزریں، جن کے اکثر و بیش تر صفحات کے حواشی پر مولانا (آزاد) نے اپنے ہاتھ سے اصلاحی و تنقیدی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

ابتدا میں چونکہ ترتیب و تنظیمِ کتب کا کام ضروری تھا، اس لیے سرسری نظر ڈالتا ہوا گزرتا رہا، چند سال تک اپنے فرائضِ منصبی میں مصروف رہا، بعدہٗ جب کتب خانے کی جمع شدہ پرانی کتابیں کتاب داری کے اصول وضوابط کے مطابق مرتب و منظّم ہوگئیں، تو ان مخصوص کتابوں کی طرف رجوع کیا، جن پر مولانا نے حواشی تحریر فرمائے ہیں، خود بھی سوچا اور کچھ اہلِ علم اصحاب نے بھی مشورہ دیا کہ مولانا کے ان جواہر ریزوں کو کتابی شکل میں بلحاظِ سیاق وسباق ذرا سلیقہ سے مرتب کر دیا جائے، لیکن مصروفیت نے ایک عرصے تک اس خیال کو التوا میں ڈالے رکھا، چونکہ کسی ایسے کتب خانے کو جس میں ہزار ہا کتابیں ایک ڈھیر کی شکل میں پڑی ہوں، قواعد کے مطابق ترتیب دے کر قرینے سے آراستہ کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے، اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جو کہ کتب خانے کے مروجہ فن سے واقف ہوں۔

بہ ہر حال اس کام کی نوعیت سے اہلِ علم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجھ کو مسلسل دس سال تک محنتِ شاقہ سے کام کرنا پڑا، اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی اور دفتری اوقات کے بعد کتب خانے کی ہر الماری کے سامنے کھڑے رہ کر ایک ایک کتاب کو بغور دیکھا، اور وہ کتابیں نکالیں، جن پر مولانا نے کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا تھا۔

آزاد بھون سے جامعہ منتقل ہو جانے کے بعد مجھ کو اس کام سے عہدہ برآ ہونے میں بے پناہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اس طرح اس کام کو تکمیل کے مدارج تک پہنچانے میں دس گیارہ سال کا طویل عرصہ صرف ہوا۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۱۹ و صفحہ ۲۰ ''مقدمہ'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

اب حواشی ابوالکلام آزاد سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایے۔

مولانا سید سلمان ندوی صاحب ''حیاتِ شبلی'' میں لکھتے ہیں:

علامہ شبلی نے درسیات کی تکمیل مولانا فاروق ہی سے کر لی تھی، تاہم ان کے ذوقِ علمی نے ان کو دوسرے خرمنوں کی خوشہ چینی پر آمادہ کیا، سب سے پہلے مولانا عبدالحی فرنگی محلی (لکھنوی) کی شہرتِ کمال ان کو لکھنؤ لے گئی، لیکن کچھ فطری جودتِ طبع اور کچھ فیضِ فاروقی کی بدولت علامہ نقد و اجتہاد کے خوگر تھے، اس لیے زانوئے ادب تہہ کرنے سے پہلے لکھنؤ سے قدم اٹھ گئے، اور رام پور کا رخ کیا، وہاں مولانا ارشاد حسین کے شرفِ تلمذ پر اکتفا کی، علامہ مرحوم کو حضرت مولانا ارشاد حسین کی وسعتِ نظر، اصابتِ رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کا اعتراف ہمیشہ رہا، مولانا ارشاد حسین نہایت متشدد حنفی تھے، مولانا نذیر حسین کی ''ایثار الحق'' کے جواب میں ''انتصار الحق'' ان ہی نے لکھی ہے۔ (''حیاتِ شبلی'' صفحہ ۹۷، مطبوعہ: دار المصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا، مطبوعہ: 1943 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

اگر اس زمانے میں مولوی شبلی کو مجتہدانہ نظر وفکر کی جستجو ہوتی، تو مولوی عبدالحیئ کو ترجیح دیتے، جو حنفیت کے مقلدانہ جمود سے باہر آچکے تھے، لیکن انھوں نے مولوی ارشاد حسین کو انتخاب کیا، جو مقلدِ اعمیٰ تھے۔

مولوی نذیر حسین کی کتاب ''ایثار الحق'' نہیں ہے ''معیار الحق'' ہے، مولوی ارشاد حسین کی معلومات کا یہ حال تھا کہ ''انتصار الحق'' میں ''بلوغ المرام'' کو شاہ ولی اللہ کی تصنیف بتلاتے ہیں، ان کی تعریف میں مجتہدانہ ژرف نگاہی لکھنا کس قدر بے معنیٰ بات ہے (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۵۸ ''حیاتِ شبلی'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا سید سلمان ندوی صاحب ''حیاتِ شبلی'' میں لکھتے ہیں:

جس طرح شبلی نے دوسرے علوم کی تحصیل کے لیے ان ہی اساتذہ کا انتخاب کیا، جو اس فن میں یگانہ تھے، اس طرح حدیث کے لیے بھی انھوں نے اس زمانے کے سب سے نام ور محدث احمد علی سہارن پوری کا انتخاب کیا (''حیاتِ شبلی'' صفحہ ۸۵، مطبوعہ: دار المصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا، مطبوعہ: 1943 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

اس انتخاب میں بھی وہی حنفیت کا جمود تھا، دراصل اس پھندے سے وہ اس وقت تک نہ نکل سکے، جب تک کہ سرسید کی صحبت نہ ملی۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۵۹ ''حیاتِ شبلی'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، وہ دقتِ نظر، قوتِ استنباط، استخراجِ مسائل اور تفریعِ احکام ہے، لیکن محدثین کے گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں

داخل ہیں، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ: اہلِ حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی، اور فروعِ احکام کی تفریع کرتے تھے، ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے، اور منصب قضا پر مامور تھے، اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے، تو بے شبہ امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم نہیں (سیرۃُ النعمان، جلد۲، صفحہ۱۴۰، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع:1893عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

مصنف کی یہ پوری بحث یکسر مغالطہ ہے، اس سے بڑھ کر کذب علی وجہ الارض کیا ہوسکتا ہے کہ ائمہ حدیث کی نسبت یہ کہا جائے کہ دقتِ نظر، قوتِ استنباط، استخراجِ مسائل، درایت و تفکر ان کے نزدیک نقص رہا، جس شخص نے صرف تراجمِ ابوابِ فقیہ بخاری وغیرہ ہی پر نظر ڈالی ہے، وہ کیوں کر اس خیال کا تصور بھی کرسکتا ہے، اور پھر جس شخص نے تصنیفاتِ ابن حزم، ابنِ عقیل، ابنِ تیمیہ و ابنِ قیم وغیرہ کو دیکھا ہے، تو وہ اس خیال کی تکذیب پر حلفِ شرعی اٹھا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ اس تمام معاملے کے (یعنی امام ابو حنیفہ اور محدثین فیما بین اسکول) اسباب ہی اور ہیں اور ان کو صاحب حجۃ اللہ نے واشگاف لکھ دیا ہے۔ مؤلف کی اس پر نظر ہے، مگر افسوس کہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

اگر مصنف نے اسی جملے پر غور کیا ہوتا کہ فروعِ احکام کی تفریع کرتے تھے۔ تو اصل عقدہ حل ہو جاتا، یعنی بنیاد اپنے قرار دادہ یا ائمہ کوفہ کے کلیات پر رکھتے نہ کہ احادیث پر۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ ''سیرۃُ النعمان'' اشاعتِ اول:1992عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' ہی میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے درایت کے چند اصول بنائے تھے، مثلاً جو حدیث عقلِ قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس کو ابنِ جوزی نے تمام اصولِ درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابنِ جوزی چھٹی صدی میں گزرے ہیں۔ اس وقت تک علومِ اسلامی اوجِ کمال تک پہنچ گئے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانے تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ (سیرۃُ النعمان، جلد۲، صفحہ ۱۶۹، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

جب امام ابوحنیفہ کے زمانے میں یہ حال تھا، تو ظاہر ہے کہ عہدِ صحابہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر جرم ہوگا، اور عہدِ نبوت کا حال تو پوچھنا ہی نہیں چاہیے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ عقل سے بڑھ کر اسلام میں کوئی شے بری نہیں، کیوں کہ جس قدر عہدِ نبوت سے بعد ہوتا گیا، عقل کا اعتراف بڑھتا گیا۔ تعجب ہے کہ مؤلف نے کیوں کر اس جملے کو لکھا، اور کیوں کر ایک شخص یہ جملہ زبان سے نکال سکتا ہے، جس کو اسلام کے دینِ فطری ہونے کا یقین ہو۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰ ''سیرۃُ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

شروع میں عقل کے خلاف کسی حدیث پر جب امام حنیفہ نے بے اعتباری ظاہر کی تو لوگوں نے سخت مخالفت کی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کیے گئے ہیں، جب امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتیں، تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ (سیرۃُ النعمان، جلد۲، صفحہ ۱۶۹، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

اس طرح کے انکار کا ایک واقعہ بھی کہیں منقول نہیں۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۷۰ ''سیرۃُ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرا سے ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے، جس سے یہ تمیز ہو سکے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا، یا نہیں، لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے بعض حدیثوں کو معطل قرار دیا تو اربابِ ظاہر نے مخالفت کی۔ (سیرۃُ النعمان، جلد۲، صفحہ۱۷۸، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

محدث اور مجتہد کی تفریق خود باطل ہے۔ محدث غیر مجتہد کا وجود نہیں۔ محدثین کا مقصود فقہ وسیرۃ واجتہاد کے جمع احادیث سے اور کچھ نہ تھا۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ۲۷۲ ''سیرۃُ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں ہی لکھتے ہیں:

عرب میں ان کے مسائل کو اس لیے رواج نہ ہوسکا کہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں دوسرے ائمہ ان کے حریف موجود تھے، لیکن عرب کے سوا تمام ممالکِ اسلامی میں فقہ حنفی کو رواج ہوا۔ (سیرۃُ النعمان، جلد۲، صفحہ۲۰۵، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک حکومت عربوں کے ہاتھ میں رہی جو علومِ اسلامیہ سے براہِ راست واقف ہوتے تھے۔ اس وقت تک فقہ حنفی کو عروج نہیں ہوا۔ جب عربی حکومت کا تنزل شروع ہوا، اور ترکوں کا دور شروع ہوا، جو محض جاہل و وحشی تھے، اس وقت سے فقہ حنفی عموماً سلاطین کا مذہب قرار دیا گیا، اور اسی وقت سے تعین وتمذہب وتعصب وجدال وخلاف کی بنیاد پڑی۔ مؤلف نے اس حقیقت کو

چھپانا چاہا ہے۔(حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ۲۷۳، ۲۷۴ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

بعضوں کا خیال ہے اور خاص کر ابنِ حزم کا کہ حنفی مذہب کو قاضی ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے عروج ہوا۔ حالانکہ قاضی ابو یوسف کے عروج سے پہلے پچاس سال تک مذہب حنفی فروغ پا تا رہا تھا، اور اس دور میں ان کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔(سیرۃ النعمان، جلد۲، صفحہ۲۰۷، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

اس کا کیا ثبوت ہے؟(حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ۲۷۴ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

گو حسنِ قبول اور عام اثر کے لیے جو اسباب درکار ہیں، وہ بالکل موجود نہ تھے، تاہم فقہ حنفی کا تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا طریقۂ فقہ، انسانی ضرورتوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔(سیرۃ النعمان، جلد۲، صفحہ۲۰۹، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

''ظلمات بعضها فوق بعض'' پہلے فقہ حنفی کی تمام ممالکِ اسلامیہ میں وسعت ثابت کر دی جائے، پھر اس پر تفریعات ہوں۔ شام، مصر، حجاز، یمن، نجد، عراق، اندلس کہیں بھی فقہ حنفی کو مقبولیت نہ ہوئی، البتہ عربی خلافت کے خاتمے کے بعد ترکی عہد میں۔(حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ۲۷۴ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ

اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

فقہ کے دوسرے حصہ میں جس کا تعلق قانون سے ہے، امام ابوحنیفہ، تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخص واضعِ قانون گزرا ہے، تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابلِ قدر سمجھے جاتے ہیں، وہ ہیں دنیاوی امور سے علاحدگی، کم آمیزی معاملات میں سختی، عام واقعات سے بے خبری، غیر مذہب والوں سے تنفر، یہ تمام اوصاف ہیں جو تمدن کے مخالف ہیں۔ (سیرۃ النعمان، جلد۲، صفحہ ۲۱۹، مطبع مجتبائی، تاریخ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

مؤلف نے کس بے دردی سے تمام ائمہ اسلام کی تحقیر کی ہے۔ علی الخصوص محدثین کی جو تمام امت میں اعقل وافہم گروہ تھا، اور حکمتِ نبوی سے مالا مال۔ اگر یہ گروہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو تمدن سے کوئی تعلق نہیں۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۷۵ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب نے ''سیرۃ النعمان'' میں ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو دوسری فقہوں پر ترجیح ہے، جس کے بعد انھوں نے لکھا:

ان میں سب سے مقدم اور قابلِ قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے، وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ (سیرۃ النعمان، جلد۲، صفحہ ۲۱۹، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

یہ محض مؤلف کی اختراع ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ نا قابلِ انکار دلائل سے

ثابت کیا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی جس قدر اسرارِ شریعت کے خلاف ہے، کوئی فقہ نہیں (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۷۵ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

مولانا شبلی نعمانی صاحب نے ''سیرۃ النعمان'' میں فقہ حنفی کو نہایت آسان اور وسیع قرار دیا ہے، اور لکھا ہے:

سہل ہونے کی بنا پر شعرا اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے تھے۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ برے موقع پر اس کا استعمال کیا ہے اور کہا ہے۔ ع

چوں رخصتہائے بوحنیفہ

تاہم اس سے ثبوت ملتا ہے کہ حنفی فقہ آسان ہے۔ عبادات اور معاملات کا کوئی باب لے لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعتِ سہلہ کی شان ہے۔ (سیرۃ النعمان، جلد ۲، صفحہ ۲۴۰، مطبع مجتبائی، تاریخِ طبع: 1893 عیسوی)

اس کے حاشیے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:

صرف چند مسائل کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے، ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں فقہ حنفی کا آسان و سہل ہونا، ایک طرف، اکثر حالتوں میں تو کوئی متمدن و حیات دوست آبادی اس پر عمل کر کے زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ (حواشی ابوالکلام آزاد زیر مطالعہ کتب پر، صفحہ ۲۷۷ ''سیرۃ النعمان'' اشاعتِ اول: 1992 عیسوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

ہم نے صرف نمونہ کی غرض سے بغیر کسی تبصرے کے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے حواشی سے چند اقتباسات ذکر کیے ہیں، جن سے تقلید اور فقہ حنفی کے باب میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحبان کے افکار کے مابین فرق کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امدادُ الفتاویٰ اور رسالہ ”ملاحۃُ البیان“ کا حوالہ

مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی ایک علمی فروگزاشت کے متعلق، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے امداد الفتاویٰ میں ایک رسالہ ”ملاحۃُ البیان فی فصاحۃ القرآن“ کے عنوان سے بصورتِ سوال و جواب مذکور ہے۔

سوال میں مولانا حمید الدین فراہی کے اس دعوے کا ذکر تھا کہ قرآن مجید میں بعض نامناسب الفاظ صرف ”سجع“ اور ”قافیہ بندی“ کے لیے آئے ہیں۔

بعض اہلِ علم کی طرف سے اس کا تحریری طور پر یہ جواب دیا گیا تھا کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب کا یہ کہنا کفر کے زمرہ میں تو داخل نہیں ہے، البتہ گناہ کے زمرے میں داخل ہے۔

اس جواب پر بعض اہلِ علم حضرات نے تحریری طور پر تعاقب کیا تھا، اور مولانا حمید الدین فراہی صاحب کا کچھ دفاع کیا تھا۔

پھر یہ تمام تحریرات مولانا اشرف علی تھانوی کی نظرِ ثانی کے لیے ارسال کی گئی تھیں، جس کے جواب میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے درجِ ذیل مضمون تحریر فرمایا:

> **قال تعالیٰ فی الکھف: انزل علیٰ عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجًا.**
>
> ”عوج“ مقابل ہے، استقامت کا، کسی شے کی استقامت یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلال نہ ہو، پس عوج عام ہوگا، ہر اختلال کو اور یہ نکرہ ہے تحت نفی کے، پس ہر قسم کا ”عوج“ منفی ہوا، اسی بناپر روح المعانی میں اس کی یہ تفسیر کی:
>
> **أی شیئًا من العوج باختلال اللفظ من جھۃ الإعراب ومخالفۃ الفصاحۃ وتناقض المعنی وکونہ مشتملًا علی ما لیس بحق أوداعیا لغیر اللّٰہ.اھ.**
>
> **وقال تعالیٰ: متحدّیا وإن کنتم فی ریب ممّا نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا**

بسورة من مثله.

ان نصوصِ قطعیہ سے قرآن مجید کا ہر قسم کے نقص سے منزّہ ہونا اوراس تنزیہہ میں اس کا معجز ہونا مصرّح ہے، نیز اس پر تمام اُمت کا ایسا اجماع ہے کہ اس عقیدہ کو اس درجہ ضروریاتِ دین سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے انکار پر بالاتفاق کفر کا حکم کیا جاتا ہے۔ [1]

اوراہلِ ایمان تو بجائے خود رہے، قرآن کے اس اعجازی کمال کا اقرار ہمیشہ کفار کو بھی رہا، اگر نعوذ باللہ اس میں شائبہ بھی کسی قسم کے نقص کا ہوتا، تو کیا وہ خاموش رہتے اور جس طرح اس کے اعجاز پر یہ نصوص دلیلِ نقلی، قطعی ہیں، ثبوتًا بھی دلالۃً بھی، اسی طرح بڑے بڑے اساطینِ کلام کا عجز اس کی دلیلِ عقلی، قطعی بھی ہے، ثبوتًا بھی، دلالۃً بھی۔ اور قاعدہ متفق علیہ بین اہلِ ملّت و بین اہلِ عقل ہے کہ ایسے قطعی کا معارض، ایسا قطعی تو ہو نہیں سکتا۔

"لاستلزامه الجمع بين النقيضين"

اگر معارض ظنی ہو، تو اگر معصوم سے منقول ہو، تو ثبوت کا انکار، رواۃ کی غلطی سے واجب ہے اور دلالت کی تاویل واجب ہے اور اگر غیر معصوم سے ہو، اگر وہ محلِ حُسنِ ظن نہیں، تو رد وابطال واجب اور اگر محلِ حُسنِ ظن ہے، تو سَند میں جرح یا تاویل مستحسن ہے۔

اس مقدمہ کی تمہید کے بعد جتنی روایات واقوال موہمِ تعارض پائی جاویں، یا تو وہ معارض ہی نہیں، جیسے بعض کلمات کا اصول کے خلاف ہونا، کیوں کہ درحقیقت وہ مطلق اصول کے خلاف نہیں، صرف اصولِ مشہورہ کے خلاف ہیں، تو اصول کا انحصار مشہورہ میں، یہ خود غلط ہے۔ اکثر تو ان کے مقابل، دوسرے اصول بھی

---

[1] یعنی جب کوئی اس عقیدے کا صراحتًا بلا تاویل انکار کرے۔ محمد رضوان۔

پائے جاتے ہیں اور اگر بالفرض مطلقاً اصول کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جاوے، اگر چہ یہ فرض تقریباً باطِل ہے، لیکن اس کو فرض کر لینے کے بعد بھی اصول کی تدوین کو ناقص کہا جاوے گا، اصول کی مخالفت سے ایراد نہ کیا جاوے گا، کیوں کہ اصول خود فصحائے اہلِ لسان کے کلام کے تتبع سے جمع کیے جاتے ہیں، فصحائے اہلِ لسان اُن کے تابع نہیں ہوتے اور اس کے تسلیم میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، جیسے اصولِ فقہ، مجتہدین کے فروع سے مستنبط ہوتے ہیں، مجتہدین اپنے فروع کو اُن پر مبنی نہیں کرتے، یا اگر معارض ہیں، تو واجبُ الرد، یا مؤول ہیں۔

اس تحقیقِ کلّی سے تمام جزئیات کا فیصلہ ہوتا ہے، بعضے جزئیات بطور مثال کے ذکر بھی کی جاتی ہیں، مثلاً فواصل کی رعایت سے اصول کی مخالفت، یہ محض بعض اصول کی مخالفت ہے، مطلق اصول کی مخالفت نہیں، کیوں کہ اس رعایت کی تقدیم یہ بھی ایک صحیح اصل ہے۔ **كما صرّح به في الإتقان نوع ۵۹ فصل ۲۔**

اور یہ اس وقت ہے، جب صرف یہی رعایت موجب ہو، مگر خود اسی میں کلام ہے، قرآن مجید میں بے شمار مواقع ایسے ہیں کہ فواصل میں سجع کا سلسلہ شروع ہو کر ایک آیت میں سلسلہ ٹوٹ گیا اور اس کے بعد پھر عَود کر آیا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف رعایت فواصل کی اس مخالفت کی داعی نہیں، بلکہ اس میں اور بھی اسباب غامض ہوتے ہیں، چنانچہ اتقان کی نوعِ تاسع وخمسون میں ایسے امثلہ کے بعد بعنوان تنبیہ ابن الصائغ کا قول نقل کیا ہے:

لا يمتنع في توجيه الخروج عن الأصل في الأيات المذكورة أمور أخرىٰ مع وجه المناسبة، فإنّ القراٰن كما جاء في الأثر لا تنقضي عجائبه.

اور مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی ہی روایت منقول ہے اس کی نسبت

ابوحیان کہتے ہیں:

من روی عن ابن عباس رضی الله عنه أنه قال ذٰلک فهو طاعن فی الإسلام ملحد فی الدین و ابن عباس بریٔ من ذٰلک القول. (کذا فی روح المعانی تحت قوله تعالٰی حتی تستانسوا مع کلام علی بن حیان و الذی تکلّم اختار توجیهًا اٰخر)

اور مثلاً ایک ایسی ہی روایت کے متعلق روح المعانی میں تحت "**أفلم ییئس الذین اٰمنوا**" میں کہا ہے:

أمّا قول من قال إنما کتبه الکاتب و هو ناعس فسوی أسنان السین فهو قول زندیق ابن ملحد علی ما فی البحر و علیه فروایة ذٰلک کما فی الدرالمنثور عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما غیر صحیحة.

اور اس کے غیر صحیح ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اتقان نوع سادس وثلاثون کی فصل سوم کے سوالِ عاشر کے جواب میں خود ابن عباسؓ سے، اس کے خلاف منقول ہے، اسی طرح ہر مقام کے متعلق خاص خاص تحقیقات ہیں، جن کا ذکر موجبِ تطویل اور اجمال، مطلوب فی السوال کے خلاف ہے اور ایک ان سب روایات کا مشترک جواب ہے، جس کو اپنی تفسیر بیانُ القرآن حاشیہ عربیہ متعلقہ آیت "**حتّٰی تستأنسوا**" سے نقل کرتا ہوں:

والذی تحرّر عندی فیه و فیما ورد من أمثاله علی تقدیر ثبوت هذه الروایات إن هٰؤلاء رضی اللّٰه عنهم سمعوا القراء ات التی اختاروها من رسول الله ﷺ ولم یسمعوا القراء ات الموجودة ثم إنّ تلک القراء ات نسخت ولم یبلغهم الخبر فداوموا علیها و أنکروا غیرها لمخالفة ظاهر القواعد و عدم سماعه کما کان

ابو الدرداء یقرء والذکر والأنثٰی وکانت عائشةؓ تقرأ خمس رضعات اھ .

اور اسمائے سُوَر کے تعدد کا اس بحث میں کچھ دخل نہیں، ان میں تعارض ہی کیا ہے۔ مگر ان اسماء میں سے کسی کو غیر مناسب کہنا بدعتِ شنیعہ ہے، کیوں کہ بعض اسماء، خود احادیثِ صحیحہ مرفوعہ میں وارد ہیں، علیٰ ھٰذا، احادیث کے ایسے مقامات کا جواب بھی ان ہی اصول سے معلوم ہوسکتا ہے، مثلاً موزورات کی جگہ مازورات فرمانا، یہ بھی ایک اصل میں داخل ہے، اس اصل کا اصطلاحی نام ہے ازدواج ۔کذا فی القاموس۔

ولنسم ھذا المجموع ملاحة البیان فی فصاحة القراٰن.

(اشرف علی، للسادس والعشرین ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ)

ضمیمہ مُوضحہ از مفتی مدرسہ

بہر حال جس قدر روایات جوابِ تعاقب (یعنی مولانا حمید الدین فراہی کے دفاع) میں مذکور ہیں، چونکہ وہ ظاہراً ارشادِ خداوندی:

انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل له عوجا.

کے معارض اور قرآن میں اختلال کو مستلزم ہیں، اس لیے بمقتضائے اصولِ حدیث ان سب کا رد کرنا واجب ہے، جیسا کہ بعض روایات کا غلط و موضوع ہونا، تفسیرِ روح المعانی سے نقل بھی کردیا، اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ دوسری روایات بھی غلط اور مخترع ہیں، اگر اس کے رجال ورواۃ سے بحث کی جائے گی، تو امید ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، پس جو شخص ان روایات کی بنا پر تعاقب کا جواب دے رہا ہے، اس کے ذمے ان روایات کی صحت کا ثابت کرنا لازم ہے، **و دونهٗ خرط القتاد** ، بدون اس کے ان روایات سے ایسے مضمون پر استدلال کرنا، جس

کی نفی خود قرآن اور اجماع و تواتر عقلی و نقلی سے ہو چکی ہے، ہر گز جائز نہیں، اور بعد ثبوتِ صحت کے، ان کا جواب وہ ہے، جو اُوپر مفصّلاً بیان کیا گیا۔

پس کسی کا یہ کہنا کہ بعض مواقع پر محض قافیہ اور بندش کے لیے قرآن میں غیر انسب لفظ مستعمل ہوتا ہے، یقیناً نہایت سخت کلمہ ہے، جس کا سُننا بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔

اور جتنی عبارتیں جوابِ تعاقب میں نقل کی گئی ہیں، کسی کا بھی یہ یقینی مدلول نہیں کہ محض قافیہ اور بندش کے لیے قرآن میں کوئی غیر انسب لفظ استعمال کیا گیا ہے، اسی طرح اسماءِ سُوَر کے تعدد سے کس کو انکار ہے، مگر یہ کہنا کہ موجودہ اسمائے سوَرِ قرآنیہ، بجائے رہبری کے غلط خیال پیدا کرتے ہیں، نہایت کریہہ اور شنیع کلمہ ہے کہ اس کا سُننا بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔

اور یقیناً قرآنِ کریم کی عظمت و حرمت کی حفاظت زید و عمر راویوں کی عظمت و حرمت سے بدر جہا زائد و لازم ہے۔

اور ایسے کلماتِ شنیعہ کی حمایت کے لیے اگر روایاتِ موضوعہ ضعیفہ سے سہارا لیا جائے گا، تو زندقہ اور الحاد کا باب مفتوح ہو جائے گا، کیوں کہ زنادقہ وضّاعین و کذّابین نے بہت حدیثیں اور روایتیں وضع کی ہیں۔

نیز کفار، اہلِ اسلام کے مقابلہ میں اُن سے اِحتجاج کریں گے، اس لیے روایات میں تحقیقِ سند اور تنقیحِ رجال کو علمائے اُمت نے واجب فرمایا ہے: **انتھــــت الضمیمة**۔ (النور، ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ص: ۷)

(امداد الفتاویٰ، ج ۴ ص ۴۵۹ تا ۴۶۲، مسائلِ شتی، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع نہم: ماہِ صفر ۱۴۱۲ ہجری)

مذکورہ مضمون سے معلوم ہوا کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب سے بعض تسامحات کا بھی صدور ہوا ہے، جن پر اہلِ علم و اکابر حضرات نے تنبیہ و گرفت فرما کر اپنی علمی و دینی قیادت و سیادت کی ذمہ داری کو پورا کیا، اور گمراہی و ضلالت کے راستوں کا سدِ باب کیا۔

حضرت تھانوی کے مذکورہ فتویٰ کے ایک اقتباس کے ذیل میں مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب لکھتے ہیں:

بڑوں کی بات بڑے ہی سمجھیں، اس ناچیز کی سمجھ میں تو یہ بات اب آتی ہے (لفظ ''اب'' خیال میں رہے، یعنی 48 عیسوی میں، جب کہ یہ کتاب لکھی جارہی ہے، نہ کہ 37 عیسوی و38 عیسوی، جب کہ یہ بحث جاری تھی) اور ایک موٹی بات کی طرح بالکل صاف آتی ہے کہ مفسر فراہی کا مقصود لفظ ''غیر انسب'' کے لانے سے ہرگز ہرگز کسی قسم کا اعتراض یا قرآن مجید کی منقصت کسی درجے بھی نہ تھا، معاذ اللہ! جس کتابِ جلیل وعزیز کی خدمت کرنے اور جس کے اوپر اعتراضات دفع کرنے ہی میں ان کی عمر گزری تھی، اس پر وہ اعتراض کا خیال بھی دل میں لا سکتے تھے؟

ان کا مقصدِ تحریر صرف یہ تھا کہ جس طرح ہر لفظ بجائے خود ایک موزونیت ومناسبت رکھتا ہے، اور اس کا خیال رکھنا ادب وانشا میں ضروری ہے، اس طرح عربی فنِ بلاغت میں قافیہ یا سجع کی رعایت بھی بہت اہم ہے، چنانچہ قرآن مجید نے حسنِ انشا کے اسی مقتضا سے بعض جگہ سجع (قافیہ) کو لفظی موزونیت پر مقدم رکھا ہے، اور قصداً ایسے الفاظ لایا ہے، جو بجائے خود چاہے، زیادہ مناسب وموزوں نہ ہوتے، لیکن قاعدہ حسنِ سجع کو بہ ہر حال پورا کرنے والے تھے، اور یہ عربی انشا وادب کا عیب نہیں، عین ہنر ہے۔

لفظِ ''غیر انسب'' عاشقِ قرآن وعاشقِ اسلام مفسر مرحوم ٹھیک اسی مفہوم میں لائے تھے، اور وہ بھی اپنے نج کے مسودہ میں، طبع واشاعت کے لیے جب وہ اپنی یادداشت پر نظرِ ثانی کرتے، تو گمان کیا معنیٰ یقین ہے کہ اس لفظ ''غیر انسب'' کو بھی موہمِ نقص سمجھ کر ضرور بدل دیتے، شاگردوں نے عقیدت کے جوش وغلو میں

مسودہ کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھا۔(''حکیم الامت'' نقوش وتاثرات ،صفحہ۵۱۵، وصفحہ ۵۱۶،مقالہ نمبر۹۸۔سنہ 1936 عیسوی، ناشر:الفصیل ،غزنی سٹریٹ، لاہور، تاریخِ اشاعت: اگست 1992 عیسوی)

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے اپنے جذبات وتاثرات تو بیان فرمادیے، لیکن ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق دین کے وسیع وعمیق علم سے ہے، اور اس سلسلے میں اعتبار محقق اہلِ افتاء کی رائے کا ہی ہوتا ہے، ابتدا تو شاید غیر انسب سے ہوئی ہوگی، اور اس زمانے میں مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی بہت سی چیزیں طبع بھی نہیں ہوئی تھیں، جس زمانے میں مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی شان اور ان کے موقف پر مولانا عبدالماجد دریابادی اور سید سلیمان ندوی صاحبان نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

اور اب جب کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی متعدد مطبوعات شائع ہو چکی ہیں، اور معاملہ ''غیر انسب'' وغیرہ سے تجاوز کر کے ان کے شاگرد مولانا امین اصلاحی اور ان کی طرف اپنی نسبت کرنے والے موجودہ دور کے جاوید احمد غامدی نامی صاحب کے واضح ،متعدد غلط افکار تک پہنچ چکا ہے، خصوصاً مؤخر الذکر کا معاملہ تو حد سے بہت متجاوز ہو چکا ہے۔

ہماری رائے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس قسم کے خطرات کو قبل از وقت اپنی بصیرت سے بھانپ لیا تھا، اور اس قسم کے مفاسد کے سدِّ باب کا انتظام فرمایا تھا، جو اپنی جگہ نہایت انسب موقف تھا۔

مولانا عبدالحمید نعمانی صاحب کا حوالہ

مولانا عبدالحمید نعمانی صاحب (سابقہ جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے ہند) نے ایک مضمون ''فہمِ قرآن کے مختلف مناہج میں منہجِ اعتدال وصواب'' کے عنوان سے لکھا ہے، جس میں مولانا فراہی کے نہج کے ساتھ ساتھ دیگر مناہج پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان کا یہ مضمون مفید ہونے کی وجہ سے ذیل میں مکمل نقل کیا جا رہا ہے، لکھتے ہیں:

قرآنِ حکیم نے بار بار انسانی سماج کو غور وفکر کر کے حقائق کو سمجھنے کی دعوت دی ہے، اس کے دائرۂ فکر ونظر میں خود کو بھی رکھا ہے کہ تم اس کی آیات میں غور کیوں نہیں کرتے ہو؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ خالقِ قدیر کی رضا اور ناراضی کو جاننے کا قرآن مجید سے زیادہ مستند اور معتبر ذریعہ، اس دھرتی پر کوئی اور نہیں ہے، اس لیے امتِ مسلمہ نے اس کے افہام وتفہیم کے لیے درجنوں علوم وفنون کی ترتیب وتدوین کی ہے۔

قرآن کا ترجمہ وتفسیر بھی اسی کے زمرے میں ہیں، قرآن یقیناً عربی مبین کی زبان میں نازل ہوا ہے، تاہم وہ پوری دنیا کے انسانی سماج کے لیے، اللہ ربُّ العزت کی طرف سے پیغام اور ہدایت نامہ ہے۔

اس کے پیغام وہدایت سے روشنی حاصل کرنے اور پیغام کو سمجھ کر اس پر عمل کے لیے لازماً اس کی ضرورت ہے کہ اس کی اپنی زبان میں اپنی تہہ تک پہنچا جائے، اور یہ اس کے مقاصد واغراض اور منشا کو سمجھے بغیر نہیں ہوسکتا۔

اس کے مدِ نظر اہلِ علم وفہم نے قرآنی حقائق ومعانی کو کھولنے کے لیے، مختلف جہات سے قرآن کے تراجم وتفاسیر تحریر کی ہیں، یہ کوششیں بھی قرآن کے معانی ومطالب تک پہنچنے، پہنچانے کے عمل کے ذیل میں آتی ہیں۔

ہاں اس سلسلے میں ضرور کہا جاسکتا ہے کہ مختلف زبانوں کے تمام تراجم وتفاسیر کو ایک زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔

آج جب ایسے تراجم وتفاسیر دستیاب ہیں، جن کے مطالعے سے ظاہر وثابت ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ وتفسیر اپنے مخصوص عقائد وافکار کے اثبات واظہار کے لیے کیا گیا ہے، مختلف اغراض ومقاصد کے تحت پہلے اپنے مخصوص عقائد ونظریات وضع کیے گئے اور بعد میں قرآنی آیات اور ان کے معانی ومفاہیم کو اپنے طور سے متعین

کر کے ان پر منطبق کر دیا گیا ہے۔ [1]

اس سلسلے میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے فکر وعمل اور زمانے وحالات کو پوری طرح نظر انداز کر دیا گیا۔

تمام تر انحرافات وتحریفات کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ [2]

قرآن کے ترجمہ وتفسیر میں قدیم جاہلی ادب سے بھی بڑی مدد ملتی ہے، اس کے مطالعے سے فہم قرآن کی راہ بھی بہت حد تک آسان ہو جاتی ہے۔

اس پر ہندوستان میں مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے سلسلے میں ترجمہ وتفسیر نگار حضرات نے خاص طور سے توجہ دی ہے، انھوں نے نظمِ قرآن پر خصوصی توجہ کے پیشِ نظر آیاتِ قرآنی سے آیات کی تفسیر میں جاہلی دور کے ادب سے خاص طور سے استفادہ کیا ہے۔

تاہم بہت سے مقامات پر روایات اور ان پر مبنی متقدمین اہلِ علم کی تفاسیر پر مطلوبہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے بات پوری طرح واضح نہ ہو سکی ہے، اور فہمِ مسائل میں دقتوں کے ساتھ کئی طرح کے سوالات اور اشکالات دور نہیں ہو پائے ہیں۔

مثال کے طور پر سورہ نور، سورہ فیل اور سورہ لہب سورہ عبس وغیرہ کے ترجمہ وتفسیر کے ذیل میں بحث کو دیکھا جا سکتا ہے۔ [3]

ایک ہے فہمِ قرآن کے لیے احادیث، قوموں کے ثابت شدہ اور متفقہ واقعات، گزشتہ انبیاء کے صحیفے، آثارِ صحابہ وتابعین سے انسانی یعنی ہماری ضرورت و

---

[1] یہ انتہائی افسوس ناک روش ہے، جو موجودہ دور میں کثرت سے دیکھنے میں آرہی ہے کہ ہر قسم کے باطل وفاسد اور غلط افکار کو قرآن مجید کے مبارک نام سے اور نسبت سے پیش کیا جانے لگا ہے، جب کہ قرآن مجید خود اس قسم کے افکار وخیالات کی تردید کرتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنت اور صحابۂ کرام اور ان کے متبعین سلفِ صالحین کے طریقے کو نظر انداز کر کے قرآن فہمی کی کوشش کی جاتی ہے، جو کہ غلط طرزِ عمل وفکر ہے۔ محمد رضوان۔

[3] اور مزید چند مناظر آگے مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب کے حوالے سے آتے ہیں۔ محمد رضوان۔

احتیاج کے تحت مدد لینا، اور دوسری بذاتِ خود قرآن کا ان کا محتاج ہونا۔
ظاہر ہے کہ دونوں میں تعبیر کے لحاظ سے فرق ہے، قرآن کی بہت سی ایسی آیات ہیں، جن کی تفہیم وتفسیر میں مذکورہ ماخذ کی ہمیں ضرورت ہے، ان کے بغیر ان کے مقصد و مراد تک رسائی مشکل اور افہام وتفہیم دشوار تر ہو جاتی ہے۔
مولانا حمید الدین فراہی کا ہمارے دل میں بہت احترام ہے، تاہم انھوں نے اور ان کے پیروکاروں نے ،جس انداز و اسلوب میں مذکورہ ماخذ کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے، اس سے ان کی مطلوبہ اہمیت وحیثیت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ [1]
اسے سمجھنے، جاننے کے لیے، مولانا فراہی کی مختلف سورتوں اور آیات کی تفسیر ''نظام القرآن'' اور دیگر چھوٹے بڑے کتب و رسائل۔
اور ان کے تلمیذِ رشید مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ وتفسیر ''تدبر قرآن''۔
اور مولانا اصلاحی کے شاگرد، جناب جاوید احمد غامدی کے اپنے ترجمہ وتفسیر قرآن ''البیان'' اور بنیادی کتاب، میزان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ [2]
مولانا فراہی نے ''نظام القرآن'' کے مقدمے میں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:
(۱) احادیث و روایات کے ذخیرے سے صرف وہ چیزیں لینی چاہییں، جو نظمِ قرآن کی تایید کریں، نہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیں۔
(۲) سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے، جو ایسی روایتیں تک قبول کر لیتے ہیں، جو نصوصِ قرآن کی تکذیب کرتی ہیں ،مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

---

[1] اسی کے نتیجے میں آج بات مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے تلمیذِ رشید، مولانا امین احسن اصلاحی اور پھر ان کی نسبت سے جاوید احمد غامدی تک متجاوز ہو کر، کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہے۔
ظاہر ہے کہ ایک بنیادی بے اعتدالی، کئی قسم کی بے اعتدالیوں اور مفاسد کا ذریعہ بنتی ہے۔ محمد رضوان۔
[2] بعض حضرات نے جاوید احمد غامدی صاحب کے، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا شاگرد ہونے کی تردید کی ہے۔ محمد رضوان۔

جھوٹ بولنے کی روایت، یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافِ وحی، قرآن پڑھ دینے کی روایت، اس طرح کی روایت کے بارے میں ہم کو نہایت محتاط ہو نا چاہیے۔

(۳) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن اپنی تفسیر کے لیے ان فروع (احادیث، قوموں کی ثابت شدہ متفقہ واقعات وغیرہ) کا محتاج نہیں ہے، وہ تمام کتابوں کے لیے خود مرکز و مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اور جہاں کہیں اختلاف واقع ہو، تو اس کی روشنی جھگڑے کو مٹا دینے والی بنے گی، لیکن قرآن مجید کی تصدیق و تایید کی ضرورت ہو، تو ان فروع کی مراجعت سے تمھارے ایمان و اطمینان میں اضافہ ہوگا۔

(۴) میرے نزدیک سب سے بے خطر راہ یہ ہے کہ استنباط کی باگ قرآن مجید کے ہاتھ میں دے دی جائے، اس کا نظم وسباق جس طرف اشارہ کرے، اس طرف چلنا چاہیے۔

(یہ اقتباسات نظام القرآن کے مقدمہ ص ۳۸ سے ۴۰ تک سے لیے گئے ہیں، البتہ پانچواں اقتباس کتاب کے صفحہ ۴۵۱ سے لیا گیا ہے)

مذکورہ اقتباسات سے یہ ثابت اور ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کے نزدیک مرجع کی حیثیت، صرف قرآن کو حاصل ہے اور روایات کو تفسیرِ آیات میں بنیاد کی حیثیت نہیں، بلکہ تایید و تصدیق کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔ [1]

لیکن اس سے یہاں یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ وہ روایات سے استفادے کے قائل نہیں ہیں۔

لیکن یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہے کہ مولانا فراہی نے روایات اور آثار واحادیث کو عام

---

[1] اس کی مزید تفصیل آگے مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب کے حوالے سے آتی ہے۔ محمد رضوان۔

اہلِ علم وفکر کی طرح ہی مطلوبہ درجہ وحیثیت دی ہے۔ [1]

یہ لکھنا اس لیے بھی ضروری لگتا ہے کہ کچھ لوگ محض کچھ باتوں اور اختلافات کی وجہ سے مولانا فراہی اور ان کے تلمیذِ عظیم مولانا امین احسن اصلاحی کو روایات و احادیث کے منکرین کی فہرست میں ڈالنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ منکرینِ حدیث وسنت بھی، ان کی کچھ باتوں کو سیاق وسباق سے الگ کر کے، اپنے موقف کو تقویت دینا چاہتے ہیں۔ [2]

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا فراہی جن کی تفسیرِ قرآن مکمل نہیں ہے، اور مولانا امین احسن اصلاحی جن کی مکمل تفسیر قرآن تدبر قرآن کی شکل میں ہے، روایات وآثار واحادیث سے عموماً مدد نہیں لیتے ہیں۔

بیش تر مقامات پر آیات کی تفسیر دیگر آیات، سیاق وسباق نظم اور جاہلی ادب کے مدنظر ہی کرتے ہیں۔ [3]

مولانا اصلاحی کی نو جلدوں پر مشتمل تفسیر 'تدبر قرآن' میں پچاس ساٹھ سے زیادہ احادیث وروایات نہیں ہوں گی۔

واضح رہے کہ مولانا فراہی تفسیری روایات میں احادیث وآثار صحابہ وتابعین دونوں کو شامل کرتے ہیں اور عموماً دونوں کو ایک زمرے میں رکھتے ہیں۔

وہ احادیث وروایت اور اقوام کی متفقہ روایات، حضرات انبیائے سابقین کے محفوظ صحائف کو ایک درجے میں رکھتے ہیں اور ان کو وہ فرع قرار دیتے ہیں۔ [4]

---

[1] یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی فہم کی بنیاد پر، بہت سی احادیثِ صحیح کو قرآن کے متعارض سمجھ کر نظر انداز کرنے کی سعی کی، اور اس سلسلے میں غیر معتدل تاویلات کے راستے کو اختیار کیا۔ محمد رضوان۔

[2] ظاہر ہے کہ جب کسی کی طرف سے کوئی بے اعتدالی سامنے آتی ہے، تو وہ باطلین کے لیے تقویت وتائید کا ذریعہ بنتی ہے۔ محمد رضوان۔

[3] جس کی تفصیل کے لیے مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب کی تالیف "نقدِ فراہی" کو ملاحظہ کرنا مفید ہوگا۔ محمد رضوان۔

[4] جب کہ یہ نقطۂ نظر انصاف پر مبنی نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ کو جو مقام حاصل ہے، وہ مذکورہ باقی چیزوں کو حاصل نہیں، ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے۔ محمد رضوان۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا فراہی عموماً احادیث کے لیے روایات اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کے اقوال و آرا کے لیے احادیث کا استعمال کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی نے جو وضاحت کی ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے، چاہے وہ روایات و آثار کو ایک مخصوص طرز سے پیش کرتے ہیں، لیکن ان کو کلیتاً مسترد نہیں کر سکتے ہیں، ان کو یہ معلوم ہے اور ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ فہمِ قرآن میں روایات و آثار بھی ممد و معاون ہیں، چناں چہ مقدمہ نظام القرآن ص ۳۵ پر یہ لکھتے ہیں:

''پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے وہ خود قرآن ہے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم، مجھے سب سے پسند وہی تفسیر ہے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو۔''

اصولی طور پر مولانا فراہی کے اس اقتباس میں وہ بنیاد تفسیر تسلیم کرتے ہیں، جسے عام طور سے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

''اصولی'' کا لفظ ہم نے عمداً اس طرف متوجہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے کہ عملی طور پر کئی سارے مقامات پر انھوں نے اصولی دعوے کے برعکس باتیں لکھی ہیں، اس کی مثال دوسرے نمبر کا اقتباس ہے، اس میں جس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ بخاری شریف میں موجود ہے، اس سلسلے میں مولانا فراہی تنہا نہیں ہیں، اس پر شبہات و اعتراضات امام رازی، مولانا مودودی اور حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہم کے یہاں بھی ملتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے تناظر میں تفسیرِ کبیر، تفہیم القرآن اور قصص القرآن میں دیکھا جا سکتا ہے، روایت کے تعلق سے شروح حدیث میں لفظ

کذب کی توریہ سے تعبیر وتشریح کی گئی ہے۔

متکلم اور مخاطب میں لفظ کے قریب و بعید میں الگ الگ معنیٰ ہوتے ہیں، فراہی مکتب فکر کے حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ فہمِ قرآن کے مختلف مناہج میں سے ایک منہج قرآن کے تعلق سے سامنے آجائے کہ اس کا ایک طریقہ ومنہج یہ بھی ہے۔[1]

گزشتہ کئی صدیوں سے اب تک فہمِ قرآن کے کئی مناہج تحریری شکل میں سامنے آئے ہیں، ان میں انتخاب ایک بڑا مسئلہ ہے۔

اگر صاحب علم وفکر، اساتذہ سے باقاعدہ علمی استفادہ کیے بغیر، اپنے طور سے فہمِ قرآن خصوصاً شرعی احکام اور مسائل بتانے اور ان کی تشریحات وتعبیرات اختیار کی جائیں، تو بسا اوقات آدمی، انحرافات اور کج فہمیوں کا شکار ہو کر خود بھی گمراہ ہوتا ہے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کر ڈالتا ہے۔

اس کے بہت سے حوالے اور نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں، اور سماج میں آج بھی اس کے چلتے پھرتے نمونے مل جاتے ہیں۔

اس تناظر میں سرسید احمد خان، عبداللہ چکڑالوی، حافظ اسلم جیراج پوری، ان کے شاگرد غلام احمد پرویز، میاں عبدالصمد بدایونی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، پروفیسر محمد اجمل خان، خواجہ عباداللہ اختر، الطاف جاوید، جاوید احمد غامدی وغیرہم کی بہت سی قرآنی آیات وتفاسیر میں مختلف قسم کے انحرافات اور معنوی تحریفات کے نمونے مل جائیں گے۔

اگرچہ جاوید احمد غامدی کو غلام احمد پرویز کے زمرے میں رکھنا زیادہ صحیح نہیں ہوگا، وہ زیادہ تر مسائل ونظریات میں فراہی مکتب فکر سے قریب نظر آتے ہیں۔

---

[1] جس میں جو بے اعتدالیاں محسوس کی گئیں، ان کی طرف درج بالا مضمون میں اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔
مزید تفصیل دیگر اہلِ علم حضرات، مثلاً مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب کے مضمون ''نقدِ فراہی'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ محمد رضوان۔

جناب غامدی صاحب نے اپنے ترجمہ وتفسیر ''البیان'' میں زیادہ تر استفادہ مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ وتفسیر تدبر قرآن سے کیا ہے۔

اس کے علاوہ جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ نے غلام احمد پرویز کے تفسیری موقف ونہج پر تنقید کرتے ہوئے بہت سی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔

مگر فہمِ قرآن کے اساس اور طریق کے سلسلے میں احادیث وآثار کے اس طور کا اعتنا ولحاظ نہیں پایا جاتا ہے، جس کے نمونے ہمیں تفسیر طبری سے لے کر معارف القرآن وغیرہ میں ملتے ہیں۔ [1]

گزشتہ کچھ برسوں سے جدید تعلیم یافتہ افراد کی ایک بڑی تعداد مولانا وحید الدین خاں کے ترجمہ وتفسیر ''تذکیر القرآن'' اور غامدی کی دیگر تحریروں، میزان، برہان کے ساتھ ترجمہ وتفسیر البیان کی طرف خاص توجہ دے رہی ہے، تاہم ان کی تفسیر میں بہت سے مقامات پر مطلوبہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں، خصوصاً احکام سے متعلق۔

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک، قرآنِ حکیم، کتابِ معرفت ہے، نہ کہ کتابُ الاحکام، جب کہ سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں معرفت کے ساتھ مختلف امور کے سلسلے میں احکام بھی پائے جاتے ہیں۔

ہمارے کئی ذی احترام اہل علم کی احکام القرآن کے نام سے مفصل ومختصر کتابیں موجود ودستیاب ہیں۔ [2]

مذکورہ طبقے کی ایک تعداد مولانا آزاد کے ترجمہ وتفسیر، ترجمان القرآن کے مطالعے میں دل چسپی رکھتی ہے، اگر چہ اس میں بھی سورہ فاتحہ کے سوا دیگر سورتوں کی بہت

---

[1] اور احادیث وآثار کا کماحقہٗ لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے مندرجہ بالا افراد کے کام میں جگہ جگہ بے اعتدالیاں محسوس ہوئی ہیں۔محمد رضوان۔

[2] قرآن مجید، جس طرح کتابِ معرفتِ الٰہی کی بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اسی طرح کتاب الاحکام کے اعتبار سے بھی اصلِ اصول شمار ہوتی ہے، ان اہم پہلوؤں سے بے اعتنائی کیوں کر درست ہوسکتی ہے۔محمد رضوان۔

جگہوں پر تفصیلات نہیں ملتیں۔

تاہم عموماً ایک مخصوص اسلوب و انداز سے آیات قرآن کے افہام و تفہیم کی سعی کی گئی ہے۔ [1]

یہ اور بات ہے کہ فقہی مسائل و احکام پر اس طور سے توجہ نہیں دی گئی ہے، جس کے نمونے حضرت تھانوی کی بیان القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تفسیر معارف القرآن، مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی اور مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کی تفسیر معالم العرفان، حتیٰ کہ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا غلام رسول سعیدی کی ''تبیانُ القرآن'' وغیرہ میں ملتے ہیں۔

ویسے بھی مولانا وحیدالدین خاں اور غامدی صاحب کا جو اسلوب تحریر اور نہج ہے اس میں قرآن حکیم کی متعلقہ آیات کے فقہی احکام و مسائل کے بیان کے لیے زیادہ گنجایش نہیں ہوسکتی ہے، تاہم یہ بھی فہم قرآن کا ایک منہج ہے۔ [2]

روایات و آثار کو مطلوبہ اور بقدرِ ضرورت بھی جگہ نہ دینے کا ایک بڑا سبب غالباً ایک خاص طبقے، جس میں شیعہ و سنی دونوں شامل ہیں، کا قرآنی آیات کے افہام و تفہیم میں انتہائی ضعیف، بلکہ بہت سی بے اصل و موضوع روایات و آثار کثرت سے حوالہ دینا بھی ہے، فضائل اور ترغیب و ترہیب کے لیے ضعیف روایات پیش کرنا بالکل الگ معاملہ ہے، لیکن اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اصل اور موضوع کی حد تک اسرائیلی اور دیگر روایات و آثار پیش کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں

---

[1] تاہم اس تفسیر میں بھی کئی متنازع امور پائے جاتے ہیں، جس پر مختلف اہلِ علم حضرات نے روشنی ڈالی ہے، جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، ہم نے اس کی کچھ تفصیل ''مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار'' نامی کتاب کے دوسرے حصہ میں ذکر کر دی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] لیکن منہج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس منہج پر جس جس نے کام کیا، وہ معتبر ہے۔ محمد رضوان۔

آتا، یہ دیکھے بغیر کہ آیات کا سیاق وسباق کیا ہے اور پیش کردہ روایات وآثار سے آیات کے بیان کردہ مفہوم ومعنی کی تائید ہو رہی ہے کہ نہیں؟

مذکورہ حضرات میں سے محمد اجمل خاں، الطاف جاوید جیسے حضرات کا بھی ایک طبقہ ہے، جس کا کہنا، بلکہ دعویٰ ہے کہ فہمِ قرآن کے لیے ترتیبِ نزولی کا اعتبار ولحاظ ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن کی بنیادی تعلیمات اور نصب العین تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے، اس لیے ترتیب نزولی اور طبقاتی نقطہ نظر ہی درست ذریعہ ہے، اور صرف یہی ذریعہ عہد حاضر میں تفہیمِ قرآن کے لیے ایک ضروری منہاج کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس طبقے کے اہم نمایندے الطاف جاوید کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ اس کے سوا دوسرے نقطہ ہائے نظر سے آج تک قرآن سمجھا نہیں جاسکا، اور اسی سبب سے کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکا، محض ظواہر اور قرآنی سزاؤں کی اساس پر نہ کوئی تبدیلی آسکتی ہے، اور نہ ہی آیندہ آنے کی امید ہے، ہر کوشش آج تک ناکام رہی ہے، اس کی تفصیل الطاف جاوید کی کتاب انقلابِ مکہ اور فہمِ قرآن کے جدید منہاج میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بدلتے حالات اور زمانے کے اثرات تو ہوتے ہیں، قرآن کی بنیادی اصطلاحات میں سے کچھ کے متعلق ترجیحات میں تھوڑا فرق پیدا ہوسکتا ہے، لیکن ان کے تعلق سے یہ کہنا کہ امت کے سارے اہلِ علم وفکر کی آنکھوں سے معانی ومفاہیم اوجھل ہوگئے تھے، اور مجہول کیفیت پیدا ہوگئی تھی، جیسا کہ مولانا آزاد نے ترجمان القرآن کے مقدمے اور مولانا مودودی نے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات اور الطاف جاوید نے مذکورہ کتاب میں لکھا ہے۔

فہمِ قرآن کے تعلق سے یہ راست رویہ نہیں ہوسکتا۔

قدیم مسائل کی تفہیم کے لیے جدید طرزِ استدلال بالکل الگ بات ہے، لیکن قرآن کی آیات اوران کی بنیادی تعلیمات اور نصب العین تک اتنے طویل عرصے تک نارسائی اور عدم فہم کی بات قطعی ناقابل قبول ہے۔

یہ خیال قرآن حکیم کی اثر انگیزی اور ہر زمانے میں ہدایت نامہ ہونے کے تصور اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل حق ہونے اور تحریفات کو دور کرنے والے طبقے کی موجودگی کی پیش گوئی کے بھی منافی ہے۔

موجودہ قرآن عہد رسالت اور زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مرتب ہوا تھا، اور یہ ترتیب وتدوین توقیفی ہے، اس کو کلی طور سے مسترد کر کے نزولی ترتیب اور طبقاتی نقطۂ نظر پر فہمِ قرآن کو موقوف ومنحصر کر دینا، بذاتِ خود ایک صحیح منہاجِ فہمِ قرآن سے منحرف رویہ ہے اور روایات وآثار، امت کے عملِ توارث اور اہل علم وفکر کی کاوشوں کی تحقیر وتخفیف اور اپنے آپ میں گمراہی اور منزل سے دور کرنے والی روش ہے۔

فہمِ قرآن کے سلسلے میں غلام احمد پرویز جیسے برخود غلط سے استفادہ اور حوالہ دینے کو فہمِ قرآن کے جدید منہاج کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ مولانا آزاد کے سیکریٹری پروفیسر محمد اجمل خاں نے، مولانا عبید اللہ سندھی کی ترغیب پر قرآن کریم کی ترتیب نزولی تحقیق کی تھی۔

ترتیبِ نزولی کا علم اور اس پر فہمِ قرآن کو موقوف قرار دینا دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔

ہمیں نہیں لگتا کہ مولانا سندھی نے فہمِ قرآن کے لیے ترتیبِ نزولی کی تحقیق کے لیے کہا ہوگا، ان کے دروس اور قرآن کے انقلابی نظریات کے تعلق سے کئی حوالے اور بیانات موجود ہیں۔

---

[1] اس لیے مذکورہ حضرات کے کاموں کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ محمد رضوان۔

علامہ سندھی کچھ امور کے سلسلے میں اپنا جدا انقلابی نظریہ رکھتے تھے، اور عام ڈگر اور روش سے الگ چلتے تھے۔ [1]

لیکن وہ ترتیب نزولی پر فہم قرآن کو موقوف سمجھیں، یہ نا قابلِ فہم اور تفصیل طلب موضوع بحث ہے، جس کی یہاں سر دست گنجایش نہیں ہے۔

ہمیں سر دست ماضی سے حال تک فہمِ قرآن کے مختلف منہاج کا ذکر کرتے ہوئے اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ فہمِ قرآن کا وہی منہاج صحیح ہے، جو جمہور امت اور اس کے اہلِ علم وفکر، اسلاف واکابر کا ہے۔ [2]

اور جس کے مطابق ہمارے دوست اور درسی ساتھی مفسرِ قرآن مولانا آزاد انیس بلگرامی قاسمی زید علمہٗ نے قرآن کا ترجمہ وتفسیر کیا ہے۔ [3]

بہت سے لوگ قابل اور ذہین ہوتے ہیں، لیکن ذہانت اور قابلیت، صحت فکر ونظر کے لازماً ہم معنیٰ نہیں ہے، ایسے افراد عموماً اپنے وقت کے غالب نظریہ اور عصری استدلال کے طرز وطریقہ سے متاثر ہو کر بسا اوقات کئی بنیادی امور اور حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

جناب پروفیسر محمد اجمل خاں بھی، رابندر ناتھ ٹھاکر کی قائم کردہ یونیورسٹی شانتی نکیتن میں، موجود قرآن کی ترتیبِ نزولی پر کام کرنے والے مستشرقین سے متاثر ہو گئے تھے۔

---

[1] جس کی تفصیل اہلِ علم حضرات نے اپنے اپنے مضامین میں بیان کی ہے۔
مولانا سندھی صاحب کے افکارِ غیر معتدلہ پر نقد ونظر ہم نے اپنی کتاب ''مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ'' کے دونوں حصوں میں ذکر کر دی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] جن حضرات وافراد نے اس صحیح منہاج سے انحراف کیا، تو حسبِ انحراف دانستہ یا غیر دانستہ طریقہ پر مختلف قسم کی بے اعتدالیوں کا شکار ہوئے۔ محمد رضوان۔

[3] اس وقت مولانا انیس احمد آزاد بلگرامی نقشبندی کا شمار ہندوستان کے مشہور عالمِ دین حضرات میں ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

اورکئی مغربی ویورپی دانش وروں نے ہی مطالعہ قرآن کے دوران ترتیب نزولی کو معلوم کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔

اس پر فہم قرآن کو منحصر اور مبنی قرار دینا، غیر ضروری عمل اور موجودہ مصحف کی ترتیب کے متعلق مختلف قسم کے شکوک کو راہ دے کر فہمِ قرآن کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا عمل ہے۔

علامہ شوکانی نے (**فتح القدیر ،الجامع فی الروایۃ و الدرایۃ من علم التفسیر، مطبوعۃ: مصطفی البابی الجلبی مصر ۱۹۶۴ء ،جلد اول**) وغیرہ میں اگر چہ نظمِ قرآن کے نظریہ کی سخت مخالفت کی ہے، تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ موجودہ ترتیبِ مصحف، ترتیبِ نزولی کے مطابق نہ ہونا ہی، اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید سے استفادہ اور فہمِ قرآن اس پر موقوف نہیں ہے۔

یہ موجودہ ترتیب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی وحیِ الٰہی کی روشنی میں خاص مقاصد کے تحت آیات کو خاص خاص مواقع پر رکھا ہے۔

سورتوں کی حد بندی اور ترتیب بھی ہدایتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل میں آئی ہے۔

اس لیے ترتیبِ مصحف کے سلسلے میں نظم وترتیب سے انکار کرنا بھی راست رویہ نہیں ہے۔

اس کے ساتھ روایات وآثار کو خصوصاً جو صحیح سند سے مروی ہوں، نظر انداز کرنا، ان کے متعلق بے توجہی و بے اعتنائی کی روش، یقینی طور سے فہمِ قرآن میں رکاوٹیں اور دقتیں پیدا کرتی ہیں۔ [1]

---

[1] بلکہ کئی قسم کے مفاسد کا ذریعہ بنتی ہیں۔ محمد رضوان۔

خاص طور سے اجماع اور جمہور کی تحقیق وتفسیر کے خلاف آیات قرآنی کی تفسیر و توضیح اور تاویل بعید، ذمہ دارانہ عمل نہیں ہے، اس سے جہاں سلف کے متعلق بے اعتمادی، جو گمراہی اور انحراف کی پہلی بنیاد ہے، پھیلتی ہے اور دین وشریعت کے متعلق مطلوبہ ضروری اہلیت نہ ہونے کے باوجود بہت سے لوگوں کو بے جا جسارت وجرأت کی راہ ملتی ہے۔

اس کی مثال سرسید کی تفسیر اور اس سے متاثر افراد میں ملتی ہے۔

کہیں کہیں علامہ سید رشید رضا مصری کی تفسیر المنار اور دیگر تفاسیر میں ایسی باتیں ملتی ہیں کہ بخاری ومسلم کی روایات کو بھی نظر انداز کر کے خاص طرح کی عقلی توضیح و تفسیر پیش کی گئی ہے۔

اگر حضراتِ انبیاء علیہم السلام عموماً اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و کردار کے متعلق، کسی روایت سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، تو اس کے راوی کی غلطی کے امکان کے تناظر میں مناسب تاویل وتوضیح الگ بات ہے، لیکن اس طور سے صحیح سند سے مروی روایات وآثار کی تردید وتکذیب، غلط ہے کہ ان کے متعلق تشکیک وتحقیر کی فضا قائم ہو جائے۔

یہ فہمِ قرآن کے تعلق سے وہ پہلو ہے، جو عقل وذہانت کے راستے سامنے آتا رہا ہے۔[1]

اس کے برعکس فہم قرآن کے سلسلے میں ایک دوسرا پہلو ہے، جو نافہمی اور بے شعوری کی بنیاد پر سامنے آتا رہتا ہے، وہ یہ کہ قرآن اور اس کے احکام ومسائل کے فہم کے لیے ضروری دینی وفنی علوم کے حصول کی ضرورت ہے، نہ کہ کسی عالم یا مفتی اور فقیہ

---

[1] اور اس قسم کی عقل وذہانت، جو کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کو نظر انداز کر کے ہو، رفتہ رفتہ انسان کو الحاد ودہریت تک پہنچا دیتی ہے۔ محمد رضوان۔

کی، کیونکہ وہ آسان ہے، ہر آدمی اپنے طور پر اسے نہ صرف یہ کہ خود سمجھے، بلکہ دوسروں کو بھی سمجھائے، قرآن میں صاف طور سے کہا گیا ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (سورۃ القمر)

اور تحقیق ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے، نصیحت (اور حفظ) کے لیے، تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

اس کا مطلب اور مقصود یہ نہیں ہے کہ قرآن اور اس کے احکام و مسائل کے فہم کے لیے معتبر، مستند استاذ اور فنی و ضروری علم کی ضرورت نہیں ہے، اور ہر آدمی اپنے طور پر قرآن کو سمجھے اور سمجھائے، بلکہ مطلب و مقصود یہ ہے کہ اس پر کسی خاص برادری یا قبیلے کی اجارہ داری نہیں ہے، بلکہ اس کے فہم و استفادہ کے لیے راہ کھلی ہوئی ہے، قرآن کے افہام و تفہیم کے فطری طریقوں کو اختیار کر کے، استفادہ و عمل کرے۔[1]

دوسرے یہ کہ قرآن میں قیامت، آنے والے دن، آخرت، سابقہ اقوام کے حالات واقعات، انجام، ترغیب و ترہیب وغیرہ کے متعلق جو باتیں ہیں، وہ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ مخلص اور صاف دل والے کے لیے سمجھنا آسان ہے۔

''للذکر'' کی ایک تفسیر حفظ کے لیے بھی قرآن کو آسان کر دیا ہے، اسے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور دیگر مفسرین نے بھی اختیار کیا ہے۔

اس پر پورے مسئلے پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے غلط طور سے اعتراض کیا ہے، کیوں کہ اس دوسری تفسیر کی آیت میں پوری گنجایش ہے۔

اگر قرآن پڑھ کر اس کی بعض امور و احکام، حسن و قبح سمجھ لینے کی بات ہو، تو اس میں زیادہ اختلاف کی گنجایش نہیں ہے، لیکن فہمِ قرآن سے غرض و مقصد اور ہے۔

---

[1] اس پہلو کے نظر انداز کر دینے کی وجہ سے آج سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے ٹھوکریں کھائیں، اور آج بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ محمد رضوان۔

اس کے کئی درجات ہیں، مثلاً یہ مجتہدانہ طور سے احکام کا استنباط کرے، جیسا کہ ہمارے فقہاء اور مجتہدین نے کیا ہے۔

قرآن کی آیت کا صحیح و واقعی مفہوم و مطلب متعین کیا جا سکے، اس کے مدلولات کو جان سکے، وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ نصیحت اور حفظ سے بہت حد تک جدا معاملہ ہے۔ [1]

علمی دھماکے کے عہدِ جدید میں قرآن کی طرف رجوع کا رجحان یقیناً بڑھ رہا ہے، اس کے تحت فہمِ قرآن کے مختلف منہاج سامنے آرہے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ فہمِ قرآن کے ہر منہج کو اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے، احتیاط و ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ معروف و معتبر سلسلہ علم و فکر کے تحت فہم قرآن کے منہاج کو اختیار کیا جائے۔ [2]

---

[1] چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور کرے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ قرآن میں تدبر کرنا صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے لیے ہے، صحیح نہیں ہے، البتہ تدبر اور تفکر کے درجات علم و فہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے۔ ائمہ مجتہدین کا تفکر ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل نکالے گا، عام علماء کا تفکر ان مسائل کے سمجھنے تک پہنچے گا، عوام اگر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں، تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور آخرت کی فکر پیدا ہوگی، جو کلید کامیابی ہے، البتہ عوام کے لیے غلط فہمی اور مغالطوں سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھیں، یہ نہ ہو سکے تو کوئی مستند و معتبر تفسیر کا مطالعہ کریں، اور جہاں کہیں شبہ پیش آئے، تو اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں بلکہ ماہر علماء سے رجوع کریں۔ (معارف القرآن، ۲، ص ۴۸۸، سورہ نساء)

[2] افسوس کہ واقعتاً آج فہمِ قرآن کے سلسلے میں مختلف غیر معتدل مناہج تو درکنار، اس سے بڑھ کر اپنے ذہنی اختراعی مناہج کو ہوا دی جا رہی ہے، اور قرآن کے نام پر کئی قسم کی گمراہیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔

بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہت سے باطل پرست اپنے باطل و فاسد افکار و خیالات کے لیے قرآنِ مجید کے مبارک نام کا سہارا پکڑ کر گمراہیاں پھیلا رہے ہیں، اور ''یضل بہ کثیرا'' کا مصداق بن رہے ہیں۔

قرآنِ مجید سے اپنی اصلاح کرنے اور اپنے آپ کو بدلنے کے بجائے، نعوذ باللہ قرآن مجید کی اصلاح کرنے اور اس کو بدلنے کے ناپاک عزائم اور بے جا کوششوں میں مصروف ہیں۔ ع

خود بدلتے نہیں، بدل دیتے ہیں قرآں کو۔

محمد رضوان۔

اسی زمرے میں الخیر فاؤنڈیشن کی طرف سے پیش کردہ ترجمہ وتفسیر ''اظہار القرآن'' بھی آتا ہے، جس میں مستند ومعتبر تراجم وتفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے فہم قرآن کی آسان اور سیدھی راہ دکھائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سے استفادے اور افادے کو عام وتام فرمائے۔

(ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' نئی دہلی، صفحہ نمبر ۸، ۲۴ تا ۳۰ مارچ ۲۰۱۷ء ۲۴ جمادی الثانی تا یکم رجب ۱۴۳۸ ہجری، جلد ۳۰ شمارہ نمبر ۱۲، بعنوان ''فہمِ قرآن کے مختلف مناہج میں منہجِ اعتدال وصواب'' تحریر مولانا عبد الحمید نعمانی)

مولانا موصوف نے اپنے مذکورہ مضمون میں نہایت اختصار اور خوب صورتی کے ساتھ قرآن فہمی کے مختلف مناہج کی صحت وسقم اور اس سلسلے میں صحیح منہج کو واضح فرمادیا، جس پر وہ مبارک باد اور تحسین کے مستحق ہیں۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔**

ہم مولانا فراہی کی اس روش سے اتفاق نہیں کرتے، جو انھوں نے احادیث کے ساتھ اختیار کی ہے۔ اور ہم ہر حدیث کو اس کے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے اس کے درجے پر رکھنے اور اس سے درجہ بدرجہ استفادہ کرنے کے قائل ہیں، کیوں کہ قرآن مجید کے بیش تر حصہ کی توضیح وتشریح اور اس پر عمل درآمد احادیث وسنت کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور اہلِ علم حضرات نے اپنے اپنے طور پر اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

''نقدِ فراہی'' کا حوالہ

مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی بعض فروگزاشتوں پر مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب نے بھی تبصرہ کیا ہے، جو ''نقدِ فراہی'' کے نام سے مستقل کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب کی کتاب ''نقدِ فراہی'' پر ماہنامہ ''الحق'' میں درجِ ذیل تبصرہ شائع ہوا:

کتاب: نقدفراہی، مصنف: مولانا محمد رضی الاسلام ندوی ضخامت: ۲۱۲صفحات قیمت:۱۰۰ روپے، ناشر: مکتبہ اسلام، نشیمن مارکیٹ میڈیکل کالج روڈ علی گڑھ (انڈیا)

مشہور مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی کے نام سے قرآن کی تفسیر کے حوالے سے علمی دنیا واقف ہے، آپ نے اپنی زندگی قرآن کی تفسیر اور اس کے علوم کی ترویج کے لیے وقف کررکھی تھی، اس بارے میں ان کا اپنا ایک نقطہ نظر تھا، جس کی وجہ سے فکر فراہی کا ایک مستقل حلقہ پیدا ہوا۔ اسی حوالے سے اس حلقہ کی جداگانہ پہچان ہے۔

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی نے آپ کی تمام تصنیفات سے خوب استفادہ کیا ہے، چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں، اسی زمانے میں میرے بعض مضامین ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ کے ترجمان سہ ماہی مجلّہ تحقیقات اسلامی میں شائع ہوئے، ان مضامین کا مواد تمام تر مولانا فراہی کی تصانیف سے حاصل کیا گیا تھا۔ اسی دوران مجھے بعض ایسے مضامین لکھنے کی توفیق ہوئی، جن میں بعض آراء پر نقد کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر مجموعے کا پہلا مقالہ سورہ فیل پر ہے، اس مقالہ کی تالیف کا پسِ منظر فاضل مقالہ نگار نے یوں تحریر کیا ہے:

''مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی نے ایک مضمون تفسیر سورۃ فیل کے عنوان سے ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ، اکتوبر نومبر ۱۹۸۵ء میں لکھا تھا، یہ ان کی زیرِ تالیف تفسیر، مفتاح القرآن کا ایک حصہ تھا، اس میں انھوں نے مولانا فراہی کی تفسیر پر اعتراضات

کیے تھے، اس کے رَد اور مولانا فراہی کے نقطہ نظر کی تائید ہے۔
ایک مضمون مولانا نسیم ظہیر اصلاحی نے لکھا، جو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل جون ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ راقم سطور کا مضمون اصلاً برادرم نسیم ظہیر کے مضمون کے رد میں لکھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی بنیاد مولانا فراہی کی تفسیر پر تھی، اس لیے راقم سطور نے اپنے رد میں، مولانا فراہی اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر کو بھی شامل کر لیا تھا۔
دوسرا مضمون مولانا فراہی اور تفسیری روایات۔
تیسرا مقالہ مولانا فراہی اور حدیث۔
چوتھے مقالے میں حدیث کے موضوع پر مولانا فراہی کی ایک تصنیف احکام الاصول باحکام الرسول کا تعارف کیا گیا ہے۔
پانچواں مقالہ مناسک حج کی تاریخ کے عنوان سے ہے، اس میں مناسک حج کی تاریخ سے متعلق مولانا فراہی اور ان کے ہم خیال علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا صدر الدین اصلاحی کی آرا پر نقد کیا گیا ہے“۔
تنقید برائے تنقید کی کسی بھی موقع پر تحسین نہیں کی جا سکتی، بلکہ وہ ہمیشہ مذموم خیال کیا جاتا ہے، لیکن تنقید برائے تعمیر واصلاح یہ مستحسن عمل ہے۔ اور اہلِ حق نے ہمیشہ اس قسم کی تنقید کا خیر مقدم کیا ہے۔
فاضل مؤلف کا یہ نقد بھی تنقید برائے تعمیر واصلاح کے قبیل سے ہے۔
بلاشبہ آپ نے اس میں انتہائی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اور ہر مقالے کے آخر میں اس کے ماخذ اور مراجع کا اشاریہ بھی دیا ہے۔
تحقیق وتنقید کے ذوق رکھنے والے حضرات اس کتاب کے مطالعہ سے حظ وافر اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان پر تحقیق اور اصول تحقیق کی نئی راہیں بھی

کھل جائیں گی۔ کمپوزنگ اور کاغذ وطباعت انتہائی اعلیٰ اور معیاری ہیں۔ (ماہنامہ الحق، جنوری 2011ء)

مولانا محمد رضی الاسلام کی مذکورہ تالیف میں جن امور پر نقد کیا گیا ہے، ان کے ضمن میں یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب نے جمہور مفسرین سے الگ راہ اختیار کر کے کئی مقامات پر صحیح اور مستند احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے، اور ان کے قلم سے متعدد تسامحات سرزد ہو گئے ہیں۔

جس میں سے چند ایک کا مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب کی مذکورہ کتاب کے حوالے سے اختصار کے ساتھ بطورِ نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب اپنی کتاب ''نقدِ فراہی'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> مولانا فراہی کی تحریروں میں بعض خیالات ایسے ملتے ہیں، جو قرآن کے طالب علموں کو کھٹکتے ہیں، اس لیے کہ ان خیالات کے سلسلے میں وہ امت کی پوری تاریخ میں منفرد ہیں۔
>
> انھیں میں ایک وہ رائے بھی ہے، جس کا اظہار انھوں نے تفسیر سورۃ الفیل میں کیا ہے، وہ یہ کہ لشکرِ ابرہہ کا مقابلہ اہلِ مکہ نے کیا تھا، اور پرندے ان پر سنگ باری کرنے نہیں، بلکہ ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔
>
> ان کے شاگردِ رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر ''تدبرِ قرآن'' میں بعینہٖ یہی خیالات اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ (نقد فراہی، صفحہ ۱۳ ''تفسیر سورۃ الفیل''، ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت: 2010 عیسوی)

مذکورہ بالا خیال اور فکر ظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب اپنی کتاب ''نقدِ فراہی'' میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> مولانا فراہی، فہمِ قرآن میں روایات سے استفادے کے قائل نہیں ہیں، وہ

قرآن کو براہِ راست نظم اور سیاق سے سمجھتے ہیں، پھر جو مفہوم ان کی سمجھ میں آتا ہے، اس کے مطابق جو روایات ملتی ہیں، انھیں قبول کر لیتے، اور جو اس کے مطابق نہیں ہوتیں، انھیں رَد کر دیتے ہیں۔

یہ رائے جمہور علماء کی رائے کے برعکس ہے، کیوں کہ اس کے مطابق فہمِ قرآن میں صرف قرآن پر اکتفا کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ سنت اور اقوالِ سلف سے بھی استفادہ ضروری ہے۔ (نقد فراہی، صفحہ ۵۲ ''تفسیری روایات'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت: 2010 عیسوی)

مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

مولانا فراہی کی یہ رائے اس لیے بھی قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ قرآن کے نظم اور سیاق کو پیشِ نظر رکھ کر متعین کیا جانے والا مفہوم قطعی نہیں ہوسکتا، اگر ایسا ہوتا، تو مولانا فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے استنباطات میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ دونوں نظم اور سیاق کو پیشِ نظر رکھ کر ہی آیات کا مفہوم متعین کرتے ہیں، اس کے باوجود اِن آیات کی ایک لمبی فہرست ہے، جن کی تفسیر میں دونوں کا اختلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم وسیاق کے ذریعے آیات کی تفسیر میں ذاتی رجحانات شامل ہو جاتے ہیں، پھر اس بات کا کیا ثبوت ہوگا کہ مفسر نے نظم اور سیاق کو پیشِ نظر رکھ کر آیت کا جو مفہوم متعین کیا ہے، وہی صحیح ہے، اور جو روایات اس کے برعکس ہیں، وہ ضعیف، نا قابلِ قبول اور محض واہمہ ہیں۔ (نقد فراہی، صفحہ ۵۴ ''تفسیری روایات'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت: 2010 عیسوی)

نیز لکھتے ہیں:

جس طرح مولانا فراہی شانِ نزول کے سلسلے کی روایات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے،

اسی طرح ان روایات کو بھی قبول نہیں کرتے، جو آیات کے زمانۂ نزول کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔(نقد فراہی، صفحہ ۶۷ ''تفسیری روایات'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت:2010 عیسوی)

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب اپنی کتاب ''نقدِ فراہی'' میں اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ تفسیرِ قرآن میں تفسیری روایات جتنی اہمیت کی مستحق تھیں، مولانا فراہی نے انھیں اتنی اہمیت نہیں دی ہے، یہ صحیح ہے کہ تفسیری روایات کا جو ذخیرہ اس وقت موجود ہے، وہ ''غث وسمین'' پر مشتمل ہے، اس کا بڑا حصہ ضعیف اور موضوع ہے، لیکن اس کی بنیاد پر تمام تفسیری روایات سے صرفِ نظر کر لینا بھی صحیح نہیں۔(نقد فراہی، صفحہ ۷۹ ''تفسیری روایات'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت:2010 عیسوی)

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب اپنی کتاب ''نقدِ فراہی'' میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

مولانا نے ایک طرف تو قبولِ روایت کے لیے سخت ترین اصول اختیار کیے ہیں، لیکن دوسری طرف ایسی ضعیف روایتیں قبول کر لیتے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ پہلی نظر میں ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہیں، بلکہ نظمِ قرآن کے بھی خلاف ہیں۔(نقد فراہی، صفحہ ۱۱۹ ''حدیث فہمی'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت:2010 عیسوی)

مزید لکھتے ہیں:

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے بعض احادیث کا انکار کیا ہے، اور ان کی صحت کی تردید کی ہے۔(نقد فراہی، صفحہ ۱۳۲ ''حدیث فہمی'' ناشر: مکتبہ اسلام، علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت:2010 عیسوی)

مزید لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ چند احادیث پر مولانا فراہی کے تبصرہ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ مولانا حدیث کو نہیں مانتے، سراسر غلط ہوگا، چند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور چیز ہے، اور حدیث کو بہ حیثیتِ سنت اور بہ حیثیتِ دین اور ماخذِ شریعت نہ ماننا دوسری چیز ہے، اول الذکر کا دائرہ صرف غلطیوں تک محدود ہے، جب کہ مؤخر الذکر آدمی کو حلقۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

حدیث کے سلسلے میں مولانا فراہی نے کچھ اصولی باتیں پیش کی ہیں، مثلاً:

(1): احادیث تمام تر قرآن سے مستنبط ہیں، ان سے قرآن پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

(2): اصل واساس صرف قرآن کو حاصل ہے، احادیث کی حیثیت فرع کی ہے۔

(3): قرآن کی تفسیر کی بنیاد حدیث کو بنانا صحیح نہیں۔

(4): شانِ نزول صرف قرآن سے اخذ کرنی چاہیے، حدیث سے شانِ نزول اخذ کرنا صحیح نہیں۔

(5): حدیث کے ذریعے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔

یہ اصولی مباحث اس موضوع کا جزوِ لاینفک ہیں، لیکن ان پر مفصل اور مستقل بحث کی ضرورت ہے، اس لیے کبھی ان پر آیندہ گفتگو کی جائے گی (نقد فراہی، صفحہ ۱۳۸ ''حدیث فہمی''، ناشر: مکتبہ اسلام علی گڑھ، انڈیا، سنِ اشاعت: 2010 عیسوی)

مذکورہ بالا عبارات وحوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے طرز اور اس ضمن میں ان کے بعض افکار قابلِ اختلاف اور محلِ تأمل ہیں، جس سے اتفاق مشکل ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی صاحبان دونوں ہی جلیل القدر علمی شخصیات ہیں، اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر بہت کچھ علمی و دینی خدمات سرانجام دی ہیں، لیکن ان سے بعض علمی و دینی فروگزاشتیں بھی ہوئیں، جن کی افہام وتفہیم میں متعدد غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں، اور ایک زمانے میں بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے ان حضرات وشخصیات کے بعض افکار وعبارات کی روشنی میں تکفیر کا فتویٰ بھی جاری ہوا، جس کے بعد توضیح وتفصیل سامنے آنے پر تکفیر کے فتوے سے رجوع کرلیا گیا۔

لہٰذا دونوں شخصیات کی تکفیر کرنا درست نہیں، جہاں تک بعض علمی فروگزاشتوں کا تعلق ہے، تو ان سے اختلاف کرنا اپنی جگہ برحق ہے، لیکن ہر اختلاف کو اس کے مقام پر رکھنا چاہیے، اور اس کو اپنے درجے سے گھٹانا یا بڑھانا نہیں چاہیے۔

اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق بخشے، اور سب مسلمانوں کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، بالخصوص جن علمی شخصیات سے لغزشیں ہوئیں، ان کو معاف ودرگزر فرمائے اور ان کی صحیح خدمات اور دین وملت کے لیے جہدوایثار کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَ تَعَالٰی اَعۡلَمُ وَ عِلۡمُہٗ أَتَمُّ وَ أَحۡکَمُ .

محمد رضوان خان

04/ محرم الحرام/ 1440 ہجری 15/ ستمبر/ 2018 عیسوی بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(ضمیمہ)

”الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان“

”شبلی اور فراہی کی تکفیر“ کے مسئلے سے متعلق مذکورہ بالا مضمون کی کتابت اور نظرِ ثانی وغیرہ کی تکمیل کے بعد اشاعت کی تیاری جاری تھی کہ اسی درمیان، مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ (فرزندار جمند ”حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ“ ومدیر: جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا، پاکستان) کے توسط سے مولانا سید مشتاق علی صاحب سکندر آبادی کے مرتب کردہ رسالہ ”الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان“ کی عکسی نقل موصول ہوئی، یہ رسالہ ”جمال برقی پریس، دہلی“ سے ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا تھا، جس کا ”دیباچہ“ خود مولانا سید مشتاق علی صاحب سکندر آبادی نے تحریر کیا تھا، اور اس رسالے میں علامہ شبلی اور مولانا فراہی کی تکفیر سے متعلق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہم اللہ کے مضامین اور مکتوبات کو جمع کیا گیا ہے۔

اس رسالہ میں مذکور مضامین کا معتد بہٖ حصہ تو، ہمارے مذکورہ مضمون میں آچکا ہے، اور باقی حصہ بھی اگرچہ اپنی جگہ مفید ہے، لیکن اس مکمل رسالے کو نقل کرنے کی، ایک تو ہمارے مذکورہ مضمون میں گنجائش نہیں، دوسرے ہمارے مقصود ومدعا کے لیے مکمل رسالے کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس رسالے کے بعض اقتباسات زیادہ مفید معلوم ہوئے، جن کو بطور ضمیمہ کے مذکورہ مضمون میں شامل کرنا مناسب معلوم ہوا، اس رسالے کے اُن اقتباسات کو ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

جناب مولانا سید مشتاق علی سکندر آبادی صاحب ''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان'' کے ''دیباچہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''علامہ شبلی کی بعض تالیفات بالخصوص ''علمُ الکلام ''اور''الکلام'' کی بعض عبارات، اسلامی نقطۂ نظر سے اہلِ علم کی نظروں میں شروع سے ہی قابلِ اعتراض وتنقید چلی آ رہی ہیں، علماء نے متعدد بار خود مصنف کی حیات میں ان پر نکیر کیا، اور مختلف طریقوں سے اپنی مخالفت کا اعلان کیا۔

چنانچہ ''علامہ شبلی کا فتویٰ خود اپنے الحاد و زندقہ پر'' مولفہ جناب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، صدر جمعیت علمائے ہند دہلی مطبوعہ 1332ھ، اور ''علامہ آخر الزمان'' مولفۂ مولانا محمد عماد الدین صاحب انصاری شیر کوٹی (فاضلِ دیوبند) جن میں علامہ شبلی کے ہی مقررہ اصول ومعیار پر ان کے اقوال کو ملحدانہ ثابت کیا گیا ہے، اس کے شاہد عدل ہیں، جو ہزاروں کی تعداد میں ملک میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

علامہ کے ان ہی خیالات وعقائد کی وجہ سے حیدر آباد دکن میں ان کی تالیفات کے رد کے لیے مشاہیر علماء وامراء کی انجمن قائم ہوئی، جس نے ارکانِ ندوہ کو توجہ دلائی کہ علامہ کو ایسی تحریرات سے روکے، اسی زمانہ میں مولانا محمد شاہ قمیصی قادری نے بعض معتقداتِ علامہ کے رد میں اس انجمن کی طرف سے دو رسالے شائع کیے، اور پشاور ولکھنوء میں بھی ایسی انجمنیں قائم ہوئیں، اور اکثر علماء و ذی فہم اصحاب نے مخالفت کا اظہار کیا۔

ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت اور علماء کے اضطراب کا لحاظ کرتے ہوئے، اسی وقت ''علمُ الکلام، الکلام ''وغیرہ کی عبارات میں ترمیم و اصلاح کردی جاتی، مگر افسوس ایسا نہ ہوا، مدت گزر گئی، اور یہ کتابیں اسی حالت

میں اب تک شائع ہورہی ہیں، جس پر علماء نے نکیر کیا تھا۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ بنام ''مدرسۃ الاصلاح'' قائم ہوا، جس کی طرف سے ایک اشتہار میں اعلان کیا گیا کہ یہ مدرسہ علامہ شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کا مشن ہے، اس مدرسہ کی طرف سے جنوری 36ء میں ایک ماہواری رسالہ بنام ''الاصلاح'' جاری ہوا، جس میں مولانا حمید الدین فراہی کے تفسیری مضامین کی اشاعت کا سلسلہ قائم کیا گیا، ماہِ فروری کی اشاعت میں عنوان ''معارف القرآن'' کے ماتحت جو مضمون شائع ہوا، اس کو پڑھ کر ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور تھا کہ اس میں اسمائے سُور پر طعن کیا گیا ہے کہ ان سے بجائے رہبری (وہدایت) کے غلط خیال پیدا ہوتا ہے، نیز اس میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم میں بعض مواقع پر محض قافیہ اور بندش کے لیے غیر انسب (نامناسب) لفظ مستعمل ہوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس صورت کو دیکھ کر بعض خیر خواہانِ اسلام نے علامہ شبلی و علامہ فراہی کے معتقدات و خیالات کی نشر و اشاعت کو عام مسلمانوں کے معتقدات کے لیے مضرت رساں خیال کر کے بماہِ محرم الحرام و بماہِ ربیع الاول 1355ھ علماء سے استفتاء کیا، علماء نے شخصی وانفرادی حیثیت سے قطع نظر کر کے، ان عبارات واقوال پر الحاد وزندقہ کا حکم لگا دیا، یہ فتویٰ بنام ''الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح'' مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانی کے قلم کا لکھا ہوا ہے، جس پر حضرات علمائے تھانہ بھون وعلمائے سہارنپور وعلمائے دیوبند کے علاوہ بہت سے علماء کی تصدیقات ہیں، اس فتوے کا شائع ہونا تھا کہ دفعۃً علامہ شبلی اور علامہ فراہی کی جماعت میں ہیجان پیدا ہو گیا، اور رسالہ ''الاصلاح'' ودیگر بعض اخبارات میں اس فتویٰ اور مفتیوں اور مصدقوں کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، اور مستفتیوں

اور مفتیوں کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے ان کو بے جا الزامات کا مورد بنایا گیا، مگر ان تحریرات کو اس لیے درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا کہ یہ سب کچھ عوام کے ہاتھوں عوام کے بھڑکانے کے لیے کیا گیا تھا، اور سنۃُ اللّٰہ یہی ہے کہ ''اظہارِ حق'' کے موقعہ پر اہلِ حق کے ساتھ عوام کی طرف سے ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے، اسی اثناء میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی طرف سے بھی ایک مضمون ''غوغائے تکفیر'' کے عنوان سے شائع ہوا، جس پر اصل مجیب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب نے اس لیے توجہ کرنا ضروری سمجھا کہ مولانا سید سلیمان، کی ذات سے حمایتِ باطل کی امید نہ تھی، اور نہ اب ہے، التباس واشتباہ اور چیز ہے، اور ان کی خلوصِ نیت پر بھی اعتماد تھا، اور اب بھی ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں جانبین سے متعدد بار مراسلت ہوئی، جو بجائے خود دلچسپ ہونے کے بہت سی مفید اور کارآمد علمی تحقیقات کی حامل ہے، دونوں طرف سے نہایت تہذیب ومتانت اور سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھا گیا، اور فراخ دلی کے ساتھ بے تکلف **مافی الضمیر** کا اظہار کیا گیا۔

اس تمام مراسلت کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ رسالہ ''**الافصاح**'' میں کسی کی ذات پر حکمِ تکفیر عائد نہیں کیا گیا، بلکہ بعض اقوال وخیالات پر الحاد وزندقہ کا حکم لگایا گیا ہے، اس سے علامہ شبلی وعلامہ فراہی کی تکفیر سمجھنا غلط ہے، اور جس درجہ میں اس سے ان کی طرف کفر والحاد کی نسبت لازم آتی ہے، اس سے بوجوہِ ذیل رجوع کیا جاتا ہے۔

(1)......مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی نے مئی 1914ء میں بمقام دہلی ایک تحریر کے ذریعہ اعلان کیا تھا کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے، اور خدا کا مخلوق نہیں، وہ ملحد وزندیق ہے، میں ''مادہ'' کو نہ قدیم

بالذات تسلیم کرتا ہوں، نہ قدیم بالزمان'' الکلام ''میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں، اور اس غرض سے نقل کیے ہیں کہ ان کا رَد کیا جائے، الخ۔

ہم ان کی اس آخری تحریر کو خیالاتِ سابقہ سے رجوع قرار دیتے ہوئے، اور خیالاتِ سابقہ کو الحاد سمجھتے ہوئے مصنف کو کفر والحاد سے بری سمجھتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ''علمُ الکلام ''و'' الکلام ''کے شروع میں ان کے ایسے مقدمہ کا الحاق ضروری سمجھتے ہیں، جس سے اس فتنہ کا سدِّ باب ہوجائے، جو اس وقت تک ان کتابوں کے مفہومِ متبادر سے پیدا ہوا، اور پیدا ہونے کا احتمال ہے، ورنہ ان کتابوں کی اشاعت بند کردینا ضروری ہے۔

(2)......علامہ حمید الدین فراہی کی جو زیرِ بحث عبارات اب تک منظرِ عام پر آئی ہیں، ان کا متبادر مفہوم وہی ہے، جو اربابِ فتویٰ نے سمجھا ہے، مگر چونکہ مولانا سید سلیمان، خدائے لایزال کی قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ ان کا وہ مفہوم نہیں، جو متبادر طریق سے سمجھا گیا، بلکہ اس کا مفہوم وہ ہے، جو انہوں نے اپنی تشریح میں ظاہر کیا ہے، اور یہ کہ وہ عبارات ایک خام یادداشت اور غیر صاف شدہ مسودات سے لی گئی ہیں، جو نا تمام اور ادائے مقصود میں کوتاہ ہیں، تو ہم اس گناہِ عظیم کی ذمہ داری شائع کنندوں پر عائد کرتے ہوئے، مولانا حمید الدین کو بھی اس الزام سے بری قرار دیتے ہیں، جو فتویٰ''الافصاح ''سے من وجہٍ ان پر عائد ہوتا ہے، مگر اسی کے ساتھ ان کی جماعت کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان الفاظ کے اعادہ اور تاویلِ جواز سے باز آئیں، اور ان کے مطلب کو ان ہی الفاظ میں ظاہر کریں، جن الفاظ میں مولانا سید سلیمان صاحب نے ظاہر کیا ہے۔

اس وقت ہمارا مقصود صرف اس مراسلت کا شائع کرنا تھا، مگر اس کا سمجھنا خود اصل

فتویٰ ''الافصاح'' کے مطالعہ پر موقوف ہے، اس لیے اس کو بھی ہمراہ شائع کیا جاتا ہے، نیز مراسلت میں مولانا محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا عماد الدین صاحب شیر کوٹی کے رسالوں کا بھی تذکرہ آیا ہے، جس سے ناظرین کو ان کے دیکھنے کا اشتیاق ہوگا، اس لیے ان کو بھی آخر میں ملحق کر دیا گیا، جس میں علاوہ رفع اشتیاقِ ناظرین کے یہ فائدہ بھی ہے کہ:

(الف)......ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ شبلی کی زیرِ بحث عبارات سے جو کچھ اس وقت مستفتیوں اور مفتیوں نے سمجھا ہے، وہ کوئی نیا مفہوم نہیں، بلکہ جماعتِ علماء نے مصنف کی حیات میں اس سے وہی سمجھا تھا، جو آج سمجھا گیا۔

(ب)...... یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ مؤلف ''الافصاح'' نے فتویٰ میں کس قدر احتیاط کی ہے، اور اس نے آج کوئی نیا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ ان اقوال زیرِ بحث کے متعلق وہی کہا ہے، جو جماعتِ علمائے دیوبند نے آج سے 23 برس پہلے کہا تھا۔

(ج)......آج سے 23 برس پہلے علماء نے ''علمُ الکلام'' و ''الکلام'' وغیرہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کا علامہ شبلی کی جماعت پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوا، چنانچہ اب تک یہ کتابیں اسی شان سے شائع ہوتی رہیں، جس پر علماء نے نکیر کیا تھا، اور فتویٰ ''الافصاح'' میں جو کچھ لکھا گیا، اس کا بہت اچھا اثر ہوا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ''علمُ الکلام'' و ''الکلام'' کے ساتھ ایک ایسے مقدمہ کے الحاق کی ضرورت کو محسوس فرمایا، جس کے مطالعہ کے بعد ''علمُ الکلام'' اور ''الکلام'' سے کسی قسم کی اعتقادی گمراہی پھیلنے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

ہم مولانا کی اس انصاف پسندی اور رجوع الی الحق کی داد دیتے ہوئے بارگاہِ

الٰہی میں ان کے لیے رفعِ درجات وترقی علوم وکمالات ومزید استقامت علی الحق کی دعا کرتے ہیں'' (''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان'' ص۲تا۵، دیباچہ، مطبوعہ: جمالی برقی پریس دہلی، شعبان ۱۳۵۵ھ)

مذکور بالا رسالے میں علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہما اللہ کے مابین متعدد مرتبہ کی گئی مکاتبت بھی نقل کی گئی ہے، اس کے کچھ مفید اقتباسات بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ ''ضمیمہ الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح'' میں مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے ''مکتوبِ پنجم'' کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''مولوی شبلی صاحب کو جب میں نے دیکھا ہے، تو الکلام و کلام پر کئی سال گزر چکے تھے، ان کا ماحول بھی بدل چکا تھا، خیالات میں نمایاں فرق آ گیا تھا، پھر آخر میں سیرتِ نبوی کے تعلق سے ان کو کتبِ حدیث کے مطالعہ کا بکثرت اتفاق ہوا، بلکہ اکثر اوقات اخیر میں یہی شغل رہا، اور اسی آخری زمانہ کا یہ تحریری اعلان ہے، اسی اعلان کا ایک اور مسودہ بھی ان کے قلم کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے، وہ بھی آپ کو کبھی دکھاؤں گا، انشاءاللہ، اگر حالات موافق ہوئے، اس کو آپ دیکھیں گے، تو آپ کے شکوک دور ہو جائیں گے، بہرحال الکلام میں جو کچھ ہو، آپ آخری تحریر کو سامنے رکھ کر کچھ لکھ سکتے ہیں، تو لکھ دیجیے۔

مولوی حمید الدین صاحب جن کے تدیّن پر ایک عالم گواہ ہے، ان کے مبہم فقروں سے وہ پہلو نکالنا، جو قابلِ اعتراض ہے، صحیح نہیں، آپ بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ ان فقروں کی یہ تشریح، اگر صحیح ہے، تو یہ مستلزمِ کفر نہیں، بہرحال مجھے اصرار نہیں، گو دل یہی چاہتا ہے، آپ نے اپنے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے، اس کے معنیٰ صاف نہیں، یعنی ذو جہتیں ہیں، آپ اپنے قلم سے ان دونوں صاحبوں کی تکفیر سے

رجوع کو ان خطوط سے اقتباس کر کے عنایت فرمائیں، تو باعثِ شکریہ۔

آپ کا علم تازہ اور وسیع ہے، کیا ارشاد فرما سکتے ہیں کہ مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ کے قدم حدوث، اور اس سے افعال و آثار کے صدور میں اہلِ سنت کے کتنے گروہ ہیں، اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنابلہ تینوں کے کیا اختلافات ہیں، اگر اس مسئلہ میں کوئی کتاب پیشِ نظر ہو، تو اس کی طرف ایما فرمایا جائے، آپ کی عنایت نے مجھے آپ کا مشتاق بنا دیا ہے۔

میں نے مقدمہ مرسلہ کے آخر میں حسبِ ذیل الفاظ اور بڑھا دیے ہیں۔

''اور اگر ان کی تصانیف میں کوئی بات اس مسلک کے خلاف ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے اس سے رجوع کیا، اور ان کی تحقیق بعد کو بدل گئی، یہ مقام تمام متکلمین کو پیش آیا ہے، اس سے نہ امام اشعری پاک ہیں، نہ امام غزالی، نہ امام رازی، مصنف میں اس کی اخیر تصنیف سیرۃ نبوی کے اثنا میں کتبِ حدیث کے بکثرت مطالعہ سے جو انقلاب اور اثر و کیف پیدا ہوا، اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں، جو اس وقت اس سے ملتے تھے، اور اس کے پاس آتے جاتے تھے، اور یہ اعلان اسی زمانہ کا ہے''

کیا یہ الفاظ بھی آپ کے نزدیک کافی نہیں، یا کافی ہیں''۔

والسلام، سلیمان۔ 25 رجب 1355ھ

(''ضمیمہ الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح'' مشمولہ ''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان''

ص ۷۹، ۸۰، بعنوان: جواب مکتوب پنجم، مطبوعہ: جمالی برقی پریس دہلی، شعبان ۱۳۵۵ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ ''مکتوبِ ششم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''گرامی نامہ کا تمہیدی مضمون موجبِ مسرت ہوا کہ بحمد اللہ آپ نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے، بہتر ہوتا کہ میرے خط سے آپ اپنی منشا کے موافق الفاظِ رجوع کا اقتباس

فرما لیتے، غایتِ محبت وعنایت سے آپ نے میرے ہی قلم پر اس بار کو رکھا ہے، تو مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔

کشند از برائے دلے بارہا خورند از برائے گلے خارہا

اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

اعلانِ رجوع:

حامداً و مصلیاً وسلماً، أما بعد!

فتویٰ "**الافصاح عن حقیقة الاصلاح**" کے متعلق اس حقیقت کا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس میں کسی کی ذات پر حکمِ تکفیر عائد نہیں کیا گیا، بلکہ محض چند اقوال وکلمات وخیالات پر الحاد وزندقہ کا حکم لگایا گیا ہے، اس سے علامہ شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کی تکفیر سمجھنا غلط ہے، بلکہ اس کا حاصل وہی ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے "**بہ کفر دون ھو کافر**"۔

اور جس درجہ میں اس فتویٰ سے ان کی طرف کفر والحاد کی نسبت لازم آتی ہے، اس سے بھی وجوہ ذیل رجوع کیا جاتا ہے۔

الف: مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تحریر مطبوع بعنوان "غوغائے تکفیر" سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی نے مئی 1914ء میں بمقام دہلی ایک تحریر کے ذریعہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے، اور خدا کا مخلوق نہیں، وہ ملحد و زندیق ہے، میں مادہ کو نہ قدیم بالذات تسلیم کرتا ہوں، نہ قدیم بالزمان "الکلام" میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں، اور اس غرض سے نقل کیے گئے ہیں کہ ان کا رَد کیا جائے الی آخرہٖ۔

ہم ان کی اس آخری تحریر کو عباراتِ سابقہ سے رجوع، یا ان کی تاویل قرار دے کر خیالاتِ سابقہ کو الحاد سمجھتے ہوئے، علامہ شبلی کو کفر والحاد سے بری تسلیم کرتے ہیں،

مگر بایں ہمہ ''علمُ الکلام '' و'' الکلام '' کے شروع میں ایک ایسے مقدمہ کا الحاق ضروری سمجھتے ہیں، جس سے اس فتنہ کا سدِّ باب ہوجائے، جو اس وقت تک ان کتابوں کے مفہومِ متبادر سے پیدا ہوا، اور پیدا ہونے کا احتمال ہے، علامہ کی یہ آخری تحریر بھی مقدمہ میں شامل کی جائے، اور بدون ایسے مقدمہ کے ان کتابوں کی اشاعت نہ کی جائے۔

جب مولانا حمید الدین فراہی کی جو زیرِ بحث عبارات اب تک منظرِ عام پر آئی ہیں، ان کا مفہومِ متبادر وہی ہے، جو اربابِ فتویٰ نے سمجھا ہے، مگر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی خدائے لایزال کی قسم سے مؤکد کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا وہ مفہوم نہیں، جو متبادر طریق سے سمجھا گیا، بلکہ ان کا مفہوم وہ ہے، جو انہوں نے اپنی تشریح میں ظاہر فرمایا ہے، اور یہ کہ وہ عبارات ایک خام یادداشت اور غیر صاف شدہ مسودات سے لی گئی ہیں، جو ناتمام اور ادائے مقصود میں کوتاہ ہیں، تو ہم اس گناہِ عظیم کی ذمہ داری شائع کنندوں پر عائد کرتے ہوئے، مولانا حمید الدین کو بھی اس الزام سے بریٔ قرار دیتے ہیں، جو ہمارے فتویٰ سے من وجہٍ ان پر عائد ہوتا ہے، مگر اسی کے ساتھ ان کی جماعت خصوصاً عملۂ ''الاصلاح'' کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان الفاظ کے اعادہ اور تاویلِ جواز سے باز آجائیں، اور ان کے مفہوم کو ان ہی الفاظ میں ظاہر کریں، جن الفاظ میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ظاہر کیا ہے۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون. وسلام علی المرسلین. والحمد للّٰہ رب العالمین.

حررہٗ بقلم اسیر و صمۃ ذنبہ والمہ

ظفر احمد العثمانی التھانوی عفااللہ عنہ

4/شعبان/1355ھ

(''ضمیمہ الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح'' مشمولہ ''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان'' ص۸۱،۸۲

مطبوعہ: جمالی برقی پریس دہلی، شعبان ۱۳۵۵ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ:

محترما! میں نے اہلِ سنت کا متفق علیہ عقیدہ پیش کر دیا ہے، اس میں کسی گروہ کا اختلاف نہیں، اشعریہ، ماتریدیہ، حنابلہ وغیرہ میں جو لوگ متبعِ کتاب وسنت ہیں، وہ اسی عقیدہ پر ہیں، اس کے خلاف اگر کسی سے منقول ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں شائبہ اعتزال ہے، اور اگر کسی ایسے مصنف کے کلام میں جس کا شائبہ اعتزال سے بریٔ ہونا معلوم ہے، اس کے خلاف کسی قول کو کسی طائفہ اہلِ سنت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جیسا ''شفاءُ العلیل'' کی ایک عبارت آپ نے گزشتہ مکتوب میں نقل فرمائی تھی، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یا وہ کتاب اس مصنف کی طرف غلط طریقہ سے منسوب کی گئی ہے، یا کتاب میں دس اور تحریف کا وقوع ہوا ہے، کیونکہ ''شفاءُ العلیل'' میں عقیدۂ فناءِ نار بھی مذکور ہے، جو کتاب وسنت و اجماعِ امت کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا یہ کتاب ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔

محترما! آپ تو آج میرے مشتاق بنے ہیں، مگر میں زمانۂ دراز سے آپ کا مشتاق ہوں۔

جعلنا اللّٰہ و ایاکم من حزبہ و حزب حبیبہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

مقدمہ کے آخر میں جن الفاظ کا آپ نے اضافہ کیا ہے وہ کافی ہیں، مگر اشعری و غزالی و رازی کا نام نکال دینا چاہیے، اور تمام متکلمین کی جگہ اکثر مصنفین لکھنا چاہیے، کیونکہ آپ کو تسلیم ہے کہ علامہ شبلی نے یہ کتابیں مطالعۂ حدیث وسنت سے پہلے لکھی ہیں، اور اشعری کا درجۂ امامت اور تضلع بالعلوم الشرعیہ کسی پر مخفی نہیں، اور

امام غزالی و رازی کا درجۂ علم بھی معلوم ہے۔

اخیر میں خیر خواہانہ گزارش ہے کہ باب **صفاتِ آلیہ** میں شرح صدر اور ثلج فؤاد و طمانیتِ قلب کا راستہ، کتب مصنفین کی ورق گردانی نہیں، بلکہ کتابِ قلب کے مطالعہ کے بعد تدبر فی القرآن والحدیث ہے، اور کتابِ قلب کے مطالعہ کا طریقہ یہ ہے ؎

جملہ اوراق وکتب درنار کن — سینہ را از نورِ حق گلزار کن
گرچہ تفسیرِ زباں روشن گرست — لیک عشقِ بے زباں روشن ترست
بوئے آں دلبر چو پراں می شود — ایں زبانہا جملہ حیراں می شود
قال رابگزار و مردِ حال شو — پیشِ مردے کاملے پامال شو

جس کی شان یہ ہو ؎

اے لقاءِ تو جواب ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء — بے کتاب و بے معید واوستا

ولیکن ھٰذا آخر الکلام فی ھذا المرام.

و الحمد للّٰہ الملک العلام .

والصلاۃ والسلام علی حبیبہ سیدنا محمد افضل الانام.

وعلی آلہ و اصحابہ الاتقیاء الکرام.

و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا.

و نسئلہ الصدق فی اقوالنا والواننا.

(وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین)

محبکم المخلص

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۴/شعبان/۱۳۵۵ہجری

(''ضمیمہ الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح''مشمولہ''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان''

ص۸۸،۸۹مطبوعہ: جمالی برقی پریس دہلی، شعبان۱۳۵۵ھ)

مذکورہ اقتباسات سے علامہ شبلی اور مولانا فراہی کی تکفیر اور اس کے پسِ منظر کی حقیقت واضح ہوگئی۔

جناب مولانا سید مشتاق علی سکندر آبادی صاحب''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان''کے''خاتمہ''میں لکھتے ہیں کہ:

آج بتاریخ 20 شعبان المعظم 1355 ہجری کو یہ مجموعہ احقر سید مشتاق علی سکندر آبادی کی سعی سے بخیر وعافیت پورا اور حسبِ دلخواہ اللہ تعالیٰ نے شائع کرادیا۔

میں نے اس رسالہ کو آئندہ کی نسلوں کے لیے شائع کرایا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اور سید سلیمان ندوی کی تہذیبِ اخلاق نے مجھے اس پر مجبور کیا کہ میں اس مجموعۂ مراسلت کو ضرور طبع کراؤں، جس کا خلاصہ چند باتیں ہیں:

اول مولانا ظفر احمد صاحب نے''علمُ الکلام''اور''الکلام''کی خاص خاص عبارتوں پر تکفیر کا فتویٰ دیا، اس پر سید سلیمان ندوی نے مولانا کو بذریعہ ایک مکتوب کے اطلاع دی کہ یہ مضامین جن پر تکفیر کی گئی ہے، علامہ شبلی کے معتقدات نہیں، جیسا کہ ان کے تحریری اعلان سے معلوم ہوتا ہے۔

اور مجھے بھی خوب معلوم ہے کہ علامہ کے یہ معتقدات نہیں تھے، جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ''علمُ الکلام''اور''الکلام''میں جو کلماتِ کفریہ ہیں، اُن کا کفر اور الحاد ہونا علامہ (شبلی) کو بھی تسلیم تھا، اور سید سلیمان (ندوی) کو بھی تسلیم ہے،

اسی لیے نہ علامہ نے ان کلمات کی نسبت اپنی طرف گوارا کی، اور نہ سید صاحب نے، اور یہی مولانا ظفر احمد صاحب سمجھے تھے، اور یہی مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہم سمجھے کہ یہ کلمات کفریہ ہیں۔

اب مولانا ظفر احمد صاحب نے اس بناء پر کہ علامہ شبلی اور سید سلیمان صاحب ہرگز ہرگز ان کلمات کی نسبت اپنی طرف گوارا نہیں کرتے، جواُن کی کتابوں ''الکلام'' اور ''علمُ الکلام'' میں شائع ہو چکے ہیں، تو سید صاحب کے ذمہ یہ لازم سمجھا کہ ان کتابوں کی اشاعت کو بند کردیں، اور یہ اعلان بھی شائع کریں کہ جو مسائل علم الکلام اور الکلام میں شائع ہوئے ہیں، وہ کسی مسلمان کے عقیدے میں بھی داخل نہیں ہو سکتے، سید سلیمان صاحب نے اپنی تحریرات میں ان دونوں باتوں کا اقرار اپنی مراسلت میں صاف صاف کرلیا، اول اُن کلمات کا کفریہ ہونا تسلیم کرلیا، دوسرے لوگوں کا ایمان بچانے کے لیے اس کو اپنی تحریر میں لے آئے، احقر نے اس کو شائع کردیا۔

مشتاق علی

دعا گو اور دعا کا طالب

(''الفرقان بین موجباتِ الکفر والایمان'' ''خاتمہ'' مطبوعہ: جمالی برقی پریس دہلی، شعبان ۱۳۵۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

مولانا آزاد

چند سوالات کے جوابات

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم کے افکار اور طرزِ عمل
کے متعلق چند سوالات کے جوابات
مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر اور تفسیر کی روشنی میں
متعدد اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات کی آراء

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان
www,idaraghufran.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی دلانے کی تحریک کے زمانے میں اور اس کے بعد مسلمانوں میں جن نمایاں شخصیات کا ذکر آتا ہے، ان میں ایک شخصیت، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ہے۔

مولانا موصوف نے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی دلوانے کی تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا، بلکہ اس میں اپنی زبان وقلم سے بھی بھر پور شرکت کی، اور لوگوں میں آزادی کا جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

موصوف کو فنِ خطابت اور انشا پردازی میں خاص ملکہ وامتیاز حاصل تھا، جس کی بنا پر وہ بہت سے دوسرے معاصر اصحابِ علم پر فوقیت لے گئے۔

لیکن اسی کے ساتھ فردِ بشر ہونے کی حیثیت سے، ان سے بعض علمی ودینی فروگزاشتیں بھی ہوئیں، جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ اس میں افراط وتفریط مناسب نہیں۔

آنے والی تحریر، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے متعلق اسی قسم کے سوالات کی تحقیق وتوضیح پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ، افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اعتدال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

محمد رضوان خان

07/ محرم الحرام/ 1440ھ بمطابق 18/ ستمبر/ 2018ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

ایک خط

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم!

آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے افکار ونظریات کیسے تھے اور کیا ان کے افکار ونظریات سے اہلِ علم اور خاص طور پر اہلِ دیو بند حضرات کو اختلاف تھا؟

ہم نے سنا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، سرسید احمد خان صاحب کے افکار سے بہت زیادہ متاثر تھے اور انھوں نے اپنی تحریرات میں کچھ غلط افکار درج کیے ہیں۔ بطورِ خاص انھوں نے جو تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے نام سے لکھی، اس میں انھوں نے بہت سی چیزوں میں جمہور اہلِ علم حضرات سے الگ راہ اختیار کی۔ یہاں تک کہ انھوں نے مومن ہونے کے لیے موحد ہونے کو کافی قرار دیا، اور نجات کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کو ضروری نہیں ٹھہرایا۔

اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور کیا اس سلسلے میں علمائے کرام نے کچھ لکھا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو اس کا حوالہ درکار ہے۔

امید ہے کہ تفصیل سے جواب دیں گے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ.

فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط کا جواب

مکرمی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں پرجوش طریقے سے حصہ لیا تھا اور انھوں نے اپنے قلم اور زبان سے مسلمانوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا تھا۔اس کے علاوہ انھوں نے علمی و دینی اور مذہبی اعتبار سے بھی مختلف مضامین اور رسائل و کتب تالیف کی تھیں۔

تاہم وہ سرسید احمد خان کے افکار وخیالات سے بھی غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے تھے،جس کا اظہار انھوں نے خود فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ ان کی بعض تحریرات میں کئی ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں،جن سے اہلِ علم و اہلِ فکر حضرات نے اختلاف کیا ہے۔

خاص طور پر ان کی تفسیر میں بعض ایسے افکار ملتے ہیں،جن پر کئی اہلِ علم حضرات نے گرفت فرمائی ہے۔آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی ''خودنوشت'' کا حوالہ

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے افکار وخیالات کے متعلق یوں تو کئی حضرات نے اپنے اپنے طور پر تبصرے و تجزیے کیے ہیں،اُن سے قطع نظر پہلے خود مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی اپنی ''خودنوشت'' سے چند حوالہ جات ذکر کیے جاتے ہیں،یہ ''خودنوشت'' جو ''ابوالکلام آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی،بہ روایت ملیح آبادی'' کے نام سے موسوم ہے، اپریل

1958 عیسوی، میں ''حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا'' سے شائع ہوا تھا، اس سے اُن کے نیچریت اور بطورِ خاص سرسید احمد خان صاحب کے افکار وخیالات سے غیر معمولی انداز میں متاثر ہونے اور ان کی وجہ سے الحادودہریت تک پہنچ جانے پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنی خودنوشت میں اس موضوع کو بڑی اہمیت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو ان کی خودنوشت کے مختلف صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

یہ معاملہ چونکہ دین کا ہے، نہ کہ کسی کی ذات کا، اس لیے ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اس اہم دینی مسئلے پر لب کشائی کرنے پر مجبور ہیں، اور مولانا سندھی صاحب کے معتقدین کی طرح، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے معتقدین سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ آگے آنے والی بحث کو اسی جذبے کے تحت ملاحظہ فرمائیں گے، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی قومی وملی خدمات، اور آپ کے شخصی اوصاف کو بھی اپنی جگہ ملحوظ رکھیں گے اور اپنی عقیدت یا عدمِ عقیدت کے کسی خاص جذبے کے تحت افراط یا تفریط میں مبتلا ہو کر اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں فرماتے ہیں:

سرسید کی تصنیفات کا شوق بتدریج اس طرح دل ودماغ پر چھا گیا کہ اب کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے سامنے آنکھوں میں نہیں جچتی تھی، شوق نے ارادت وعقیدت کی شکل اختیار کر لی، اور یہ ہوا کہ ایک عقیدت مند کی طرح، جو اپنے مرشد کے ملفوظات کے ایک ایک لفظ کو دل وجان دے کر خریدنا چاہے، ان کی تصنیفات کا ہر ورق وصفحہ میں نے نہایت جدوجہد کر کے حاصل کیا......

مقصود یہ ہے کہ سرسید کی تصنیفات سے شوق نہیں، بلکہ عشق ہو گیا تھا، اور طبیعت کو اس تصور سے بھی صدمہ ہوتا تھا کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا کوئی لفظ ہے، اور میرے پاس نہیں ہے۔ (خودنوشت، صفحہ ۱۷۹، وصفحہ ۱۸۰، بعنوان ''سرسید سے تاثر''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام

آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے سرسید احمد خان صاحب کی تصنیفات وتالیفات سے عشق ومحبت کا ایسا جذبہ شاید کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا ہوگا، یہ جذبہ کب تک قائم رہا، اس کا سراغ شاید آگے آنے والی عبارات میں مل جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں آگے ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ابتدائی زمانہ وہ تھا کہ قدیم خیالات وعقائد سے دل برداشتہ ہو چکا تھا، اور سرسید مرحوم کی تعلیمات نے ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا تھا، لیکن زیادہ دنوں تک طبیعت اس پر قانع نہ رہ سکی، جیسا کہ ہمیشہ ان حالات میں پیش آیا ہے، سرسید کے مذہبی مسلک سے طبیعت اچاٹ ہوگئی، اور جو دروازہ انھوں نے کھول دیا تھا، اس نے بالآخر شک واضطراب کی ایک نئی راہ میں پہنچا کر الحاد وانکار تک پہنچا دیا، ابتدا میں شکوک، پھر مذہبی تاویلات کا استغراق اور ایک فلسفیانہ مذہب کا ادعا، پھر مزید اضطراب وجستجو اور اس سے الحاد وانکار کا ظہور، اور بالآخر ایک سخت اضطراب ویاس کا جماؤ، ان زمانوں کے مضامین میں ان مختلف حالات کے اثرات موجود ہیں، علی الخصوص ان مضامین میں جو مذہبی اور علمی ہیں۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۰۰، بعنوان ''مسلک سید سے انحراف''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ہندوستان میں نیچریت کے بانی، جناب سرسید احمد خان صاحب کی تعلیمات کے جس اثر اور نتیجے کی خبر دی ہے، وہ ان کے الفاظ میں الحاد وانکار کا ظہور ہے، جس میں وہ خود عمرِ عزیز کے ایک دور میں مبتلا ہوئے اور اپنے اس دور کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

ہم اللہ سے نیچریت کے زہریلے اثرات سے حفاظت کے سلسلے میں پناہ طلب کرتے ہیں،

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

مندرجہ بالا تحریر میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اس زمانے کے اپنے مذہبی اور علمی مضامین میں بھی سرسید احمد خان صاحب کے خطرناک افکار کے اثرات موجود ہونے کا اعتراف فرمایا، اور ساتھ ہی سرسید احمد خان صاحب کے مذہبی خیالات سے طبیعت اچاٹ ہونے کا، جو ذکر فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سرسید احمد کے مذہبی خیالات وافکار سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تھی، ہوسکتا ہے کہ یہ صرف طبعی اکتاہٹ ہو اور ہوسکتا ہے کہ طبعی کے ساتھ ساتھ شرعی طور پر بھی اکتاہٹ وتنفر ہوا ہو، اصل حقیقت سے تو اللہ ہی واقف ہے۔

تاہم مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے جس تفصیل وتصریح کے ساتھ سرسید احمد صاحب کے افکار وخیالات سے متاثر ہونے، ان کا دفاع وتبلیغ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، اگر اسی درجہ میں، وہ سرسید احمد صاحب کے افکار و خیالات سے شرعاً بے زاری وتردید کا اظہار بھی فرمادیتے، تو معاملہ صاف ہوجاتا، لیکن موصوف نے اپنی اس ''خودنوشت'' کے آخر تک ایسی کوئی صراحت نہیں کی۔

جہاں تک تحریک علی گڑھ، یا سرسید احمد خان صاحب کی انگریز نواز پولیٹکل پالیسیوں اور کانگریس سے اختلاف اور تردید کا تعلق ہے، تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں آگے ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

> ''لسانُ الصدق'' کا زمانہ، سرسید مرحوم کی تقلید واتباع کی سرمستی کا زمانہ تھا، طبیعت میں ان کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، کوئی آواز، جس میں ایک شائبہ، اختلاف یا تنقیص ہو، طبیعت کو گوارا نہ تھی، سرسید مرحوم کے ساتھ ان کا حلقہ، یا اس وقت میری اصطلاح کے بہ موجب نورتن بھی اسی درجے محترم تھا، جس قدر سرسید''

(خودنوشت، صفحہ ۲۱۶، بعنوان ''معترضین سید سے مقابلہ''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا سر سید احمد خان صاحب کے ساتھ عقیدت و پرستش کا یہ منظر بھی کم لوگوں میں ہی نظر آئے گا، جس کے خطرناک اثرات ونتائج کا خود مولانا موصوف نے ذکر واعتراف فرمایا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں آگے ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

یہ زمانہ تھا اور ذہن ودماغ اس عالم میں کہ اچانک ایک نئی راہ سامنے آئی، میرا اشارہ سر سید کے مصنفات کی طرف ہے، چونکہ اس واقعے نے میرے عقائد وافکار کی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا، اس لیے میں زیادہ تفصیل سے بیان کروں گا۔

والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ گمراہی کی موجودہ ترتیب یوں ہے کہ پہلے وہابیت (جس سے یہاں مراد، ائمہ وفقہاء کی ترکِ تقلید ہے۔ناقل) پھر نیچریت، نیچریت کے بعد تیسری قدرتی منزل، جو الحادِ قطعی کی ہے، اس کا وہ ذکر نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ وہ نیچریت ہی کو الحادِ قطعی سمجھتے تھے، لیکن میں تسلیم کرتے ہوئے اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ تیسری منزل الحاد ہے، اور ٹھیک ٹھیک مجھے یہی پیش آیا......

سر سید کی تصنیفات جب نظر سے گزریں، تو بالکل ایک نئی دنیا نظر کے سامنے آ گئی، طبیعت چونکہ موجودہ وسابقہ حالات سے بالکل متوحّش ہوچکی تھی، اور ماحول میں کوئی غالب موثر موجود نہ تھا، اس لیے قدرتی طور پر اس نئے عالم کی دلفریبیوں نے مسحور کرلیا، جوں جوں بڑھتا گیا، مسحوریت بھی بڑھتی گئی، حتّٰی کہ اب ایک مسمریزم کے معنوں کی طرح میری دماغی فعالیت بالکل عامل کے قبضے میں تھی، تقریباً چھ مہینے کے اندر میں نے سر سید کی تمام کتابیں دیکھ ڈالیں......

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھی اسلام کی اصلی حقیقت، یا سر سید کی اصطلاح میں ''ٹھیٹ'' اسلام سے آشنا نہیں، قرآن کے اصل حقائق ومعارف اور مذہب کی

اصلی تعلیمات تو وہ ہیں، جن کے چہرے پر سے تیرہ سو برس بعد اس مجددِ اعظم (جیسا کہ میری اس وقت کی بول چال تھی، یعنی سرسید) نے پردہ ہٹایا ہے۔

میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ اس زمانے کی دماغی سرشاری اور قلبی مخموری کی پوری تصویر کھینچ سکوں، میں ایک بت کی طرح سرسید کی پوجا کرتا تھا، ان کی عظمت میرے دل کے ریشے ریشے میں رچ گئی تھی، ان کا وجود میرے ذہن میں فضائلِ انسانی کا ایک مکمل نمونہ تھا، جس کی طرف ایک شائبہ نقص بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا تھا، بارہا حسرت ہوتی تھی کہ ''یالیتنی کنت معه'' میں سوچتا کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتے، تو میں کس طرح تمام علائق ترک کر کے ان کے پاس چلا جاتا، اور کس طرح ان کی پرستش کرتا۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان، تقلید سے کبھی باز نہیں آتا، ترکِ تقلید ہی کے نام پر وہ جن شخصوں کی عزت کرتا ہے، انھیں کی تقلید شروع کر دیتا ہے، میں نے سرسید سے سب سے بڑی چیز، جو اس وقت پائی تھی، وہ یہی ترکِ تقلید تھی، مفسرین کی، فقہاء کی، محدثین کی، متکلمین کی، تمام علماء کی، تیرہ سو برس کے تمام اجماعی عقائد و مسلّمات اور ان کروڑوں اور ان گنت مسلمانوں کی، جو تیرہ صدیوں میں گزر چکے، تاہم میں خود سرسید کا نہ صرف مقلدِ اعمیٰ تھا، بلکہ تقلید کے نام سے پرستش کرتا تھا۔

میں اس قیمتی علم پر نازاں تھا کہ توحید کے معنیٰ نہ صرف توحید فی الذات کے ہیں، بلکہ توحید فی الصفات کے بھی، یعنی جو شخص خدا اور اس کے کلام کو مان کر پھر کسی دوسرے کے قول کو قرآن ہی کی طرح بلا دلیل واجب التسلیم سمجھتا ہے، قولاً و فعلاً، تو وہ بھی شرک کا مرتکب ہے، اسی طرح شرک فی صفة النبوة، شرک فی صفة القرآن وغیرہ کی ترکیبیں میری زبان پر چڑھی ہوئی تھیں، اور میرا خیال تھا کہ یہ نہایت قیمتی تعلیم مجھے سرسید سے ملی ہے۔

لیکن کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ ''سرسید'' اس سے کیوں مستثنیٰ ہوجائیں گے، ان کے مجتہدات کے تسلیم واذعان میں اس درجے استغراق اوراس کے نفس وضعیف سے اس درجے مبرا ہونے پر یقینِ کامل، کیوں شرک فی صفة القرآن نہ سمجھا جائے؟ (خودنوشت، صفحہ ۲۶۶ تا صفحہ ۲۶۸، بعنوان ''سرسید کی تقلید کا دور، دماغی سرشاری''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے جو سرسید سے سب سے بڑی چیز پانے کا ذکر فرمایا ہے، یعنی تمام مفسرین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور گزشتہ صدیوں کے تمام علماء اور کروڑوں مسلمانوں کے تمام مسلمہ عقائد ومسلمات کی ترکِ تقلید اور پھر اس نیچریت کے نتیجے میں الحاد کا نقشہ کھینچا ہے، یہ بالکل حقیقت اور واقع کی ترجمانی ہے، مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سرسید احمد خان صاحب سے عقیدت ومحبت اور ان کی فکر اپنا کر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے بعد میں اس سے رجوع فرمالیا تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں مولانا کی تحریرات میں اتنی تفصیل و صراحت کے ساتھ نہیں ملتا، جتنی تفصیل وتوضیح اور صراحت کے ساتھ، سرسید احمد صاحب کی اتباع، ان کا دفاع اور ان کے افکار کی تبلیغ وتشہیر کا ثبوت ملتا ہے، البتہ اجمالاً ان کے مسلک سے طبیعت اچاٹ ہونے کا ذکر ملتا ہے، اوپر کے اقتباس میں تقلید پر جو تبصرہ ہے، اور سرسید کی تقلیدِ اعمیٰ پر تعجب کا اظہار ہے، اس کو رجوع کہیں، یا کچھ اور، یہ قابلِ تأمل ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اسی زمانے میں میں نے ایک کتاب لکھنی شروع کی، جس کے ناتمام اوراق، اس عہد کی یادگار اب تک موجود ہیں، سرسید کے اجتہادات کا ذوق یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ ایک مکمل اور مرتب سلسلۂ اصول وفروع اس کی بنا پر میں نے قرار دے لیا تھا، اور بطورِ استخراج واستنباط بہت سی نئی نئی چیزیں پیدا کی تھیں، اس وقت دماغ کے لیے یہی سب سے بڑا مشغلہ تھا، فقہاء کی تقسیم کے مطابق اگر سرسید مجتہد مطلق

تھے، تو میں گویا مجتہد فی المذہب کا درجہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

بہت سے اصول، بہت سے مسائل، بہت سے فروع ایسے تھے کہ انھوں نے بالتصریح کچھ نہیں لکھا ہے، لیکن ان اصول ومقدمات سے ان کا استنباط ہوسکتا ہے، یا کسی مسلک پر تاویلیں کی جاسکتی ہیں، میں یہ سب کچھ کرتا رہتا تھا، اور اپنے ذہن میں، میں نے بہت جلد ایک مکمل اصول وفروع کا ذخیرہ مدوّن کرلیا تھا، اب دو باتوں کا خیال ہوا، ایک تو یہ کہ اس مسلک کو بہ ترتیبِ عقائد واصول مدون کیا جائے، دوسرا یہ کہ سرسید کے علمِ کلام پر ایک ریویو لکھا جائے۔

مولوی چراغ علی مرحوم کو ''تہذیبُ الاخلاق'' اشاعتِ سوم میں بہ جواب سوال واستفسار سرسید نے ایک بڑا سلسلہ ''العلوم الجدیدۃ والاسلام'' کا شروع کیا تھا، جس میں قدیم کلام کی تدوین اور علومِ یونانیہ کی ترویج بیان کی ہے۔

مجھے یہ نام بہت مناسب معلوم ہوا، اور اسی نام سے ایک کتاب لکھنا شروع کی، اس کے دو حصے کیے: پہلے حصے کا موضوع یہ قرار دیا کہ انقلابِ علوم اور اس کے لیے نئے کلام کی ضرورت، پھر اس باب میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جس قدر مواد فراہم ہو چکا ہے، اس سب کا ذکر، اور اس سب پر مسلکِ سرسید کی ترجیح کے وجوہ، اور اثباتِ ترجیح کے بعد اس پر ایک مکمل تبصرہ، دوسرا حصہ گویا سرسید کے علمِ کلام کا ایک مکمل متن تھا، اور ارادہ تھا کہ تمام ابواب عقائد واصول قرار دے کر انھیں سرسید کے مسلک پر مرتب کیا جائے۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۷۸، بعنوان ''مجتہد فی المذہب''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، عمر کے ایک خاص حصے میں سرسید احمد صاحب سے بہت متاثر رہے، اور ان کے مسلک کے دفاع کی بھی کوشش کی، یہاں تک کہ موصوف

نے سرسید احمد خان صاحب کو مجتہدِ اعظم تصور کیا، لیکن ہمارے خیال میں سرسید احمد خان میں ایک صحیح مجتہد کی صفات وشرائط بھی نہیں پائی جاتی تھیں، نہ ہی ان کو محل اجتہاد امور ومسائل سے کوئی معتد بہ مناسبت تھی، جیسا کہ ان کی نئی روشنی کے اجتہاداتِ باطلہ وفاسدہ سے ظاہر ہے، جن میں دین کی غیر اجتہادی، اور اجماعی چیزوں کا انکار اور فاسد تاویلات کی بھرمار ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

انھوں (یعنی نواب محسن الملک) نے کسی دوست کے اعتراضات، جواب کے لیے مہیا کیے، اور ایک سلسلہ مضامین، مکاتیب ہی کے سلسلے میں اس عنوان سے لکھنا شروع کیا کہ ''تحریر ایک دوسرے کے جواب میں'' (اس میں انھوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرسید کے جو خیالات نئے سمجھے جاتے ہیں، وہ اصولاً نئے نہیں، پچھلے مسلمانوں کے بھی ایسے خیالات رہے ہیں، زیادہ تر اس میں انھیں ''اخوان الصفاء'' اور ''کتبِ ملل ونحل'' سے اقوالِ معتزلہ کے استناد کا موقع ملا)

میں نے جب مضمون دیکھا، تو مجھے بہت سے قدیم اقوال، سرسید کے ذوق کے یاد آ گئے، اور اس تحریک سے ذہن اس طرف گیا کہ کیوں نہ اس موضوع پر ایک زیادہ بڑی کتاب مرتب کی جائے؟ لوگوں کو جو وحشت، سرسید کے اختراع اور جدتِ خیال سے ہوتی ہے، وہ بھی دور ہو جائے گی، پھر اسی سلسلے میں خیال ہوا کہ اس رنگ کی سب سے بڑی جماعت، معتزلہ کی ہے، فی الحقیقت ان کا ظہور اور ان کے خیالات کا نشوء ٹھیک انھی ظروف واحوال میں ہوا، جو اس وقت سرسید اور ان کے رفقا کو پیش آئے ہیں، اس وقت یورپ کے نئے تمدن اور علوم سے مقابلہ ہے، اس وقت قدیم علوم سے تھا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت مسلمان، صاحبِ حکومت وتمدن تھے، اس لیے اجتماعی دفاع اس درجے منفعل نہ تھا، جس قدر موجودہ عہد

تنزل میں ہے، اور اس لیے معتزلہ قدیم میں جتنی اسلامی فعالیت نظر آتی ہے، اس سے معتزلہ جدید خالی ہیں، بایں ہمہ عقائد کی نسل دونوں کی ایک ہے۔

بہر حال معتزلہ کی طرف انتقالِ ذہنی ہوا، اور پھر ان کا اعتراف و اعتقاد روز بروز بڑھتا گیا، جس قدر ان کے اقوال و افکار مطالعے میں آتے، ان کا مسلک مرغوب و مالوف نظر آتا۔

اب شوق ہوا کہ ایک کتاب، معتزلہ کے حالات میں لکھی جائے، اور چونکہ عہدِ متاخر میں اشاعرہ کے شیوع و تسلّط نے ان کے تمام مدونات و کتب معدوم کر دیے ہیں، اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ جستہ جستہ جس قدر اقوال و آراء متفرق طور پر مل جاتے ہیں، تفحص و جستجو سے یک جا کیے جائیں، اور کوشش کی جائے کہ عقائد و مسائل کا ایک مکمل سلسلہ مرتب ہو جائے، چنانچہ اب تمام تر ہمت ''المعتزلہ'' کی ترتیب میں مشغول ہوگئی۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۸۰، وصفحہ ۲۸۱، بعنوان ''محسن الملک اور سرسید۔ معتزلہ کی طرف رغبت''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002عیسوی)

مذکورہ عبارت میں سرسید احمد صاحب سے کس قدر صراحت کے ساتھ معتزلہ نوازی کا نہ صرف اعتراف، بلکہ اس کے اظہار و تبلیغ کی کوشش کا بھی ذکر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اس کے علاوہ متعدد مسائل پر بتقلیدِ سرسید طبع آزمائیاں کیں، مقصود یہ تھا کہ سرسید کے ''علوم و معارف'' (جیسا کہ اس زمانے میں میری اصطلاح تھی) زیادہ مدلل طریق پر لکھے جائیں، بعض اشخاص سے حقیقتِ معجزات پر بحث چھڑ گئی، مجھے اس زمانے میں سرسید کے مباحث بطریقِ تقریرات خوب مستحضر تھے، میں نے اس مسلک پر ایک تحریر لکھنی شروع کی، جس میں نبوت، معجزات، معجزے کے دلیلِ نبوت نہ ہونے کے دلائل، پھر معجزات کی حقیقت، خرقِ عادت کا شرعاً امتناع

''لاتبدیل لخلق اللہ'' سے استدلال فطرۃ اللہ اور سنۃ اللہ کا بھی قوانینِ مادیۂ طبیعہ میں استعمال وغیرہ وغیرہ مباحث تھے۔

بمبئی سے ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا تھا، اس میں عرصے تک نکلتی رہیں (یعنی تحریر) پھر حکیم محمد حسن، شاہ جہاں پور کے ایک طبیب تھے، اور میری اس وقت کی تقریروں اور مشنریوں اور آریوں سے مباحثوں کے بڑے قدرداں، انھوں نے رسالے کی شکل میں چھاپ دیا (خود نوشت، صفحہ ۲۸۲، بعنوان ''سرسید کے علوم ومعارف''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری صاحب نے ''ارمغانِ آزاد'' کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعدد مضامین جمع کیے ہیں، اس میں انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مذکورہ کتابوں کا تعارف کرایا ہے، جن میں ایک کتاب ''العلوم الجدیدۃ والاسلام'' اور دوسری کتاب ''المعتزلۃ'' اور تیسری کتاب ''حقیقتِ معجزات'' ہے۔

ان کتابوں میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے سرسید احمد کے بعض افکار کو سراہا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ارمغانِ آزاد، صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۹، مرتب ومؤلف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، بعنوان ''مولانا آزاد کی ابتدائی نثر نگاری''، مطبوعہ: ادارہ تحقیقاتِ وتحریکاتِ ملی، پاکستان، سنہ اشاعت: 1990 عیسوی)

معلوم ہوا کہ سرسید احمد صاحب کی نیچریت کے زہریلے اثرات سے ایک زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب بہت متاثر ہوئے اور ان پر نیچریت کے مضر اور انتہائی مضر اثرات پڑے، جس کا نمونہ مذکورہ عبارات میں پیش کر دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خود نوشت'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

سرسید کے مسلک نے پوری طرح تمام پچھلی خوش اعتقادیاں اور تقلیدی عقائد بیخ وبُن سے اکھاڑ دیے تھے، اور ذہن کو وادیِ مذہب میں ہر طرح کی آزادی وجولانی کا خوگر بنا دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ شکوک وکاوش نے اور مزید وسعت اختیار

کی، اور سرسید کی انتہائی بلند پروازیاں بھی وہاں ساتھ دینے سے درماندہ رہ گئیں۔
سرسید کی رہنمائی نے اس منزل تک پہنچا دیا تھا کہ اہلِ مذاہب کے تمام دعاوی وعقائد اس رنگ وشکل میں، جو عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں، محض وہم وخیال ہیں، اور اصلیت کچھ دوسری ہے۔
لیکن اب یہ منزل سامنے آئی کہ عقائد کے جتنے حصے کو سرسید بھی منوانا چاہتے ہیں، وہ بھی وہم وخیال نہ ہوں؟ وجودِ باری، ذات وصفات، بقائے روح، وحی والہام، نبوت، شرائع وادیان، کیوں نہ یہ سب بھی نا قابلِ تسلیم واعتراف ہوں؟
سرسید کے مسلک نے ان تمام عقائد کی حقیقت اتنی نازک وباریک کردی تھی کہ طبیعت کے لیے اسے بھی نکال باہر کرنا کچھ گراں نہیں ہوسکتا تھا، مثلاً قدیم خیالات کے مطابق وحی کی بابت جو تصور تھا، وہ اتنا وزنی اور مافوق عقل تھا کہ دماغ، اعتقاد واعتراف کے بعد پھر اس سے انکار کرنا سہل نہیں سمجھ سکتا تھا۔
لیکن اب یہ ''روشن خیالی'' تو یہ کہتی تھی کہ یہ سب جہل واوہام کی اختراع ہے۔ (خود نوشت، صفحہ ۲۸۳، بعنوان ''نشہ سال بھر رہا، سرسید کی رہنمائی''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

ملاحظہ فرمایئے کہ سرسید صاحب کے مسلک اور نیچریت کے کتنے تباہ کن اثرات پڑے، جس سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو اپنا دین محفوظ رکھنے کے لالے پڑ گئے۔
سرسید احمد اور نیچریت کے مذکورہ بالا افکار واثرات کو ملاحظہ کرکے، ایک مسلمان یہی دعا کرے گا کہ ''اعاذنا اللہ منہ''۔ آمین۔
مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں آگے چل کر ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:
جب نئی روشن خیالی کی ہوا لگی، اور سرسید کا رنگ چڑھا، تو اگرچہ اس کا اثر صرف عقائد وافکار ہی کے دائرے میں محدود نہ تھا، بلکہ اعمال پر بھی پڑتا تھا، اب صوم

وصلاۃ کی حقیقت ہم وہ نہیں سمجھتے تھے، جو عام لوگ سمجھتے ہیں، ہمارا معیار اعمال واحکام اب فلسفیانہ وحکیمانہ تھا۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۸۹، بعنوان ''مسلکِ سید کا اثر''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

یہ ہے نئی روشنی، جس کا اندرون اتنا ہی بھیانک اور تاریک تر ہے، جتنا باہر سے یہ مزین و مرغوب دِکھتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اب جو دور شروع ہوا، اس کی ضرب بیک وقت عقائد اور اعمال، دونوں پر لگی، اور یہ پہلا موقع ہے کہ عمل میں ضعف شروع ہوا، اِدھر عقائد شکوک واضطراب کے سیلاب میں بہہ رہے تھے، اُدھر عملی زندگی کا خاتمہ ہو رہا تھا، کچھ دنوں تک تو یہ حالت رہی کہ باوجود کامل ذہنی انقلاب کے بطور عادت ورسم کے معمولی اعمال جاری رہے، کوئی کیفیت اور دل کا اٹکاؤ باقی نہ رہا تھا، لیکن وقت پر عادتاً ہر بات یاد آجاتی تھی، صبح اٹھتے، تو گو نہ مذہب پر اطمینان رہا تھا، نہ مذہب کے مبادیات واساسات پر، حتّٰی کہ اس خدا کے وجود پر بھی، جس کے لیے عبادت کی جاسکتی ہے، تاہم طبیعت اس درجے عادی ہوچکی تھی کہ بلا نماز پڑھے رہا بھی نہ جاتا تھا، گویا پہلے فقدانِ عمل میں معنوی فقدان ہوا، اور اس کے بعد صوری۔

چند دنوں کے بعد شک واضطراب نے انکار تک رسائی پیدا کرلی، تو اب ذہن نے پوری جدوجہد، طبیعت کے مقابلے میں شروع کردی، صاف نظر آنے لگا کہ نہ صرف فعل عبث ہے، بلکہ ایک سخت فریب وریا ہے، ایک عمل جس پر ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی یقین نہیں، اسے اہلِ یقین کی طرح کرنا، خود اپنے ساتھ فریب کھیلنا ہے، یہ نہیں ہوا، جیسا کہ معمولی حالات میں ہوتا ہے کہ تدریجی رفتار کے ساتھ ترکِ عمل تک پہنچے ہوں، بلکہ چند دنوں کی فکر وکشمکش کے بعد ایک دن

شب کو آخری فیصلہ کرلیا اور صبح سے نماز ترک کردی۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۹۰، بعنوان ''عقائد واعمال پر ضرب''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

گزشتہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ مذکورہ اقتباس سے بھی معلوم ہوا کہ سرسید احمد کے افکار ان کے حلقہ بگوش ہونے والے ایک مسلمان کے اعمالِ صالحہ کو ترک کرانے، اور اس سے بڑھ کر، ایمان اور پختہ یقین کو مذہب کے مبادیات واساسات، یہاں تک کہ اللہ کے وجود سے بھی شک واضطراب اور انکار والحاد سے تبدیل کرانے کا سبب بن جاتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' میں آگے چل کر ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

میرے خیالات کو ترتیب کے ساتھ ان سوالات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(1) اصحابِ ادیان وشرائع کے مبادیات، مثلاً وجودِ باری، بقائے روح اور معاملاتِ معاد، ہم کیوں کر اس کا یقین حاصل کرسکتے ہیں، اور کیوں ماورائے احساس کے اعتراف پر مجبور ہوں؟

(2) لیکن اگر حقیقت، اثبات میں ہے، اور دین وشریعت، من جانب اللہ ہے، تو اس میں اختلاف وتعدّد کیوں ہے، اور کیوں تمام نوع وعرض پر ایک ہی دعوت نہیں بھیجی گئی؟

(3) پھر ایک مذہب کے مان لینے کے بعد نزاع وکشاکش سے نجات نہیں ملتی، کیوں کہ پھر وہی یکساں دعاوی کا تزاحُم موجود ہے، خود اس مذہب کی اصلیت وصداقت، متخالف دعووں میں گم ہوگئی ہے، اور ایک ایک مذہب کے پیرو، بے شمار مذہبوں میں بٹ گئے ہیں، اسلام میں سب سے پہلے بڑے بڑے اصولی مذاہب ہیں، مثلاً شیعہ، سنی، معتزلی، اہلُ الظواہر وغیر ذالک، پھر ان کے بھی بہ کثرت فروع وشعب ہیں، اصولی، اخباری، اشعری، حنبلی اور مذاہبِ فقہیہ وکلامیہ، ایک

ہی دعویٰ اور بے شمار زبانیں، کون سا یقینی ذریعہ ہے کہ ایک کو مان لیں، اور سب کو پسِ پشت ڈال دیں؟

دعاوی یکساں، دلائل تقریباً یکساں، پیش کردہ ثمرات یکساں، جزم واعتقاد یکساں، اور قطعی ذریعۂ ترجیح مفقود، ٹھیک جس طرح ایک مسیحی صرف اپنے ہی کو مستحقِ نجات سمجھتا ہے، اسی طرح برہمن اور اسی طرح ایک مسلمان۔

یقین کیوں کر حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بعد یکا یک دوسرا سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔

خود یقین کیا ہے؟ اور یقین کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے؟ خود اس کے وسائل اور براہین میں بھی وہی اختلاف ونزاع موجود۔

خیالات کی بے قیدی ووحشت، پھر اچانک ایک دوسری وادی کی طرف رہنمائی کرتی تھی، اور ان تمام گوشوں سے ہٹ کر بالکل ایک نئے گوشے میں قدم پہنچ جاتے تھے، خود زندگی کیا ہے؟ اور زندگی کا مقصد کیا ہے؟......

میں نے ابنِ رشد کا استدلال بقائے روح پر پڑھا، اور اس کے صرف ایک معنیٰ سمجھ میں آئے، یعنی روح کا وجود ہی نہیں ہے۔ (خودنوشت، صفحہ۲۹۳، ۲۹۴، بعنوان ''اسلام کا اندرونی اختلاف۔ زندگی کیا ہے؟''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مذکورہ کلام سے بھی نیچریت اور سرسید احمد کے افکار کے تباہ کن مناظر سامنے آتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں حق وباطل کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے، بلکہ مذہب کی صحیح باتوں سے بھی الٹے نتائج برآمد ہونے لگتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ''خودنوشت'' کے آخر میں اپنی حالت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

الحاد وانکار، جو بسا اوقات سوفسطائیت کا بھی عنصر اپنے اندر رکھتا تھا، ایک مصنوعی

طبیعت بن کر تمام افکار وعقائد پر غالب آ گیا۔ (خودنوشت، صفحہ ۲۹۶، بعنوان ''بے بسی اور وہ بھی کیسی؟''، مصنفہ: مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، انڈیا، سنِ اشاعت: 2002 عیسوی)

''سوفسطائی'' ایسا فرقہ ہے، جو حسیات اور بدیہیات کا انکار کرتا ہے۔

بعض حضرات نے ''سوفسطائیہ'' کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں:

ایک ''عنادیة'' جو عناد کی وجہ سے چیزوں کے حقائق کا انکار کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب وہم اور باطل خیالات ہیں۔

دوسرے ''عندیة'' جو چیزوں کے حقائق کو اپنے اعتقاد کے تابع رکھتے ہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ انسان، جمادِ محض ہے، تو بھی جائز ہے۔

تیسرے ''لا ادرية'' جو عقل کی قدر وقیمت کا انکار کرتے ہیں، اور ہر بات میں توقف اور شک ووہم کا عقیدہ رکھتے ہیں (ملاحظہ ہو: حاشیہ تفسیر حقانی، جلد اول، صفحہ ۲، باب اول، فصلِ اول، وجودِ خدا اور انبیاء کی نبوت میں، ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی) [1]

---

[1] ''لاادریۃ'' کو ''ارتیابیہ'' بھی کہتے ہیں، جدید مغرب کی گزشتہ چند صدیوں میں ان کے فلاسفہ وسائنسدانوں کا کافی بڑا گروہ ''ارتیابیہ'' رہا ہے، جنھوں نے مذہب وفلسفے کے تمام مابعدالطبیعاتی یا غیبی حقائق کے بارے میں ''لا ادریت'' کا نعرہ لگا کر غیر جانب داری اختیار کی، اور کائناتی حسی اکتشافات کے میدان میں اپنی ساری کوششیں لگا دیں، مادیین جو خدا اور روح کے منکر ہیں، ان کے بعد بڑا گروہ اہلِ ارتیاب کا ہے، یہ مادیین کی بہ نسبت غنیمت ہیں۔

(السوفسطائية) فرقة ينكرون الحسيات والبديهيات وغيرها الواحد سوفسطائى. (المعجم الوسيط، ج ۱ ص ۴۳۳، باب السين)

(العنادية) فرقة من السوفطائية ينكرون حقائق الأشياء ويزعمون أنها وهم وخيال باطل......

(العندية) فرقة من السوفسطائية يزعمون أن حقائق الأشياء تابعة للاعتقاد حتى إن اعتقد أحدهم أن الإنسان جماد جاز ذلك عندهم. (المعجم الوسيط ، ج ۲ ص ۶۳۰ ، باب العين)

(اللاأدرية) نزعة فلسفية ترمى إلى إنكار قيمة العقل وقدرته على المعرفة وتطلق على إحدى فرق السوفسطائية عند العرب. (المعجم الوسيط ، ج ۱ ص ۲۸۲ ، باب الدال)

لاأدرية [مفرد]: (سف) اسم مذهب فلسفى، منحوت من لاأدرى، فرقة من السوفسطائية، قالوا بالتوقف فى علم الأشياء كلها. (معجم اللغة العربية المعاصرة ، ج ۳ ص ۱۹۸۶ ، رقم المادة ۴۵۰۳، باب اللام)

اسی قسم کے ''سوفسطائی'' عنصر نے موصوف کے افکار وعقائد پر غلبہ حاصل کرلیا تھا، اوراس کا سبب پہلے موصوف ہی کے ذکر میں بار بار ذکر کیا جاچکا ہے، یعنی نیچریت اور سرسید احمد کے افکار۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو نیچریت اور سرسید احمد خان صاحب کی اتباع کے نتیجے میں جو اعتزال اور انکار والحاد کی وادیوں میں حیراں وسرگرداں گھومنا پڑا، دراصل اس کے زہر کا تریاق ہمیں قرآن وسنت کی نصوص اور علمائے حق، اور خاص طور پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کی فکر میں پوری طرح ملتا ہے، جو چاہے، جب چاہے، آزما کر دیکھ لے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے نیچریت اور سرسید احمد کے افکار کو بڑی اہمیت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اوراس موضوع پر مستقل رسائل ترتیب دیے، اور ان کے افکارِ باطلہ وفاسدہ کو مدلل انداز میں نمایاں کیا۔

تذکرہ سلیمان کے مصنف، غلام محمد، بی-اے- عثمانیہ، لکھتے ہیں:

> مولانا ابو الکلام (آزاد) مرحوم، حضرت والا (مولانا سید سلیمان ندوی) کے قدیم، اور ان کے کمالات کے معترف تھے، مدت تک مل جل کر کام کرتے رہے، لیکن ادھر عرصے سے دونوں کی راہ الگ ہوگئی تھی اور ملنے ملانے تک کا موقع برسوں سے نہیں آیا تھا، مگر مولانا (آزاد) تک حضرت (سید سلیمان ندوی) کے روحانی انقلاب کی خبر بہ ہر حال پہنچ چکی تھی، اور وہ بھی حیرت زدہ تھے کہ یہ کیا ہوگیا؟
>
> خود حضرت والا (مولانا سید سلیمان ندوی) نے سنایا کہ برسوں بعد، جب مولانا ابوالکلام (آزاد) بھارت کے وزیر تعلیم بن چکے تھے، دہلی میں کسی دعوت میں، ان سے ملاقات ہوگئی، تو انھوں نے بڑے تعجب سے پوچھا:

''مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید ہو چکے ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں؟''

حضرت والا (مولانا سید سلیمان ندوی) نے دونوں باتوں کا اعتراف فرمایا، تو پھر مولانا (آزاد) نے سوال کیا، آخر تصوّف میں ہوتا کیا ہے؟

حضرت والا (مولانا سید سلیمان ندوی) نے جواب دیا کہ:

یہ بات تو کسی تفصیلی صحبت میں پوچھنے کی ہے، اس مختصر وقت میں کیا بتاؤں۔

(بات ختم ہوگئی اور پھر کسی ملاقات کی نوبت نہیں آئی، سوال تشنہ جواب ہی رہ گیا، مگر اب سائل ومسئول دونوں وہاں پہنچ گئے ہیں، جہاں بغیر سوال کے ہر حقیقت خود بہ خود شاہد ہے)

غرض اس واقعے کو سنا کر حضرت والا (مولانا سید سلیمان ندوی) نے فرمایا کہ یہ وہی مولانا ابوالکلام ہیں، جن کے والد ماجد، کلکتہ کے مشہور پیر تھے اور ان کے وصال پر لوگوں نے ان (مولانا آزاد) کو ان (کے والد) کا گدی نشین بھی کیا تھا، اگر وہاں کچھ پایا ہوتا، تو آج یہ سوال کیوں کرتے؟ رسم ورواج نے حقیقت گم کردی اور اس رسمی پیری مریدی کو دیکھ کر لوگ حقیقتِ تصوف کے، جس کا صحیح عنوان تقویٰ واحسان ہے، منکر ہوگئے۔ (تذکرہ سلیمان، ص۱۵۴و۱۵۵، ناشر: ادارہ مجلس علمی، کراچی، تاریخ اشاعت: ۱۹۶۰، عیسوی)

اس موقع پر یہ امر ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض باطل اور فاسد افکار پہلے بھی بعض افراد اور فرقوں مثلاً معتزلہ وغیرہ میں پائے گئے ہیں، لیکن ان کو اہلُ السنۃ والجماعۃ نے قبول نہیں کیا، اور ان کی تردید کی، البتہ تاویلات وغیرہ کی وجہ سے ان کو احتیاط کی بنا پر اسلام سے خارج قرار دینے کا حکم نہیں لگایا، لہٰذا اس قسم کے بعض باطل یا فاسد افکار کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ:

''ان باطل یا فاسد افکار میں سر سید احمد خان یا ان کے متبعین وغیرہ تنہا نہیں ہیں، اور ان افکار کی بعض مسلم افراد یا طبقات میں بنیاد پائی جاتی ہے''۔

یہ تاویل، ان افکار کی صحت کی دلیل نہیں بنتی، جیسا کہ بعض لوگ اس موقع پر اس طرح کا تاثر دیتے ہیں، بلکہ ان افکار کا باطل، یا فاسد ہونا اپنی جگہ برقرار رہتا ہے، البتہ اس قسم کے بعض افکار سے دنیا کے اعتبار سے کفر کا حکم لگنے سے تو چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے، لیکن گمراہی اور ضلالت سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا، اس لیے ان پر کفر کا حکم لگانا بھی اسی طرح کا غلو اور حد سے تجاوز ہے، جس طرح ان کا دفاع کرنا اور ان کو صحیح قرار دینا، اور بعض افراد کے حق میں اجتہادی خطاء کی تاویل کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، جو فی نفسہٖ ان افراد پر ضلالت و گمراہی کا حکم لگانے سے اجتناب میں مؤثر ہوتی ہے، لیکن فاسد، یا باطل افکار کا شاذ اور غلط ہونا پھر بھی برقرار رہتا ہے، جب کہ عنداللہ آخرت کا معاملہ اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔

''ذکرِ آزاد'' کا حوالہ

جناب عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کا، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے ساتھ 38 سال رابطہ رہا، وہ مولانا موصوف کے ساتھ جیل میں بھی رہے، اپنی اس 38 سالہ رفاقت کے دوران پیش آنے والے حالات اور واقعات کو انھوں نے ''ذکرِ آزاد'' کے نام سے ایک مجموعے میں پیش کیا ہے، جس میں انھوں نے مولانا آزاد صاحب کے جیل میں محبوس ہونے کے زمانے میں ''مولانا میں مذہبی انقلاب'' کے عنوان سے مولانا آزاد صاحب کی ایک لمبی خود نوشتہ تحریر بھی نقل کی ہے، جو ان کی خواہش پر مولانا موصوف ہی نے خود اِن کو تحریر کر کے دی تھی، اس پوری تحریر کو جناب عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب میں نقل کیا ہے۔

اصل معاملہ دین کا ہونے، نہ کہ ذات کا ہونے اور مولانا آزاد صاحب کے متنازع افکار بطورِ

خاص ان کے ''اتحادِ ادیان'' کے موقف کو سمجھنے کے لیے ان کی اس تحریر کے خود نوشتہ ہونے کی وجہ سے یہ بہت اہمیت رکھتا ہے، اس میں مولانا آزاد صاحب نے اپنی حالت کا نقشہ درجِ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:

''کیا فی الحقیقت خدا کا وجود ہے؟ اور کیا واقعی مذہب کے تمام بتلائے ہوئے عقائد حقیقت رکھتے ہیں؟''

''اگر ایسا ہی ہے، تو پھر اتنی بڑی حقیقت اور سچائی میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ مذہب، اگر ہدایت اور امن کے لیے ہے، تو پھر وہی انسان کے تمام اختلافوں اور جھگڑوں، بلکہ انتہا درجے خون ریزیوں کا سبب کیوں بن گیا ہے؟ حقیقت ایک ہی ہوسکتی ہے۔ ایک سے جو زیادہ ہے، وہ تو حقیقت نہیں ہے۔''

''پھر اگر دنیا کے اتنے بے شمار مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کو مان بھی لیا جائے، تو بھی مشکل کہاں ختم ہوتی ہے؟ ہر مذہب کے اندر بھی تو بے شمار اختلافات پائے جاتے ہیں، اور بہت سی جماعتوں میں اس کے ماننے والے بٹ گئے ہیں؟ ایک کیوں حق پر ہے، اور دوسرا کیوں حق پر نہیں؟''

یہ تین سوال تھے، جو 14 برس کی عمر میں مجھ پر اس طرح چھا گئے تھے کہ خون اور گوشت کی جگہ میرے اندر صرف اِنھی کی گونج ابھری ہوئی محسوس ہوتی تھی، گرہ کو جس قدر کھینچا جائے، اُتنا ہی اور زیادہ اُلجھ جاتی ہے، اسی طرح میں جس قدر حل کرنے کی کوشش کرتا تھا، اُتنا ہی زیادہ اُلجھاؤ بڑھتا جاتا تھا۔

میں نے ہر طرح کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، مختلف مذہبوں کی کتابیں بار بار دیکھ ڈالیں، میں اُس وقت بمبئی میں تھا، وہاں مجھے متعدد عیسائی، یہودی، پارسی، بہائی، ناستک اور ہندو عالموں سے ملنے اور بحث ومباحثے کا موقع ملا، لیکن اُن کی باتیں میری اُلجھن کو اور زیادہ کرتی تھیں۔ اُن کے جوابات اور مباحث سُن کر

مجھے معلوم ہوتا تھا کہ میری پریشانی اُس سے کہیں زیادہ ہونی چاہیے، جس قدر میں سمجھے ہوا تھا، بالآخر یہ اندرونی تکلیف یہاں تک بڑھی کہ میں بیمار ہوگیا، غذا بند ہوگئی، نیند اُچاٹ ہوگئی۔

اس اثنا میں میں نے ماڈرن فلاسفی اور سائنس کی مختلف شاخوں کا مطالعہ کیا، جس قدر مطالعہ مشرقی زبانوں میں تراجم سے کرسکتا تھا، اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کی طرف سے میری بے اطمینانی اور زیادہ گہری ہوگئی۔

اب مجھ پر وہ دروازہ کھلا، جو اس راہ میں ہمیشہ کُھلا کرتا ہے، یعنی مذہب اور عقل کی تطبیق واتحاد کا طریقہ۔ اس کے بھی متعدد اسکول ہیں، میں نے سب کا مطالعہ کیا، اور اس سے اتنا ضرور ہوا کہ ایک عارضی سکون مجھے ہوگیا، اسی زمانے میں میں نے سرسید احمد خاں مرحوم کی کتابوں کا مطالعہ کیا، جن کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے موجودہ زمانے میں مذہب اور ماڈرن سائنس کو ملانے کے لیے ایک نئے اسکول کی بنیاد ڈالی ہے، مجھ پر اُن کی تصنیفات کا بہت اثر پڑا۔ حتیٰ کہ کچھ دِنوں تک میرا یہ حال رہا کہ میں بالکل اُن کا مقلّد اور پیرو ہوگیا تھا۔

مگر یہ وقفہ عارضی تھا، بہت جلد ہی معلوم ہوگیا کہ یہ منزل مذہب کی طرف لے جانے والی نہیں ہے، بلکہ مذہب سے انکار کی ایک نرم اور ملائم صورت ہے۔

آخری نتیجہ میرے دل ودماغ پر حاوی ہوگیا تھا، یعنی گو میں زبان سے صاف صاف اقرار نہیں کرتا تھا، لیکن میرے اندر قطعی انکار والحاد کی آواز گونج رہی تھی۔

میں اب پکا دہری ہوگیا تھا، مٹیریلزم اور ریشنلزم کے اعتقاد پر میرے اندر فخر وغرور تھا، اور مذہب کے نام میں جہل وتوہم کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، تاہم وہ چیز کہاں تھی، جس کی ڈھونڈھ میں نکلا تھا؟ یعنی دل کا اطمینان؟ وہ تو اب اور زیادہ دُور ہوگئی تھی، میرے اضطراب کی اندھیاری میں تسلی کی ایک ہلکی سی کرن

بھی دکھائی نہیں دیتی تھی!

14 برس سے لے کر 22 برس کی عمر تک میرا یہی حال رہا۔ میرا ظاہری روپ ایک ایسے مذہبی آدمی کا تھا، جو مذہب کو عقل وعلم کے ساتھ ساتھ چلانا چاہتا ہے، لیکن میرے اندر اعتقاد میں قطعی الحاد تھا اور عمل میں قطعی فسق!

یہی منزل میری آخری مایوسی کی منزل تھی۔

اور اسی کے بعد اچانک امید کی روشنی میرے سامنے چمکی۔ میں جس طرح اُس ہاتھ کو نہیں بتلا سکتا، جس نے مجھے اندھیاری میں دھکیلا، اسی طرح میں اُس ہاتھ کے لیے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا، جس نے اچانک مجھے اُجالے میں پہنچا دیا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ روشنی نمودار ہوئی، اور نو برس خاک چھاننے کے بعد میں نے اپنی منزلِ مقصود خود، اپنے ہی پاس موجود پائی، تمام شکوک دُور ہو گئے، تمام دھوکے مٹ گئے، جس یقین اور اطمینان کی تلاش تھی، وہ مجھے حاصل ہو گیا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ مذہب اور عقل کے میدان بالکل الگ الگ ہیں، اور دونوں کی ایسی پوزیشن نہیں ہے، کہ ان کو باہم مخالف سمجھ کر توڑنے یا جوڑنے کی کوشش کی جائے، مادہ اور محسوسات کی راہ ہم ادراک سے طے کر سکتے ہیں، مگر مذہب جس عالم کا پیام لاتا ہے، اس کے لیے ہمارے پاس صرف جذبہ ہے، اور یہ بڑی بھول ہے کہ چاندی، سونا تولنے کے کانٹے سے ہوا اور روشنی کا بھی وزن معلوم کرنا چاہیں۔

مجھے معلوم ہوا کہ جس مذہب کو دنیا ''اسلام'' کے نام سے پہچانتی ہے، فی الحقیقت وہی مذہبی اختلافات کے سوال کا اصلی حل ہے۔

اسلام، دنیا میں کوئی نیا مذہب قائم نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اُس کا مشن خود اُس کے بیان کے مطابق صرف یہ ہے کہ دنیا میں تمام مذہبوں کے ماننے والے اپنی اصلی

اور بے میل سچائی پر قائم ہوجائیں، اور باہر سے ملائی ہوئی جھوٹی باتوں کو چھوڑ دیں۔

اگر وہ ایسا کریں، تو جو اعتقاد ان کے پاس ہوگا، اُس کا نام قرآن کی بولی میں اسلام ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ سچائی ایک ہے، ابتدا سے موجود ہے، اور تمام انسانوں اور قوموں کے لیے یکساں طور پر آتی رہی ہے، دنیا کا کوئی ملک، کوئی گوشہ نہیں، جہاں خدا کے سچے بندے نہ پیدا ہوئے ہوں، اور انھوں نے سچائی کی تعلیم نہ دی ہو، لیکن ہمیشہ ایسا ہوا کہ لوگ کچھ دنوں تک اس پر قائم رہے، پھر اپنے خیال اور وہم سے طرح طرح کی نئی اور جھوٹی باتیں نکال کر اس طرح پھیلا دیں کہ وہ خدا کی سچائی، انسانی ملاوٹ کے اندر گم ہوگئی۔

اب ضرورت تھی کہ سب کو جگانے کے لیے ایک عالم گیر صدا بلند کی جائے۔

یہ اسلام ہے، وہ عیسائی سے کہتا ہے کہ سچا عیسائی بنے، یہودی سے کہتا ہے کہ سچا یہودی بنے، پارسی سے کہتا ہے کہ سچا پارسی بنے، اسی طرح ہندؤں سے کہتا ہے کہ اپنی اصلی سچائی کو دوبارہ قائم کرلیں، یہ سب اگر ایسا کرلیں، تو وہ وہی سچائی ہوگی، جو ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ سب کو دی گئی ہے۔

کوئی قوم نہیں کہہ سکتی کہ وہ صرف اسی کی میراث ہے، اسی کا نام ''اسلام'' ہے، اور وہی ''دینُ الفطرة'' یعنی خدا کا بنا ہوا نیچر، اسی پر یہ تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے، سورج کا بھی وہی دھرم ہے، زمین بھی اس کو مانتے ہوئے ہر آن گھوم رہی ہے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی ہی اور کتنی زمینیں اور دنیا میں ہیں، اور ایک خدا کے ٹھہرائے ہوئے ایک ہی قانون پر عمل کر رہی ہیں۔

پس قرآن، لوگوں کو اُن کے مذہب سے چھڑانا نہیں چاہتا، بلکہ ان کے اصلی

مذہب پر اُن کو دوبارہ قائم کر دینا چاہتا ہے، دنیا میں بے شمار مذہب ہیں، ہر مذہب کا پیرو سمجھتا ہے کہ سچائی صرف اُسی کے حصے میں آئی ہے، اور باقی سب باطل پر ہیں۔ گویا قوم اور نسل کی طرح سچائی کی بھی میراث ہے۔

اب اگر فیصلہ ہو تو کیوں کر ہو؟ اختلاف دُور ہو تو کس طرح ہو؟

اس کی صرف تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ سب حق پر ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ حق ایک سے زیادہ نہیں۔ اور حق میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

دوسری یہ کہ سب باطل پر ہیں۔ اس سے بھی فیصلہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ پھر حق کہاں ہے؟ اور سب کا دعویٰ کیوں ہے؟

اب صرف ایک تیسری صورت رہ گئی، یعنی سب حق پر بھی ہیں، اور سب ناحق پر بھی، یعنی اصل ایک ہے، اور سب کے پاس ہے، ملاوٹ باطل ہے، موجبِ اختلاف ہے، اور سب اُس میں مبتلا ہو گئے ہیں، اگر ملاوٹ چھوڑ دیں، اور اصلیت کو پرکھ کے صاف کر لیں، تو وہ ایک ہی ہوگی، اور سب کی جھولی میں نکلے گی۔

''قرآن'' یہی کہتا ہے اور اُس کی بولی میں اسی مشترک اور عالم گیر اصلیت کا نام اسلام ہے۔

شک اور انکار کے بعد یقین اور اعتقاد کے حصول میں میرے نظر و فکر کا کیا عالَم رہا، اور میرے تمام لاینحل سوالوں کے کیا کیا جواب ملے؟ یہ بہت لمبی چوڑی داستان ہے، اور میری موجودہ تصنیفات انھی کی شرح ہیں'' (انتہیٰ)

(ذکرِ آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت میں اڑتیس سال، ص ۱۵۱، تا ص ۱۵۴، بعنوان: قادیانی، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سنِ اشاعت: 2006ء)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مذکورہ تحریر کا جہاں اختتام ہوا ہے، ہم نے اس کو مکمل نقل کر دیا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا آزاد صاحب نے خود سے اپنی عقل وفکر کی بنیاد پر جو انتہائی نازک واہم عقائد ونظریات کے باب میں خم وپیچ کھائے، اُن کا نتیجہ کتنا خطرناک نکلا، جس کے اثرات مولانا آزاد صاحب کی تحریرات میں بھی نمودار ہوئے، اور اس کا خود مولانا موصوف نے بھی اعتراف فرمایا۔

ہمارے خیال میں اس کی اہم وجہ اس زمانے میں مولانا موصوف کی قرآن وسنت کی گہری تعلیمات پر گرفت کا نہ ہونا، نیز کسی اللہ والے کے دامن سے وابستہ نہ ہونا تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مذکورہ تحریر میں جو موقف اور طرز اختیار کیا گیا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں الحاد ودہریت کے افکار وخیالات سے نکل چکے تھے، لیکن بعد میں اسلام کی آمد کے بعد بھی تمام مذاہب کو اپنی اصلی حالت پر حق اور نجات کے لیے کافی سمجھتے تھے۔

اسی طرح کا تاثر مولانا موصوف کی سورہ فاتحہ سے متعلق تفسیر سے بھی ظاہر ہوتا تھا، جس کی بنیاد پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت تھانوی رحمہما اللہ کے فتاویٰ میں بھی ان کے موقف پر سخت الفاظ جاری ہوئے، جیسا کہ آگے آتا ہے، تاہم خود مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے بعض مکتوبات میں اس کی توضیح کی ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

پھر مذکورہ عبارت کے بعد متصل ہی جناب عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب نے ''ذکرِ آزاد'' ہی میں ''قادیانی'' کی سُرخی قائم کر کے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا لکھا ہوا ایک فتویٰ نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف، قادیانیوں کو سخت گمراہ تو سمجھتے تھے، لیکن انھیں احتیاط کی بنا پر کافر قرار نہیں دیتے تھے، جیسا کہ بعض دوسرے علماء کا موقف بھی یہی تھا، لیکن جمہور علماء کا موقف قادیانیوں کے کافر ہونے کا ہے۔

چنانچہ اس فتوے کا ایک اقتباس درجِ ذیل ہے:

خود اس (قادیانیوں کی) جماعت میں دو گروہ ہوگئے ہیں، اور دونوں مرزا صاحب کے اقوال وعقائد کی تعیین میں باہم دگر معارض ہیں، لاہوری جماعت، ان تمام باتوں کا کچھ دوسرا مطلب بتلاتی ہے، ایسی حالت میں کیوں کر جائز ہوگا کہ ان پر ملت سے خارج ہونے کا حکم دے دیا جائے۔

میرے نزدیک ان کا شمار اسلام کے گمراہ فرقوں میں ہے، اور جو اُن میں غالی ہیں، ان کی گمراہی، کمال مرتبۂ ضلالت تک پہنچی ہوئی ہے، تاہم میں کسی ایسے فرد یا جماعت کو جو شہادتین کا اقرار کرتی ہو، یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اور قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتی ہو، اس معنیٰ میں کافر نہیں کہہ سکتا، جس سے مقصود ملتِ اسلامیہ سے خارج ہوجانا ہے۔

میرے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ان سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا جائے، ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ بے جا تشدد ہوگا، بلکہ ان کی جماعتی تقویت کا موجب ہوگا۔

(ذکرِ آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت میں اڑتیس سال، ص ۱۵۶، بعنوان: قادیانی، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سنِ اشاعت: 2006ء)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حوالہ

رمضان 1358 ہجری میں، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک رسالہ ''الارشاد الٰی بعض احکام الالحاد، مشرقی اور اسلام'' کے نام سے تحریر کیا تھا، جس میں عنایت اللہ خان صاحب مشرقی اوران کی تحریک خاکسار کی گمراہی کے متعلق تفصیل کے ساتھ حکم بیان کیا تھا، جس کے ضمیمۂ ثانیہ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

ابھی رسالہ چھپ کر مکمل نہ ہوا تھا کہ دو چیزیں قابلِ ذکر اور سامنے آئیں، ایک تو

خاکسار جماعت کے متعلق کچھ حالات نئے معلوم ہوئے، دوسرے ایک سوال ''تفسیر ترجمان القرآن'' مصنفہ: ابوالکلام آزاد کے متعلق، اس مضمون کا آیا کہ جن عقائد وخیالات کی وجہ سے مشرقی کو علماء، کافر وملحد کہتے ہیں، اُن میں بعض میں ابوالکلام آزاد بھی مشرقی کے ہم عقیدہ وہم خیال نظر آتے ہیں، جس کو سائل نے تفسیر ابوالکلام کے حوالوں سے ثابت کیا ہے، اس لیے ان دونوں چیزوں کے متعلق بھی بہ مشورہ اکابر علماء، رائے ظاہر کی جاتی ہے۔(جواہرُ الفقہ، جلد اول، صفحہ 381، طبع جدید 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دارُ العلوم کراچی)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی سورہ فاتحہ سے متعلق تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' کی چند عبارات کی روشنی میں جو سوال مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعلق مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کے جواب میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے درج ذیل مضمون تحریر کیا:

جب بنا، حکم کی اقوالِ خاصہ ہیں، تو ظاہر ہے کہ اشتراکِ بنا سے حکم بھی مشترک ہوگا، بلکہ دونوں قائلوں (یعنی عنایت اللہ خان مشرقی اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحبان) میں علم ونظر کے تفاوت سے، نیز تلبیس کے قصد وعدمِ قصد سے عجب نہیں کہ حکمِ مذکور میں شدت بڑھ جائے، مگر فرقِ اول (یعنی علم ونظر کے تفاوت) کی بنا پر یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ شاید مؤلف (یعنی مولانا ابوالکلام آزاد) کے ذہن میں اُن عبارات میں کوئی تاویل ہو، گو بعید ہی ہو، نیز گاندھی کی تقریر پر مؤلف (مولانا ابوالکلام آزاد) کی طرف سے نکیر کا وقوع اور ہم لوگوں کو اس کا معلوم نہ ہونا بھی بامکانِ عقلی محتمل ہے، گو اَبعد ہی ہو۔[1]

ان احتمالات پر نظر کرکے ہم مزید احتیاط کے لیے خود ضابطہ کا فتویٰ دینے کی جگہ

[1] مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی اس تفسیر کی مہاتما گاندھی نے تحسین کی تھی، اسی کی طرف مذکورہ بالا اقتباس میں اشارہ کیا گیا ہے۔محمد رضوان

ایک دوسری صورت تحقیقِ حکم کے لیے تجویز کرتے ہیں، وہ صورت یہ ہے کہ ہم طالبانِ تحقیق کو مشورہ دیتے ہیں، کہ اوّل مؤلف صاحب سے ان عبارات کے متعلق استفسار کرلیں، پھر جو جواب آئے، اس کو مع تمام صورتِ حال کے علماء، اہلِ فتویٰ کی خدمت میں پیش کر کے شرعی حکم حاصل کریں، اور اس کو جلد شائع کردیں، تاکہ اُمت کو غلطی سے نجات ہو، بالخصوص آئندہ نسلوں کو۔

واللّٰہ الموفق

العبدالضعیف محمد شفیع الدیوبندی عفااللّٰہ عنه رمضان 1358ھ

(جواہرُ الفقہ، جلداول، صفحہ 386، مطبوعہ: مکتبہ دارُالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ نومبر ۲۰۱۰ء)

ہمارے خیال میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مذکورہ فتوے میں درج رائے انتہائی معقول اور احتیاط پر مبنی ہے اور اگر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے بروقت وضاحت کر کے معاملہ صاف کردیا جاتا، تو بات آگے نہ بڑھتی، لیکن ایسا نہ ہوسکا، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مخصوص مزاج کا بڑا دخل تھا، جس کا ذکر آگے خود مولانا موصوف کے مکتوب میں آتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ وہ جس حد تک روشن خیال یا جدتِ فکر کے حامل تھے، وہ علی الاعلان تھے، اس میں کوئی تاویل یا انکار وہ نہیں کرتے تھے، نہ اس سے اختلاف یا مخالفت ہونے پر کوئی اثر لیتے، ہاں مخالفین ان کی طرف جو ایسی بات منسوب کرتے، جو اِن میں نہ تھی، اس کی وضاحت کردیتے، اور نفی کردیتے (اگر اس کی نوبت آتی) سیاسی مخالفین ومخالفتوں میں بھی ان کا یہی طرز رہا۔

تاہم اس کے باوجود مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے شخصی احترام کو بھی ملحوظ رکھا، اور اچھائیوں کا اعتراف بھی کیا، پہلے بھی اختلاف ہونے کے باوجود دوسرے کے شخصی اوصاف اور ذاتی تشخّص کی رعایت پر بارہا ذکر کیا جاچکا ہے، چنانچہ مولانا

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، جنھوں نے ہمارے علم کے مطابق، علمائے دیوبند میں سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر کے متعلق سامنے آنے والے سوال کا باضابطہ تحریری شکل میں جواب تحریر فرمایا تھا، جو پیچھے گزرا۔

یہی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ہیں، جو اپنی تالیف ''التصویر لاحکام التصویر'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم، جنہوں نے مدتِ دراز تک اپنا مشہور اخبار ''الہلال'' باتصویر شائع کیا، جب وہ رانچی جیل میں تھے، آپ کے متعلقین میں سے بعض حضرات نے آپ کی سوانح اور حالات کو بہ نام ''تذکرہ'' جمع کر کے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا، تو جدید مصنفین کی رسم کے مطابق، انھوں نے رانچی جیل میں آپ کو خط بھیجا کہ مجھے اپنا فوٹو عنایت فرماویں، جس کو میں کتاب کے شروع میں لگانا چاہتا ہوں؟

اس پر علامہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو جواب تحریر فرمایا، وہ خود اسی تذکرہ میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے کہ:

''تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے، یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور ''الہلال'' کو باتصویر نکالا تھا، اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں، میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیے، نہ کہ ازسرِ نو اِن کی تشہیر کرنا چاہیے''۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جس صفائی اور صراحت کے ساتھ، نہ صرف اپنے سابقہ عمل سے رجوع، بلکہ تائب ہونے کا ذکر فرمایا، یہ بھی ان کی عالی ہمتی اور دین کی فکر کی بڑی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرماویں۔

(التصویر لاحکام التصویر، تصویر کے شرعی احکام، مشمولہ: جواہر الفقہ، جدید، ج۷، ص۱۸۵، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید، نومبر 2010ء)

مندرجہ بالاتحریر میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی اچھی بات کا اعتراف فرمایا، اوران کے متنازع افکار کے تاثر سے ان کی اچھائی کی تعریف کرنے سے نہیں رکے۔

عدل وانصاف، اسی کا نام ہے، جس کا بار بار ذکر کیا جاچکا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف سے تفسیر ترجمان القرآن کی عبارات کی روشنی میں فتویٰ جاری ہونے اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے کوئی توضیح سامنے نہ آنے کے بعد، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ترجمان القرآن کی سورہ فاتحہ سے متعلق چند عبارات کی روشنی میں ان کے افکار کی پُرزور تردید پر ایک مفصّل رسالہ ''توحیدُ الحق'' کے نام سے شوال/ 1358ھ میں اوراس کا ضمیمہ 7 ذی الحجہ 1358 ہجری (جنوری 1940 عیسوی) میں تحریر کیا، جو امدادُ الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں شائع ہوا۔

اسی زمانے میں مولانا یوسف بنوری صاحب نے بھی مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بعض افکار پر تنقید کی۔ اور بعض دوسرے اہلِ علم حضرات نے بھی، جن میں بعض اہلِ حدیث سلسلے کے علماء بھی داخل تھے، جس کا ذیل میں کچھ تذکرہ ملاحظہ فرمایے۔

مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب کا حوالہ

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''تفسیر ترجمانُ القرآن'' یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی مرقومہ ترجمہ وتفسیر ہے، اس میں بھی بہت سے مضامین اہلِ حق کی تحقیقات کے خلاف درج ہوگئے ہیں، اور جب اس تفسیر کی پہلی جلد سورۂ انعام تک شائع ہوئی تھی، اسی وقت سے اس پر تبصرہ اور تنقید کا حق، علمائے حق نے ادا کرنا شروع کردیا تھا، چنانچہ فتاویٰ امدادیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد۴ میں ''توحیدُ الحق'' کے نام سے ایک مفصل

مضمون از ص ۶۵۶ تا ص ۶۷۹ شامل ہے، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے نظریۂ وحدتِ ادیان پر قرآنِ کریم کی آیات کی روشنی میں بھرپور تنقید کی گئی ہے، اور اس کے ضمیمے از ص ۶۷۹ تا ص ۶۸۴ میں، اس تفسیر کے بعض مقامات کی نشان دہی کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (اہلِ حدیث) نے اپنی تفسیر سورۂ فاتحہ ''واضحُ البیان'' میں تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' کے اس نظریہ پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔

نیز ''مشکلاتُ القرآن'' کے مقدمہ ''یتیمۃُ البیان'' بزبانِ عربی میں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' کے خلافِ حق، تفرّدات پر بہت صاف صاف لکھا ہے۔ پھر اس کا ترجمہ ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند میں بھی شائع ہو چکا ہے، جس کو ہم اس مقدمہ کے بعد بعینہٖ درج کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا حفظُ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم، سابق ناظمِ اعلیٰ، جمعیت علمائے ہند، نے اپنی کتاب ''قصص القرآن'' میں جو خدمت انجام دی ہے، وہ بہت ہی قابلِ قدر اور لائقِ شکر ہے، مولانا مرحوم نے اس تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' کے ایسے مقامات پر بڑے بسط وشرح کے ساتھ بحث کی ہے، جن میں مولانا آزاد کا قدم جادۂ اعتدال سے ڈگمگا گیا تھا، اور ان کا راہوارِ قلم، حق و تحقیق کے خلاف، راہ پر گامزن ہو گیا تھا۔

مولانا احمد رضا صاحب بجنوری شارح بخاری نے اپنی شرح بخاری ''انوارُ الباری'' میں بھی جا بجا (مولانا ابوالکلام آزاد کی) اس تفسیر پر کلام کیا ہے۔ (ماہ نامہ ''الحقانیہ''، شعبان/ رمضان/ شوال 1435ھ، جولائی/ اگست 2014ء، صفحہ 59، 60، بعنوان: مولانا

ابوالکلام آزاد اور اُن کی تفسیر، علمائے عصر کی نظر میں)

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر کے غیر معتدل افکار وخیالات پر اپنے مندرجہ بالا مضمون میں مفصل کلام کیا ہے، جو مذکورہ مجلّے ''الحقانیہ'' میں شائع ہوا ہے، تفصیل کے متمنی حضرات مذکورہ مجلّہ کی طرف رجوع فرماسکتے ہیں، یہاں اس کی تفصیل نقل کرنے کی گنجایش نہیں۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب کا حوالہ

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب ''تفسیر واضح البیان فی تفسیر ام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

مولانا ابولکلام آزاد صاحب نے ''ترجمانُ القرآن'' میں آیت ''اھدنا الصراط المستقیم'' کی تفسیر بہت بسط سے لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زورِ کلام اور عبارات آرائی میں مولانا ممدوح کا اندازِ بیان ایک خاص وقعت رکھتا ہے۔ گو بیان بہت طویل اور اس میں تکرار بکثرت ہے، لیکن پھر بھی اس میں بہت سے قیمتی جواہر بھی ہیں۔ جن کی قدردانی اہلِ ذوق کا کام ہے۔ (فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء)

ہاں اس میں بعض عبارتیں ایسی خطرناک بھی ہیں کہ اگر ان کا مفہوم وہی ہے، جو بعض اصحاب نے سمجھا ہے۔ تو یہ اس دورِ آزادی میں اسلام کے لیے سخت صدمے کا باعث ہے۔ [1]

---

[1] مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے یہ بات مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی زندگی میں تحریر کرکے شائع کی، اور اس میں اتنی احتیاط بھی شامل کی کہ ایک طرف تو اس تفسیر کے اچھے پہلو کو سراہا، اور دوسری طرف احتیاط کے ساتھ یہ بھی واضح کردیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر سے جو مفہوم بعض اصحاب نے سمجھا ہے، وہ اسلام کی رُو سے بہت خطرناک بھی ہے۔ محمد رضوان۔

ترجمانُ القرآن کی طباعت سے تھوڑی مدت بعد مجھے لاہور سے ایک عزیز نے بعض دیگر احباب کے مشورے سے لکھا کہ میں ''ترجمان القرآن'' کو ص ۱۲۸ سے ص ۱۶۹ تک بغور مطالعہ کر کے اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کروں کہ مولانا موصوف کا مقصود یہی ہے کہ کوئی ہندو، یا عیسائی اپنے دین کی اصلی حقیقت (توحیدِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ) معلوم کر کے اس پر قائم ہو جائے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول من عند اللہ قبول نہ کرتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا شکریہ صرف اسی قدر ادا کر دے کہ مجھے اپنے دین کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی ہے، تو کیا ہم مسلمان اس کے بعد کسی کو اسلام کی دعوت دے سکیں گے۔ (وھکذا) [1]

میں نے ان احباب کی فرمائش کی تعمیل کی۔ لیکن اس کے متعلق احتیاطاً اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے صرف اتنے الفاظ پر اکتفا کیا کہ مولانا صاحب کے اس کلام میں مرزا صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کی طرح ہر پارٹیوں کے لیے کافی مسالہ ہے۔ ایک بھولا بھالا مبلغِ اسلام ''ترجمان القرآن'' کو ہاتھ میں لے کر قرآن مجید اور نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بھی پیش کر سکتا ہے، اور ایک شوخ و شاطر غیر مسلم بلکہ ایک آزاد مسلم بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہوتا اور اپنی روش آزادی کو عمل صالح سمجھتا ہوا کہہ سکتا ہے کہ بے شک قرآن مجید ایک علمی کتاب ہے۔ اس کی نصائح بہت عمدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کی بہت سی تاریکیاں دور کیں، اور اخلاق کی بھی اصلاح کی، بس آپ کی بعثت سے یہی منشاء تھا، کسی خاص گروہ میں شامل ہونا آپ کی رواداری اور وسیع النظرفی کے خلاف ہے، بلکہ آپ نے اور قرآن مجید نے تحزّب و تشیّع کو اسبابِ فساد و تخریب

---

[1] تفسیر ترجمان القرآن کی مذکورہ عبارت سے جو مفہوم سمجھ کر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کو ایک صاحب نے لکھا تھا، دیگر کئی اصحابِ علم نے بھی یہی سمجھا، اور اس کی تردید کی، جن میں حضرت تھانوی، مولانا بنوری اور کئی دوسرے اہلِ علم حضرات شامل ہیں، جن کے حوالے الگ الگ بیان کر دیے گئے ہیں۔ محمد رضوان۔

میں شمار کیا ہے، اس لیے ہم گروہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔(وھٰکذا) [1]
لیکن میں خاکسار (میر سیالکوٹی) یہ بدگمانی بھی نہیں کر سکتا کہ ایک مسلمان عالمِ قرآن (مولانا آزاد صاحب) غیر مسلم دنیا کے سامنے یہ نظریہ پیش کرے کہ تم اللہ کی رسی کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی رہ سکتے ہو۔ اس لیے میں نے اپنی رائے محفوظ رکھی اور اس میں جلدی نہیں کرنا چاہتا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال مجھ پر منکشف کر دے۔

زمانے میں جن علماء کی تقریر وتحریر کا غلغلہ پڑ جاتا ہے، اوران کا سیاسی، یا مذہبی چرچا بہت بڑھ جاتا ہے، تو لوگ ان کے متعلق تین طرح کے ہو جاتے ہیں۔

اول:۔ محبِ مفرط: جو اُن کی تحریر وتقریر کو اعتقادی نظر سے دیکھ کر واجبُ القبول جان لیتے ہیں، اوران کے خلاف کوئی بھی آواز نہیں سن سکتے۔

دوم:۔ دشمن ومعاند: جو اُن کی ہر تحریر وتقریر کو بدظنی سے دیکھ کر اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور ڈٹ کر مخالفت کرتے ہیں۔

سوم:۔ تیسرے وہ: جو اُن کے غلط وصحیح کو تحقیقی نظر سے دیکھتے ہیں اور غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہتے ہیں۔

مولانا آزاد صاحب نے موجودہ سیاسی تحریکوں میں جو کام کیا اوران میں جو نام پایا، وہ کسی بیان کا محتاج نہیں۔ ہندوستان کی اکثر آبادی ان کی نسبت پہلی قسم کے لوگوں کی سی رائے رکھتی ہے۔ (جن اصحاب نے مجھے تحریراً وتقریراً ''ترجمان القرآن'' کے صفحاتِ محولہ بالا کے مطالعہ کی فرمائش کی تھی۔ وہ بھی انھیں محبین مفرطین میں سے تھے) دوسری قسم کے لوگ بہت کم ہیں اور تیسری قسم کے لوگ تو شاید انگلیوں پر بھی نہ گنے جاسکیں۔ ہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ خاکسار

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے رسالہ ''دعوۃ الحق'' میں تفسیر ترجمان القرآن میں مذکور اس نکتہ کی مدلل انداز میں تردید کی ہے۔ محمد رضوان۔

اس قسمِ سوم میں سے ہے کہ نہ میں ان کا مرید ہوں اور نہ حاسد و معانِد۔ [1]

مرید تو اس لیے نہیں کہ کمالات دو طرح کے ہیں۔ علمی اور عملی۔ میں اپنی علمی و عملی ہر دو طرح کی بے بضاعتی کا اقرار کرتے ہوئے اور ہر عالمِ سنت کی قدر و منزلت کرتے ہوئے اتنا ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی کے بعد جن علماء کو دیکھا۔ ان میں سے مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی کے برابر علمی کمال میں اور اپنے استادِ مکرم جناب مولانا غلام حسن صاحب رحمہ اللہ سیالکوٹی کے برابر عملی کمال میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اس لیے میں کسی کا مرید نہیں ہو سکا۔ [2]

اور حاسد و معانداس لیے نہیں کہ میں پیشہ ور اور گروہ ساز مولوی نہیں ہوں کہ مجھے کسی سے حسد و عناد ہو سکے اور کسی دوسرے کی ناموری، شہرت اور قبولیت سے میرے مقاصد کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو سکے۔ گھر کی سادہ روٹی کھاتا ہوں اور ٹھنڈا پانی پی کر اللہ ربُّ العزت کا شکر ادا کرتا ہوں۔ [3]

میں اسی حالت توقُّف میں تھا کہ اتفاق سے ایک شخص گوجرانوالہ سے میرے پاس اپنے کسی دنیوی مطلب کے لیے آئے۔ اس شخص کی آواز اور طرزِ گفتگو سے میں نے معلوم کیا کہ وہ آزادرُو ہے۔ میں نے تحقیقِ حل کے خیال سے اسے چابی لگائی

---

[1] مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے جو اوپر تین اقسام بیان کیں، اور اپنے آپ کو جس قسم میں شامل ہونے کا اظہار کیا، یہ نہایت معتدل موقف ہے، ہم بھی اس سلسلے میں ان کی تائید کرتے ہیں، اور انھوں نے تینوں اقسام کے افراد کے متعلق جو تبصرہ کیا ہے، وہ بھی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے ہر عالمِ سنت کی قدر و منزلت کرتے ہوئے، جو اپنا خیال ظاہر کیا ہے، وہ انھوں نے اپنے حوالہ سے بیان کیا ہے، کسی دوسرے کے نزدیک کسی اور شخصیت، یا شخصیات میں علمی اور عملی کمالات زیادہ ہوں، اس سے مذکورہ عبارت میں تعرض نہیں۔ محمد رضوان۔

[3] ہر مسلمان کو وہی اخلاق اختیار کرنے کا حکم ہے، جس کا اظہار مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے کیا ہے، اگرچہ اس معیار پر بہت ہی کم حضرات پورے اترتے ہیں۔ محمد رضوان۔

تو معلوم ہوا کہ وہ اس آزادی میں مولانا آزاد صاحب کے والہانہ پابند ہیں۔ میں نے اسے خوب فٹ کر کے ذرا اور کسا تو صاف الفاظ میں کھل پڑے کہ ہاں اگر کوئی ہندو خدا پرست و نیکوکار ہو اور نیک نیتی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرے، تو اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ اس پر میں نے خاص اسی شخص پر افسوس نہ کیا کہ اسے مولوی آزاد صاحب کا زہر چڑھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ اللہ جانے یہ زہر ان کے کتنے معتقدوں کے ایمان کے لیے مہلک ہوا ہوگا، **فَاِنَّا لِلّٰہِ** ۔ [1]

اس پر بھی میں جناب مولانا صاحب کی ذات پر بدظنی کی جرات نہ کر سکا، اور خیال کیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی مولانا ممدوح زندہ ہیں اور خوش قسمتی سے آج کل آزاد بھی ہیں، اس لیے ان عباراتِ مشکوکہ کی بابت خود ان سے دریافت کرلوں کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ سو میں نے مولانا صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھا کہ آپ کی تفسیر فاتحہ میں آیت **اھدنا الصراط المستقیم** کے ضمن میں بعض عبارتیں (مثلاً صفحہ فلاں فلاں) ایسی سمجھی گئی ہیں۔ جن سے آپ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے شخص کے لیے کہ وہ!

ا۔ اسلام سے پیشتر کے کسی مذہب کی اصلی تعلیم پر قائم ہو کر ایمان باللہ و اعمالِ صالحہ کا مالک ہو۔

۲۔ بشرطیکہ وہ کسی نبی، خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ اگرچہ آپ کے **رسول من عند اللہ** ہونے کے اقرار کو نجات کے لیے ضروری بھی خیال نہ کرتا ہو۔

۳۔ قرآن مجید کے اوامر ونواہی کا وہ نصاب جو جملہ مذاہب میں مشترک ہے۔

---

[1] مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے اس سلسلے میں مذکورہ واقعہ اپنے سامنے پیش آیا ہوا، بیان کیا ہے، جس سے ان کی طرف سے غیرتِ ایمانی کے جذبے کا ظہور ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

اپنے دین کی رو سے اس کا پابند ہو اور اسلامی نماز، روزہ اور حج وغیرہ، طرقِ عبادت کو منہاجِ شریعت سمجھتا ہو۔ جو پہلے مذہبوں سے صرف صورتاً مختلف ہیں، نہ کہ اصل مقصد میں اور ان عبادات کا پابند نہ ہو کر ان کو بھی جائز جانتا ہو، نہ واجب۔

۴۔ قرآن مجید کی اصلاح و تعلیم کی قدر کرتا ہو، لیکن اسے مُنزل مِن اللّٰہ نہ جانتا ہو۔

آپ ایسے شخص کے لیے دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونا ضروری نہیں جانتے اور آپ کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی اس کی نجاتِ اخروی، اس کے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے سے ہو سکتی ہے، بلکہ ہو جائے گی۔ اور آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معنیٰ بدرجہ کفایت اسی قدر ہیں کہ کوئی آپ کی تعلیم سے مذاہبِ سابقہ کی اصلی حالت کو سمجھ کر اس پر قائم ہو جائے اور بس۔

کیا عباراتِ محولہ بالا (مندرجہ ترجمان القرآن) میں آپ کا مطلب یہی ہے؟ میرا حسنِ ظن جو جناب کی ذات سے ہے۔ وہ محتاجِ بیان نہیں، لیکن چونکہ لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں اور میں اتفاق سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس میں یہ مسئلہ صاف کر دوں۔ اگر آپ پر بدظنی بے جا ہے تو ایک مسلمان کی بریت ہو جائے اور اگر بجا ہے تو میں اپنے طور پر اس مسئلے کو واضح طور پر بیان کر دوں۔ (وھٰکذا) [1]

اس مضمون کا خط لکھ کر اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ کر دہلی مولانا صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا، اور باہر لفافہ پر یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا صاحب دہلی میں تشریف نہ رکھتے ہوں، تو کلکتہ میں، یا جہاں کہیں ہوں، وہاں جائے۔

---

[1] مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے جو نکات اپنی مندرجہ بالا تحریر میں واضح کیے ہیں، اور ان کے متعلق سوالات کیے ہیں، وہ بہت اہم ہیں، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے ان اہم امور کی توضیح بہت ضروری تھی۔ محمد رضوان۔

آج 21 جولائی 1934ء تک! [1]

اس قصے کو کئی مہینے گزر گئے، نہ میرا خط واپس آیا، نہ جواب ملا، اور میرا ظنِ غالب یہی تھا کہ مولانا صاحب اس کا صاف جواب ہرگز نہیں دیں گے، جیسا کہ میرا خیال ہے، مولانا صاحب نے مسئلہ کسی مصلحت کے لیے نہایت احتیاط سے بے ضرورت طوالت اور ملول کن تکرار سے پیچیدہ عبارت میں لکھا ہے، وہ اسے کبھی بھی واضح نہیں کریں گے، الّا اس وقت کہ ان کو بارگاہِ ایزدی سے لِمَ قُلْتَ وَ مِنْ اَیْنَ قُلْتَ؟ سے سوال کیا جائے، لیکن پھر بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے عنداللہ وعندالناس بری الذمہ ہونے کے لیے مولانا صاحب سے استفسار کر لینا ضروری خیال کیا۔ [2]

---

[1] آگے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مکتوب میں آتا ہے کہ ان کو یہ خط موصول نہیں ہوا۔
ہم اس سلسلے میں نہ تو خود سے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کی تکذیب کرتے ہیں اور نہ ہی مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تکذیب کرتے ہیں، ممکن ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو یہ خط موصول نہ ہوا ہو، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کی طرف سے یہ اہم باتیں، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی حیات میں شائع ہوگئی تھیں، بلکہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو بھی اس کی اشاعت کا علم ہوگیا تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی تفسیر میں نظرِ ثانی کرنے کے وقت بھی اس کی وضاحت نہیں کی۔ محمد رضوان۔

[2] مولانا ابوالکلام آزاد صاحب سے غلام رسول مہر صاحب کی جو مکاتبت ہوئی، اس میں انھوں نے مولانا موصوف سے مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب کے خط کا ذکر کیا، اور ساتھ ہی مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر پر ان کے شبہات کا بھی ذکر کیا، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ان کا خط موصول ہونے کا انکار کیا، اور ساتھ ہی یہ شکایت بھی کی کہ ان کی مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب سے ملاقات ہوئی، لیکن انھوں نے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔
بہرحال جو کچھ بھی ہو، یہ بات واضح ہوگئی کہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب کا خط اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو موصول نہ ہوا ہو، لیکن انھیں مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب کے شبہات کا، غلام رسول مہر صاحب وغیرہ کے توسط سے علم ہوگیا تھا، اور انھوں نے ایک خاص وجہ ذکر کرتے ہوئے، اپنے پاس ان شبہات کے نہ بھیجنے کو پسند کیا تھا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
اس تمام صورتِ حال سے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ”میرا ظنِ غالب یہی تھا کہ مولانا آزاد صاحب اس کا صاف جواب ہرگز نہیں دیں گے“ ان کے اس موقف کی صداقت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوگئی۔
البتہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے نجی مکتوب میں اس کی اجمالی وضاحت کی، جس کی اشاعت کا بھی عندیہ دیا، لیکن تفسیر میں اپنے مقام پر اس کی تصریح پھر بھی نہیں کی۔ محمد رضوان۔

جو باتیں ہم نے مولانا آزاد صاحب کے خط میں لکھی ہیں، وہ سب آج کل بعض آزادرو، کج فہم، بے علم و عمل انگریزی دانوں میں گشت کررہی ہیں اور یہ سب کچھ ہندوستان کے نئے مذہب ''برہمن سماج'' کی صدائے بازگشت ہے، جو فوٹو گرافی کی طرح بعض نام کے مسلمانوں کے حلقوں سے سنائی دے رہی ہے، اور مولانا آزاد صاحب کی سریلی بربط کی باریک تاروں سے بھی یہی آواز نکل رہی ہے، لیکن ان کی نغمہ سرائی کے شیدائیوں کو نغمہ کی شیرینی نے ایسا بے خود کررکھا ہے کہ وہ اس کیفیت کے ہوتے، مضمون کی حقیقت کو نہیں پاسکتے، اور مولانا کی شخصیت کے بوجھ نے ان کے سروں کو اتنا بوجھل کررکھا ہے کہ ان کے دماغ سوچنے سمجھنے سے معطل ہوچکے ہیں، سچ ہے ''**حبک الشئ یعمی و یصم** ''یعنی افراطِ محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد صاحب ہندو برہمن سماج سے الگ ایک اسلامی برہمن سماج قائم کرنا چاہتے ہیں، یعنی جس طرح راجہ رام موہن رائے صاحب نے ہندو نیشنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے، ہندو مذہب میں ایک اصلاحی سکیم پیش کی ہے، اور ہندوؤں میں سے بہت سے لوگوں نے ہندو کہلاتے ہوئے اسے منظور کرکے ایک الگ جماعت قائم کرلی ہے، اسی طرح حضرت مولانا آزاد صاحب اسلامی نیشنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے، اسی ترمیم کو بنامِ صراطِ مستقیم اور حزبُ اللہ (برہم سماج) ملت اسلام میں رواج دینا چاہتے ہیں۔

لیکن تھوڑا سا غور سے دیکھا جائے، تو راجہ رام موہن رائے صاحب آنجہانی کے کام اور حضرت مولانا کے کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ترقی و تنزلی کا سوال ہے، اصلاح و فساد کا نظارہ ہے، کیوں کہ راجہ صاحب نے ہندو مذہب کی بُت پرستی

---

[1] مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے صحیح فرمایا، واقعتاً آج تک ایک بڑے حلقہ کا حال یہی ہے، بلکہ اب اس میں مزید ترقی پیدا ہوگئی ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

اور بعض رسومِ جاہلیت کو ناپسند کرتے ہوئے اس قوم کی اصلاح کرنی چاہی، جس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوگئے کہ آج سو سال کا عرصہ گزر گیا ہے کہ ان کی آواز کی قبولیت سے ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اس مذہب کی سماجیں قائم ہوگئی ہیں، جن کو بت پرستی سے بڑی نفرت ہے، لیکن قومیت الگ نہ ہونے کی وجہ سے تعلقات، رشتہ ناطہ اور اکل وشرب اور زیّ و لباس اور ملکی نفرشاری میں وہ، ویسے کے ویسے ہندو ہیں۔

دیگر یہ کہ راجہ صاحب موصوف نے یہ اصلاح وترمیم قرآن کریم کے مطالعہ سے متاثر ہوکر کرنی چاہی تھی، جیسا کہ انھوں نے خود ذکر کیا ہے، اور ان کی زندگی کے واقعات اور بعض پنڈتوں اور پادریوں سے ان کی خط وکتابت اور گفتگو سے ظاہر ہے، لیکن مولانا ابوالکلام صاحب یہ ترمیم دینِ محمدی کے انتہائی کمال پر پہنچ جانے اور نبوت کے ختم ہوجانے اور قرآن کریم کے من وعن محفوظ ہونے کے بعد کرنا چاہتے ہیں (والعیاذ باللہ)

اگر کہا جائے کہ حضرت مولانا صاحب اسلام میں کوئی ترمیم نہیں کرنا چاہتے، اور نہ وہ اسے جائز مانتے ہیں، بلکہ صرف اسی حقیقت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم نے تعلیم کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حقیقت ایسی واضح تھی، تو کیا سبب ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال تک یہ حقیقت کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام ومجتہد، کسی محدث، کسی فقیہ، کسی متبعِ سنت متکلم، کسی صاحبِ کشف والہام عارف وولی اللہ پر نہ کھلی۔

اگر یہ حقیقت واضح تھی، تو سب مسلمانوں کو اس کا علم ہوتا، اور اسی پر سب کا اعتقاد ہوتا، اور اگر کوئی ایسی باریک گرہ تھی، جسے صرف نہایت باریک بین اور حقیقت شناس افراد ہی کھول سکتے ہوں، تو ایسے بڑے بڑے کامل بزرگوں میں سے جو

آسمانِ علم وعمل اور ایمان وعرفان کے آفتاب وماہتاب ہوئے ہیں، اسے کوئی بھی کیوں نہ کھول سکا، اور اگر کہا جائے کہ اس معمے کا حل قدرت نے صرف حضرت مولانا کے لیے ودیعت کر رکھا تھا، ان سے پہلے جملہ کاملین لکیر کے فقیر ہوتے رہے ہیں، تو بلا نزاع فیصلہ کی یہی بات ہے کہ ہمیں اسی لکیر پر چلنا چاہیے، جو صحابۂ کرام وتابعین اور ائمۂ مجتہدین اور صالحینِ امت کھینچ گئے، دیکھئے، زیر تفسیر یہی آیت ہے ''**صراط الذین انعمت علیھم** ''یعنی خداوندا! ہمیں اس راستے کی رہنمائی کر، اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرما، جو تیرے منعم علیہم لوگوں کا ہے، اور معلوم ہے کہ اس امتِ محمدیہ میں وہ لوگ وہی ہیں، جن کے علم وعمل اور ایمان وعرفان کو ہم مولانا صاحب کے مقابلے میں پیش کر رہے ہیں، اور ان میں اور مولانا (آزاد) صاحب میں ازروئے علم، عمل اور اخلاص، زمین آسمان کا فرق ہے۔

خوب یاد رکھیے! قرآن شریف معمہ اور چیستان نہیں ہے، اس کا بیان غیر واضح نہیں ہے، اس کی عبارت پُر پیچ وخمار نہیں ہے، وہ اپنے مقصود کو گومگو حالت میں نہیں رکھتا، بلکہ وہ کتابِ مبین ہے، وہ قولِ فصل ہے، وہ نورِ مبین ہے، جس میں تاریکی اور دھندلا پن نہیں ہے، وہ ایک ہی دوٹوک بات کہتا ہے، جس میں شک اور تردد کی گنجایش نہیں ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کو صراطِ واضح اور ملت بیضاء پر قائم کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، لہٰذا صحابۂ کرام آپ کے مقصد اور حقیقتِ دین سے ناآشنا نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنی اس زندگی کے آخری ایام میں ان کو خطاب کر کے بطورِ وصیت کے فرمادیا تھا:

قد ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ عنھا بعدی إلا ھالک ومن یعش منکم فسیریٰ اختلافا کثیرا فعلیکم بما عرفتم

من سنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ . الحديث (کنز العمال، جلد اول، ص ٤٦)

''میں تم کو روش (حالت یا طریق) پر چھوڑ چلا ہوں، جس کی رات بھی مثل اس کے دن کے روشن ہے، میرے بعد اس سے کوئی بھی سوائے ہلاک ہونے والے کے ٹیڑھا نہیں ہوگا، اور جو کوئی تم میں سے میرے بعد (لمبی) عمر پائے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم نے اسے لازم پکڑے رکھنا، جو تم میری سنت سے معلوم کر چکے ہو، اور (اگر اس میں نہ ملے) باہدایت خلفائے راشدین کے طریق کو لازم پکڑنا، اسی (حالت وطریق) کو نہایت مضبوطی سے اپنی داڑھوں سے پکڑے رکھنا''۔

الغرض مولانا کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہندوؤں کے جواب میں ایک اسلامی برہمن سماج قائم کریں، تو یہ بالکل خام خیالی اور بے سود کوشش ہے، کیوں کہ اسلام کی اندرونی اور بیرونی اور علمی وعملی پالیسی وہی ہے، جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام کو چھوڑ گئے، اور وہ طریق علماً وعملاً صالحین کی وساطت سے ہم تک عہد بعہد متوارث چلا آیا ہے، اس میں کسی ترمیم کی گنجایش نہیں، اور آج ساڑھے تیرہ سو سال بعد کسی شخص کی عبارت آرائی سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔

خود مولانا صاحب نے (ترجمان القرآن) کے مقدمہ میں بضمن عنوان (اصول ترجمہ وتفسیر) متاخر مفسرین پر بڑا اعتراض کیا کہ انھوں نے اپنی تفاسیر میں سلفِ صالحین کے اصول کو ملحوظ نہ رکھا، اور قرآن کو وضعیت وصناعیت کے مصنوعی لباس میں چھپا دیا (واضح البیان فی تفسیر ام القرآن، ص ۳۷۵ تا ۳۸۲، بعنوان: مولانا ابوالکلام آزاد اور صراط مستقیم، ناشر: مرکزی جمعیت اہلحدیث، پاکستان، سن اشاعت: بار چہارم، 12 صفر 1419ھ، بمطابق 7 جون 1998ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ترجمان القرآن میں مذکور موقف پر جس انداز میں روشنی ڈال کر اس کی توضیح وتردید کی ہے، وہ بہت خوب ہے، **فجزاهم الله تعالیٰ خير الجزاء۔**

امدادُ الفتاویٰ اور رسالہ ''توحیدُ الحق'' کا حوالہ

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی سورہ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق مخصوص افکار کی تردید پر مشتمل، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے مفصّل ومدلل رسالہ ''توحیدُ الحق'' کے شروع کا مضمون درجِ ذیل ہے:

رسالہ ''توحیدُ الحق'' درعدمِ نجات غیر مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمدو الصلوٰۃ! احقر اشرف علی مدعا نگار ہے کہ ہماری شامتِ اعمال سے ہم کو ایسا روزِ بد دیکھنا پڑا کہ ایک خاص داعی کی بنا پر ایک ایسے مسئلہ پر بہ صورتِ تصنیف، تحقیقِ مستقل لکھنے کی ضرورت ہوئی، جس کی ضرورت کا بدو، بعثتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ سے، آج تک کبھی خواب میں بھی کسی کو یہ وسوسہ نہ ہوا تھا۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اہلِ اسلام کے علاوہ اور اہلِ ادیان وملل بھی ناجی ہیں، جس کا صاف حاصل دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ کیا اسلام کی طرح کفر بھی موجبِ نجاتِ آخرت ہے؟ اور اس تحقیق کا وہ داعی یہ ہے کہ اس وقت بعض مدعیانِ اسلام نے اس کا دعویٰ کیا اور بہ صورتِ تصنیف اس کو شائع بھی کر دیا اور باوجود مسئلے کے قطعی اور ضروریاتِ دین میں سے ہونے اور آج تک کسی مدعیِ اسلام کے اختلاف نہ کرنے کے، اس کا دعویٰ کر کے آیات میں تلبیس وتدلیس سے کام لیا۔

إنا لله وإنا إليه راجعون.

ع وائے گر از پس امروز بود فردائے۔

چونکہ اندیشہ تھا کہ آئندہ نسلوں میں علم وفہم کی یوماً فیوماً کمی سے کسی کو غلط فہمی ہو جاوے۔ [1]

اس لیے ضرورت ہوئی کہ جن آیات کا اس مسئلے سے تعلق ہے، استدلالاً یا جدالاً، اور جدال کا خواہ وقوع ہوا ہو، یا اس کا احتمال ہوا ہو، ان کا ایک معتد بہٖ حصّہ مع اس کی صحیح تفسیر کے، بطور نمونہ کے جمع کر دیا جائے اور بعض مقام پر محض تبرعاً وتائیداً علاوہ اخبار وآثار مذکورہ فی ضِمنِ التفسیر کے، دوسرے بعض اخبار وآثار بھی وارد کیے گئے ہیں، تاکہ حقیقتِ واقعیہ کا احیا وابقا اور وساوسِ اختراعیہ کا محو وافناء ہو جاوے اور بقیہ آیات کا حل اس نمونے کی اعانت سے بوجہ اشتراکِ اصول کے سہل ہو جاوے گا اور نام اس تحریر کا ''توحیدُ الحق'' رکھا گیا، یعنی ''دینِ حق کے واحد غیر متعدد ہونے کا اثبات'' اور آیاتِ مندرجہ کے عدد پر نظر کر کے ''بست آیت'' لقب تجویز کیا گیا اور کسی آیت کی تفسیر میں اگر توجیہات متعدد ہوں، تو اس سے نفسِ مقصود میں شبہ نہ کیا جاوے، کیوں کہ وہ متعدد، اس امر میں متوحّد ہیں کہ ان میں سے کسی توجیہ میں اس مخترع، مبتدع کی موافقت نہیں کی گئی، پس اس مخترع کا بُطلان یقیناً مجمع علیہ ہے، پھر قطع نظر اجماع کے، اس تدلیسی توجیہ کو خود صاحبِ تدلیس بھی درجۂ احتمال سے متجاوز نہیں کہہ سکتا، گو یہ احتمال بھی باطل ہے، لیکن اس

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی کے پیشِ نظر آئندہ نسلوں میں علم وفہم کی کمی ہو جانے کے خدشے سے ان کو غلط فہمی سے بچانا تھا۔ اور وہ آئندہ نسلیں، ظاہر ہے کہ آج کے دور کے لوگوں کی ہی ہیں، چنانچہ آج کل وقتاً فوقتاً اتحادِ مذاہب، یا تمام مذاہب کی حقانیت کے دعوے کیے جاتے رہتے ہیں، جس سے بعض مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، حضرت تھانوی اور ان جیسے اکابر واہلِ علم حضرات کی مندرجہ بالا اور اس جیسی مساعی جمیلہ سے اس قسم کی مختلف غلط فہمیوں سے حفاظت ہوتی ہے، جب کہ دین کے ان محافظ اور چوکیدار حضرات کی ان مساعی جمیلہ سے مخالفین ومعاندین کے مقاصد وعزائم کو ٹھیس پہنچتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی طرف سے ناگواری کا اظہار کیا جاتا رہتا ہے۔ محمد رضوان۔

فرض پر بھی، اس میں قابلِ استدلال ہونے کی صلاحیت تو نہ ہوگی، کیوں کہ قانونِ عقلی ہے:

"إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال".

نیز قانونِ عقلی ہے کہ:

"مشتبہ و محتمل کو محکم و مفسر کی طرف راجع کرنا ضروری ہے"۔

تاکہ کلامِ صادق میں تعارض نہ ہو اور اس کا عکس قطعاً باطل ہے اور مسئلے کا محکم ہونا ظاہر ہے، جس کے دلائلِ محکمہ، آیاتِ آیندہ میں تو نظر سے گزریں گے ہی، مگر تبرعاً و تقویتاً بعض حدیثیں بھی بخاری اور مسلم سے نقل کی جاتی ہیں، کیوں کہ حدیث میں وجوہِ مختلفہ کی بہت کم گنجایش ہوتی ہے، تو ان کی دلالت، عام نظر میں اوضح ہوگی اور شیخین کے روایت کرنے سے ان کی صحت بھی مسلّم ہوگی اور ثبوت اور دلالت بھی، یہی دو روح ہیں، دلیل کی "**کما هو معلوم**" (امداد الفتاویٰ، مبوّب، ج۴، ص۶۵۶، ۶۵۷، مسائلِ شتیٰ، توحید الحق، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید2010ء)

اس کے بعد مدلل و مفصل انداز میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے نجاتِ غیر مسلم کی تردید اور مذہبِ اسلام کی حقانیت اور دوسرے مذاہب کے بطلان پر روشنی ڈالی ہے، جس کو نقل کرنے کی یہاں گنجایش نہیں، کیوں کہ پہلے ہی اس مضمون کی طوالت، ہماری توقع کے برخلاف زیادہ ہو چکی ہے۔

مذکورہ رسالے کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اس کا ایک ضمیمہ بھی تحریر فرمایا ہے، جو زیادہ مفصل نہیں، اور اس سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے افکار کو سمجھنے اور ان سے اختلاف کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

اس رسالے کے طرز کا حاصل اثباتِ مقصود بالجزئیاتِ المنقولۃ ہے، اس باب میں بعض فضلاء کی تحریر دستیاب ہوئی، جس کے طرز کا حاصل ''اثباتِ مقصود، بالکلیاتِ المعقولۃ'' ہے، تاییداً وتشئیداً، رسالے کے ساتھ اس کا الحاق بھی انفع معلوم ہوا، اور اس تحریر میں بعض ایسے ہی مدعیانِ باطل کے اقوال نقل کر کے، ان پر بہت مفصل کلام کیا گیا ہے، چونکہ یہ مختصر (رسالہ) اس تفصیل کا متحمل نہیں، لہٰذا اس کا ایک کافی حصہ، بہ قدرِ ضرورت، جو خود صاحبِ تحریر ہی کا ملخص کیا ہوا ہے، نقل کیا جاتا ہے، اصل تحریر مدرسہ امدادالعلوم کے دفتر میں موجود ہے۔

اور وہ ملخص حصّہ یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

چونکہ مصنف کے تمام ہذیانات پر کلام کرنا ایک نہایت دُشوار امر ہے، اس لیے اس کے باقی ہذیانات کو چھوڑ کر، اس کے اس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کو اس نے بطورِ خلاصۂ بحث کے بیان کیا ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

متذکرہ صدر تفصیلات کا ماحصل حسبِ ذیل دفعات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد اس نے ان دفعات کو اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) نزولِ قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں، خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی، ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا کہ دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے، جو انسان اس کی مذہبی حد بندی میں داخل ہے، نجات یافتہ ہے، جو داخل نہیں ہے، نجات سے محروم ہے۔

(۲) ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل وحقیقت محض اس کے ظاہری اعمال

ورسوم تھے، جونہی ایک انسان انھیں اختیار کر لیتا، یقین کیا جاتا کہ نجات وسعادت اسے حاصل ہوگئی، مثلاً عبادت کی شکل، قربانیوں کی رسوم، کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع وقطع کا اختیار کرنا، یا نہ کرنا۔

(۳) چونکہ یہ اعمال ورسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے۔

اس لیے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب، مذہبی صداقت سے خالی ہے، کیوں کہ اس کے اعمال ورسوم ایسے نہیں ہیں، جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ [1]

(۴) ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے، بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے، نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب ونفرت پھیلائے۔

اس صورتِ حال نے نوعِ انسان کو ایک دائمی جنگ وجدال کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا، مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ، دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا

---

[1] مندرجہ بالا اقتباسات، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' جلد اول، کی سورہ فاتحہ سے متعلق ہیں، اور ہمارے سامنے ترجمان القرآن کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ہیں۔

البتہ ترجمان القرآن، جلد اول، صفحہ ۴۳۶، مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی میں مندرجہ بالا تیسرے اقتباس میں

''چونکہ یہ اعمال ورسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے''۔

کے بعد اس جملے کا اضافہ ہے:

''اور ہر گروہ کے اجتماعی مقتضیات یکساں نہیں ہو سکتے تھے''۔

اور یہ جملہ امداد الفتاویٰ میں موجود نہیں۔

ممکن ہے کہ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے، اس میں اس عبارت کا اضافہ ہو، اور مولانا تھانوی کے سامنے جو نسخہ تھا، اس میں اس کا اضافہ نہ ہو، کیوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ترجمان القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت کے بعد دوسری اشاعت سے پہلے کچھ حذف واصلاح کی تھی، جیسا کہ آگے آتا ہے، تاہم اس فرق کی وجہ سے حضرت تھانوی کے اس شق کے تبصرے پر فرق نہیں پڑتا۔ واللہ أعلم۔ محمد رضوان۔

خون بہانا جائز سمجھتا۔

(۵) لیکن قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے مذہب کی عالم گیر سچائی کا اصول پیش کیا۔ [1]

(اس کی تردید کرتے ہوئے حضرت تھانوی فرماتے ہیں) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے حق و باطل کا امتیاز اُٹھا دیا؟

اگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ تو یہ صریح کفر والحاد وزندقہ ہے اور شاید مصنف بھی اس کو تسلیم نہ کرے۔

اور اگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے اور وہ حق و باطل کے امتیاز کو باقی رکھتے ہوئے لوگوں کو حق کے قبول کرنے اور باطل کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے، تو پھر اس نے مذہب کی عالم گیر سچائی کی دعوت کہاں دی؟ بلکہ اس صورت میں اس نے لوگوں کو دو فرقوں میں منقسم کر کے خود بھی اسی گروہ بندی اور فرقہ بندی کا ارتکاب کیا، جس کا الزام وہ دوسروں پر عائد کرتا تھا، اور جب کہ یہ صورت ہے، تو اسلام کو کیسے کہا جا سکتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن کے مقصود کی جو تشریح مصنف نے کی ہے، وہ سراسر بہتان ہے، اور اسی طرح جو غلطیاں اس نے دوسرے مذاہب کی بیان کی ہیں، وہ بھی سراسر باطل ہیں، کیوں کہ حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے امتیاز کے بعد فرقہ بندی اور جنگ و جدال لازم ہے، اس سے کوئی مذہب محفوظ نہیں، نہ اسلام اور نہ غیر اسلام، اس لیے اس کو غلطی قرار دینا، خود اسلام کو جھوٹا ماننا ہے اور یہ دعویٰ کہ اسلام ہدایت و گمراہی اور حق و باطل کا تفرقہ نہیں کرتا اور سب کو اہلِ حق بتلاتا ہے،

---

[1] ملاحظہ ہو: ترجمان القرآن، جلد اول، صفحہ ۴۳۵، ۴۳۶، مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی)

خود کفرِ بواح اور نزولِ قرآن کو لغو قرار دینا ہے۔ [1]

کیوں کہ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر ہدایت کی طرف لایا جاوے، اور اگر گمراہی کوئی چیز ہی نہیں، تو قرآن کا نزول ہی بے معنیٰ ہے۔

اس کے بعد مصنف نے مقصد کی توضیح کرتے ہوئے چند دفعات قائم کی ہیں اور کہا ہے:

(الف) اس (قرآن) نے نہ صرف یہی نہیں بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچّے ہیں، اس نے کہا ''دین'' خدا کی عام بخشش ہے، اس لیے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو، اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

لیکن یہ قرآن پر کھلا ہوا بہتان ہے، اور قرآن کسی جگہ بھی تمام مذاہب کی سچائی کا دعویٰ نہیں کرتا، اتنی بات صحیح کہ قرآن پہلے تمام آسمانی کتابوں اور پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرتا اور اپنے اپنے اوقات میں ان کو صحیح بتلاتا ہے۔

لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ وہ بعد نزولِ قرآن و نسخِ ادیان بھی ان کو سچّے مذاہب اور قابلِ عمل بتلاتا ہے۔

---

[1] یعنی جب کہ مولف کی طرف سے اس کی کوئی مناسب تاویل نہ کی جائے، تو مصنف کا مذکورہ دعویٰ اور موقف لزومِ کفر کا سبب ہے، وہ الگ بات ہے کہ کوئی تاویل یا مناسب توضیح کر کے اپنے آپ کو التزامِ کفر سے بچالیں، جیسا کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتوے میں تحریر فرمایا تھا، اور ہمیں مولانا موصوف کے بعض مکتوبات میں اس کی توضیح دستیاب ہوئی۔

تاہم اول تو تاویل ہر ایک تک نہیں پہنچتی، دوسرے تحریر کے الفاظ و انداز سے جو چیز متبادر ہوتی تھی، اور اس کا حضرت تھانوی نے ذکر فرمایا، وہ انتہائی خطرناک طرز ہے، جس سے اس زمانے میں دوسرے حضرات، بلکہ خود مولف (مولانا ابوالکلام آزاد صاحب) کے معتقدین کو بھی اختلاف و اعتراض ہوا، علاوہ ازیں دوسرے متعدد متنازع افکار کا بھی مذکورہ تفسیر سے تاثر ملتا ہے، مندرجہ بالا فکر کے بعض پہلوؤں کی تائید مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے اپنے مکتوبات و تحریرات سے بھی ہوتی ہے، اور بعض کی تردید بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر ان کو نقل کر دیا گیا ہے۔ محمد رضوان۔

پس مصنف کا یہ دعویٰ قرآن پر سراسر بہتان ہے۔ [1]

صحیح یہ ہے کہ دین، خدا کی عام بخشش ہے، اور اس لیے وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن یہ دعویٰ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کا یہی دعویٰ ہے، اسی لیے اہلِ مذاہب اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس لیے مصنف کا دوسرے مذاہب پر گروہ بندی کا الزام سراسر اِن مذاہب پر بہتان ہے، اور جس قسم کی گروہ بندی دوسرے مذاہب میں ہوسکتی ہے، یعنی اہلِ حق کا ایک گروہ اور اور اہلِ باطل کا دوسرا گروہ، اس قسم کی گروہ بندی خود اسلام میں بھی موجود ہے، اور وہ بھی لوگوں کو دو فریق ٹھہراتا ہے، ایک گروہِ اہل حق اور دوسرا گروہِ اہل باطل، دونوں میں اگر فرق ہے، تو وہ صرف اتنا ہی ہے کہ دوسرے مذاہب حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں اور اسلام حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مصنف نے نہ دوسرے مذہب کو سمجھا اور نہ خود اسلام کو، اس لیے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ [2]

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اپنی یہ مراد بیان کی ہے:
''قرآن کی یہ تصریح گزشتہ کی نسبت ہے، جس کا اختلاف اہلِ کتاب، بطورِ حجت لاتے تھے، نہ کہ آئندہ کی نسبت، الخ''۔

جیسا کہ ان کے مکتوب میں آگے تفصیل آتی ہے، تاہم یہ بات واضح ہے کہ انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں یہ مراد بیان کی ہے، لیکن ان کی تفسیرِ بالا سے اس کے خلاف متبادر ہوتا تھا، اس لیے تفسیر میں بھی اس کی توضیح کی ضرورت تھی، جو توجہ دلانے کے باوجود مصنف کی طرف سے نہیں کی گئی، جیسا کہ آگے آتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی تفسیر پڑھنے والوں کو آج تک یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بعض خود نوشتہ مضامین سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے، نیز مولانا کی تفسیر سے جو رسالتِ محمدی پر ایمانِ محض لانے کے بعد اپنے مذہب پر توحیدی اصولوں کے مطابق عمل پیرا ہونے پر نجات کا تاثر ملتا ہے، یہ بھی قابلِ توجہ امر ہے، جس کا ذکر آگے مولانا ریاست علی ندوی صاحب کے مضمون میں آتا ہے، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے بعض مکتوبات میں جو اس سلسلے میں توضیح کی ہے، اس کا ذکر بھی آگے آتا ہے۔

محمد رضوان۔

[2] یعنی مصنف کی سورہ فاتحہ سے متعلق تفسیر کے الفاظ و انداز سے یہی متبادر ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

اس کے بعد دفعہ (ب) قائم کی ہے اور کہا ہے کہ:

خدا کے تمام قوانینِ فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے، اور سب کے لیے ہے، پس پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دینِ الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں اور ہر گروہ بندی، دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔اھ ۔

لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے، کیوں کہ وحدتِ دین کا اعتقاد ہی گروہ بندیوں کا منشاء ہے، کیوں کہ ہر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ:

’’خدا کا دین ایک ہے اور وہی دین ہے، جس پر وہ قائم ہے، اس لیے اس کے خلاف، جتنے ادیان ہیں، سب باطل ہیں‘‘۔

پس جب کہ ہر مذہب والے نے اپنے کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر سمجھا، اس کا نتیجہ مختلف گروہ بندیاں ہو گئیں اور ایسی حالت میں مصنف کا یہ بیان کہ اہلِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ:

’’انھوں نے دین کی وحدت کو فراموش کر دیا اور قرآن نے ان کو یہ فراموش کردہ حقیقت یاد دلائی‘‘۔

قرآن پر بھی بہتان اور دوسرے پیروانِ مذہب پر بھی۔

اور اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ نہ مصنف اسلام کو سمجھتا ہے، نہ دوسرے مذاہب کو اور نہ اسے عقل و فہم کا کوئی حصہ ملا ہے۔ [1]

---

[1] اگرچہ مندرجہ بالا الفاظ بہ ظاہر سخت ہیں، جو بعض لوگوں کو مصنف موصوف کی شان کے خلاف اور گستاخانہ محسوس ہو سکتے ہیں، لیکن کیا کیا جائے کہ مصنف کی تفسیر اور ان کی دوسری تحریر کے ظاہری الفاظ سے دراصل یہی سمجھ آتا ہے، جو کئی قسم کی غلط فہمیوں کا باعث ہے، اگر بروقت ان افکار کی سخت انداز میں تردید نہ کی جاتی، تو بعد میں کتنے لوگ اس غلط فکر کے راستے پر چل پڑتے، حضرت تھانوی وغیرہ کی مساعیِ جمیلہ سے کافی حد تک اس قسم کے فتنوں کا سدِ باب رہا، اور ان جیسی تنبیہات کی بنا پر بعض اہلِ علم حضرات نے مناسب تاویل کر کے لوگوں کو گمراہی سے بچانے کا اہتمام کیا۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ محمد رضوان۔

اس کے بعد اس نے نمبر (ج) قائم کیا ہے اور کہا ہے:

''اس نے بتایا کہ خدا کا دین، اس لیے تھا کہ نوعِ انسانی کا تفرقہ اوراختلاف دُور ہو، اس لیے نہ تھا کہ تفرقہ ونزاع کی علت بن جائے، پس اس سے بڑھ کر اور گمراہی کیا ہوسکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دُور کرنے کے لیے آئی تھی اس کو تفرقہ کی بنیاد بنالیا جائے۔اھ''

لیکن یہ بھی مصنف کی سراسر جہالت ہے، کیوں کہ کسی مذہب کا پیرو بھی اس کا مدعی نہیں ہے کہ:

''دینِ الٰہی تفرقہ کی بنیاد ہے''۔

بلکہ ہر مذہب کا یہی دعویٰ ہے کہ:

''دنیا سے اختلاف کو مٹاتا ہے''۔

چنانچہ عیسائی کہتے ہیں کہ:

''عیسائی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو''۔

یہودی کہتا ہے کہ:

''سب یہودی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو''۔

مسلمان کہتا ہے کہ:

''سب مسلمان ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو''۔

اسی طرح ہر فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ تفرقہ کو مٹانا چاہتا ہے۔

اور یہ تفرقہ جو پیدا ہوا ہے، اس کا منشا اپنے دعوے پر اصرار اور مخالف کے دعوے کی تکذیب ہے، اور اس سے اسلام بھی خالی نہیں ہے، کیوں کہ وہ بھی اپنے کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل قرار دیتا ہے، جس کا دوسرے مذاہب انکار کرتے ہیں، جس سے تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

پس مصنف کا دوسرے مذاہب پر یہ الزام کہ وہ تفرقہ چاہتے ہیں اور اسلام کی نسبت یہ دعویٰ کہ وہ تفرقہ کو مٹاتا ہے، دونوں بہتان ہیں، پس اسلام اور دوسرے مذاہب میں یہ اختلاف نہیں ہے کہ:

’’اسلام، لوگوں کو تفرقے سے روکتا ہے اور دوسرے مذاہب تفرقے کی دعوت دیتے ہیں‘‘۔

بلکہ اسلام میں اور ان میں صرف یہ فرق ہے کہ:

’’اسلام لوگوں کو حق پر متفق ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دوسرے مذاہب ان کو باطل پر متفق ہونے کی دعوت دیتے ہیں‘‘۔

اور جب کہ پیروانِ اسلام، دوسروں کی دعوت قبول نہیں کرتے اور دوسرے اس کی دعوت منظور نہیں کرتے، اس کا نتیجہ فرقہ بندی اور تفرقہ واختلاف ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے اور نہ وہ اسلام کو سمجھا ہے اور نہ دوسرے مذاہب کو۔ [1]

لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت اور قرآن پر افترا ہے، کیوں کہ قرآن نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ:

دین کوئی اور چیز ہے اور شرع ومنہاج کوئی اور شئے‘‘۔

بلکہ خود وہ شرع ومنہاج ہی دین ہے اور اس کے علاوہ دین کوئی چیز نہیں، کیوں کہ دین نام ہے، قانونِ الٰہی کا، پس جس زمانے میں، جو قانونِ الٰہی ہوگا، اس زمانے میں وہی دین ہوگا اور جب وہ قانون منسوخ ہوجاوے گا، دین بھی نہ رہے گا، پس دوسرے مذاہب کی غلطی یہ نہیں ہے کہ انھوں نے شرع ومنہاج کو دین سمجھ لیا، بلکہ ان کی غلطی یہ ہے کہ غیرِ دین کو دین بنالیا، یا دینِ منسوخ کو غیر منسوخ قرار

---

[1] یعنی مصنف کا مذکورہ جملہ اسی کا متقاضی ہے، وہ الگ بات ہے کہ مصنف اس سے ہٹ کر کسی اور جگہ کیا بات کہتا ہو، اور کیا توضیح وتاویل کرتا ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

دیا اور دینِ حق کو جھٹلایا۔

اس کے بعد مصنف نے نمبر (ہ) قائم کیا ہے اور کہا ہے کہ: [1]

''اس نے بتایا کہ مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں، یہ گروہ بندیاں تمھاری بنائی ہوئی ہیں، ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے، وہ دینِ حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا، اس کے لیے نجات ہے، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیوں میں داخل ہو، یا نہ ہو''اھ۔ [2]

---

[1] ہمیں مصنف صاحب کے ایک مکتوب میں ان کے درج ذیل الفاظ دستیاب ہوئے:

جس اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی، اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع و مشترک خلاصہ ہے، ٹھیک اسی طرح شرع و منہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے، الخ''۔

مگر ہمیں مصنف صاحب کا شخصی احترام ہونے کے باوجود، ان کے مذکورہ تفسیر کے طرزِ عمل سے اختلاف ہے، جس سے متبادر وہی ہے، جو حضرت تھانوی نے بیان فرمایا، اس کی تائید مصنف کی بعض دوسری تحریرات سے بھی ہوتی ہے، اور مصنف نے اپنے ایک مکتوب میں جو اپنی مراد بیان کی، اس کا ہر تفسیر کے قاری پر ظاہر ہونا ضروری نہیں۔

اسی طرح ہمیں مصنف کے اس طرزِ عمل سے بھی اختلاف ہے، جو ان کی تفسیر سے بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ رسالتِ محمدی پر ایمان لانے کے بعد شریعتِ محمدی پر اگر کوئی دوسرے مذہب کا موحّد عمل نہ کرے، تو اپنے مذہب کے مطابق نیک اعمال کر کے بھی نجات کا امکان ہے، جیسا کہ مولانا ریاست علی ندوی صاحب کے مضمون میں آئے گا۔

لہٰذا تفسیر کے الفاظ و انداز سے جو متبادر تھا، اور اب بھی ہے، اس کی تردید اپنی جگہ ضروری تھی، اور اب بھی ہے، اور اس فریضے کو بروقت اہلِ علم حضرات نے پورا کیا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہی سے محفوظ رہے۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء**۔ محمد رضوان

[2] ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا تمام اقتباسات مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی میں موجود ہیں، لیکن او پر امداد الفتاویٰ میں آخری نمبر (ھ) کے آخر کی دو سطریں، اس میں نہیں ہیں، اس میں ''وہ دینِ حقیقی کیا ہے؟'' کے بعد درج ذیل الفاظ ہیں:

وہ کہتا ہے: ایمان اور عملِ صالح کا قانون۔ (ترجمان القرآن، جلد ۱ص ۴۳۸: مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن یہ بھی مصنف کی ایک مجنونانہ بڑ ہے، جس کے کوئی معنیٰ نہیں، کیوں کہ ایک طرف وہ شرع ومنہاج کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ ''یہ گروہ بندیاں تمھاری بنائی ہوئی ہیں'' پھر ایک طرف وہ اس کو شرع ومنہاج قرار دے کر، اس کو نجات وسعادتِ انسانی میں مؤثر تسلیم کرتا ہے، اور دوسری طرف اس کو انسانی گروہ بندیاں قرار دے کر نجات وسعادتِ انسانی میں غیر مؤثر مانتا ہے، پھر وہ کہتا ہے کہ دینِ حقیقی، ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی بتلاتا ہے، لیکن وہ نہیں بتلاتا کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی کا مطلب کیا ہے؟ اگر وہ اس کی کوئی صورت متعین کرتا ہے، تو پھر وہ اس کی تعریف سے خارج ہو کر شرع ومنہاج کی حد میں آجاتا ہے، اور وہ اس کو دین سے خارج کہتا ہے۔

پھر ہم نہیں سمجھتے کہ وہ دینِ حقیقی کیا چیز ہے اور اس پر انسان کیوں کر قائم ہوسکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ کلام سراسر مجنونانہ ہے اور اس کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

اس کے بعد اس نے نمبر (و) قائم کیا ہے اور کہتا ہے:

''اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کردیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجاویں، وہ کہتا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

امداد الفتاویٰ میں جو درجِ ذیل عبارت ہے:

''وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا اس کے لیے نجات ہے، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیوں میں داخل ہو، یا نہ ہو'' اھ۔

یہ ہمیں مندرجہ بالا مطبوعہ ترجمان القرآن کے نسخہ میں دستیاب نہیں ہوئی، ممکن ہے کہ پہلے نسخہ میں ہو، جو حضرت تھانوی کے سامنے تھا، بعد میں خود مولف وغیرہ کی طرف سے اس کو باعثِ تضلیل وتشویش ہونے کی بنا پر حذف کردیا گیا ہو، ہمارے سامنے ''ترجمان القرآن'' کا ابتدائی نسخہ نہیں ہے، اس لیے فیصلہ متعذر ہے، لیکن اب بھی ان کی تفسیر میں جو انداز والفاظ سادہ لوح عوام کی غلط فہمی کا سبب بنتے ہیں، وہ موجود ہیں۔ واللہ أعلم۔ محمد رضوان

ہے، تمام مذاہب سچّے ہیں، لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِ نو اختیار کرلیں، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور انھوں نے مجھے قبول کرلیا، تمام مذاہب کی یہی مشترکہ ومتفقہ سچائی ہے، جسے وہ الدّین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے۔اھـ ‘‘ [1]

لیکن یہ بھی اس کا قرآن پر افتراء ہے، قرآن نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام مذاہب سچّے ہیں، اور’’الدین‘‘ اور’’الاسلام‘‘ اس مشترکہ سچائی کا نام ہے، ہاں وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں ہر مذہب سچا تھا، اور اس وقت میں وہی ’’الدین‘‘ اور’’الاسلام‘‘ کا مصداق تھا، لیکن اب جب کہ تمام مذاہب منسوخ ہوچکے، اور ان کی جگہ ایک نیا دین آگیا، تو اب وہی’’الدین‘‘ اور’’الاسلام‘‘ کا مصداق ہے، نہ کہ دوسرا کوئی مذہب۔

اور اس بیان میں اور مصنف کے بیان میں وہ ہی اختلاف ہے، جو ایمان اور کفر میں ہے۔

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر’’ترجمان القرآن‘‘ مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی میں عبارت تھوڑی مختلف ہے، اس میں

’’تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجاویں، وہ کہتا ہے‘‘۔

کے الفاظ نہیں ہیں۔

چنانچہ اس کی عبارت درجِ ذیل ہے:

’’اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کردیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سِوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِ نو اختیار کرلیں، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور انھوں نے مجھے قبول کرلیا، تمام مذاہب کی یہی مشترکہ ومتفقہ سچائی ہے ، جسے وہ الدّین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے‘‘۔(ترجمان القرآن، جلد ا ص ۴۳۸: مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی)

ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسخہ میں اسی طرح ہو، جو حضرت تھانوی کے سامنے تھا، اور بعد میں اس کو حذف کردیا گیا ہو، خواہ خود مولف کی طرف سے ایسا کیا گیا ہو، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے پہلی جلد کے اگلے ایڈیشن میں کچھ اصلاحات کی تھیں۔ واللہ أعلم۔ محمد رضوان۔

اس کے بعد مصنف نمبر (ز) قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

خدا کا دین، اس لیے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے، بلکہ اس لیے ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے، اور سب ایک ہی پروردِگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں، وہ کہتا ہے کہ جب سب کا پروردِگار ایک ہے، جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے، جب ہر انسان کے لیے وہ ہی ہے، جیسا کچھ اس کا عمل ہے، تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ ونزاع کیوں ہے۔اھ'' [1]

لیکن یہ بھی قرآن پر افترا اور کھلا ہوا بہتان ہے، قرآن کہیں ان کفریات کی تبلیغ نہیں کرتا، قرآن انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک کو وہ مسلمین کہتا ہے، دوسرے کو کفار۔

مسلمین کو آپس میں محبت کی تعلیم کرتا ہے اور کفار سے نفرت دلاتا ہے، ان سے جنگ کا حکم دیتا ہے، ان کو شیطان کا پرستار قرار دیتا ہے، نہ کہ خدا کا۔

اور یہ مضمون قرآن میں نا قابلِ انکار طریق پر موجود ہے، تو اس کی نسبت جو دعوے مصنف نے کیے ہیں، سراسر بہتان ہوں گے۔

تمّت الضمیمة وبتمامها اختتمت رسالة توحید الحق ولِلّٰه الحمد. **(النور صفحہ ۷، ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ تمام شد)**

---

[1] مذکورہ عبارت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی صفحہ ۴۳۸، ۴۳۹ میں موجود ہے، لیکن اس میں یہ جملہ کہ ''جب ہر انسان کے لیے وہ ہی ہے'' کے بجائے یہ عبارت ہے کہ:

''جب ہر انسان کے لیے وہ ہی ہونا ہے''۔

اس کے علاوہ باقی عبارت میں کوئی فرق نہیں۔

ممکن ہے کہ ابتدائی تحریر میں اسی طرح ہو، جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سامنے تھی، اور بعد میں اس میں ترمیم کی گئی ہو، یا پھر کتابت کی غلطی ہو۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

(امداد الفتاویٰ، مبوّب، ج ۴، ص ۶۷۹، تا ص ۶۸۴، مسائل شتیٰ، ضمیمہ رسالہ توحید الحق، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید 2010ء)

یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حضرت تھانوی نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں جو ترجمان القرآن کی عبارات نقل فرمائیں، وہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی سورہ فاتحہ سے متعلق تفسیر کے ابتدائی مطبوعہ نسخے کے متعلق ہیں، جس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور دیگر چند حضرات کی نظرِ ثانی کے بعد کچھ حذف واضافے کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی تھی۔

چنانچہ ذاکر حسین صاحب ''ترجمان القرآن، جلد اول'' کے ''پیشِ لفظ'' میں لکھتے ہیں:

''ترجمان القرآن'' کے دو ایڈیشن اس سے پہلے نکل چکے ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان میں تصحیح کا پورا اہتمام نہ ہوسکا، اور بہت سی غلطیاں رہ گئیں، جس کا مرحوم (مولانا آزاد) کو بہت قلق تھا، جدید ایڈیشن کے لیے کتاب پر نظرِ ثانی کرنے کا کام پہلے مولوی اجمل خان صاحب کرتے رہے، پھر ڈاکٹر عبدالمعید خان صاحب کے سپرد کیا گیا، جنھوں نے اپنے مددگار، مولوی احمد حسین خان صاحب: سابق استاد عربی، جامعہ عثمانیہ، کے تعاون سے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے پچھلے ایڈیشنوں کی تصحیح کرنے کے بعد پریس کاپی تیار کی، میں ''ساہتیہ اکیڈمی'' کی طرف سے ان حضرات کا اور ان سب لوگوں کا جنھوں نے ان کی مدد کی، شکریہ ادا کرتا ہوں، خدا انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

میری خواہش تھی کہ یہ جدید ایڈیشن نہ صرف طباعت کی غلطیوں سے پاک ہو، بلکہ مولانا مرحوم نے جس قدر محنت اور کوشش اس اہم کام میں صرف کی ہے، اس کا پورا آئینہ دار بھی ہو، اس لیے اس ایڈیشن میں نہ صرف پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے اختلافات کو، بلکہ پہلے ایڈیشن کی ان عبارتوں کو بھی، جنھیں مولانا نے دوسرے ایڈیشن میں حذف کر دیا تھا، غرض تمام متروکات اور ترمیمات کو حاشیے میں محفوظ کرلیا گیا ہے، تاکہ آیندہ تحقیقات کرنے والوں کے لیے مولانا آزاد کے

ارتقائے ذہن وفکر وخیال کا جائزہ لینے میں آسانی ہو۔(ترجمان القرآن، جلد ا، ص ۲

وص ۳: مطبوعہ: ساہتیہ اکیڈمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی، انڈیا، طبع چہارم: 1989 عیسوی)

ہم نے موجودہ دور میں اس کا جو مندرجہ بالا مطبوعہ مواد دیکھا، اس میں بعض متنازع الفاظ اور جملے موجود نہیں ہیں، جن کے متعلق ہم نے متعلقہ مقامات کے حواشی میں اپنی معروضات پیش کر دی ہیں۔

تاہم اگر کسی متنازع اور قابلِ تشویش عبارت، یا فکر میں اصلاح وترمیم کی گئی تھی، تو حسبِ قاعدہ اس سے رجوع کی تصریح کی بھی ضرورت تھی، تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی کسی پہلی فکر کے بارے میں جو موقف شائع ہوا، اور اس کی تردید کی گئی، تو اس فکر سے مولانا موصوف کے رجوع کرنے کا علم ہوتا۔

علاوہ ازیں اس میں اب بھی متعدد عبارات اسی شکل میں ہیں، جن پر حضرت تھانوی وغیرہ نے تعاقب فرمایا تھا، وہ الگ بات ہے کہ مولف نے اپنے بعض مکتوبات میں اپنے بعض افکار کی وضاحت کی ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ تفسیر میں اور بھی کئی باتیں قابلِ تشویش ہیں، لیکن مولف موصوف نے اپنے مخصوص مزاج، یا کسی بھی وجہ سے اس قسم کے امور پر متنبہ ہونے کے باوجود، اس کی مکمل اصلاح وتوضیح نہیں کی، ورنہ یہ قضیہ اسی وقت ختم ہو جاتا، اور آج ہمیں اور دیگر بہت سے اصحابِ علم وفکر کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اب اہلِ انصاف حضرات کو یہ تمام امور ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، اور اس سلسلے میں یک طرفہ موقف رکھ کر ایک دوسرے کے خلاف تعصّب وتحزّب اختیار کرتے ہوئے محاذ آرائی کرنا مناسب نہیں، جیسا کہ بہت سے حضرات وافراد کا طرزِ عمل ہے کہ بعض تو اس تفسیر کے مضمون کو مِن وعَن درست قرار دیتے ہیں اور اس میں متنازع امور کو مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی دوسری تحریرات وغیرہ کے ذریعہ درست قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ تفسیر کو ملاحظہ کرنے والے حضرات کے سامنے

یہ تمام تر تفصیلات نہیں ہوتیں اور وہ کسی ایک جگہ کا مضمون پڑھ کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور بعض حضرات، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی دوسری جگہ کی تصریحات وتوضیحات کو نظر انداز کر کے، مولانا آزاد مرحوم پر یک طرفہ ملحد وزندیق وغیرہ ہونے کا سخت حکم لگا دیتے ہیں۔ ہم اس افراط وتفریط سے اپنے دامن کو محفوظ رکھنے میں ہی دنیا وآخرت کی سلامتی محسوس کرتے ہیں، غرضیکہ ان کی تفسیر میں بھی شاذ افکار اور اہلِ سنت کے نقطۂ نظر سے کچھ غلط باتیں ہیں، جن کو غلط ہی سمجھنا چاہیے، جیسا کہ مولانا مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کا معاملہ ہے، اور مؤلف کا معاملہ ان افکار کی تغلیط وتردید کے ساتھ اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا حوالہ

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ’’مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد وخیالات پر میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔
>
> نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں، لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں، میرے نزدیک وہ اس منزلِ مقصود پر پہنچانے والی نہیں، جس کا نشان انھوں نے ’’الہلال‘‘ وغیرہ میں دیا تھا۔
>
> اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے‘‘ (انوارِ عثمانی، ص ۲۰۰، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب سے اختلاف کے باوجود، نہ تو ان کو خود غرض قرار دیا، اور نہ ہی اپنے قلب میں ان کی عزت کی نفی محسوس کی۔

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کا حوالہ

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے ’’مشکلاتُ القرآن‘‘ کے مقدمے ’’یتیمۃُ البیان‘‘

میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی تفسیر پر قدرے مفصل کلام کیا ہے۔

ان کی تحریر کے چند اہم اقتباسات ترجمہ سمیت ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

الخير ابقٰى و ان طال الزمان به

والشر اخبث ما اوعيت من زاد

"ترجمان القرآن" ترجمة بالاردوية للقرآن، وعليها فوائد وجيزة و مبسوطة لابى الكلام احمد الدهلوى لابد ان أبين شان هذا الكتاب و مافيه من مخالفة السنة واجماع الامة، وانما حثّنى على هذا كلمة لبعض اهل العصر أشاعها فى جريدة القاهرة "الفتح" من العدد ٥٦٢ وقد قيل: يداک أوكتا و فوک نفخ" وأثنى عليه بما لا يليق به، وأغمض عما فيه من المثالب الهفوات أو لم يدرها، ولايجرى بنا ان نخدع علماء مصر و نغزهم بالثناء الكاذب على رجل من رجال الهند، فان النصح لله و لرسوله اعنى بنا من المديح الكاذب على أحد من أبناء الهند ولايليق بنا أن نشترى سخط الخالق فى رضاء مخلوقه، ورضاء الله ورسوله أهم و أقدم من رضاء رجل لم يحتفل فى أى واد أرداه قلمه ولسانه، و قد أومضت الى بعض هفواته فى رسالتى "نفحة العنبر" من قبل طلباً لرضاء الله تعالىٰ و أداءً لحق البلاغ الدينى الى اخوانى طلبة العلم و عوام الائمة المسلمة الهندية.

و أما ادرى ان الناس سيفتحون افواههم و محابرهم للازدراء بى والطعن على والرمى بالجمود والعصبية والبلادة، بيد أن تلك سنة جارية فى القرون.

وقال شاعرهم:

أعيّرتنا ألبانها و لحومها

وذالک عار يا ابن ريطة ظاهر

و قال آخرهم:

و عيرها الواشون انّى أحبّها

وتلک شكاة ظاهر عنک عارها

وما توفيقى الا بالله عليه توكلت و اليه انيب، قال صاحب الكلمة: ومن التفاسير التى ألفت باللغة الهندية تفسير الامام ابى الكلام الذى لا يضاهيه تفسير فى العالم الاسلامى غير تفسير الامام الحجة المغفور له السيد رشيد رضا اهـ.

ولا أدرى هل أراد بتلک الجملة ثناءً خرج من جذر قلبه ائتلافا بما قاله ذلک المفسر، أو داهن لمصالح يقتضيها العصر، وأياما كانت فلست ادين الله بشئ منه فأقول ان ابا الكلام احمد الدهلوى رجل وقاد القريحة واسع الاطلاع صاحب بيان وبنان فى الاردوية وعسىٰ أن يكون فريدا فى بدائع الانشاء ومحاسن الخطابة فى الاردوية بعصره، بل كاد يكون مخترعا لبديع اسلوبه، وحياته قبل عشرين عاما كان انفع للقوم من حياته الحاضرة وله قدم راسخ فى السعى لانقاذ الوطن عن مخلب الحكومة الاجنبية وسلطة الدولة البرطانوية، ولم يأخذه فيه الحكومة وصولتها.

ومن ثم سكت كثير من علماء الحق فى شانه وحاله وفى قلبى له

منزلة من مساعيه الجميلة فى سبيل حرية الوطن ، وانه استحث فى اوائل امره كثيراً من اولى الهمم المتوانية وايقظ الرقود فى سبيل جهاد الحرية باجراء جريدتيه "الهلال" و"البلاغ" وبخطابته الجاذبة للقلوب فى المحافل السياسية بيد أنهٔ رجل معجب بنفسه معجب برأيه وفكرته، يرذرى بالعلماء بل بأكابر علماء الملة اذا خالفت اقوالهم رأيه وهواه، فأصبح بحيث ترى فيه شحا مطاعا وهوى متبعا واعجابا برأيه وخروجا عن المسلك القويم والعلم الصحيح.

كان فى اول امره رجلا صحيح الاعتقاد فيما نعلم منه ،ويشهده به آثاره ومقالاته فى جرائده ورسائله،الا انه لم يكن مقلدا فى الفروع لاحد من الائمة كاهل الحديث من القاضى الشوكانى والنواب صديق حسن خان وغيرهما............ أعلن أنه يؤلف تفسيراً فاستشرفت اليه الاعناق وارتقبه الناس ترقب الهيمان الى الزلال العذب والنمير البارد، حتى يطبع جزء ثم جزء ثم ترجمة القرآن و عليها فوائد مختصرة و مطولة وسماها "ترجمان القرآن" وبسط القول فى تفسير سورة الفاتحة، فأخذته باشتياق، و طالعت منه تفسير الفاتحة بأسره و عدة مواضع من تفسير آيات مختلفة متفرقة، فانطفأت فى قلبى لوعة الاشتياق، بل تأسفت و وددت أن لو لم يطبع لكان أحسن و أحسن، فانه كان له فى القلب منزلة، ورأيت أن الرجل تشعبت به الاهواء، فى كل واد، ولم ينج من مداخل الاوهام، فاحست أن ذلك الاعجاب نفسه و برأيه

اولاً الی انخلاع ربقة التقليد، وانتهىٰ به آخراً الی موارد حائدة عن الصراط السوی:

و كل يدّعی حبّا بليلیٰ
وليلیٰ لا تقّر لهم بذاكا

فماحقق ذلک الرجل فی تفسير (اهدنا الصراط المستقيم) ان كل دين من الاديان فی العالم سواء كان دين النصرانية او اليهودية او الصابئية لو دان به الرجل فی صورته التی اتٰی بها شارع ذلک الدين كفی لنجاته يوم القيامة فان اصل هذه الاديان كلها واحد وهو الايمان بالله والعمل الصالح وشارع كل دين اتی بالتوحيد وهدی الی العمل الصالح وانما الشرک واعمال الشر نشأت فی اتباع المذاهب من تحزبهم وتشيعهم وهو يردد ذلک فی تفسيره ويدندن حوله بعبارات مختلفة واساليب شتٰی، وهو يقول ان القرآن ينادی باعلیٰ نداء الیٰ ذلک ، ويزعم ان ذلک الذی فهمته هو مغز القرآن وغرضه.

ويستدل لذلک بقوله تعالٰی : (ان الذين آمنوا والذين هادوا والنصاری والصابئين من آمن باللّٰه واليوم الآخر وعمل صالحا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون) (٢ـ٢ ١) والعمل الصالح ليس عنده الأحكام التكليفية والشرائع وليس المدار عليها عنده ، ويقول: ان تلک العبادات وتلک الشرائع ظواهر ورسوم ، وانها صور وأجساد وليست هی حقيقة الدين ولا روحه ، فكل من أنكر الشرائع والأحكام التكليفية

اعتقادا فيكون عنده مسلما ولا بد.

وقال فى تفسير قوله تعالى :(ان الدين عند الله الاسلام) وفى قوله تعالٰى : (ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين) : ان الاسلام عبارة عن الوحدة الدينية العامة لا تختص بشرع دون شرع ، فالملل كلها تدعو الى هذه الوحدة العامة والصدق الكامل على سواء ، فليست الملة الاسلامية عنده مجموع الاعتقادات الخاصة والعبادات المخصوصة ، وهو يقول : وان اختلاف هذه الرسوم والشرائع مناهج التحنث والتعبد ما لم يكن عنه محيص ، فليس مما ينكر أو ينكر أو يستحق الملام ، فأوسعوا له صدوركم الضيقة ، وذروا ما أنتم عليه من التضييق والتحجر ، فلو تعبد أحد بالشريعة الموسوية ، وأحل حلالها وحرم حرامها ، ولم يتمسک بالشريعة المحمدية ولم يحل حلالها ولم يحرم حرامها بعد أن جاء الاسلام ونسخ الشرائع السابقة فذلک الرجل لا محالة مسلم ناج على ما تصدع به أصوله الموضوعة ، وغير ذلک مما موهه وزخرفه بأساليب انشائه ، وحبره بتحبيراته ، وغر الناس بخضراء دمنته ، فهو يقعقع بالشنان وجوفه هواء ، ويجعجع من غير طحين وكله هباء.

وهذا الذى قلته مغز عبارته الصريحة ، لا يكاد يتأول فى شىء منه اللهم الا أن يكون للصرائح تأويلات غير سائغة فانه صرح به كفرق الصديع وضوء النهار ولم يترک لشفرة محزا ولا للتأويل

مساغا فی البین فهل قصر قلم الرجل هن افصاح مرامه وهو رجل فصيح يقدر على الصدع بغرضه بلفظ ليس فيه عی ولا يشوبه نغص التعمية ودنس العجمة ، فكيف يؤثر تعبيرا لم يرد منه ما يتبادر اليه الذهن ويفتقر الى صرفه عما يسرع اليه فكر الناظر مسافا ومذاقا ؟ فهل لک لذلک التأويل سبيل يشفی الغليل ويغنی عن القال والقيل ؟ وهو يقول : ان الاسلام دعا الناس أهل الأديان كافة الى أن يتمسكوا بعرى اديانهم منقحة منخولة مما خلطوا به من الباطل واتباع الهوى ولم يعزم عليهم أن يذروا أديانهم ويختاروا دينا غيرها ، الى غير ذلک من التلبيسات والتدليسات مما يوقع الناس فی ورطة الهلاک وهوة الردى :

ألا تسالان المرأ ما ذا يحاول أنحب فيقصی أم ضلال وباطل

وكل امرىء يوما سيعلم حاله اذا كشفت عند الاله الخصائل

(يتيمةُ البيان فی شئ من علوم القرآن، ص ۵۷ الی ۵۹، الناشر: مجلس الدعوة التحقيق الاسلامی بكراتشی، باكستان، الطبعة الثالثة 1416هـ، 1995م)

ترجمہ: ’’بہتری اور اچھائی ہمیشہ اچھائی اور خیر ہی رہتی ہے، اگرچہ اس پر طویل زمانے گزر جائیں، اور برائی خباثت سے بھرپور رہتی ہے، چاہے کتنا ہی عرصہ تم اسے توشہ میں محفوظ رکھو‘‘۔

’’ترجمان القرآن‘‘ اردو زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ ہے، جس پر ابوالکلام احمد دہلوی کے مختصر اور مبسوط فوائد تحریر ہیں۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے متعلق اور اس میں موجود مخالفِ سنت و اجماعِ امت، مباحث سے متعلق کچھ وضاحت بیان کردوں۔

اس وضاحت پر مجھے بعض معاصرین کے ان تعریفی کلمات نے برانگیختہ کیا، جو قاہرہ کے رسالہ ''الــفـتــح'' کے شمارہ نمبر: 562 میں شائع ہوئے، جو اس کے مصداق ہیں: ''یـداک أوکتـا و فـوک نفخ ''یعنی ہاتھ سے مشکیزہ کو بند کر رہے ہو، اور منہ کی پھونک سے ہوا بھر رہے ہو''، انھوں نے ایسے تعریفی کلمات کہے، جو اس تفسیر کے لائق نہیں ہیں، نیز اس تفسیر کے باطل، ہفوات سے، یا تو چشم پوشی کی، یا پھر ان کو سمجھا ہی نہیں۔

لیکن ہم اس رو میں نہیں بہیں گے کہ مصری علماء کو دھوکے میں رکھیں، اور ان کو ہندوستان کے کسی باشندے کی جھوٹی تعریف پر اُبھاریں، اس لیے کہ اللہ اور رسول کی خاطر درست بات کرنا ہمارے لیے کسی ہندی کی جھوٹی تعریف کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے، ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم مخلوق کی رضامندی کے بدلے خالق کی ناراضگی کا سودا کر بیٹھیں، اللہ اور رسول کی رضا کا حصول ایسے شخص کی رضا سے کہیں زیادہ اہم ہے، جو کہ کسی بھی ایسی وادی میں زیادہ دیر نہیں رہتا، جس کی جانب اس کا قلم اور زبان اس کی رہنمائی کرے۔

موصوف ابوالکلام کے بعض ہفوات کی جانب محض رضائے الٰہی کے حصول اور ہندی طلباء و علماء اور عام عوام تک حق و درست اور واضح بات پہنچانے کے لیے اس سے قبل میں اپنے رسالہ ''نفحة العنبر ''میں بھی اشارات تحریر کر چکا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ اس تنقید و تبصرہ پر بعض لوگ مجھ پر طعن کے ساتھ زبان اور قلم دراز کر کے مزاحم ہوں گے، اور مجھے تعصب اور جمود کا طعنہ دیں گے، کہ یہ پچھلے زمانوں سے (حق کے مقابلے میں) ایک مشترکہ وطیرہ اور طریقہ چلا آ رہا ہے عرب شاعر کہتا ہے کہ:

أعيّرتنا ألبانها و لحومها

وذالک عار یا ابن ریطة ظاهر

''کیا تو ہمیں اپنی اونٹنیوں کے دودھ اور گوشت پر بخل کی عار دلائے گا اور ملامت کرے گا؟ اے ابنِ ریطہ! یہ عار دلانا ازخود بے حیثیت و بے قدر ہے (کیوں کہ تجھ کو کیا معلوم، ہم انھیں کن مصارف میں خرچ کرتے ہیں، جن سے تو بے خبر ہے)''۔

ایک اور نے کہا ہے:

و عیرها الواشون انّی أحبّها

وتلک شکاة ظاهر عنک عارها

''میرے رقیب چغل خوروں نے محبوبہ کو میری اس سے محبت کرنے پر عار دلائی حالانکہ یہ شکوہ ہی تجھ سے اے محبوبہ! اپنی عار کو معدوم کر رہا ہے''۔

مذکورہ مقالہ نگار کہتا ہے:

''ہندی زبان میں تصنیف کردہ تفاسیر میں امام ابوالکلام کی تفسیر بھی قابلِ ذکر ہے، جس کے مقابل و مشابہ امام حجۃ الخلف سید رشید رضا کی تفسیر کے سوا کوئی تفسیر سارے عالمِ اسلام میں نہیں''۔

مجھے نہیں معلوم کہ ان کلمات سے موصوف نے جو دل کی گہرائیوں سے تعریف کی، آیا یہ مفسر کے نظریات وافکار سے مناسبت ہے، یا پھر عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، مداہنت سے کام لیا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو، میں اس بارے میں کسی مصلحت کے تقاضے کی رورعایت کیے بغیر کہتا ہوں:

ابوالکلام احمد دہلوی بہت تیز طبع اور وسیعُ المعلومات، اُردو میں صاحبِ بیان اور صاحبِ قلم شخص ہیں، جس پر انھیں ملکہ حاصل ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے زمانے

میں اُردو زبان کی انشا پردازی اور حسنِ خطابت میں یکتا ہوں، بلکہ اپنے اسلوب کے طرز و انداز کے موجد ہوں، اور بیس سال پہلے ان کی زندگی اپنی قوم کے لیے موجودہ دور میں انتہائی نافع تھی، اور غیر ملکی حکومت، یعنی برطانوی حکومت کے غلبے سے وطن کو آزاد کرانے کے لیے ان کی سعی و کوشش میں ان کے قدم، مضبوط اور گہرے تھے، وہ حکومتِ برطانیہ کے خوف سے نڈر رہے۔

اور ان کی اس قسم کی مساعیِ جمیلہ کی وجہ سے بہت سے علمائے حق، ان کی شان اور ان کی حالت میں (ان کے بعض متنازع امور پر) لب کشائی سے خاموش رہے، اور میرے دل میں بھی (دوسرے علمائے حق کی طرح) وطن کی آزادی کے سلسلے میں ان کی مساعیِ جمیلہ کی قدر و منزلت ہے، اور انھوں نے ابتدائی زمانے میں اپنے رسالے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کی تحریرات کے ذریعے اور سیاسی محافل میں دلوں پر اثر کرنے والے اپنے پراثر خطاب کے ذریعے، سست ہمتوں کو بہت زیادہ پروان چڑھایا، اور آزادی کی جنگ کے راستے میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا۔

البتہ اسی کے ساتھ وہ اپنے آپ اور اپنی رائے اور فکر میں خود پسندی کا بھی شکار رہے، انھوں نے دوسرے علماء بلکہ علمائے امت کے بڑے بڑے حضرات کے ان اقوال کو نظر انداز کر دیا، جو اُن کی رائے اور خواہش کے خلاف تھے، جس کی بنا پر ان کی حیثیت ایسی ہو گئی کہ اُن میں اپنی اطاعت و اتباع کرانے اور اپنی رائے میں خود پسندی اور مضبوط مسلک اور علمِ صحیح سے خروج کا جذبہ محسوس کیا جانے لگا، ہمارے علم کے مطابق ابتدائی زمانے میں وہ نیک صالح اور صحیح الاعتقاد شخص تھے، جس کی شہادت ان کے وہ آثار و مقالات دیتے ہیں، جو ان کے جراید اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں، البتہ وہ فروع میں ائمہ میں سے کسی کے مقلد نہیں

تھے، جیسا کہ اہلِ حدیث، مثلاً قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان وغیرہ۔
انھوں نے اعلان کیا کہ وہ تفسیر لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کی بنا پر اس تفسیر کی جانب گردنیں اٹھنے لگیں، اور لوگ اس تفسیر کا اسی شدت سے انتظار کرنے لگے، جیسا کہ ایک پیاسے شخص کو ٹھنڈے میٹھے شفاف پانی کی طلب وانتظار رہتا ہے، چنانچہ ایک دو کتابیں تفسیر کے متعلق شائع ہوئیں، پھر صرف ان کا ترجمۂ قرآن جس پر چند مختصر و مفصل فوائد درج کیے گئے تھے، شائع ہوئی، جس کا نام موصوف نے ''ترجمان القرآن'' تجویز کیا۔
سورۂ فاتحہ کے متعلق ان کی تفسیر خوب مفصل ومبسوط شائع ہوئی، میں نے بھی اس کو خوب شوق سے لیا اور پڑھنا شروع کیا، اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر مکمل پڑھی، اور پھر مختلف آیات کی تفسیر دیکھی، تب اس شدتِ اشتیاق کی لو، جو میرے دل میں جل رہی تھی، وہ بجھ گئی، اور میں انگشت بدنداں رہ گیا، اور افسوس کرتا ہوا یہ سوچنے لگا کہ اگر یہ تفسیر طبع نہ ہوتی، تو زیادہ بہتر تھا، اس لیے کہ اس کے مطالعے سے قبل ان کی قدر ومنزلت میرے قلب میں جاگزیں تھی، اس مطالعے سے میں نے بھانپ لیا کہ خواہشات اور محض عقل کی کارفرمائی ان کو مختلف وادیوں میں لے گئی ہے، اور اس اوہام پرستی نے موصوف کو کہیں کا نہیں چھوڑا، اور میں نے جانچ لیا کہ اس خود رائی اور اعجاب نے موصوف کو تقلید سے بے نیاز کیا، اور بالآخر صراطِ مستقیم سے ورے ورے شاہراہِ باطل پر گامزن کر دیا۔

و کل یدّعی حبّا بلیلیٰ

ولیلیٰ لا تقّر لھم بذاکا

''ہر شخص لیلیٰ کی محبت کا دعوے دار ہے، لیکن لیلیٰ ان کے لیے اپنا سچا عاشق ہونے کا اقرار نہیں کرتی''۔

پس ان صاحب (یعنی مولانا ابوالکلام آزاد) نے ''اھدنا الصراط المستقیم'' کی تفسیر میں جو یہ ثابت کیا ہے کہ:

دنیا بھر کے تمام دینوں میں سے ہر دین برابر ہے، خواہ وہ نصرانیوں کا دین ہو، یا یہودیوں کا، یا صابئیہ کا، اگر کوئی شخص اس دین پر اس کی اس صورت میں ایمان لے آئے، جو اس دین نے مشروع کیا ہے (یعنی اپنی اصلی حالت پر) تو قیامت کے دن اس کی نجات کے لیے کافی ہوگا، کیوں کہ ان تمام ادیان کی بنیاد ایک ہی ہے، جو کہ اللہ پر ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ہے، اور ہر دین کے شارع نے توحید کی دعوت دی، اور نیک عمل کی ہدایت کی، اور بس شرک اور شر کے اعمال، ان مذاہب کے متبعین میں ان کے باہمی تحزّب اور تفرّق کی وجہ سے پیدا ہوئے۔

انھوں نے اپنی تفسیر میں اس کا بارہا ذکر کیا ہے، اور اس ضمن میں مختلف عبارات اور مختلف اسالیب سے اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ یہ بات کہتے ہیں کہ قرآن بہت بلند طریقے پر اس کی دعوت دیتا ہے، اور ان کا گمان یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ سمجھا، وہ قرآن کا مغز اور اس کی غرض ہے۔

وہ اپنے اس موقف کی تائید کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیت بطور استدلال پیش کرتے ہیں:

''انّ الذین آمنوا والذین ھادوا والنّصاریٰ والصابئین من اٰمن باللّٰہ والیوم الآخر و عمل صالحاً فلھم أجرھم عند ربّھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون'' (۲-۶۲)

اعمالِ صالحہ، ان کے نزدیک احکامِ تکلیفیہ میں سے ہی نہیں، اور نہ شریعتِ اسلامی میں کوئی قدر و منزلت رکھتے ہیں، بلکہ موصوف کے نزدیک ان اعمالِ صالحہ پر کسی جزا کا مدار ہی نہیں، ایک مقام پر یوں گویا ہیں:

’’یہ عبادات اور مشروع اعمال تو محض ظاہر داری کی رسمیں ہیں، اور گویا صورتیں اور اجسام ہیں، نہ ان اعمال کو حقیقتِ دین سے کوئی تعلق ہے، نہ دین کی روح سے کچھ رشتہ‘‘۔

معلوم ہوا کہ ان اعمالِ مشروعہ اور احکامِ عبادت کا اگر کوئی شخص اعتقادی طور پر بھی منکر ہو، تو بھی وہ ضرور مسلم ہی شمار ہوگا۔

آیت: ’’**انّ الدین عنداللّٰہ الاسلام**‘‘ اور آیت: ’’**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین**‘‘ کے ذیل میں مؤلف یوں کہتے ہیں کہ:

’’اسلام، عمومی دینی اتحاد کا نام ہے، اور کسی خاص شریعت کے ساتھ اسلام خاص نہیں، اس لیے کہ یہ تمام ملل وادیان اسی اتحاد و یگانگت کے داعی اور مکمل سچائی کی طرف بلاتے ہیں، اس دعوت میں تمام ادیان برابر ہیں‘‘۔

یعنی موصوف کے نزدیک ملتِ اسلامیہ مخصوص اعتقادات وعبادات کی حامل جماعت نہیں۔

اور مؤلف تحریر کرتے ہیں:

’’اب جو ظاہری رسوم وعبادات کا ان شرائع و مذاہب میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور عبادت کے ظاہری طرز وطریق میں یہ فرق جو عیاں نظر آتا ہے، اس سے تو چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکتا، چنانچہ یہ اختلاف کوئی اجنبی چیز نہیں ہے، اور نہ کسی ملامت کا مستحق ہے، لہٰذا اپنے تنگ سینوں کو اس فرق واختلاف کے لیے کشادہ رکھو، اور تنگی وممانعت، جو تم لوگوں نے گھڑ رکھی ہے، اس کو چھوڑ دو‘‘۔

آج جب کہ دینِ اسلام اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ پھیل چکا ہے، اور مزید پھیل رہا ہے، اگر ایک شخص موسوی شریعت کا اتباع کرتا ہے، اس کے مطابق حلال

کو حلال اور حرام کو حرام ٹھہراتا ہے۔

اور شریعتِ محمدیہ کو اختیار نہیں کرتا، نہ اس کے حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ اس کے حرام کو حرام، بعد اس کے کہ اسلام آچکا ہے اور ماقبل شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

موصوف کے وضع کردہ اصول کے مطابق وہ بھی نجات دہندہ مسلمان شمار ہوگا۔

انھی افکار کے مانند دیگر کئی ایسے نظریات ہیں، جنھیں موصوف نے خوب مزین کر کے اپنے تعجب خیز طرزِ تحریر و انشاء سے چمکا دمکا کر پیش کیا ہے، اور بہ مطابق محاورے: ''وغرّ الناس بخضراء دمنته'' (یعنی ''لوگوں کو سبز باغ دکھا کر دھوکہ دینا'') کے خوب بے باکی اور بے خوفی سے ان نظریات کو بیان تو کیا، لیکن اس کے ورے ورے ان کی تفصیلات سے ان کا پیمانۂ علم بھی خالی ہے، اور ان نظریات کے متعلق چنین و چناں کی تو خوب آواز آتی ہے، لیکن سب کے سب (فضائے بسیط میں پھیلے) گرد و غبار کے مانند ہے۔

مذکورہ بالا ابحاث جو میں نے عربی میں نقل کیں، یہ ان کی تحریر کردہ صریح عبارت کا خلاصہ و ماحصل ہے، جن میں کسی طرح کی تاویل نہیں کی جاسکتی، سوائے اس کے کہ صریح عبارات کی غیر مناسب تاویلات کی جائیں، حالانکہ ان نظریات کو ایسی صریح عبارات سے موصوف نے بیان کیا ہے کہ یہ افکار روزِ روشن میں واضح نظر آنے والے شگاف کی طرح واضح ہو چکے ہیں، اور بقول کسے: ''ولم یترک لشفرة محزا'' (چھری رکھنے کی بھی گنجایش نہ چھوڑی) اور فطری قانون ہے کہ صریح باتوں میں تاویلات کی گنجایش ہی نہیں ہوا کرتی، اور کیا ایسا فصیح شخص جو اپنے اغراض و مقاصد کو فصیح و بلیغ انداز میں بلاکم و کاست ایسی عبارات کی مدد سے کہ ان عبارات میں کسی قدر غموض و اخفا، یا لکنت و قلق باقی نہ رہے۔ بیان کر دینے پر قادر ہو، ایسے شخص کا قلم اپنی غرض کو درست بیان کر دینے سے قاصر ہے، اور وہ

کیوں کر ایسی تعبیرات استعمال کرے گا، جن سے ان کے متبادر معنیٰ جو اس نے خود مراد نہ لیے ہوں؟ اور سیاق وسباق اور کلام کی کیفیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، جو معنیٰ دیکھنے والے کی فکر میں پیدا ہوتا ہے، اس معنیٰ ومراد سے یہ شخص اس دیکھنے والے کی فکر کی تبدیلی کا محتاج ہو؟

اور اگر ان تاویلات کو راہ دی جائے، تو کیا یہ تاویلات معترض کو شافی وکافی جواب مہیا کر سکیں گی؟ اور وہ مزید قیل وقال سے مستغنی کر دیں گی؟

موصوف کہتے ہیں:

''اسلام تمام اہلِ ادیان کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اپنے حقیقی دین کو ان باطل اعمال اور خواہشات کی اتباع میں وضع کردہ ان احکام سے صاف ستھرا اور پاک کر دیں، اور اپنے اسی دین کی بنیادی تعلیمات سے بہرہ ور ہوں، اسلام ان سے یہ تقاضا کرتا ہی نہیں کہ وہ اپنے ادیان و مذاہب کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیں''۔

انھیں تلبیسات وتدلیسات کے مانند دیگر کئی ایسے قابلِ گرفت نظریات، موصوف نے اختیار کیے ہیں، جو ہلاکت کے گڑھے میں پہنچانے والے اور دینی تباہی و بربادی کے منتہیٰ تک لے جانے والے ہیں۔

ألا تسئلان المرأ ما ذا يحاول

أتحب فيقضٰى أم ضلال و باطل

و كل امرئ يومًا سيعلم حاله

اذا كشفت عند الالٰه الخصائل

''خبردار! اے دو مخاطبوں! کیا اس شخص سے تم نے پوچھ لیا کہ کیا چاہتا ہے؟ اگر چیخ پکار چاہتا ہے، تو کرلے، یا پھر محض گمراہی اور باطل بات کا دعوے دار ہے، ایک نہ

ایک دن ہر شخص اپنے حال سے باخبر ہوجائے گا، جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں باطنی خصائل وطبائع ظاہر کردیے جائیں گے'' (یتیمۃُ البیان)

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے یہ صراحت کردی کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا مندرجہ بالا موقف ان کی ''اھدنا الصراط المستقیم '' کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے، اگرچہ بعد میں، یا کسی دوسرے مقام پر، انہوں نے کچھ اور توضیح وتاویل کی ہو، وہ الگ معاملہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مندرجہ بالا فکر پر خود ان کی بعض تحریرات اور امدادُ الفتاویٰ کی روشنی میں کلام گزر چکا ہے، اور آگے بعض اہلِ علم حضرات کی تحریرات، نیز خود مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مکتوبات کے ضمن میں بھی آتا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب اپنے مذکورہ مضمون ہی میں فرماتے ہیں:

وأما تحويل كثير من الآيات الى ما يهواه والتأويل فيها بما لا يحبه اللّٰه ولا يرضاه وما لم ينقل ممن أنزل عليه القرآن ، ولا من أصحابه المخاطبين به ، بل ثبت وصح خلاف ما قاله كثير ليس هذا موضع سرده ولا موضع الرد عليه (يتيمةُ البيان فى شئ من علوم القرآن، ص ٦٠، الناشر: مجلس الدعوة التحقيق الاسلامى بكراتشى، باكستان، الطبعة الثالثة 1416هـ، 1995م)

ترجمہ: آیات کو اپنے منشا ومقصد سے اپنی خواہش کے مطابق اختراعی منشا کی طرف پھیر دینا اور ان آیات میں ایسے ذرائع بروئے کار لاکر تشریح وتفسیر کرنا، جو نہ اللہ کو محبوب ہوں، نہ ان سے اللہ راضی ہو، اور نہ اس کے متعلق صاحبِ وحی سے کوئی تائید منقول ہو، اور نہ اول مخاطبین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی کوئی توجیہ پیش کی جاسکے، بلکہ موصوف کی پیش کردہ تاویل کے مخالف کوئی تاویل منقول ہو، اس قسم کے بہت سے مواضع ان کی تفسیر کا حصہ ہیں، جن کی تمام

تر تفصیلات اس مقام پر بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ اس رسالے میں ان پر ردّ وقدح کی گنجایش ہے (یتیمۃُ البیان)

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب مزید فرماتے ہیں:

ومن دأبه الخاص انه لا يلتفت قط فی تفسير الآيات الی الأحاديث والآثار وينوط الأمر علی كتب التاريخ من مورخی اليونان والفرنسا وغيرهم وان كان مدارها علی الجزاف والخرص ولا يلتفت الی الأحاديث وان كانت فی الباب موجودة وكانت أقوی سندا من تلک الآثار والكتبات التاريخية التی ليس عليها دليل وبرهان كما قال جل ذكره (مالهم بذلک من علم ان هم الا يخرصون) ومن دأبه انه اذا اقام رايا فی امر فيزعمه امرا قطعيا بحيث لا يقاومه حديث مرفوع ولا اثر صحيح ولا دراية صحيحة ومن دابه انه يغروا الی المفسرين قولا ضعيفا فی آية ويكون هناک أقوال قوية صحيحة غيره فيرد علی القول الضعيف ويتمسک بقول آخر من اقوالهم ويصدع به مستكبرا كانه ابو عذرته وابن بجدته وأن المفسرين لا خبرة لهم به ، وربما يستهزأ فهم متمثلا بقول الشاعر ۔

نزلوا بمكة فی قبائل نوفل ونزلت بالبيداء ابعد منزل

وهكذا دأبه فی سائر تفسيره ترجمان القرآن ۔

وذی خطل فی القول يحسب انه مصيب فما يلمم به فهو قائله

وقد شاع له مكتوب فی بعض الجرائد الاردوية وصدع فيه بأن الامور التی عليها مدار النجاة لابد ان يصرح بها القرآن كصراحة

(واقیموا الصلوة) بل اصرح منها ولا بد ان يأمر بان يصدق به فكلما جاء فى القرآن امر فى غير الامور التى عليها مناط النجاة ولم يكن منتظما فى سلك العقائد فلا يلزم المرء قبوله و اعتقاده

(يتيمةُ البيان فى شئ من علوم القرآن، ص ٦٠ الى ١٦، الناشر: مجلس الدعوة التحقيق الاسلامى بكراتشى، باكستان، الطبعة الثالثة 1416هـ، 1995م)

ترجمہ: موصوف کا خصوصی وطیرہ یہ رہا ہے کہ مختلف آیات کی تفسیر میں انھوں نے احادیث وآثار کی مراجعت نہیں فرمائی، بلکہ یونانی اور فرانسیسی مؤرخین کی مختلف تواریخ پر چاہے، ان کا مدار محض تخمینی وقیاسی آرا وافکار ہی ہوں، بحث وتحقیق کی بنیاد رکھی ہے، اور بہتیرے ان مقامات کے متعلق قویُ الاسناد احادیث، جو ان تاریخی روایات اور ان قدیم کتبوں سے جن پر کوئی دلیل، صحت وثبوت کی نہیں ہے، کہیں اونچا مرتبہ ومقام رکھتی ہیں، موجود ہوتی ہیں، تب بھی ان سے صرفِ نظر فرمایا ہے، ایسے ہی لوگوں کے متعلق باری جل شانہٗ کا فرمان مقدس ہے: ’’ **مالهم بذالك من علم ان هم الا يخرصون** ‘‘۔

اسی طرح یہ بھی ان کا خصوصی طرز رہا ہے کہ جب بھی کسی تاویل کے متعلق موصوف کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں، تو اس کو امرِ قطعی شمار کرتے ہیں، جس کے مقابل نہ ان کے نزدیک حدیثِ مرفوع کی کوئی حیثیت ہوتی، نہ اثرِ صحیح کی اور نہ ہی درست فکر وتدبر سے حاصل شدہ نتیجہ اس کے بالمقابل کوئی مقام رکھتا۔

یہ بھی ان کا خاص طریق رہا ہے کہ کسی آیت کے متعلق کم زور قول کی مفسرین کی طرف نسبت کر دیتے ہیں، حالانکہ اس کے علاوہ دیگر کئی صحیح اقوال موجود ہوتے ہیں، پھر اس ضعیف قول پر رَد کرتے ہیں اور ان مفسرین ہی کے اقوال میں سے کوئی قول ذکر کر کے یہ باوَر کراتے ہیں کہ یہ ان کا اختراع کردہ ہے اور وہی اس

کے اول پیش کرنے والے ہیں، جب کہ تمام مفسرین کو اس کے متعلق کچھ خبر نہ تھی اور کبھی کبھی ان مفسرین پر تمسخرانہ طنز بھی کر دیتے ہیں۔

اپنے تمام طرز وطریق میں وہ عرب شاعر کے اس شعر کی مجسم تصویر ہیں:

نزلوا بمكة فی قبائل نوفل

ونزلت بالبيداء أبعد منزل

(مخالفین مکہ میں قبائل نوفل کے ہاں پناہ گزیں ہو گئے اور میں میدان میں ان سے کہیں دور مقام پر اترا ہوں)

یہ مفسر کا طور طریق رہا ہے، ان کی تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' میں!!

وذی خطل فی القول يحسب أنه

مصيب فيما يلمم به فهو قائله

(لغو اور مہمل باتیں کرنے والا اپنے آپ کو درست خیال کرتا ہے، اسی بنا پر جو خیال اس کے دل میں اترتا ہے، اس کو کہہ ڈالتا ہے)

بعض اردو رسائل میں ان کا یہ مضمون شائع ہوا، جس میں موصوف نے برملا یہ اعلان کیا ہے کہ:

''وہ امور و احکام جن پر نجاتِ اخروی کا دار و مدار ہے، جس طرح نماز کے باب میں ''أقیموا الصلاۃ'' کو مصرح بیان فرمایا گیا ہے، ان امور و احکام کو بھی اسی تصریح کے ساتھ بیان کیا جانا چاہیے تھا، بلکہ اس سے بڑھ کر تصریح فرمائی جاتی، اور یہ ضروری تھا کہ قرآن ہی میں ان پر ایمان وتصدیق کی تصریح کی جانی چاہیے تھی، چنانچہ وہ امور جن پر نجاتِ اخروی کا دار و مدار نہیں ہے، وہ اگرچہ ان میں مذکور ہیں اور قرآن نے ان سے بھرپور تعرض کیا ہے، لیکن وہ عقائد کے زمرے میں داخل نہیں ہیں، تب ان کا قبول کرنا اور ان کے متعلق عقیدہ رکھنا، کسی شخص پر

ضروری نہیں ہے‘‘(یتیمۃ البیان)

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب مزید فرماتے ہیں:

وقال :ومن اعتقادى انه لاينزل المسيح بن مريم (عليه السلام) فقيل له فى ذلک كيف نعتقد ذلک وقد صح فى نزوله احاديث وتواترت فما قولک فيها .

فأجاب ذكر نزوله فى سلسلة اشراط الساعة وليس مما يدخل فى العقيدة اهـ.

ويا للعجب أليس التصديق بما جاء به نبينا القرشى محمد صلى الله عليه وسلم من العقيدة فاذا جاء رسولنا صلى الله عليه وسلم بأمر وأخبر بوقوعه وصح الاسناد واتصل به وتواتر عنه شرقا وغربا على ظهر البسيطة فهل نرتقب بعده فى الايمان به والاذعان له لامر آخر حتى يامرنا صريحا بقوله وآمنوا بنزول ابن مريم على انه لايكفى هذا عنده فى الحديث بل لا بد ان يكون فى القرآن وآمنوا بنزول عيسى ابن مريم .أفليس يكفى قوله صلى الله عليه وسلم وكيف أنتم اذا نزل فيكم ابن مريم واى صراحة ابين منها واى اخبار اصرح منه ومع هذا تواتر معناه (ع) فى طلعة الشمس ما يغنيک عن زحل .

ولو كان الأمر كما زعم فأين الصلوات الخمس صراحة؟ و أين مقادير الزكاة؟ و أين مسائل كفارة الصيام؟ ثم و ثم الى ما يشكل استقصاء ه، أفليس اعتقاد فرضيتها من الامور التى عليها مدار النجاة؟ أو ليس يكفر من أنكر فرضيتها؟ قال شيخنا امام العصر

رحمه الله فى رسالته "اكفار الملحدين فى ضروريات الدين":
واذا علمت هذا فنقول: الصلاة فريضة، واعتقاد فرضيتها فرض، وتحصيل علمها فرض، وجحدها كفر، وكذا جهلها كفر، والسواک سنة، واعتقاد سنيته فرض، وتحصيل علمه سنة، وجحودها كفر، وجهله حرمان، وتركه عتاب أو عقاب اهـ.
وانما أطنبت و أسهبت فى غير ما كنت أحاوله من أول الامر اعلانا بما بدا لى من الكدر فى تفسيره والتدليس البين، ولم يكن عندى من الدين لو كنت أغمض و أضرب عنه صفحاً، فان سموم الالحاد قد هبت فى الهند و عمت ارجائها القاصية و اصبح اليوم مناط فهم القرآن المجيد على امثال هذه التفاسير لتعبيراته الرائقة العصرية، فقلما سلم منه أحد الا رجل أعطاه الله علماً صحيحاً، أو تزكى نفسه بأنفاس الذين لصحبتهم تأثير عظيم فى اصلاح النفوس، فثلج صدره بما جاء به النبى عليه الصلاة والسلام، ولم يحكم فيه رأيه الضئيل الواهى، و قد شرع أحد علماء الفنجاب من أهل الحديث فى تأليف تفسير فى الرد على "ترجمان القرآن" وطبع منه جزء لم أوفق بعد لمطالعته، وأظن أنه أشبع فى الرد عليه.
وياليت لوكان ابوالكلام ذا علم صحيح مولعا بالدين الذى جاء به محمد صلى الله عليه وسلم يكاد يعد من اعاظم رجال الدورة الحاضرة الذين يتباهى بهم العصر ولكان له فى القلوب مكانة، غير ان محبة الدين اعلق بقلب المؤمن من محبة ابى الكلام، فلا

بد ان تصان الشریعة من الوسخ الذی یحط من قدرھا،عند اولی البصائر النافذة واصحاب العقول السلیمة. (یتیمةُ البیان فی شیئ من علوم القرآن، ص ۶۱ الی ۶۳، الناشر: مجلس الدعوۃ التحقیق الاسلامی بکراتشی، باکستان، الطبعة الثالثة 1416ھ، 1995م)

ترجمہ: مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ بھی کہنا ہے کہ میرے عقیدہ کے مطابق مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کا نزول نہیں ہوگا، جب ان سے یہ کہا گیا کہ ہم یہ عقیدہ کیسے رکھیں، جب کہ مسیح ابنِ مریم کے نزول کی احادیث صحیح ،اور متواتر ہیں،تو آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ مسیح ابنِ مریم کے نزول کا ذکر، علاماتِ قیامت کے سلسلے میں آیا ہے،اور یہ عقائد کی چیزوں میں داخل نہیں۔

لیکن ان کی یہ بات قابلِ تعجب ہے، کیا جو بات ہمارے نبیِ قرشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہو، اس کی تصدیق کا عقائد سے تعلق نہیں؟ پس جب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا حکم دے دیا، اور اس کے (قیامت سے قبل) واقع ہونے کی خبر دے دی، اور اس کی سند صحیح ہے، اور متصل ہے، اور مشرق اور مغرب میں تواتر کے ساتھ کھلے انداز میں پہنچ چکی ہے،تو کیا ہم اس کے بعد اس پر ایمان لانے اور یقین کرنے کے لیے کسی دوسری چیز کا انتظار کریں گے، یہاں تک کہ ہمارے پاس صریح طور پر یہ حکم آ جائے کہ تم ابنِ مریم کے نزول پر ایمان لاؤ۔علاوہ ازیں ان (موصوف) کے نزدیک حدیث میں یہ بات کافی نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ قرآن میں یہ حکم ہو کہ تم عیسیٰ بن مریم کے نزول پر ایمان لاؤ، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کافی نہیں کہ تم اس وقت کس حال میں ہوگے، جب تمھارے اندر عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا،اور اس سے زیادہ صراحت اور کون سی

ہو سکتی ہے، اور اس سے زیادہ صریح حدیث اور کون سی ہو سکتی ہے، اس کے باوجود وہ ایسے تواترِ معنوی تک پہنچ چکی ہے، جیسا کہ سورج کا طلوع ہونا، زحل سیارے کی رفعت سے مستغنی کر دیتا ہے، اگر موصوف کے وضع کردہ اس کلیے:

''وہ حکم جس کو صراحتاً عقائد میں شمار کیا گیا ہوگا، اس کا عقیدہ رکھنا تو ضروری ہے، وگرنہ دیگر احکام جو صراحتاً عقائد میں شمار نہ کیے گئے ہوں گے، ان کا عقیدہ رکھنا بھی کسی شخص پر ضروری نہ ہوگا''

کو اگر تسلیم کر لیا جائے، تو پانچ نمازوں کا ذکر صراحتاً کہاں وارد ہوا ہے؟

اسی طرح مقادیرِ زکاۃ، کفارۂ صوم کے مسائل کہاں صراحتاً ارشاد فرمائے گئے ہیں؟ اسی طرح دیگر کئی احکام، جن کا احصا بھی دشوار ہے، وہ کہاں صراحتاً ذکر کیے گئے ہیں۔

اب کیا ان امور کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا، ان امور میں سے شمار نہ ہوگا، جن پر نجاتِ اخروی کا دار ومدار ہے؟ کیا ایسا شخص کافر نہ ٹھہرے گا، جو ان امور کی فرضیت کا (تاویل کے بغیر) انکار کرے؟ ہمارے شیخ حضرت امام العصر رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''**اکفار الملحدین فی ضروریات الدین**'' میں فرماتے ہیں:

''جب اتنی بات جان لی گئی، تب ہم کہتے ہیں: نماز ایک فریضہ ہے، اس کی فرضیت کا اعتقاد بھی فرض ہے اور اس کا جاننا، سیکھنا بھی فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح اس سے بے خبر رہنا اور نہ جاننا اور نہ سیکھنا کفر ہے۔ اسی طرح مسواک کرنا سنت، اور اس کی سنیت کا اعتقاد فرض اور اس کا جاننا، سیکھنا بھی سنت ہے، اور اس کا انکار کفر ہے، اس سے بے خبری محرومی ہے اور اس کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کا عتاب ہے، یا پھر اللہ کی جانب سے دنیوی عقوبت''۔

باوجود اس کے کہ اس رسالے کے شروع ہی سے میں تفصیل واطناب سے کام نہیں

لے رہا تھا، اس مقام پر میں نے خوب تفصیل کی، یہ صرف اس وجہ سے کہ موصوف کی تفسیر میں مجھے اس قسم کے واضح داغ اور خوب دھوکا وفریب نظر آیا اور میں اس قسم کے اعتراضات سے چشم پوشی اور تسامح بڑی بددیانتی سمجھتا ہوں، اس لیے کہ الحاد وزندقہ کی زہریلی ہوائیں، اس وقت سارے ہند میں چل رہی ہیں اور اس قطعۂ زمین کو ان مہلک ہواؤں نے خوب بھر دیا ہے اور قرآن کے سمجھنے کا دارومدار ایسی تفاسیر پر رکھا جانے لگا ہے، جن میں عصری تقاضوں کے مطابق لچک دار تعبیرات ہوں۔ ان مہلک عقائد ونظریات سے صرف وہی شخص بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے، یا وہ شخص، جس کے نفس کا اِن بزرگانِ دین کی صحبت میں تزکیہ ہوتا چلا گیا ہو، جن کی صحبت میں قلوب کی حیرت انگیز اصلاح ہوتی ہے۔

چنانچہ ان تمام شرائع واحکامات پر جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اس کا سینہ ٹھنڈا اور مطمئن رہتا ہے، اور ان احکامات میں وہ اپنی کم زور رائے سے رائے زنی نہیں کرتا۔

پنجاب کے ایک اہلِ حدیث عالم محترم ابراہیم سیالکوٹی نے اس ''ترجمان القرآن'' کے رَد میں ایک تفسیر تالیف فرمانا شروع کی تھی، اور اس کی ایک جلد بھی طبع ہو چکی ہے، لیکن میں اب تک اس کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں، میرا خیال ہے کہ فاضل مذکور نے اپنے اس رَد میں خوب سیر حاصل ابحاث تحریر کی ہوں گی۔ [1]

اور کاش کہ اگر ابوالکلام صحیح علم اور اس دین سے پوری طرح سیراب ہونے والے ہوتے، جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، تو قریب تھا کہ ان کو موجودہ دور کے

---

[1] اس تفسیر کا نام ''واضح البیان فی تفسیر اِم القرآن'' ہے، جس کے مولف مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب ہیں، یہ کتاب مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے چوتھی مرتبہ 12 صفر 1419 ہجری بہ مطابق 7 جون 1998 عیسوی میں شائع کی ہے، اس میں واقعی خوب سیر حاصل ابحاث آ گئی ہیں، جس کا ذکر اس بحث میں پیچھے گزر چکا ہے۔ محمد رضوان۔

عظیم رجالِ کار میں شمار کیا جاتا، جن کی وجہ سے زمانہ فخر کرتا ہے، اور دلوں میں ان کی قدر ومنزلت بہت ہوتی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ مومن کے دل میں دین کی محبت، ابوالکلام کی محبت سے زیادہ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ شریعت کو اس میل کچیل سے محفوظ رکھا جائے، جو اس کو اس درجے سے گرادے، جو انتہائی اہلِ بصیرت اور عقلِ سلیم والے حضرات کے نزدیک ہے۔(یتیمۃُ البیان)

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے چونکہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے زمانے کو پایا ہے، اور ان کے زمانے کی مطبوعہ تحریرات وحالات کو ملاحظہ کیا ہے، اس لیے ہم اس سلسلے میں مولانا بنوری صاحب کی رائے کو انتہائی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جس میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے ایک طرف تو مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بعض متنازع افکار سے اختلاف کا اظہار کیا، اور دوسری طرف ان کی بعض اچھی صفات کا ذکر بھی فرمایا۔

عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں امور کو اپنی اپنی جگہ رکھ کر فیصلہ کیا جائے، اور افراط، یا تفریط میں مبتلا نہ ہوا جائے، جیسا کہ آج کل اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں، اور اس کی وجہ سے کئی مفاسد وجود میں آرہے ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت میں ایک ایسے اہم نکتے کو بھی واضح فرمادیا، جس میں افراط، یا تفریط پائے جانے کی وجہ سے آج طرح طرح کے دینی اور دنیاوی فتنے لازم آرہے ہیں، اور وہ دین اور شخصیات کے مابین محبت وعقیدت میں افراط، یا تفریط اور غلو کا ارتکاب ہے۔

ایک مومن کو بحیثیتِ مومن ہونے کے، دینِ اسلام کی محبت، کسی بھی بزرگ شخصیت سے زیادہ ہونی چاہیے، اس کے دین وایمان کا تقاضا یہی ہے، اور دوسرے سے محبت دین واسلام کے تابع ہونی چاہیے۔

اس اہم اصول کی بنیاد پر اگر کسی کو مولانا ابوالکلام آزاد سے محبت وتعلق ہے، تو وہ الگ معاملہ

ہے، لیکن اسی کے ساتھ دین کے مقتضیات اس محبت پر غالب رہنا چاہییں۔
یہ اعتدال، اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، جو مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔
تاہم یہ امر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ نے جو کچھ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر کے حوالے سے بیان کیا، وہ مولانا آزاد صاحب کی دوسری تحریرات کو قطع نظر کر کے ہے، جس کی وجہ سے مولانا بنوری کے قلم سے کچھ الفاظ اور جملے زیادہ سخت صادِر ہوگئے ہیں، جو دینی جذبے کے تحت ہی ہیں، اور اس میں وہ معذور ہیں، تاہم ہمیں دیگر پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے میانہ روی کے دامن کو نہیں چھوڑنا چاہیے، نہ ہی کسی سے علمی اختلاف کرتے وقت اس کی چھپی ہوئی نیت میں حقیقت پر مطلع ہوئے بغیر فتور وفساد کا حکم لگانا چاہیے، بلکہ ممکنہ حد تک حسنِ ظن کی کوشش کرنا چاہیے، رہا ظاہری کلام سے اختلاف، تو اس کا حکم اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔

مولانا سید احمد رضا صاحب و دیگر اہلِ علم حضرات کا حوالہ

مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری، انوارُ الباری، مجموعۂ افادات علامہ کشمیری میں فرماتے ہیں:

> کسی کا یہ خیال کرنا قطعاً غلط اور گمراہ کُن ہوگا کہ ''دنیا کے موجودہ دین سب حق پر ہیں، اور اگر ہر دین والا اپنے دین کے صحیح اُصولوں پر عمل کرے، تو وہ ناجی ہے''۔
> اوّل تو اَدیانِ سابقہ میں سے کوئی دین اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہا، اور بالفرض اگر ہو بھی تو وہ آخری دین خاتم الانبیا کے ذریعے منسوخ ہو چکا، پھر اس بات کی کیا قدر و قیمت ہے کہ اپنے اپنے دینوں کی صداقتوں پر عمل کر لینا نجاتِ اُخروی کے لیے کافی ہے، ایسے ہی غلط نظریات کے تحت شہنشاہِ اکبر کے زمانے میں ''وحدتِ ادیان'' کا خاکہ بنا کر اس کو عملی منصوبہ بنانے کی سعی ناکام ہوئی تھی۔

ہمارے زمانے میں اسی کی ایک شکل کو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' میں آیت ''اھدنا الصراط المستقیم'' کے تحت اپنے خاص انداز میں پوری قوت کے ساتھ پیش کیا، جس کو پڑھ کر گاندھی جی نے لکھا تھا کہ ''مجھے مولانا کی تفسیر پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ صداقت تمام اَدیان میں مشترک ہے، یہی نظریہ میرے نزدیک بھی صحیح ہے''۔

لیکن چونکہ مولانا آزاد کی اس قسم کی تعبیر، اُصول ونظریاتِ اسلام کے خلاف تھی، اس کی مفصل تردید رسالے ''معارف، اعظم گڑھ'' میں شائع ہوگئی تھی۔ [1]

پھر ایک ندوی عالم نے ہفتہ وار اخبار ''الفتح'' مصر میں ایک مضمون عربی میں شائع کیا، جس میں تفسیرِ مذکور کی ضرورت سے زائد مدح سرائی کی، تو اس کی تلافی کے لیے رفیقِ محترم حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری، شیخ الحدیث وناظم

---

[1] ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، انڈیا، کے قدیم شماروں میں تلاش کرنے سے ہمیں ایک مضمون تو ''غلام احمد پرویز'' کا ملا، جو تفسیر ''ترجمان القرآن'' جلد اول کی تنقید وتردید پر مشتمل ہے، یہ ماہِ جنوری 1933 عیسوی، رمضان المبارک 1351 ہجری کے ماہنامہ ''معارف'' میں شائع ہوا۔

جس کے بعد ''مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری'' کو اس ماہ نامہ معارف میں مولانا ریاست علی ندوی صاحب کا مضمون ''ترجمان القرآن اور نجات وسعادت کی راہ'' کے عنوان سے شائع ہوا، جس میں غلام احمد پرویز کی طرف سے تفسیر ترجمان القرآن پر کی گئی بعض تنقیدات کا تعاقب اور ترجمان القرآن کا دفاع کیا گیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ تفسیر ترجمان القرآن کی پہلی جلد کی بعض غیر واضح، مبہم ومجمل امور کی نشان دہی اور اس تفسیر کے بعض مسامحات پر گرفت بھی کی گئی ہے، مگر یہ اس وقت کی بات ہے، جب تفسیر ترجمان القرآن کی صرف پہلی جلد طبع ہوئی تھی۔

اس کے بعد اس تفسیر کی جو جلدیں بعد میں شائع ہوئیں، ان میں متعدد توضیحات اور اسی کے ساتھ بعض دیگر تسامحات پائے جاتے ہیں، جن پر بعض دوسرے اہلِ علم حضرات نے توضیح یا تنقید کی ہے۔

یہاں یہ بات دل چسپی وعبرت سے خالی نہیں کہ کہاں 1933ء کا غلام احمد پرویز جو ابوالکلام کی انکارحدیث طرز کی ایک آدھ فروگزاشت پر گرفت وتنقید کرتا ہے اور کہاں پھر یہی پرویز جو چند سال بعد 40ء کے عشرے میں خود انکارحدیث کا ایک بڑا ترجمان، دعوے دار و پرچارک بنتا ہے اور اس فتنہ سے جدید تعلیم یافتہ اور اشرافیہ میں سے بہت بڑے طبقے کو الحاد وزندقہ کے راستے پر ڈالتا ہے۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا کجا

مولانا ریاست علی ندوی صاحب کے مضمون کے چند اقتباسات آگے آئیں گے۔ محمد رضوان۔

جامعہ عربیہ، نیوٹاؤن، کراچی نے مقدمہ مشکلاتُ القرآن میں تفسیرِ مذکور پر محققانہ تنقید کی، جو عربی زبان میں بہت عرصہ ہوا، مجلسِ علمی ڈابھیل سے شائع ہوئی تھی۔

مولانا موصوف (یعنی مولانا بنوری صاحب) نے نہ صرف اس نظریے کی غلطی پر کافی لکھا تھا، بلکہ تفسیرِ مذکور کی دوسری بہت سی اغلاط کی بھی نشان دہی کردی تھی، جس کو پڑھ کر حضرت حکیمُ الامت مولانا تھانوی نے مولانا بنوری کو تایید و تحسین کے طور پر ایک مکتوب بھی لکھا تھا۔

اس (مولانا بنوری کی) محققانہ تنقید کا اُردو ترجمہ چند سال قبل ایک عالمِ دین نے رسالہ دارُالعلوم دیوبند میں شروع کیا تھا، جس کی اشاعت مولانا آزاد مرحوم نے رُکوادی تھی۔ **واللہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم.**

مولانا آزاد مرحوم کے بارے میں اوپر کی تحریر سے صرف مذہبی وعلمی لحاظ سے ''نامعیاری شان'' کا اظہار ہوتا ہے، اس کے علاوہ ان کی سیاسی، مُلکی وقومی خدمات کی نہایت ''اعلیٰ معیاری شان'' کا انکار کسی طرح نہیں، بلکہ ان کی گراں قدر خدمات کا، نہ صرف ،اعتراف بلکہ زیادہ سے زیادہ ہمارے دل میں قدر ومنزلت بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی زلات کو معاف فرمائے، گاندھی جی کی طرح ہمارے بہت سے مسلمان بھائی بھی خصوصاً کانگریسی تعلیم یافتہ حضرات، ان کی شائع شدہ تفسیر وغیرہ سے غلط تأثرات لیتے ہیں، اس لیے اتنی صراحت یہاں ذکر کردی گئی، حسبِ ضرورت آیندہ بھی لکھا جائے گا، تاکہ دینی وعلمی تحقیق کا بلند معیار، شخصیت کے غلط دباؤ سے آزاد رہے۔ **واللہ الموفق.**

(انوارُالباری، جلد3، صفحہ 148و149، ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت 1427ھ)

ہم اس سلسلے میں جو تفصیل ذکر رہے ہیں، اس کا بنیادی مقصد بھی تعصّب وتحزّب کا شکار

ہوئے بغیر شخصیات کا ذاتی احترام اور ان کی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے، دینِ حق کی سر بلندی کو شخصیات کے غلط دباؤ سے آزاد رکھنا ہی ہے، اور کوشش ہے کہ افراط و تفریط کے بغیر اپنی بساط کی حد تک معتدل موقف کو منقح اور اصل حقیقت کو واضح کر دیا جائے، اور کسی کی طرف غیر واقعی فکر کو منسوب کرنے سے اجتناب کیا جائے، خواہ ہماری عقیدت کا رجحان کسی بھی طرف ہو۔

شیخ محمد اکرام صاحب کا حوالہ

شیخ محمد اکرام صاحب نے ''موجِ کوثر'' کے نام سے 1962 عیسوی میں ایک کتاب تالیف کی تھی، جو ایک عمدہ تاریخی دستاویز ہے، جس میں وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ترجمانُ القرآن کی بعض حلقوں میں بڑی قدر ہے، اور بعض اہل الرائے اس پر شدت سے معترض ہیں۔

ایک حد تک اس اختلافِ آرا کے پسِ پشت سیاسی اختلافات ہیں۔ [1]

---

[1] ''ایک حد تک اس اختلافِ آرا کے پسِ پشت سیاسی اختلافات'' کا مطلب جو بعض دوسرے حضرات نے کچھ ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ ہے کہ جس دور میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی یہ تفسیر منظرِ عام پر آئی، اس وقت مسلمانوں میں کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین ''ہندو مسلم اتحاد'' اور ''دو قومی نظریے'' کی شکل میں اختلاف رونما تھا، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، چونکہ اس زمانے میں ''کانگرس اور ہندو مسلم اتحاد'' کے حامی تھے، اس لیے انھوں نے اپنی تفسیر میں ''ہندو مسلم اتحاد'' کے وسیع مفہوم کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی تھی، اس طرح کی وسیع مفہوم والی عبارات کو بنیاد بنا کر ''مسلم لیگ اور دو قومی نظریے'' کے حامل لوگوں نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے خلاف پروپیگنڈا کیا، اور ان کو ''اتحادِ ادیان'' کا داعی قرار دیا۔ غلام احمد پرویز کی تنقید بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا بعد میں حصہ بنا۔

''تفسیر ترجمان القرآن'' اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا دفاع کرنے والے بعض حضرات نے اس بات کو پرزور انداز میں لکھا ہے، اور اس کو دینی و مذہبی مسئلے کے بجائے محض ایک سیاسی مسئلے کے بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی ہے۔

مگر اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر عوام یا غیر محتاط، جذباتی لوگوں کی طرف سے اس طرح کا پروپیگنڈا کیا گیا ہو، تو اس سے ہماری بحث نہیں، اور نہ ہی ہم اس حیثیت سے اس مسئلے کو اہمیت دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اس وقت کے مخصوص سیاسی نظریات تھے، جن کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو یہ الزام دیا جانا مناسب نہیں کہ انھوں نے اس وقت کے ایک مخصوص سیاسی نظریہ کو تقویت دینے اور پروان چڑھانے کے لیے قرآن مجید کی تفسیر میں رسالتِ محمدیہ اور شریعتِ محمدیہ پر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض مقامات و الفاظ کے ترجمے پر اختلاف ہے، لیکن زیادہ بحث مولانا کے بنیادی نقطۂ نظر پر ہے، جسے مولانا نے سورہ فاتحہ کی سیر حاصل تفسیر کے دوران میں تفصیل سے بیان کیا، مولانا نے ''ترجمان القرآن'' میں اس بات پر بڑا زور دیا کہ اسلام میں اصل چیز توحید ہے، اور انبیاء میں تفریقِ مدارج نہیں کرنی چاہیے، مولانا نے اپنی رائے کی تایید، ارشاداتِ قرآنی سے کی، لیکن انھوں نے خود ''الہلال'' میں مسلمان کے خیرُ الامم ہونے اور ان کی امتیازی خصوصیات پر اتنا زور دیا تھا، اور بالجملہ قوم میں ایک ایسا جذباتی اور خود پسندانہ نقطۂ نظر پیدا کر دیا تھا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ایمان کے ضروری ہونے اور صرف توحید کی بنیاد پر نجات حاصل ہونے کے اہم عقیدے کو نظر انداز کر دیا ہو، اگر کچھ دیر کے لیے اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح کے معروضی حالات کی بنیاد پر اسلام کے اتنے اہم اور بنیادی نظریات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اور تفسیر کے عمومی اور وسیع تقاضوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے مکتوبات یا تحریرات میں اس کے متعلق جو کچھ وضاحت کی ہے، یا ان سے اُن کے مخصوص معتقدین نے سوالات کیے ہیں، ان میں بھی انھوں نے اس دور کے مسلم لیگ، یا کانگرس کے پہلو کا ذکر نہیں کیا۔

اور نہ ہی ان کے مدِ مقابل، اُن سنجیدہ ومحتاط اہلِ علم حضرات کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس وقت کے ایک مخصوص معروضی، سیاسی نظریے کو پروان چڑھانے اور تقویت دینے کے لیے اس طرح کے اہم اسلامی عقائد وافکار کو بنیاد بنایا ہو، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر میں پائے جانے والے الفاظ کی بنیاد پر شرعی و دینی اعتبار سے گفتگو کی ہے، اور اس سلسلے میں انھوں نے شریعت کے واضح اور مستحکم دلائل پیش کیے ہیں، جن سے اِس خاص سیاسی نظریہ کو تقویت دینے اور پروان چڑھانے کا تاثر نہیں ملتا، اور اس کے بعد جب کہ اس خاص سیاسی نظریے پر عمل کی ضرورت نہیں رہی، اس کے بعد تک بھی اس مسئلے پر بحث جاری رہی، جس میں طرفین سے بحث کرنے والے متعدد حضرات وہ ہیں، جو اِن سیاسی افکار میں غیر جانب دار ہیں، یا کسی ایک جانب کو راجح سمجھ کر تب بھی مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی اس تفسیر کے زیرِ بحث مسئلے میں اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں، جو اس سیاسی نظریے کے خلاف ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا دوسرے سے اختلاف دین کے تابع ہوتا ہے۔

البتہ عوام کی طرف سے اُس زمانے میں اپنے اپنے پسندیدہ سیاسی نظریات کو تقویت دینے کے لیے جو جو پروپیگنڈے کیے گئے، اور بعض لوگوں میں اس کے اثرات انتہائی شدت کے ساتھ اب بھی باقی ہیں، اُن کا معاملہ الگ ہے، ان کی باتوں کو ان جیسے دینی مسائل میں اہمیت دینا درست طرزِ عمل نہیں ہے، کیوں کہ وہ انتہا پرستی اور افراط یا تفریط میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اعتدال پر آنے کے لیے خود اصلاح کے محتاج ہیں۔ محمد رضوان۔

کہ ان کی نئی توضیحات عجیب معلوم ہوتی تھیں، چنانچہ ان پر اعتراض کرنے والوں میں نہ صرف ان کے سیاسی مخالف، مثلاً غلام احمد پرویز تھے، بلکہ ان کے محبت اور عقیدت مند مولانا غلام رسول مہر نے بھی ان سے اختلاف کیا، لیکن مولانا اپنی رائے سے نہیں ہٹے۔ (موجِ کوثر، ص ۲۷۴، ۲۷۵، مولانا ابوالکلام آزاد، بعنوان: الہلال کے بعد، مطبوعہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، سنِ طباعت: جون 2003ء)

شیخ محمد اکرام صاحب، مزید لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق آخری اور قطعی رائے قائم کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔

سیاسی مباحثوں کی کہر کے علاوہ ان کے متعلق پورا مواد یک جا نہیں ہوا، ان کے خطوط کا نہایت تھوڑا حصہ شائع ہوا ہے، چند تصانیف ابھی نامکمل حالت میں اشاعت کی منتظر ہیں، بعض اہم تحریریں (مثلاً حیاتِ جاوید پر ان کا ریویو) پاکستان میں نایاب ہیں، ایسی حالت میں قطعی اور متوازن فیصلہ کرنا دشوار ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کو خدا نے غیر معمولی قابلیت، جرأت، عزم اور ذہانت سے بہرہ (مند) کیا تھا، اور انھوں نے ہماری فکری اور سیاسی زندگی پر گہرا اثر ڈالا، اپنے مخالفوں کا نقطۂ نظر سمجھنے میں ان سے شدید غلطیاں ہوئیں۔
اور برّصغیر کے مسلمانوں کی بنیادی ضروریات کا بھی اس عرب نژاد کو صحیح احساس نہ تھا، لیکن ماننا پڑتا ہے کہ اختلاف کی حالت میں بھی وہ ایک بلند اخلاقی سطح برقرار رکھتے تھے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی، جو یقیناً ان کے غالی عقیدت مند نہیں، 1948ء یعنی تقسیم ہند کے فوراً بعد جب تلخ سیاسی مباحث کی یاد ابھی تازہ تھی (اور مخاطبین میں خان عبدالغفار خان کے صاحبزادے خان عبدالغنی شامل تھے) ایک صحبت کا ذکر

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنے مخالفین، خصوصاً مسلم لیگ کے لیے گلے شکوے کا شائبہ بھی زبان پر نہیں، سب کا ذکر یکساں خوش دلی سے، بلکہ پاکستان کے حق میں بجائے شکایت و شماتت، طنز وتعریض کے الٹا کلمۂ خیر، اور کچھ اس قسم کے الفاظ کہ اب جب کہ وہ بن چکا ہے، تو ہم سب کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ وہ طاقت ور بنے۔

''ابوالکلام آزاد، مرتبہ: محمد عارف، صفحہ ۴۰'' (موجِ کوثر، ص ۲۷۷، ۲۷۸، مولانا ابوالکلام آزاد، بعنوان: الہلال کے بعد، مطبوعہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، سنِ طباعت: جون 2003ء)

شیخ محمد اکرام صاحب نے مذکورہ بالا تبصرہ، کافی زمانہ پہلے یعنی 1962 عیسوی میں کیا تھا، جب مولانا آزاد صاحب کے متعلق کم مواد سامنے آیا تھا، لیکن اب ان کے متعلق کئی کتب تصنیف وتالیف ہو چکی ہیں، جن سے مولانا موصوف کے متعدد افکار پر روشنی پڑتی ہے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بعض افکار، قابلِ نزاع ہونے کے باوجود، ان کی عالی صفات اور بعض عمدہ اخلاق پر بھی روشنی پڑتی ہے، بالخصوص قیامِ پاکستان کے بعد ان کے مندرجہ بالا نقطۂ نظر میں انصاف کے متلاشی حضرات کے لیے گہرا سبق ہے، جو اپنے آپ کو افراط وتفریط سے پاک رکھنا چاہتے ہوں۔

ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی صاحب کا حوالہ

ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی کا ایک مضمون ''تفسیر ترجمان القرآن پر چند اشکالات'' کے عنوان سے ماہنامہ ''معارف، اعظم گڑھ'' کے ماہ جون 2011 عیسوی کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف ایک مقام پر لکھتے ہیں:

مولانا (ابوالکلام آزاد) کے اندازِ تحریر کے بارے میں ایک بات اور ذہن میں رہنی چاہیے کہ مولانا اصلاً خطیب تھے، اس لیے ان کی تحریر میں بھی خطابت کا انداز

غالب تھا، ایجاز کے دعوے کے علی الرغم ان کی تحریروں میں اطناب کی فراوانی پائی جاتی ہے، اور تقریروں کی طرح تکرارِ مطالب کی تو کثرت ہے، اگر ان کا انداز تحریری ہوتا، تو اطناب اور تکرار سے بچا جاسکتا تھا۔ (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۴۶۱، جون 2011 عیسوی، رجب المرجب 1432 ہجری، جلد نمبر 187، شمارہ نمبر 6)

ڈاکٹر صاحب موصوف مزید لکھتے ہیں:

ترجمانُ القرآن، مولانا آزاد کی زندگی میں، دوسری بار، نظرِ ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۴۶۲، جون 2011 عیسوی، رجب المرجب 1432 ہجری، جلد نمبر 187، شمارہ نمبر 6)

نیز ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"اھدنا الصراط المستقیم" کی تفسیر میں تشیّع اور تحزّب کی گمراہی اور تجددِ دین کی ضرورت کے عنوان کے تحت مولانا (آزاد) کی گفتگو، تفصیلات سے اتنی پُر اور اضطراب انگیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کیا کہنا چاہتے ہیں (پھر تفسیر ترجمان القرآن کے چند اقتباسات نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں)

اس پوری گفتگو سے، جس کا اختتام کہیں نہیں ہوتا، بلکہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پھوٹتی چلی جاتی ہے، یہ حاصل برآمد ہوتا ہے کہ نجات اور سعادتِ اخروی کے لیے فقط ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، معروفات پر عمل اور منکرات سے اجتناب کافی ہے۔

اسی طرح مولانا نے سعادت وفلاح کی راہ اتنی کشادہ کردی ہے کہ اس میں ایمان بالرسول کی حاجت ہی نہیں رہتی، اور اس طرح تفریق بین الرسل کے خلاف مولانا نے خود قرآن کی جو آیتیں نقل فرمائی ہیں، ان کا مدلول، ضعیف، بلکہ قریب

الختم ہو جاتا ہے۔

اس بات کی تائید مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے بھی کی ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ مولانا فرماتے تھے کہ اللہ کی بخشش سبھوں کے لیے ہے، کیوں کہ سچائی ایک ہی ہے۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ مولانا کی یہ تفسیر، منکرینِ حدیث کے حلقے میں بہت مقبول ہوئی ہے، تمام ادیان کی اصل تعلیمات میں وحدتِ دین پر گفتگو کرتے ہوئے، مولانا وحدتِ ادیان کی تائید کرنے لگتے ہیں، جو ایک گم راہ کن عقیدہ ہے، یہی بات سورہ آلِ عمران کی آیات نمبر 113، 114 کی، ان کی تفسیر سے ثابت ہوتی ہے۔

مولانا جب یہ کہتے ہیں کہ اختلاف، دین میں نہیں، بلکہ شرائع میں ہوا ہے، تو یہ ایک صحیح بات ہوتی ہے، لیکن اسی بات کو جب وہ پھیلاتے ہیں، تو اس کی وسعت میں وہ ساری گمراہیاں جائز ہو جاتی ہیں، جو ادیانِ سابقہ میں در آئیں، اور جن کی اصلاح کے لیے پے بہ پے انبیاء آتے رہے، اور آخر کار اس سلسلے کا اختتام، ختم الرسل کی آخری اور مکمل شریعت پر ہوا۔ (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۴۶۵ تا ۴۶۷،

جون 2011 عیسوی، رجب المرجب 1432 ہجری، جلد نمبر 187، شمارہ نمبر 6)

ڈاکٹر صاحب موصوف مذکور کے تبصرے و تجزیے سے بھی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں مندرج بعض متنازع یا متشابہ افکار کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا ریاست علی ندوی صاحب کا حوالہ

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی حیات میں مولانا ریاست علی ندوی صاحب نے ماہنامہ

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعلق اس سلسلے میں ان کا موقف پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، اور آگے بھی آتا ہے۔ محمد رضوان۔

''معارف''اعظم گڑھ میں''ترجمانُ القرآن'' پر تبصرہ لکھا، جس میں انھوں نے''ترجمانُ القرآن'' کے اوپر کیے گئے، بعض اعتراضات کا جواب دیا، اور بعض تسامحات کی نشان دہی بھی کی، مولانا ریاست علی ندوی صاحب نے اپنے مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب پر وارِد ہونے والے اس اعتراض کا تو جواب ان کی تفسیر کے سورہ فاتحہ کے علاوہ دیگر مقامات سے دیا ہے کہ وہ رسالتِ محمدی پر ایمان کو ضروری قرار نہیں دیتے، لیکن اسی کے ساتھ مولانا ریاست علی ندوی صاحب نے''ترجمان القرآن'' کی بعض عبارات میں ابہام واجمال کی وجہ سے شکوک وشبہات کی گنجایش ہونے اور اسی کے ساتھ بعض غلط افکار کی ترجمانی ہونے کی بھی نشان دہی کی ہے۔

چنانچہ موصوف''مولانا ریاست علی صاحب'' لکھتے ہیں:

> ''تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ترجمانُ القرآن میں بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ منظور تھا، اس کو اجمال وتلمیحات کے پردے میں اس قدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہوگئی، یا محض اسلوبِ بیان کے اجمال سے شکوک وشبہات کی گنجایش باقی رہ گئی، لیکن یہ مسائل ایسے نہیں، جو نظر انداز کردیے جائیں، اس لیے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کرلی جائے کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیرِ ترتیب ہے، مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلنے کا موقع مل جائے''۔

(ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۱۶۶، مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری)

مولانا ریاست علی ندوی صاحب کا درج بالا مضمون، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی وفات سے کافی پہلے، یعنی 1933 عیسوی کا ہے، جب کہ مولانا آزاد صاحب کی وفات 1958 عیسوی میں ہوئی۔

ترجمان القرآن میں جہاں تشنگی باقی رہ گئی تھی، اور اجمال وابہام کی وجہ سے شکوک وشبہات کی

گنجایش باقی رہ گئی تھی، اوراس کی طرف مولانا ریاست علی ندوی اور بعض دیگر اہلِ علم حضرات نے توجہ دلائی تھی، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے اس کا اپنی تفسیر میں مذکورہ مقام پرازالہ نہیں کر سکے، تاہم انھوں نے اپنے بعض مکتوبات میں اپنے بعض افکار، یا مضمرات کی وضاحت کی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مولانا ریاست علی ندوی صاحب نے اپنے متذکرہ بالا مضمون میں، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف منسوب اس فکر کی تردید کی ہے کہ ان کے نزدیک اس اسلام پر ایمان لانا ضروری نہیں، جسے عرفِ عام میں دینِ محمدی کہتے ہیں، یعنی کہ اصل دین میں ''رسالتِ محمدی'' ضروری نہیں، اور جو بھی خدا پرست اور نیک عمل کرنے والا ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالتِ محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

اس سلسلے میں انھوں نے ''ترجمان القرآن'' کے بعض اقتباسات بھی نقل کیے ہیں، جس کے بعد مولانا ریاست علی ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو مباحث پھیلے ہوئے ہیں، انھیں بنظرِ امعان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہیے کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ نہیں؟ جسے عرفِ عام میں ''دینِ محمدی'' کہتے ہیں، کیوں کہ ترجمانُ القرآن کی عبارتوں اوراس میں پیش کی ہوئی آیتوں سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے، لیکن پھراس کے باوجوداس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت، اس لیے پڑ جاتی ہے کہ باوجودیکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی، لیکن ساری تفسیر میں کہیں پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوبِ بیان ہے، اور ایک آدھ جگہ طرزِ ادا میں جو عموم ہے، اس سے اشتباہ ہوجاتا ہے کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہوں کہ ایک خدا پرست و پاک باز انسان کے

لیے رسالتِ محمدی کا اقرار اور دینِ محمدی کا قبول کرنا، کوئی امرِ ضروری نہیں، اس لیے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلے پر ترجمان القرآن ہی کے بیانات کی روشنی میں نظر ڈالیں۔

ترجمان القرآن میں ''تفریق بین الرسل'' کو اکثر جگہ موجبِ کفر قرار دیا گیا ہے، اور صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱، وغیرہ میں متعدد ایسی آیات پیش کی ہیں، جن میں ''تفریق بین الرسل'' سے روکا گیا ہے، اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب کرتا، یا کرسکتا ہے، اس لیے موجودہ دور میں اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں''۔

(ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۱۷۱، ۱۷۲، مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری)

تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں مذکورہ حقیقت کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ذکر نہ کرنا، اور اس کا عمومی طرز ہی، اس قوی تاثر کا باعث بنا کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، نجات کے لیے رسالتِ محمدی پر ایمان کو ضروری قرار نہیں دیتے، جیسا کہ اس سے پہلے حضرت تھانوی اور مفتی محمد شفیع اور مولانا بنوری صاحبان وغیرہ کی تحریرات میں گزرا۔

مولانا ریاست علی ندوی صاحب، رسالتِ محمدی پر ایمان کے ضروری ہونے کے چند دلائل اور اس کے ثبوت پر ''ترجمان القرآن'' کی چند عبارات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ مصنف (مولانا ابوالکلام آزاد صاحب) کے نزدیک بھی پیغمبرِ اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ من جانب اللہ انسانوں کے لیے باقی رہ جاتا ہے، جسے صراطِ محمدی (صراطی) کہتے ہیں، اس لیے اس کہنے کے معنیٰ کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہوجائے، یہی ہیں کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرلیا جائے کہ بقول مصنف جتنے مذاہب تھے، وہ سب اپنی سچائیوں کو عملاً گم کرچکے ہیں، اس

لیے درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، جو کچھ فرق ہے، وہ نظری وعملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائے، لیکن مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ عملی طور پر کسی مذہب میں اس کی تمام سچائیاں اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے، اور اسی لیے خدا نے نزولِ قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیاں اسی میں نئے سرے سے جمع کر دیں، اور بتا دیا کہ تمام راستوں کو ترک کر کے صراطِ مستقیم کا اتباع کرلو، اسی لیے قرآن مجید میں جا بہ جا مختلف اہلِ مذاہب کو نام بہ نام مخاطب کر کے، ان کو قرآنِ مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے''۔ (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۱۷۵، ۱۷۶، مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری)

مذکورہ عبارت میں مولانا ریاست علی ندوی صاحب نے، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے اس نظریے کو اجاگر کیا ہے کہ وہ رسالتِ محمدی پر ایمان کو ضروری اور لازمی قرار دیتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ، ان کا کہنا یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، رسالتِ محمدی پر تو ایمان کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن وہ یہ ضروری قرار نہیں دیتے کہ ایمان بر رسالتِ محمدیہ کے ساتھ وہ شریعتِ محمدی کا اتباع بھی کرے۔

چنانچہ مولانا ریاست علی ندوی صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے اسی نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیکن اگر ایک شخص رسالتِ محمدی اور قرآن کے کتابِ برحق ہونے کا بھی عقیدتاً قائل ہو، مگر اس ''شرعۃ ومنہاج'' پر جس کو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے شریعتِ محمدی کہا جاتا ہے، عقیدتاً عمل پیرا ہونا ضروری نہیں سمجھتا، گویا سادہ الفاظ میں یوں کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دینِ حق سمجھتا ہو، اور اپنے طور پر کسی دوسرے طریق پر ہو، تو کیا قرآن کی

تعلیمات اس سے اس کا مطالبہ نہیں کرتیں؟

یہی وہ سوال ہے، جس کا سراغ ہمیں ترجمانُ القرآن کی عبارتوں میں اشارتاً، کنایتاً بھی نہیں ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار میں فرق کرتے ہیں، وہ اپنے خدا پرست انسان کے لیے تو ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کو بھی ایک دینِ حق تسلیم کرے، اور ان معنوں میں وہ رسالتِ محمدی کا بھی اقرار کرے، لیکن یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ رسالتِ محمدی کا اقرار کر کے شریعتِ محمدی کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اصل مسئلہ کے اظہار کے بجائے عالم گیر اخوت، عمومی رواداری اور وسعتِ نظر وغیرہ، جیسے الفاظ اُن کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں، لیکن پھر وسعتِ نظر پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کے لیے قرآن مجید کی جن آیتوں سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ مصنف کے مقصد پر حاوی نہیں ہوتیں۔ (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۱۷۷، ۱۷۸، مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری)

مولانا ریاست علی ندوی صاحب، سورہ یونس کی آیت نمبر 99 اور سورہ انعام کی آیت نمبر 108 سے متعلق تفسیر ترجمان القرآن کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”مصنف نے انھی دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے۔

تعجب ہے کہ ان حالات میں ان دونوں آیتوں پر موجودہ زمانے میں شرعة و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین میں کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کر کے اتنی وسیع عمارت کیوں کر قائم کی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے شرعة و منہاج کو نظر انداز کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ سے، اس وقت کہا، جب انھوں نے شریعتِ محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا کہ

اس نے عبادت کے طریقے، قبلہ کی سمت، اور اعمالِ شر کے وہ طریقے اختیار نہیں کیے، جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا ان سے کہیں کہیں مختلف ہیں، اسی موقع پر قرآن نے انھیں بتایا کہ تم ان فروع پر کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو جزئیات ہیں، اصل دین، اللہ، ملائکہ، کتبِ الٰہی، رسل و انبیا اور یومِ آخرت پر ایمان لانا، اور اعمالِ صالحہ کو بجالانا ہے، اس لیے شرعة و منہاج سے یہاں مقصود، جزئیاتِ شریعت ہیں، نہ کہ کلیاتِ دین۔

اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہیں گردانتے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیوں نہیں کرتے ہیں، اور اونٹ کا گوشت کیوں نہیں کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ وہ نبیوں کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغاموں کی تکذیب کیوں کرتے ہیں؟

اور نہ نصاریٰ پر اس کا الزام قائم کرتے ہیں کہ وہ کھانے کی احتیاط کیوں نہیں کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ ایک کو تین کیوں بناتے ہیں، اور دنیا کے آخری رسول اور اس کے سچے پیغام کو کیوں نہیں مانتے؟

لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبرِ اسلام کو اور اس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر ''الاسلام'' اور ''الدین'' ہے، تو ظاہر ہے کہ جزئیاتِ احکام میں بھی اسی کی پیروی کرے گا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، جس میں ذاتی اہواء کو بھی دخل ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتیں تھیں، وہ نزولِ قرآن کے وقت تک مسخ ہو چکی تھیں، اور جب کبھی کسی صاحبِ شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا، تو اسی وقت آیا، جب پہلے صاحبِ شریعت کا صحیفۂ وحی، انسانی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفۂ ابراہیم کی گم شدگی کے بعد صحیفۂ موسیٰ نازل ہوا، اس کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے زبور آیا، اور اس کی تکمیل انجیل نے

آ کر کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کے لیے سب سے آخری صحیفۂ ربانی تھا، اس لیے ازل سے ہی اس کی حفاظت کا اہتمام ہوا، اور ''وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' کہہ کر، اس کی دائمی حفاظت کی خوش خبری سنائی گئی۔

اس لیے یہ کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ اسلام کی شریعة و منہاج کی اتباع سے کوئی انسان بریٔ الذمہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے'' (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۱۸۱، ۱۸۲، مارچ 1933 عیسوی، ذیقعدہ 1351 ہجری)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے حوالے سے ماقبل میں ذکر کردہ نظریے کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اور حنفیہ میں سے مشائخِ عراقیین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کفار ایمان کے ساتھ ساتھ اوامر اور نواہی سب شرعی احکام کے بھی مخاطب ومکلّف ہیں، جس کی بنا پر کفار سے آخرت میں اوامر کے ترک اور نواہی کے ارتکاب پر عذاب وعقاب ہوگا، اور یہ عذاب وعقاب، کفر کے عذاب سے علاحدہ ہوگا۔

بعض حضرات کفار کو نواہی کا مکلّف ومخاطب قرار دیتے ہیں، اور اوامر کا قرار نہیں دیتے، (حنفیہ کی بعض کتبِ فقہ میں اس قول کو نقل کیا گیا ہے، اور بعض مسائل میں اس تعلیل کو بیان کیا گیا ہے) اور بعض اس کے برعکس اوامر کا مخاطب ومکلّف قرار دیتے ہیں، نواہی کا قرار نہیں دیتے، اور بعض فروع کا مطلقاً مکلّف ومخاطب قرار دینے کے منکر ہیں، جس کی جمہور نے تردید کی ہے۔ [1]

---

[1] ولم نک نطعم المسکین ما یجب اعطائهم فیه دلیل علی ان الکفار مخاطبون بفروع الأعمال لاجل المؤاخذة فی الاخرة وانما سقط عنهم الخطاب فی الدنیا لفقد شرط ادائه وهو الایمان ولا وجه بسقوط التکلیف فان الکفر موجب للتشدید دون التخفیف لکن حقوق الله تعالی من العبادات والعقوبات تسقط بالإسلام فلا یوخذ من اسلم علی ما فات عنه فی حالة الکفر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الإسلام یهدم ما کان قبله. (التفسیر المظهری، ج۱۰، ص ۱۳۲، سورة المدثر)

جس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ’’کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کا حکم‘‘ میں مدلّل انداز میں ذکر کردی ہے۔

اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مذکورہ تفصیل کے مطابق بیان کردہ نظریے کی بنیاد پر، دراصل کفار کسی حیثیت سے ’’مکلّف بالفروع‘‘ یا ’’مخاطب بالفروع‘‘ نہیں کہلائے جاسکتے، جس میں جمہور کے اس قول کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی صاحب کا حوالہ

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی صاحب نے اپنی کتاب ’’منہاجِ ترجمہ وتفسیر‘‘ میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی، وحدتِ دین، یا وحدتِ ادیان کی فکر پر مولانا آزاد صاحب کا دفاع کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد، دراصل ’’وحدتِ دین‘‘ کے قائل ہیں۔ ’’وحدتِ ادیان‘‘ کے قائل نہیں، البتہ مولانا آزاد صاحب نے ’’وحدتِ دین‘‘ کے لیے بعض جگہ وحدتِ ادیان کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو غلط فہمی کا سبب بنے۔

چنانچہ موصوف ڈاکٹر محمد سعود عالم صاحب لکھتے ہیں:

> ’’مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں متعدد مقامات پر وحدتِ دین پر گفتگو کی ہے، بالخصوص سورہ الفاتحہ کی تفسیر ’’اھدنا‘‘ میں انھوں نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔مولانا آزاد نے جس انداز سے مسئلہ اٹھایا ہے، اس سے اہلِ علم میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور مولانا آزاد کو وحدتِ ادیان کے مبلغین کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے‘‘ (منہاجِ ترجمہ وتفسیر، ص ۱۷۰ و ۱۷۱، باب: شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیروں کا تقابلی مطالعہ، بعنوان: وحدتِ دین۔ مطبوعہ: فاران اکیڈمی، اسٹریٹ ۲، اقرا کالونی، علی گڑھ، انڈیا۔ سنِ طباعت: ۲۰۰۵ء)

اس کے بعد ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر ترجمان

القرآن کی دو عبارات نقل کرنے بعد لکھتے ہیں:

''مولانا آزاد کی یہ ساری بحث آسمانی مذاہب اور انبیاء کی شریعتوں کے پسِ منظر میں ہے، نہ کہ مشرکانہ اور ملحدانہ مذاہب کے تناظر میں، چنانچہ مذکورہ بحث میں انھوں نے جن آیات سے استدلال کیا ہے، ان آیات کے مقام ومحل پر مزید روشنی ڈالی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے وحدتِ دین کی وکالت کی ہے نہ کہ وحدتِ ادیان کی۔

انھوں نے جن مقامات پر وحدتِ ادیان کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے ان کی مراد وحدتِ دین ہے، نہ کہ تمام موحدانہ اور مشرکانہ مذاہب کی وحدت''۔ (منہاجِ ترجمہ وتفسیر، ص ۱۷۲، باب: شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیروں کا تقابلی مطالعہ، بعنوان: وحدتِ دین۔ مطبوعہ: فاران اکیڈمی، اسٹریٹ ۲، اقرا کالونی، علی گڑھ، انڈیا۔ سنِ طباعت: ۲۰۰۵ء)

اس کے بعد ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی صاحب، تفسیر ''ترجمانُ القرآن'' کی ایک اور عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مولانا آزاد عام طور پر اپنی بحث کے مستدلات کا حوالہ نہیں دیتے اور اپنا ماخذ نہیں بیان کرتے، اس لیے مولانا آزاد کی اس پوری بحث کو وحدتِ ادیان کی وکالت سمجھ کرنا قابلِ اعتبار بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سلسلے میں مولانا آزاد کے پیش رو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک پورا باب اس مسئلے پر وقف کیا ہے اور انھی آیات سے استدلال کیا ہے، جن کو مولانا آزاد نے پیش کیا ہے۔ شاہ صاحب کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''اصل دین ایک ہے، جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے، اختلاف تو شرائع اور منہاج میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت اور استعانت کے

معاملے میں اللہ کی توحید پر اور جو چیزیں اس کے شایانِ شان نہیں ہے، ان سے پاکی اور اس کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماع ہے''۔(حجۃ اللہ البالغہ، حصہ اول، ص۸۶)

شاہ صاحب نے دین کی وحدت اور شرائع اور مناہج کے اختلاف کی تفصیل کے بعد ایک اور باب رقم کیا ہے''الحاجة الى دين ينسخ الاديان ''یعنی ایک ایسے دین کی ضرورت جو تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے۔ [1]

یہ باب گویا تتمّہ اور حاصل ہے، گزشتہ باب کا، جس کی وجہ سے شاہ صاحب کے بارے میں کسی کو وہ غلط فہمی نہ ہوئی، جو مولانا آزاد کے بارے میں ہوئی، کیوں کہ مولانا آزاد نے وحدتِ دین کی بحث تو تفصیل سے کی، مگر اس کے دوسرے حصہ کو موضوعِ بحث نہیں بنایا، اور غلط فہمی کی دوسری وجہ وحدتِ ادیان کے الفاظ کا

---

[1] استقرء الملل الموجودة على وجه الأرض، هل ترى من تفاوت عما أخبرتك فى الأبواب السابقة؟ كلا والله، بل الملل كلها لا تخلو من اعتقاد صدق صاحب الملة وتعظيمه، وأنه كامل منقطع النظير لما رأوا منه من الاستقامة فى الطاعات أو ظهور الخوارق واستجابة الدعوات، ومن الحدود والشرائع والمزاجر مما لا تنتظم الملة بغيرها، ثم بعد ذلك أمور تفيد الاستطاعة الميسرة مما ذكرنا ومما يضاهيه، ولكل قوم سنة وشريعة يتبع فيها عادة أوائلهم، ويختار فيها سيرة حملة الملة وأئمتها، ثم أحكم بنيانها، وشدد أركانها حتى صار أهلها ينصرونها، ويتناضلون دونها، ويبذلون الأموال والمهج لأجلها، وما ذلك إلا لتدبيرات محكمة ومصالح متقنة لا تبلغها نفوس العامة.

ولما انفرز كل قوم بملة، وانتحلوا سننا وطرائق، ونافحوا دونها بألسنتهم، وقاتلوا عليها بأسنتهم، ووقع فيهم الجور، إما لقيام من لا يستحق إقامة الملة بها، أو لاختلاط الشرائع الابتداعية، ودسها فيها، أو لتهاون حملة الملة، فأهملوا كثيرا مما ينبغى، فلم تبق إلا دمنة لم تتكلم من أم أوفى، ولا مت كل ملة أختها، وأنكرت عليها، وقاتلها، واختفى الحق – مست الحاجة إلى إمام راشد يعامل مع الملل معاملة الخليفة الراشد مع الملوك الجائرة.

ولك عبرة فيما ذكره ناقل كتاب الكليلة والدمنة من الهندية إلى الفارسية من اختلاط الملل، وأنه أراد أن يتحقق الصواب فلم يقدر إلا على شىء يسير، وفيما ذكره أهل التاريخ من حال الجاهلية واضطراب أديانهم.

وهذا الإمام الذى يجمع الأمم على ملة واحدة يحتاج إلى أصول أخرى غير الأصول المذكورة فيما سبق .(حجة الله البالغة، ج ١، ص ٢٠٧، باب الحاجة إلى دين ينسخ الأديان)

استعمال ہے"۔ (منہاجِ ترجمہ وتفسیر، ص۱۷۳ و۱۷۴، باب: شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیروں کا تقابلی مطالعہ، بعنوان: وحدتِ دین۔ مطبوعہ: فاران اکیڈمی، اسٹریٹ ۲، اقرا کالونی، علی گڑھ، انڈیا۔ سنِ طباعت: ۲۰۰۵ء)

ڈاکٹر صاحب موصوف مذکور نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مذکورہ فکر کی جو تاویل کی ہے، وہ مولانا آزاد صاحب کے متعلق حُسنِ ظن پیدا کرنے کی ایک اچھی تاویل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مولانا آزاد صاحب کو خود "وحدتِ دین" اور "وحدتِ ادیان" کے درمیان فرق معلوم نہ تھا؟ نیز جب وہ اپنے پیش رو، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اتباع میں یہ کلام فرمارہے تھے، تو ان کے پیشِ نظر اپنے پیش رو کا اگلا باب نہیں تھا، جو گزشتہ باب کا تتمّہ اور حاصل تھا، اور زمین کو آسمان سمجھنے جیسی غلط فہمی سے بچانے کا سبب تھا۔ [1]

اگر زیادہ ہی حُسنِ ظن سے کام لیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ اس موقعہ پر مولانا آزاد صاحب سے چوک ہوگئی، تو پھر عوام کو جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، اور ایک باطل نظریے کو تقویت حاصل ہوئی، تب بھی اس کی اصلاح کی ضرورت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

ہم نے اس تنازعے کے حل کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر "ترجمانُ القرآن" کے علاوہ ان کی دوسری تحریرات میں ان کے اہم متنازع افکار، مثلاً اتحادِ ادیان اور عیسیٰ بن مریم کے نزول کے انکار کے افکار کا تتبع کیا، تو ہمیں اس سلسلے میں خود مولانا آزاد صاحب کے مکتوبات وتحریرات وغیرہ میں بھی چند توضیحات دستیاب ہوئیں، جن میں سے کچھ کا ذکر گزر چکا ہے، اور کچھ کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

نقشِ آزاد، اور اِفاداتِ آزاد وغیرہ کا حوالہ

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر "ترجمان القرآن" کی عبارت سے متعلق مولانا مفتی محمد

---

[1] جبکہ خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے بصراحت اس کے خلاف مروی ہے، اور اس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضمون "اہلِ فترۃ وجاہلیت کا حکم" میں بیان کردی ہے۔ محمد رضوان۔

شفیع اور حضرت تھانوی صاحبان کے فتاویٰ 1940ء کے ادوار کے ہیں۔

اس کے بعد ”غلام رسول مہر“ صاحب نے اکتوبر 1958ء میں ”نقشِ آزاد“ کے عنوان سے جو مولانا ابوالکلام آزاد کے مکتوبات شائع کیے، ان میں اتحادِ ادیان اور ایمان بالرسالت اور عقیدہ نزولِ مسیح بن مریم سے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے افکار کی وضاحت کی ہے، اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے وہ مکتوبات تو 1940ء سے پہلے کے ہیں، لیکن ان کی اشاعت کافی بعد میں ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے وہ مکتوبات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا غلام رسول مہر صاحب کو خود بھی مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر کی پہلی جلد اور بطورِ خاص سورہ فاتحہ کی تفسیر کے مضامین سے اسی قسم کے شبہات پیدا ہوئے تھے، جن کا ذکر پہلے گزرا، اور انھوں نے اس قسم کے شبہات کو براہِ راست مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو تحریر کر کے بھیجا تھا۔

جس کے بعد اپنے ”02 جنوری، 1936 عیسوی“ کے ایک مکتوب میں لکھا کہ:

مجھے بالکل معلوم نہیں کہ مولانا ابراہیم صاحب نے کوئی کتاب لکھی ہے، اور ”ترجمان القرآن“ کے کسی مقام پر اعتراضات کیے ہیں، عرصہ ہوا امرتسر کے ایک صاحب نے جو شال فروش ہیں، اور ہر سال یہاں آتے ہیں، یہ ذکر کیا تھا کہ مولانا ابراہیم شاکی ہیں، انھوں نے ”ترجمان القرآن“ کے بارے میں کوئی خط لکھا تھا، مگر جواب نہیں ملا، چونکہ مجھے ان کا کوئی خط نہیں ملا تھا، اس لیے متعجب ہوا اور خط لکھ کر دریافت کیا کہ کب خط لکھا تھا اور معاملہ کیا ہے؟ مولانا ممدوح نے جواب میں اس خط کی نسبت تو کچھ نہیں لکھا، لیکن مبہم طور پر کسی تحریر کی طرف اشارہ کیا، جس کا پروف انھیں ملنے والا تھا، اور جونہی ملے گا، وہ مجھے بھیج دیں گے، نیز اپنی علالت کا عذر کیا، اس کے بعد نہ تو ان کا کوئی خط آیا، اور نہ وہ پروف ملا،

میرے ذہن سے بھی بات اتر گئی، اب آپ نے لکھا، تو خیال ہوتا ہے، شاید ان کا اشارہ اس کتاب کی طرف ہوگا۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد مولانا ممدوح کلکتہ آئے، مجھ سے ملاقات بھی ہوئی، اور انھوں نے اس معاملے کا کوئی ذکر نہیں کیا، نہ کتاب ہی کے بارے میں کچھ کہا۔ [1]

بہ ہر حال اگر آپ مجھے خط لکھیں، کیا شکوک ہیں، تو میں انھیں رفع کرنے کی کوشش کروں گا، آپ لکھتے ہیں کہ عرصے سے آپ کو وہ شکوک درپیش ہیں، کیا اس صورت میں یہ بہتر نہ تھا کہ مجھے لکھ دیتے؟ کتاب کو نکلے ہوئے پانچ برس ہو گئے۔ (نقشِ آزاد، ص ۴۵، وص ۴۶، مکتوب نمبر ۲۳، مرتبہ: غلام رسول، مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور، دوسرا ایڈیشن 1959ء)

اس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے ''15 جنوری، 1936 عیسوی'' کے ایک

---

[1] مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی مرحوم ومغفور جس زمانے میں تفسیر سورہ فاتحہ مرتب فرما رہے تھے، میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ مولانا آزاد کی تفسیر فاتحہ مشمولہ ''ترجمان القرآن'' جلد اول پر بعض شبہات وارد کیے جاتے ہیں، ان کا بھی ازالہ فرما دیں، مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اس سلسلے میں خدا جانے کس اثر کے ماتحت مناظرانہ رنگ اختیار کرلیا، اور اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ بعض امور کی توضیح کے لیے مولانا آزاد کو خط بھیجا، میں نے مولانا سے اس باب میں استفسار کیا، تو یہ جواب وصول ہوا، بحث کو مکمل کرنے کے لیے یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں، میں نے مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کو مولانا کا خط دکھا کر پوچھا کہ آپ کلکتہ میں مولانا سے ملے، تو سب کچھ پوچھ کیوں نہ لیا، انھوں نے فرمایا کہ بے شک مولانا کے ساتھ ملاقات کا فیصلہ ہو چکا تھا، لیکن رات کے وقت میرے پاؤں میں تکلیف ہوگئی، اور نقل وحرکت خالی از تعب نہ رہی، نیز ایک رفیق سے مولانا کے ساتھ گفتگو کا ذکر آیا، تو انھوں نے کہا زحمت اٹھا کر جاؤ گے، مگر نتیجہ کچھ نہ نکلے گا، میں اس رائے سے متاثر ہوا اور نہ گیا، یہ تمام حالات میں نے ایک مرتبہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کے بیان کے مطابق ''انقلاب'' میں بھی شائع کر دیے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر، مولانا کی خدمت میں خط بھیجنے اور جواب نہ آنے کا ذکر اپنی تفسیر میں فرما چکے تھے، اور یہ حصہ چھپ چکا تھا کہ انھیں کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ملاقات کے لیے مولانا سے کہہ دینے کے باوجود بوجوہ مذکورہ مل نہ سکے، اور ان امور کا ذکر کتاب میں نہ آسکا، اس لیے کہ وہ پہلے چھپ چکی تھی، اس سلسلے میں بعض تفصیلات اگلے مکاتیب میں ملیں گی۔ (حاشیہ از طرف: مولانا غلام رسول مہر)

مکتوب میں لکھا:

عزیزی، السلام علیکم

خط پہنچا، میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ آپ کا اشتباہ سخت تعجب کا موجب ہوا۔ اگر ''ترجمان القرآن'' کے مطالعے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظامِ عبادت ہنگامی ہے، تو پھر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان ساری باتوں میں سے ایک بات بھی میں نے اس کے صفحات پر نہیں لکھی، جو مجھے لکھی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔

آپ نے تفسیر فاتحہ کے خاتمہ کا حوالہ دیا ہے، میں نے اس وقت از سرِ نو اس پر نظر ڈالی، لیکن کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو اس اشتباہ کا موجب ہو سکے۔ غالباً اس کا یہ جملہ موجبِ تردد ہوا ہے کہ اصل دین توحید ہے، لیکن اگر یہ جملہ موجبِ تردد ہو سکتا ہے، تو یقیناً قرآن کی بے شمار آیتیں بھی ہو سکتی ہیں، کیوں کہ ان سب میں یہی بات کہی گئی ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ.

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِیْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ.

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصَارٰى تِلْکَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ، بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهِ فَقَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ.

کیا ہم ان آیات سے اور ان کی ہم معنیٰ آیات سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ قرآن

کے نزدیک ایمان بالرسل ضروری نہیں؟ یقیناً نہیں کر سکتے، کیوں کہ اسی قرآن نے بے شمار مقامات پر خود بتلا دیا ہے کہ ایمان باللہ کی تفصیل کیا ہے، اور نہ صرف ایمان بالرسل، بلکہ ایمان بالکتب، وبالملائکہ وبالیوم الآخراس میں داخل ہے، اور اس لیے جب کبھی ایمان اور ''عمل'' کہا جائے گا، تو ایمان سے مقصود یہی ایمان ہو گا، نہ کہ کوئی دوسرا ایمان، اور عمل سے مقصود وہی اعمال ہوں گے، جنھیں اس نے عملِ صالح قرار دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ''عدمِ تفریق بین الرسل'' بھی اس میں داخل ہے اور کوئی ''ایمان بالرسل'' جو ''تفریق بین الرسل'' کے ساتھ ہو، قرآن کے نزدیک ایمان نہیں۔ وہ کہتا ہے، اس زنجیر کی ایک کڑی کا انکار سب کا انکار ہے۔ [1]

پھر اگر قرآن کی آیات کا مطلب مقرر ومعلوم ہے، تو یہ جملہ کہ ''اصل دین توحید ہے، یا اصل دین ''ایمان'' اور ''عمل'' ہے، کیوں موجبِ تردد ہو؟ بہ حیثیت مسلم ہونے کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اصل دین ''توحید'' ہے؟ یہ تو بہ ہر حال کہنا ہی پڑے گا۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اصل دین کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آپ نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ خاتمہ کے مجمل خلاصے کا مطلب پوری کتاب کی تفصیلات پیشِ نظر رکھ کر قرار دیا جاتا ہے۔ خاتمے کی دفعات اس لیے ترتیب

---

[1] اس عبارت کا بظاہر مطلب یہی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر ایمان لانا ضروری ہے، جس میں رسالتِ محمدیہ پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ رسالتِ محمدیہ پر ایمان، اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک رسالتِ محمدیہ کے لوازمات پر ایمان نہ لائے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور اس کے نتیجے میں آپ کی رسالت اور اس کی تعلیمات کو بھی آخری تسلیم نہ کر لیا جائے، اور آخری ہونے کے نتیجے میں جس طرح پہلے نبیوں کی نبوت کو مابعد کے اعتبار سے منسوخ اور اپنے اپنے دور کے اعتبار سے غیر منسوخ مانا جاتا ہے، اسی طرح آخری نبی کی تعلیمات کو بھی پہلے نبیوں کی تعلیمات کے لیے ناسخ مانا جائے، کیوں کہ اس کے بغیر ''کل ما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم'' پر ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان

دی گئی ہیں کہ تمام عقائد و اعمال کی فہرست پیش کر دی جائے ۔ بلکہ کوئی خاص مقصد پیشِ نظر ہے اور اس مقصد پر زور دیتے ہوئے دکھلایا گیا ہے کہ دعوتِ قرآنی کا کیا حال ہے؟ وہ مقصد یہ ہے کہ اگر دینی صداقت کی کوئی عالم گیر حقیقت ہوسکتی ہے تو وہ وہی ہے، جو قرآن نے پیش کی ہے اور کسی طالبِ حق کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس دعوت سے روگردانی کر کے دینی صداقت کا مقام حاصل کر سکے۔

غالباً یہ اشتباہ اس لیے ہوا کہ کتبِ توحید و عقائد پیشِ نظر نہیں، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، جو میں نے لکھی ہے۔ تیرہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا متفقہ اعتقاد یہی ہے کہ اصل دین ''توحید'' ہے اور تمام انبیاء اسی کی دعوت و تلقین کے لیے مبعوث ہوئے۔

اچھا فرض کر لیجیے کہ یہ جملہ بجائے خود موجبِ تردد ہوسکتا ہے۔ لیکن جو شخص یہ جملہ پڑھے گا، معاً وہ تفسیر فاتحہ کے وہ تمام مقامات بھی پڑھے گا، جہاں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن کے نزدیک نہ صرف انبیاء پر ایمان نہ لانا کفر ہے، بلکہ کسی ایک رسول سے انکار بھی کفر ہے۔ مان لیجیے یہ مقامات بھی اس کے فہم واذعان کے لیے کافی نہ ہوں۔ لیکن آخر اسی کتاب میں بقرہ کے بھی نوٹس ہیں، آلِ عمران، النساء، المائدۃ، الانعام کے بھی نوٹس ہیں اور ان میں بے شمار آیات ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب وغیرہما کے بارے میں موجود ہیں، نیز ان کی تشریحات ہیں۔ آخر یہ سب کچھ بغیر کسی مفہوم و معنیٰ کے ہے؟ [1]

---

[1] تاہم جب خاص سورہ فاتحہ یا کسی دوسری سورت کی تفسیر الگ سے شائع ہو، یا کوئی شخص ایک ہی جلد کا مطالعہ کرے، تو اس کو مصنف کی اس مراد کی اطلاع کیسے ہوگی؟ اس لیے مناسب تھا کہ جو الفاظ ایمان بالرسالت کے غیر ضروری، یا اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی بھی حقانیت وصداقت، یا اتحادِ ادیان کے باطل عقیدہ کی تایید وتقویت کا باعث بن رہے تھے، اگر پہلے اس ابہام واجمال کو دور کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوسکی تھی، تو بعد میں ان کی اصلاح وتوضیح کی جاتی، نیز ایمان برسالتِ محمدیہ کی توضیح کے ساتھ عمل بالشریعة المحمدیة ضروری ہونے کی بھی وضاحت کی جاتی، تاکہ اس بحث کا بالکلیہ خاتمہ ہوجاتا۔ محمد رضوان

باقی رہا نظامِ عبادت کا مسئلہ تو یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرانی کا موجب ہے۔ کاش آپ کسی قدر تفصیل سے لکھتے کہ کون سی بات موجبِ اشتباہ ہوئی ہے؟ کیا یہ بات کہ قرآن اصل دین سے شرع ومنہاج کو الگ کرتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ اختلاف ہوا، شرع میں ہوا، نہ کہ اصل دین میں؟ لیکن یہ تو خود قرآن کی تصریح ہے اور ہم مسلمانوں کا سیزدہ صد سالہ عقیدہ۔ یقیناً ہمارا اعتقاد یہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت باطل تھی، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے احکام باطل تھے۔ البتہ قرآن کی یہ تصریح گزشتہ کی نسبت ہے، جس کا اختلاف اہلِ کتاب بہ طور حجت کے لاتے تھے، نہ کہ آیندہ کی نسبت۔ آیندہ کے لیے اس کا اعلان معلوم ہے کہ نعمت تمام ہو چکی اور یہ اتمام نہ صرف اصل دین میں ہے، بلکہ شرع ومنہاج میں بھی اور اتمام کے بعد مزید تبدل ممکن نہیں۔ اکمال کے بعد مزید تکمیل کی گنجایش نہیں۔

یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم ہر طالبِ حق پر واضح کریں کہ جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع ومشترک خلاصہ ہے، ٹھیک اسی طرح شرع ومنہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے۔ اور وہ تمام پچھلے شرائع کے مقاصد وعناصر پر جامع وحاوی ہے۔ [1]

البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محلِ تفسیر سورہ فاتحہ یا سورہ بقرہ نہیں، سورہ احزاب ہے۔ یقیناً ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ تفسیر سورہ فاتحہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا بیان نہیں، اس لیے مصنف کے نزدیک روزہ فرض نہیں۔ مصنف نے سورہ فاتحہ کی تفسیر ایک خاص اسلوب پر لکھنی چاہی ہے۔ عقائد وفقہ کی کتاب لکھنے کا

---

[1] مندرجہ بالا عبارت کا صحیح مطلب تو بہ ظاہر یہی سمجھ آتا ہے کہ توحید ورسالت کے ساتھ ساتھ شرع ومنہاجِ محمدیہ کو بھی شرائع من قبلنا کے لیے ناسخ مانا جائے، اور جو اصل شرائع تھی ہی نہیں، بلکہ خود ساختہ مذاہب تھے، وہ پہلے سے ہی خارج رہے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز یہ فرض کرلیا ہے کہ وہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ رہا ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد 113 سورتیں اور بھی مع اپنے مقاصد ومطالب کے آنے والی ہیں۔

اگر حالات مساعد ہوں، تو آپ ایک مرتبہ اور تفسیر سورہ فاتحہ پر نظر ڈالیے، پھر مجھے لکھئے، کیا فی الحقیقت اس شبہ کی گنجایش ہے؟ [1]

آپ نے مولانا ابراہیم (سیالکوٹی صاحب) کا بیان نقل کیا ہے کہ: ''میں نے خط بھیجا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ دیا'' یہ بات اور زیادہ میرے لیے موجب تعجب ہوئی۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی آدمی جواب کے لیے ٹکٹ بھیج دیتا ہے تو میری مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ میرا جواب بھیجنا، اس لیے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا ٹکٹ واپس کردوں۔ مجھے اس سے سخت چڑ ہے کہ جواب کے لیے ٹکٹ آئے۔ اگر مولوی صاحب ممدوح کا خط مجھے ملا ہوتا اور اس میں ٹکٹ ہوتا، تو کم از کم اس ٹکٹ کو واپس بھیج دینا میرے لیے اس درجے ضروری تھا کہ کسی طرح تساہل نہیں کرسکتا تھا۔ ٹکٹ لے کر رکھ لینا نہ صرف جواب نہ دینا ہے، بلکہ مالی خیانت بھی ہے۔ میں حتی الوسع اس کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ [2]

چونکہ مولوی صاحب کا یہ بیان ہے، اس لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ سمجھ لوں،

---

[1] شبہ کی گنجایش تو تھی، اسی لیے بعض اہلِ علم، بلکہ کئی غیر اہلِ علم حضرات کو بھی اشتباہ ہوا، اور اس پر بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہوا، اور مولانا موصوف نے اپنے جن مُضمَر خیالات وجذبات کے تحت یہ مضمون لکھا تھا، وہ خیالات وجذبات، ظاہر ہے کہ ہر قاری کے نہیں ہوتے، اور اسی لیے اس قسم کی تحریرات بہت سے قارئین کے لیے اشتباہ کا باعث بن جاتی ہیں، اور ابھی بھی بعض دوسرے غلط فہمی کا باعث افکار اس میں پائے جاتے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] مولانا موصوف کا یہ جذبہ انتہائی قابلِ قدر ہے، جس پر آج کل بہت کم لوگوں کا ہی عمل ہے، اور بندے کو آج کے دور میں یہ شکایت بہت سے اہلِ علم حضرات سے بھی ہے۔

اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا مندرجہ بالا طرز وجذبہ، لائقِ اتباع ہونے کے ساتھ باعثِ نصیحت بھی ہے۔ محمد رضوان۔

انھوں نے خط لکھا ہوگا۔ مجھے ملا نہیں۔اس میں مشکل یہ ہے کہ میرے نام کے خطوط ضائع نہیں ہوتے۔تمام ہندوستان میں پھر کر مجھے مل ضرور جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہو۔لیکن اس کے بعد تو مولوی صاحب سے بارہا ملاقات ہوئی، ایک مرتبہ ایک مجلس میں کئی گھنٹے یک جائی رہی۔تعجب ہے کہ انھوں نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔ [1]

چونکہ آپ لکھتے ہیں کہ کسی وجہ سے انھوں نے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے، اس لیے براہِ عنایت مجھے کتاب نہ بھیجئے۔میرا نہ دیکھنا ہی بہتر ہے۔

سنہ 1918 عیسوی سے میں نے جن تین باتوں کا عہد کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو جو مناظرانہ طریق پر میرے خلاف کچھ لکھے گا، نہ تو جواب دوں گا، نہ اس کی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔ (نقشِ آزاد، ص ۴۷ تا ۵۱، مکتوب نمبر ۲۴، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور، دوسرا ایڈیشن 1959ء)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی مذکورہ تحریر سے جہاں اُن کی سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق پیدا شدہ بعض شبہات اور اُن کے افکار کی توضیح ہورہی ہے، اسی کے ساتھ اُن کے مزاج کے بعض مخصوص رُجحانات کا بھی پتہ چل رہا ہے، جن کو مولانا موصوف اپنے نزدیک تو بہت اہمیت دیتے تھے، لیکن اُن کا یہ طرزِ عمل دوسروں کے لیے تشویش اور غلط فہمی کا باعث تھا۔

---

[1] ممکن ہے کہ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کو مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے اس مخصوص مزاج کا احساس ہو، کہ وہ بعض سوالات کے صرف زبانی کلامی جواب پر اکتفا کرتے ہیں، تحریری طور پر وضاحت نہیں کرتے، نیز بحث مباحثہ سے بھی پرہیز کرتے ہیں، اور اصل معاملہ اُن کی تحریرات سے پیدا شدہ اعتراضات وشبہات کا ہے، اس لیے اُن سے زبانی گفت وشنید زیادہ مفید نہیں ہوگی، پھر بھی مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کا یہ طرزِ عمل اگر واقعہ کے مطابق ہو، تو بہ ظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں سے جوابی ٹکٹ کے ساتھ مکتوب بھیجنے اور جواب نہ ملنے کی شکایت کا اظہار کیا، لیکن خود مولانا آزاد سے جب ملاقات ہوئی تو باقی گفتگو اور مجالست تو گھنٹوں رہی لیکن خط کے متعلق پوچھنے کی نوبت نہ آئی۔ان وجوہات میں سے بعض کا ذکر پچھلے مکتوب کے حاشیے میں مولانا غلام رسول مہر صاحب کی طرف سے بھی گزر چکا ہے، اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کے حوالے سے بھی گزر چکا ہے۔واللہ اعلم۔محمد رضوان۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، مذکورہ مکتوب کے ایک ماہ بعد کے اپنے ’’15 فروری، 1936‘‘ والے مکتوب میں لکھتے ہیں:

عزیزی!

میں نے پچھلے خط میں ’’ترجمان القرآن‘‘ کے مطالب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، اگر آپ کے مصالح کے خلاف نہ ہو، تو اسے شائع کردیجیے۔ ابتدا کی دو تین سطریں جن میں آپ سے مخاطبت ہے، نکال دیجیے۔ اشاعت کے لیے ان کی ضرورت نہیں۔ آگے چل کر مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے رسالے کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی شائع کرنا غیر ضروری ہے، صرف اتنا حصہ اخبار میں دے دیجیے، جس میں دو شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بھی ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ کن صاحب کو لکھا گیا ہے۔ عنوان کے نیچے یہ لکھ دیا جاسکتا ہے کہ ایک خط جو اس بارے میں ایک صاحب نے لکھا تھا، یہ اس کا جواب ہے۔ (نقشِ آزاد، ص ۵۳، مکتوب نمبر ۲۵، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور، دوسرا ایڈیشن 1959ء)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے بعض افکار کے متعلق توضیح کی اشاعت کا عندیہ دیا تھا، وہ الگ بات ہے کہ ان کی اس تحریر کی اشاعت بہت بعد میں ہوئی، جس کی وجہ سے ایک عرصے تک تشویش اور غلط فہمی قائم رہی، اور آج بھی اُن کی بعض عبارات غلط فہمی کا سبب ہیں، خواہ مولانا موصوف کی مراد کچھ بھی ہو۔

بندے کے خیال میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مذکورہ مکتوب اور درج ذیل مکتوب کو ان کی تفسیر ’’ترجمان القرآن‘‘ کی پہلی جلد کے ساتھ شائع کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے 21/جنوری 1956 عیسوی کو اپنے پرائیویٹ سیکرٹری جناب محمد اجمل خان صاحب سے ایک مکتوب میں درجِ ذیل مضمون تحریر کرایا۔

(1)......قرآن نے ایمان ونجات کے لیے یہ بات بھی بطور بنیادی شرط کے قرار دی ہے کہ تفریق بین الرسل نہ کی جائے، یعنی تمام انبیاء پر بلا استثنا ایمان لایا جائے، جو غیر مسلم، حضرت خاتم النبیین پر ایمان نہیں لاتا، وہ تفریق بین الرسل کرتا ہے، اور یہ کفر ہے۔

(2)......قرآن نے یہ ضرور کہا ہے کہ ہر عمل کی ایک جزا ہے، اور وہ عامل کو ضرور ملتی ہے۔ راقم۔ محمد اجمل خان (پرائیویٹ سیکرٹری) من جانب، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، 21/جنوری 1956 عیسوی۔ (افاداتِ آزاد، حصہ اول، دینی صفحہ 20، ایمان وعقائد، مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، ادارۂ تصنیف وتحقیق، پاکستان، کراچی، اشاعتِ اول، 22/فروری 1984ء)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مذکورہ مکتوبات کے بعد ہم اس بات میں حق بہ جانب ہوں گے کہ ان کے متعلق یہ گمان کریں کہ وہ ایمان ونجات کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ''شرائع من قبلنا'' کو بھی من حیث العمل منسوخ قرار دیتے ہیں، اور اس سلسلے میں ان کی سورہ فاتحہ کی تفسیر میں جو اجمال وابہام یا غلط فہمی والی عبارات موجود ہیں، ان کی تاویل کریں۔

ابوسعید بزمی (ایم اے) اپنی تالیف ''مولانا ابوالکلام آزاد، تنقید اور تبصرہ کی نگاہ میں''۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی اتحادِ ادیان کی فکر پر اعتراض کے ضمن میں لکھتے ہیں:

مولانا (ابوالکلام آزاد صاحب) کی وہ خودداری جو مخالفوں کے مقابلے میں شاذو نادر ہی لب کشائی کے لیے تیار ہوتی ہے، ان اعتراضات کے جواب دینے میں مانع رہی، البتہ جو لوگ ذاتی طور سے ان سے پوچھ تاچھ کر سکتے تھے، ان کو مطمئن کرنے میں، وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے، یہ دیکھ کر لوگ ان سے کہتے تھے۔

''آخر آپ یہی سب باتیں شائع کیوں نہیں کر دیتے؟''

مگر اس قسم کے ہر سوال کا ایک ہی جواب ان کے پاس تھا، ''اس قسم کی بحثوں میں الجھنے سے کیا فائدہ ہے، میرے بھائی؟ جس کسی کو تحقیقِ حق مطلوب ہوتی ہے، وہ براہِ راست مجھ سے پوچھ لیتا ہے۔

لیکن جن لوگوں کا مقصد صرف اعتراض کرنا ہی ہے، انھیں آپ جتنا زیادہ چھیڑیں گے، اتنا ہی زیادہ وہ چڑیں گے، اس لیے ان کا معاملہ تو خدا پر چھوڑ یئے''۔

لیکن مولانا کی یہ دلیل بہت کم لوگوں کو مطمئن کرسکتی تھی۔

آخر ایک ہوا خواہ نے انھیں خط لکھا اور مولانا کا جواب آیا، اسے شائع کردیا۔

جواب بہت مختصر تھا، اور اس میں صاف طور سے تحریر تھا کہ میں دینِ اسلام کو ناسخ ادیان مانتا ہوں، اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور مذہب کا دامن تھامے، اُسے کافر جانتا ہوں۔

مولانا کی اس کھلی ہوئی توضیح کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ تفسیر کے دوسرے ایڈیشن میں آپ اس مسئلے کو ذرا زیادہ صاف کردیں، تاکہ مخالفوں کو مجالِ اعتراض نہ رہے۔ مگر مولانا کی ''خودداری'' کا جواب اس پر صرف یہ تھا۔ ''میں دفع دخل مقدر کا قائل نہیں ہوں، میرے بھائی ...... تفسیر کی پہلی جلد میں اس کا کوئی موقع نہیں، البتہ تیسری جلد میں سورہ احزاب کی تفسیر جب آئے گی، اس وقت میں اس چیز کو کھولوں گا''۔

لیکن آج دس بارہ سال ہونے کو آئے، مگر نہ تو یہ تیسری جلد شائع ہوئی، اور نہ مولانا کا کوئی توضیحی بیان۔ (مولانا ابوالکلام آزاد تنقید اور تبصرہ کی نگاہ میں، ص ۶۱ و ۶۲، در ذیل عنوان ''کمزوری''، مطبوعہ: اقبال اکیڈمی، سرکلر روڈ، بیرون موچی دروازہ، لاہور)

معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے اپنے بعض افکار کی توضیح نہ کرنے

میں ان کا مخصوص مزاج حائل رہا، جو لوگوں میں تشویش کا باعث رہا۔

اور وہ خود سورہ احزاب کی تفسیر میں اپنے بعض افکار کی توضیح کے منتظر رہے، لیکن مسئلہ کھٹائی میں ہی پڑا رہا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر میں اور بھی متعدد متنازع باتیں پائی جاتی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر مولانا یوسف بنوری صاحب نے، بعض کا مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی صاحب نے اور بعض کا مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے کیا ہے۔

جہاں تک مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعلق عیسیٰ بن مریم کے قیامت سے قبل نزول کے مسئلے کا تعلق ہے، تو ان کا نظریہ اس سلسلے میں واقعتاً اتنا واضح نہیں، جتنا اس سلسلے میں واضح اور دوٹوک عقیدہ، اہلُ السنۃ الجماعۃ کا ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> نزولِ مسیح کے بارے میں میری جس تحریر کی نسبت آپ نے سوال کیا تھا، اس کا منشا صرف اس قدر تھا کہ نزولِ مسیح کے معاملے کو کوئی مسلمان شرائطِ ایمان ونجات میں سے نہیں سمجھتا، پس جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی دوسرے انسان پر ایمان لانا شرطِ اسلام ونجات ہے، وہ اس سے احتجاج نہیں کر سکتے۔
>
> اور یہ جو میں نے لکھا تھا کہ اس معاملہ کا تعلق آثار وعلائمِ قیامت سے ہے، تو یہ کوئی نئ تحقیق نہ تھی، بلکہ جمہور کے عقیدہ کا اظہار تھا۔

چونکہ نزولِ مسیح کی بعض روایات اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ ”**لاتقوم الساعة حتی ینزل المسیح و حتی یکون کذا و کذا**“ اس لیے عام طور پر لوگوں نے اس معاملے کو بھی، اسی طرح ”**اشراطِ ساعة**“ میں سے سمجھا ہے، جس طرح دوسرے معاملات متذکرۂ روایات کو اور اس لیے محدثین اسے ”**اشراطِ ساعة**“ کے ہی باب میں لاتے ہیں، اور اس حیثیت سے اس پر بحث

کرتے ہیں، نیز جن علماء نے خصوصیت کے ساتھ ان روایات کو جمع کیا ہے، انھوں نے بھی ان کے لیے اشراط و آثارِ قیامت ہی کا نام وعنوان اختیار کیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ پیشن گوئیوں کی حیثیت سے بھی ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور تحقیق کا فیصلہ کیا ہونا چاہیے؟ تو یہ بالکل دوسرا سوال ہے، اور بلاشبہ روایات اس بارے میں قطعی اور فیصلہ کن نہیں، نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام سے پہلے مسیحی اعتقاد اس بارے میں موجود تھا، اور مسیحیت کے صدر اول ہی میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

''ترجمان القرآن'' جلد سوم کا انتظار کیجیے، اس میں بہ ضمن تفسیر سورۂ زخرف اس پر مفصل بحث ملے گی۔

ابوالکلام

(نقشِ آزاد، ص۹۸و۹۹، مکتوب نمبر۴۷، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

تعجب ہے کہ نزولِ مسیح کے بارے میں آپ کی خلش باقی ہے، میں نے اپنی رائے ظاہر کردی تھی، البتہ وجوہ ودلائل کے لیے کتاب کا حوالہ دیا تھا، بغیر تفصیل کے ان کا استقصا ممکن نہیں، بلاشبہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے، اور اسلامی شکل ولباس میں نمودار ہوا ہے، لیکن کیوں کر نمودار ہوا؟ یہ بحث طلب ہے، اگر آپ کسی وجہ سے اسے بہت ہی اہم سمجھتے ہیں، تو کوشش کروں گا کہ وقت نکال لوں، اور یہ تفصیل لکھوں۔ (نقشِ آزاد، ص۱۰۲، مکتوب نمبر۴۹، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور)

قیامت سے قبل نزولِ عیسیٰ کے عقیدہ پر ایمان لانا احادیثِ کثیرہ بلکہ متواترہ کی وجہ سے ضروری ہے، جس پر اہلِ علم حضرات نے شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے نزولِ عیسیٰ کے انکار کے سلسلے میں اپنے مذکورہ بالا مکتوبات میں جو تاویل کی ہے، وہ تھوڑی مختلف ہے، جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان پر نزولِ عیسیٰ کی احادیث کی کثرت اور اس عقیدہ کی مضبوطی مشتبہ رہی، ان کی تفسیر سے بھی اس کا واضح جواب نہیں ملتا۔ واللہ أعلم۔

اب یہ تاویل وتوجیہ کس درجے میں موثر ہے؟ اس پر اگرچہ کسی کا موقف کچھ بھی ہو، ہماری نظر میں مذکورہ تاویل کے پیشِ نظر ان پر ایمان سے خارج ہوجانے کا حکم لگانے سے اجتناب کرنا مناسب ہے۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ کے ایک فتوے سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو کہ درجِ ذیل ہے:

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا معتقد دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟

الجواب: اس نص قطعی الثبوت کا اگر یہ شخص منکر ہے، تو اسلام سے خارج ہے، اور اگر اس کو غیر قطعی الدلالۃ قرار دے کر تاویل کرتا ہے، تو مبتدع وضال ہے (امداد الفتاویٰ مبوب، ج۵،ص۴۴۰، کتاب العقائد والکلام، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: جولائی2010ء)

تاہم ہمارا اپنا عقیدہ ونظریہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مطابق قیامت سے قبل عیسیٰ ابنِ مریم کے نزول کے حق ہونے کا ہے، اور ہمارے نزدیک اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب پر پہلے، سرسید احمد خان صاحب کے افکار کا گہرا اثر تھا، اور وہ سرسید کے پوری طرح معتقد ہوگئے تھے، جس نے انھیں الحاد وانکار تک پہنچادیا تھا، لیکن بعد میں سرسید احمد کے افکار سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی عقیدت دھیمی پڑگئی تھی اور علامہ ابنِ تیمیہ وغیرہ کی طرف رغبت پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ ”تذکرہ“ میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے علامہ ابنِ تیمیہ کا والہانہ تذکرہ کیا ہے، اور انھیں مقامِ تجدید

وعزیمت پر فائز دکھایا ہے۔

البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریف والحاد میں نہیں تو تجدد وروشن خیالی کی حد تک مولانا آزاد، سرسید کے تراشے ہوئے اسلام کے ماڈل سے پیچھا نہیں چھڑا سکے، شعوری طور پر ہو، خواہ غیر شعوری طور پر، پھر متحدہ ہندوستانی وطنیت وقومیت کا مقتضٰی بھی شاید اسی قسم کا صلح کلی اور بین المذاہب ہم آہنگی کا مسلک تھا، اور وہ کانگریس کے ہائی کمان کا ہمیشہ حصہ رہے، اس لیے ہمارے خیال میں نیشنلسٹ اسلام کے یہ برگ وبار تھے، جن سے کسی بھی نیشنلسٹ مسلمان کو پیچھا چھڑانا ناممکن نہیں، تو شاید بہت ہی مشکل تھا، خصوصاً نیشنلسٹوں کے لیڈر اور مسلّمہ لیڈر ابوالکلام کو۔

کیوں کہ سرسید احمد کے افکار کی عقیدت واتباع کے بعد، ان کے تمام غلط افکار سے رجوع وبرأت اور تردید کی تفصیل وتوضیح ہمیں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی طرف سے دستیاب نہیں ہوسکی۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری صاحب نے ''ارمغانِ آزاد'' کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعدد مضامین جمع کیے ہیں، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا ایک مضمون ''ممالکِ اسلامیہ اور سید احمد خانی خیالات'' کے عنوان سے موجود ہے، جو ''الکلام، پٹنہ، 25 ستمبر 1960 عیسوی'' کے حوالے سے شائع کیا گیا، اس مضمون کے شروع میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب فرماتے ہیں:

> سرسید احمد خان مرحوم کی بے نظیر فطری قابلیت، بے مثل عالی دماغی اور ان کی اسلامی تحقیقات کی قدر اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو آواز اَب سے تیس چالیس برس پیش تر اس اسلامی دور کے آخری مجدد کی زبانی سرزمینِ ہند میں بلند ہوئی تھی، آج مصر، اسلامبول (استنبول) اور خود ہندوستان کے ہر روشن خیال اور تعلیم یافتہ شخص کی زبان سے نکل رہی ہے، وہ راگ جو اس زمانے میں ہمارے کانوں کو

نہایت ناگوار گزرتا تھا، اور جسے ہم اپنے خیال میں بے وقت کی راگنی سمجھ رہے تھے، آج ہمارے تفنّن پسند کانوں کو نہایت سریلا اور دل کش معلوم ہو رہا ہے، اور ہم ہیں کہ اس راگ پر مست ہوئے جاتے ہیں، ہم میں سے ہر شخص اس راگ پر مٹا ہوا ہے، پچھلی مخالفت اب خود ہم کو شرم ناک معلوم ہوتی ہے، اور تعجب ہے کہ ایسی صاف اور صریح باتیں، دیوِ تعصب اور جہالت کے رعب میں کیوں کر ہمیں ناگوار معلوم ہوتی تھیں، اس زمانے میں سر سید کی مثال ایک روشن ضمیر مدبر کی سی ہے، جو غفلت اور ناواقفی کے زمانے میں ایک اونچے پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھ کر اپنی غافل قوم کو ایسی تعلیم دینا شروع کردے، جسے ان کی جہالت اور غفلت سے کوئی نسبت نہ ہو۔ (ارمغانِ آزاد، صفحہ ۲۱۳، مرتب ومؤلف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، مطبوعہ: ادارہ تحقیقاتِ وتحریکاتِ ملی، پاکستان، سنہ اشاعت: 1990 عیسوی)

مذکورہ عبارت میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے سر سید احمد خان صاحب کو آخری مجدد قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری لکھتے ہیں:

(مولانا آزاد کی) سر سید سے عقیدت اور ذہنی مرعوبیت کا یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا، جلد ہی مولانا کو یہ احساس ہوگیا کہ سر سید جو مذہبی راہ دکھانا چاہتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے، وہ صراطِ مستقیم کی طرف نہیں، بلکہ گمراہی اور ضلالت کی طرف لے جارہی ہے، جس کی آخری منزل الحاد ہے، اس قلبِ ماہیت کے بعد مولانا نے بظاہر سر سید سے قطع تعلق کرلیا، لیکن جو ذہنی وابستگی ان کو سر سید اور ان کی تحریک سے ہوگئی تھی، اس سے ایک دم چھٹکارا پالینا ایسا آسان نہ تھا، لہٰذا کسی نہ کسی طرح آخر تک یہ تعلق برقرار رہا۔ (مولانا آزاد، سر سید اور علی گڑھ، صفحہ ۴۷، زیرِ عنوان: ’’مولانا آزاد اور علی گڑھ‘‘ مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، سنہ اشاعت: 1992 عیسوی)

20 فروری 1949 عیسوی کو مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے جو ''مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ'' میں سالانہ جلسۂ تقسیمِ اسناد کے موقع پر خطبہ پیش کیا، اس میں یہ بھی فرمایا:

میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی گزر چکا ہے، جب سرسید مرحوم کی تصنیفات نے میرے دماغ پر غیر معمولی اثر ڈالا تھا، اور یہ میری طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا، بلاشبہ یہ اثر آگے چل کر دھیما پڑ گیا، اور مجھے فکر ونظر کی دوسری منزلیں پیش آگئیں، تاہم میرا دماغ ان کے مصلحانہ اعمال کے تاثر سے کبھی خالی نہیں ہوا

(مولانا آزاد، سرسید اور علی گڑھ، صفحہ ۱۰۳ ''خطبہ جلسۂ تقسیمِ اسناد'' مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، سنہ اشاعت: 1992 عیسوی، مصنفہ: ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری)

آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے ایک مکتوب پر بات کو ختم کیا جاتا ہے، جس سے ان کے متعلق علمی و دینی نوعیت کا اختلاف کرنے اور نہ کرنے والے حضرات کو بھی نصیحت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، اپنے ساتھ اختلاف کرنے کے معاملے میں کھلے ذہن اور وسعتِ ظرفی کے مالک تھے، جس کا اندازہ ان کے ایک مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب، مہر صاحب کے نام اپنے مورخہ 7، اپریل 1940 عیسوی کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

عزیزی

خط پہنچا، اور یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ آپ نے میرے خط کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ایک چیز عقائد و مسائل کا اختلاف ہے، ایک شخصی دیانت وعدمِ دیانت کا معاملہ، آپ یقیناً ایک شخص سے عقائد و مسائل میں سخت اختلاف رکھتے ہوئے بھی اخلاص و محبت رکھ سکتے ہیں، اور یہ اخلاص اس سے مانع نہیں ہوسکتا کہ اس کے عقائد و مسائل پر سخت سے سخت نکتہ چینی کریں، امام بخاری نے عبدالرزاق کی

نسبت کہا تھا ''لو ارتدّ عبدالرزاق ''اگرچہ عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے، جب بھی میں اس کی دیانت میں شک نہیں کروں گا، لیکن اگر آپ کے سامنے ایسی باتیں آئی ہیں کہ آپ کو اس کی دیانت پر اعتماد نہیں رہا، اور اختلاف صرف عقائد و مسائل ہی سے نہیں ہے، بلکہ شخصی اخلاق و خصائل سے ہے، تو اس صورت میں آپ اس سے اخلاص و محبت نہیں رکھ سکتے، کیوں کہ اب کوئی چیز باقی نہیں رہی، جس کے لیے اخلاص اُبھر سکے، جس شخص کے اخلاص و خصائل پر آپ کو اعتماد نہیں رہا، آپ بغیر مداہنت و نفاق کے کیوں کر اس سے اخلاص و محبت رکھ سکتے ہیں؟

(نقشِ آزاد، ص ۱۷۹، مکتوب نمبر ۹۳، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: کتاب منزل، لاہور)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مذکورہ مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ نظر و فکر کے اختلاف اور باہمی اخلاص و محبت کے جمع ہونے کے قائل تھے، جو اِن کی وُسعتِ ظرفی کی دلیل ہے، جس کا آج کل اکثر لوگوں میں فقدان پایا جاتا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے متعلق نظر و فکر کا اختلاف کرنے، نہ کرنے والے حضرات کے لیے، ان کا مذکورہ مکتوب اپنے طرزِ عمل میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے اچھا نمونہ ہے۔

تاہم اس میں اتنا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے سے عقائد میں اختلاف، اسلام اور کفر کی حد تک پہنچ جائے، تو پھر دوسرے سے قلبی محبت ولگاؤ کا تعلق رکھنا روا نہیں ہوگا۔

چنانچہ تفسیرِ عثمانی میں سورۂ نساء کی آیت نمبر 51 کے ضمن میں ہے:

''اولیاء'' ولی کی جمع ہے، ولی دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی۔ غرض یہ ہے کہ ''یہود و نصاریٰ'' بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورۃ ''نسآء'' میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ موالات، مروت و حسنِ سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔

اہلِ اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ ''وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ''۔ (سورہ انفال)

عدل وانصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہو چکا، مسلم و کافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔

''مروت'' اور ''حسنِ سلوک'' یا ''رواداری'' کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے، جو جماعتِ اسلام کے مقابلے میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورۃ ''الممتحنة'' میں تصریح ہے۔

باقی ''موالات'' یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت و معاونت، تو کسی مسلمان کا حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات، جو ''اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً'' (آل عمران) کے تحت میں داخل ہو، اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے، اس کی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین سے، اس بارے میں جو غیر معمولی تشدید و تضییق منقول ہے، اس کو محض سدِ ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی جلد ۱، ص ۵۴۰، سورہ نساء، آیت نمبر ۵۱)

اس مسئلے کی مدلل توضیح بندے محمد رضوان نے اپنی کتاب ''سیاست وحکومت'' کے باب نمبر 7 میں ذکر کر دی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ.

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم ایک عالی مرتبہ علمی شخصیت تھے، جنھوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں خدمات انجام دیں، اور اپنی پرزور تحریر وتقریر کے ذریعہ لوگوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا، اور اس کے لیے خود بھی قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی خدماتِ جلیلہ اور اوصافِ حمیدہ کا محض ان سے فکر ونظر کے اختلاف کی وجہ سے انکار کرنا درست نہیں، بلکہ تعصّب وتحزّب ہے۔

تاہم مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم پہلے سر سید احمد خان کے مذہبی افکار سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوگئے تھے، جس کے بعد انھیں سر سید احمد صاحب کے بہت سے مذہبی افکار کا غلط اور انتہائی نقصان دہ، بلکہ الحاد وانکار کا باعث ہونا معلوم ہوا، اسی کے ساتھ انہیں قرآن وسنت اور متعدد اہلِ حق جبالِ علم کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کا موقع حاصل ہوا، جس کے نتیجے میں ان کے افکار کے بگاڑ کا غالب حد تک ازالہ ہوگیا، تاہم بعض افکار میں بعد تک بھی غیر معتدل روِش رہی، جس پر اہلِ علم حضرات نے نقد وجرح فرمائی، اور وہ مولانا موصوف کی متعدد تالیفات وتحریرات میں اب تک موجود ہیں۔

لیکن وہ غلط افکار، اس درجے کے نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے مولانا موصوف پر نعوذ باللہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا حکم لگایا جائے، کیوں کہ اس میں ہر مومن کے متعلق احتیاط اور تاویل کا حکم ہے، چہ جائے کہ کسی عالمِ دین کے متعلق احتیاط نہ کی جائے۔

لہٰذا ان کی جن تحریرات میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے خلاف کوئی فکر پائی جائے، اس میں احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے، اور اس سلسلے میں مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے اس اعلان پر بھی عمل کرنے کی ضرورت ہے، جو انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی صاحب کے افکار کے متعلق

فرمایا تھا، جس کے آخر میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

تمام اہلِ فہم وارباب قلم وعلم سے پرزور درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کی کسی تحریر کو دیکھ کر اس وقت تک اس پر کوئی حتمی رائے قائم نہ فرمائیں، جب تک کہ اس کو اصول اور مسلّماتِ اسلامیہ، ضروریاتِ دین اورعقائد واعمالِ اہل سنت والجماعت کے زرّیں قواعد وتالیف پر پرکھ نہ لیں، اور علیٰ ھٰذا القیاس مولانا کے کسی کلام کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اوردیگر اسلاف واکابرِ دیوبند کا مسلک بھی نہ سمجھیں۔ جب تک کہ وہ اسی کسوٹی پر اس کو کس نہ لیں۔ یہ حضراتِ اکابر جملہ عقائد واعمال میں خواہ وہ فروع سے تعلق رکھتے ہوں، یا اُصول سے، سلفِ صالحین اوران کے اصول وقوانینِ مسلّمہ اہلِ سنت والجماعت ہی کے تابع ہیں، اوراسی کی تعلیم وتلقین کرتے رہے ہیں۔ (ماہنامہ ''البلاغ'' جامعہ دارالعلوم کراچی، پاکستان، شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ، دسمبر 1996ء، صفحہ ۱۹)

ہم نے دینی وعلمی نقطۂ نظر سے مذکورہ تفصیل ذکر کردی ہے، ورنہ ہر مسلمان کو دوسرے کی ذات کے درپے ہونے کے بجائے اپنے اعمال کی زیادہ فکر کرنا چاہیے، بالخصوص جو حضرات وافراد دنیا سے رخصت ہوچکے، بلاضرورت ان کے درپے نہیں ہونا چاہیے، اوراس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ:

تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (سورة البقرة، رقم الآية ۱۳۴)

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اس کے لیے وہ ہے، جو اِس نے کمایا، اور تمھارے لیے وہ ہے، جو تم نے کمایا، اور نہیں سوال کیا جائے گا تم سے، اُن کاموں کے بارے میں جو وہ کرتے تھے۔ (سورہ بقرہ)

افسوس کے ہمارے معاشرے میں شخصیات پرستی کی وجہ سے اسلامی افکار وتعلیمات کو قرآن وسنت کے مقابلہ میں مخصوص شخصیات کے تابع بنادیا جاتا ہے، اور اسلامی افکار وتعلیمات کو قرآن وسنت کی پاکیزہ ہدایات کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کے بجائے، مختلف شخصیات کو مطمحِ نظر بنالیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں تردید وتایید کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، اگر اس کے بجائے یہی صلاحیتیں قرآن وسنت کی پاکیزہ تعلیمات سمجھنے اور سمجھانے پر خرچ کی جائیں، تو نہ صرف یہ کہ اس قسم کے مفاسد سے بچا جاسکتا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کا سامان بھی کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور تعصب وتحزب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

فقط۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَ تَعَالٰی اَعۡلَمُ وَ عِلۡمُہٗ أَتَمُّ وَ أَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

07/محرم الحرام/1440ھ بمطابق 18/ستمبر/2018ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

ناقابلِ انتفاع مقدس اوراق

کو جلانے کا حکم

قرآن مجید اور مقدس کلمات پر مشتمل
بوسیدہ و ناقابلِ انتفاع نسخوں اور اوراق کو
بے ادبی و بے احترامی سے بچانے کے لیے جلانے کا شرعی حکم
اس سلسلے میں محدثین و فقہائے کرام کے اقوال
اور متعدد اہلِ علم و اہلِ افتاء کی تحریرات و تصریحات کی روشنی میں تحقیقی کلام

مصنِّف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
631	تمہید (ازمؤلف)
634	ناقابلِ انتفاع مقدس اوراق کوجلانے کا حکم
//	سوال
636	جواب
638	عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ
640	امام نووی کا حوالہ
641	علامہ ابنِ بطال کا حوالہ
642	شمس ُالدین سفیری کا حوالہ
644	علامہ عینی حنفی اور علامہ بکری شافعی کا حوالہ
//	علامہ ابنِ حجر ہیتمی اور عبدالحمید شروانی کا حوالہ
646	علامہ زکریا بن محمد انصاری اور علامہ رملی کا حوالہ
648	’’تحفۃُ الاحوذی‘‘ کا حوالہ
//	’’مرعاۃُ المفاتیح‘‘ کا حوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

موجودہ زمانے میں طباعت، نشرواشاعت اور آبادی کی کثرت کی وجہ سے قرآن مجید اور دیگر مقدس ومتبرک کلمات اور تحریرات پر مشتمل بوسیدہ وناقابلِ انتفاع مواد کو بے ادبی وبے احترامی سے بچانے کی خاطر تلف کرنے کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے، اور اس مقصد کے لیے، پہلے زمانوں میں جن صورتوں پر بآسانی عمل ممکن تھا، موجودہ دور میں اُن صورتوں پر عمل دشوارتر ہو چکا ہے۔

چنانچہ پہلے زمانوں میں موجودہ دور کی شکل میں اس طرح کا بکثرت مواد نہیں ہوتا تھا، اور آبادی کی قلت کی وجہ سے اس طرح کے مواد کو پاک صاف جگہ، فقہائے کرام کے بیان کردہ ادب واحترام والے طریقے کے ساتھ دفن کرنا، سہل ہوا کرتا تھا، لیکن موجودہ زمانے میں بڑے بڑے شہروں میں انسانوں کے لیے قبروں کی جگہ تنگ پڑ گئی ہے، جہاں بسا اوقات ایک ہی جگہ میں مناسب وقفے کے بعد ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز قبرستان میں چلنے والوں کے لیے بھی راستے تنگ پڑتے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے بسا اوقات قبروں کے اوپر سے پھلاند کر گزرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس کے علاوہ آج کل عام طور پر قبرستانوں میں صفائی ستھرائی کا معیار بھی بہت کمزور ہو کر رہ گیا ہے۔

اس لیے موجودہ دور میں جب شہروں میں روزمرہ کے حساب سے اس طرح کا جمع شدہ مواد سینکڑوں بوروں کی تعداد میں تلف کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو اس مقصد کے لیے وسیع ترین پاک صاف جگہ، جہاں لوگوں کے پاؤں نہ پڑتے ہوں، اور وہ جگہ ہر طرح کی گندگی

سے محفوظ ہو، اس کا میسر آنا انتہائی مشکل ہو چکا ہے، اور اگر اس طرح کی جگہ میسر آ بھی جائے، تو اتنے بڑے مواد کے لیے زمین کی کھدائی اور پھر آئندہ کے لیے اس جگہ کو کسی دوسرے مصرف میں نہ لانے کی صورتیں، تقریباً ناممکن ہو چکی ہیں، اور جو حضرات اب بھی اس طرح کے بڑے اور وسیع ترین مواد کو ادب واحترام کے ساتھ دفن کرنے پر زور دیتے، یا اصرار کرتے ہیں، شاید وہ کسی دوسری دنیا میں رہتے ہوں، یا دنیا کے حالات سے واقف نہ ہوں ''**ومن لم یعرف اھل زمانہ، فھو جاھل**''

اور جہاں تک اس طرح کے مواد کو پانی سے دھونے، یا پانی میں ڈال دینے کا تعلق ہے، تو یہ مسئلہ فقہائے کرام نے اس زمانے میں بیان فرمایا تھا، جب لکھائی کے لیے ایک تو خام روشنائی استعمال ہوتی تھی، دوسرے لکھائی بھی لکڑی اور چمڑے وغیرہ کی ایسی تختیوں پر کی جاتی تھی، جن سے لکھائی کو دھونا اور نقوش کو مٹانا، اور پھر اس تختی وغیرہ کو کسی دوسرے مصرف میں لانا ممکن اور آسان ہوا کرتا تھا، جس کی وجہ سے پانی کے ذریعے دھو کر اس طرح کی متبرک تحریرات کو بےادبی وبےاحترامی سے بچانا ممکن وسہل ہوتا تھا، اسی وجہ سے ان فقہائے کرام نے ساتھ ہی دھونے کے بعد پانی کو پاک وصاف مقام پر بہادینے، یا محفوظ کر دینے وغیرہ کا حکم فرمایا تھا۔

لیکن موجودہ دور میں عام طور پر لکھائی اور چھپائی پختہ روشنائی سے ہوتی ہے، جس کو مٹانا ممکن نہیں ہوتا، اور دوسرے کاغذ وغیرہ کے ایسے مواد پر لکھائی اور چھپائی کا کام ہوتا ہے، جو پانی وغیرہ جیسی رقیق چیز لگانے سے خود ناکارہ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں پانی سے دھو کر نقوش کو مٹانا ممکن نہیں ہوتا۔

جبکہ موجودہ دور میں اہلِ علم حضرات کا ایک طبقہ اس طرح کے مواد کو پانی میں بہادینے، یا دریا وغیرہ میں ڈال دینے پر اصرار کرتا ہے، اور پانی میں بہانے، یا پانی میں ڈال دینے کی صورت میں عموماً اس طرح کا مواد، پانی، یا ہوا کے بہاؤ کی وجہ سے ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے، جو مزید بے

ادبی و بے احترامی کا باعث بنتا ہے۔

مگر ان حالات میں اہلِ علم حضرات کا یہ طبقہ، اس طرح کے مواد کو بے ادبی و بے احترامی سے بچانے کی خاطر جلانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں، بلکہ اس طرزِ عمل کو بے ادبی خیال کرتا ہے۔

مذکورہ اہلِ علم حضرات کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے، بہت سے عوام میں بھی اس طرح کا مواد جلانے کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے، اور اس طرزِ عمل کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا جاتا ہے، اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ جلانے کی ممانعت کے قول کی رُو سے خود قرآنی اوراق اور مقدس کلمات کی بے احترامی و بے ادبی لازم آتی ہے، جبکہ مذکورہ مقصد کے لیے جلانا، بے احترامی و بے ادبی کے بجائے، احترام وادب کو بجالانے میں داخل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر وجمہور فقہائے کرام، اور حنفیہ کے بڑے طبقے نے بھی مذکورہ مقصد کی خاطر، جلانے کی اجازت دی ہے، اور اس کی تائید، خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوتی ہے، اور موجودہ زمانے میں اس صورت پر ہر شخص کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے، بآسانی عمل بھی ممکن ہے۔

ہمیں ان اہلِ علم حضرات اور ان کے متبعین کے اس طرزِ عمل پر افسوس ہوتا ہے، جو جمود وتشدد اور غلو کے اس راستہ پر گامزن ہیں، جس کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔

فقہائے کرام کی تصریحات بھی اس طبقہ کے مذکورہ اور اس جیسے غلو وتشدد اور جمود پر مشتمل طرزِ عمل کے خلاف ہیں۔

اس مقصد کے لیے ایک سوال کے جواب میں کچھ تفصیل کے ساتھ کلام کیا گیا ہے، جس کو آنے والے اوراق میں نقل کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان 02 / محرم الحرام / 1442ھ بمطابق 22 / اگست / 2020ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

ناقابلِ انتفاع مقدس اوراق کو جلانے کا حکم

سوال

محترم جناب مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہٗ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

ہمارا ادارہ کئی سالوں سے مختلف مقامات اور مساجد و مکاتب وغیرہ سے، ناقابلِ استعمال قرآنی اوراق اور دینی کتب واخبارات اٹھاتا ہے، اور کراچی کے کئی چھوٹے ادارے کافی تعداد میں روزانہ کی بنیاد پر اس طرح کے مقدس اوراق کے بورے ہم تک پہنچاتے ہیں، ہم ان کو سمندر میں ٹھنڈا کرتے تھے، لیکن اب پاکستان نیوی کی طرف سے ممانعت کر دی گئی ہے، مزید یہ کہ اب سمندر میں ٹھنڈا کرنے سے بھی قرآنی اوراق کا ادب واحترام محفوظ نہ رہا، کیونکہ وہ سمندری موجوں اور ہواؤں کے زور پر تیرتے ہوئے، کناروں پر آجاتے ہیں، اور پھر مختلف طریقوں سے بے ادبی کا باعث بنتے ہیں، جس کی بہت سے حضرات نے شکایت کی ہے۔

چنانچہ اس وقت بھی نیٹی جیٹی پل، کراچی کے سامنے سیورج کے گندے پانی میں سینکڑوں مقدس اوراق کے بورے موجود ہیں، جس میں قرآن پاک کی بہت بے ادبی ہو رہی ہے۔

اور شہر سے دور گہرے کنویں بھی اب ختم ہوتے جارہے ہیں، ہمیں بہت مایوسی ہو رہی ہے کہ ہماری محنت ضائع ہو رہی ہے کہ مقدس اوراق کو بے احترامی وبے ادبی سے بچانے کی خاطر، خود بے احترامی وبے ادبی لازم آرہی ہے۔

اور اتنی بڑی مقدار کو محفوظ مقامات میں ادب واحترام کے ساتھ، دفن کرنا بھی اب تقریباً ناممکن ہو چکا ہے، کیونکہ نہ اتنی وسیع وعریض محفوظ جگہ میسر ہے، اور نہ ہی اس میں ادب واحترام کے ساتھ دفن کرنے کا انتظام موجود ہے۔

اس کے علاوہ قرآنی اوراق کو سمندر، یا کنووں وغیرہ میں ڈالنے اور دفن کرنے سے، نہ یہ سالہا

سال تک گلتے ہیں، نہ ہی مٹی کے ساتھ مٹی ہوتے ہیں، بلکہ بارش کے بعد پانی میں بہہ جاتے ہیں، اور گندے ندی نالوں میں جاتے ہیں اور بہت بے ادبی ہوتی ہے۔

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ بوسیدہ قرآنی اوراق کو ہمیشہ کے لیے بے ادبی سے بچانے کے لیے اس کو پاک جگہ میں جلا کر اس کی راکھ کو پاک جگہ ڈال دیا جائے، یا دفن کر دیا جائے، یا اس راکھ کو پاک صاف پانی میں بہا دیا جائے، کیا یہ درست ہے؟ یا کوئی ایسا طریقہ بتائیں، جو ممکن اور آسان ہو اور دوبارہ بے ادبی کا امکان نہ رہے۔

مفتی صاحب! یہ مسئلہ اب سنگین صورت اختیار کر چکا ہے، ایک تو سمندر میں ڈالنے کی پابندی اور بے ادبی کی وجہ سے، دوسرے محفوظ کنوؤں کے ختم ہو جانے اور دفن کی محفوظ اور احترام والی جگہ میسر نہ آنے، اور اس کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے۔

جب اس سلسلے میں مختلف مکاتبِ فکر کے مفتیانِ کرام سے حل کی درخواست کی گئی، تو انہوں نے پانی میں بہانے، یا دفن کرنے کے علاوہ، کوئی تیسرا قابلِ عمل اور سہل راستہ نہیں بتلایا، اور بعض حضرات نے جلانے کو بے ادبی و بے احترامی اور تعزیراتِ پاکستان کے تحت قابلِ سزا جرم قرار دیا، جبکہ مقدس اوراق کو جلانے سے، ہمارا مقصود بے ادبی و بے احترامی ہرگز نہیں، بلکہ ان کو بے ادبی و بے احترامی سے بچانا مقصود ہے۔

اب ہم روزانہ ہزاروں کی تعداد میں مقدس اوراق کے بورے کہاں لے کر جائیں؟ اسی وجہ سے کئی چھوٹے اداروں نے کام بند کر دیا ہے، اگر ہمیں تیسرا راستہ نہیں ملتا، تو ہمیں بھی مجبوراً یہ کام بند کرنا پڑے گا۔

رہنمائی فرما کر ہماری اس مشکل کو آسان کر دیں، اور قرآن و سنت اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بے ادبی و بے احترامی سے بچنے کی خاطر جلانے کی، اگر گنجائش ہو، تو باحوالہ ہمیں اس پر فتویٰ تحریر فرما دیں، آپ کی نوازش ہوگی۔

محمد عرفان بغدادی الحافی خادم: بشر حافی فاؤنڈیشن (مقدس اوراق کی خدمت کا ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

قرآن مجید اور اللہ اور اس کے رسول کے نام وکلمات پر مشتمل، مقدس اوراق کو اہانت کے طور پر آگ میں جلانا، یا اہانت کے طور پر اس کے حروف ونقوش کو مٹانا جائز نہیں، اور اگر کوئی مسلمان اس طرح کا عمل اہانت کے طور پر قصداً وعمداً کرے، تو اس سے کفر لازم آجاتا ہے۔

پاکستان میں بھی آرڈیننس ون 1982ء کے ذریعے تعزیرات دفعہ 295۔بی، شامل کی گئی، جس کی رو سے جان بوجھ کر قرآن مجید، یا آیاتِ مقدسہ کی بے حرمتی کرنا، جرم قرار دیا گیا اور اس جرم کا ارتکاب کرنے پر مجرم کے لئے، سخت سزا مقرر کی گئی۔

البتہ اگر قرآن مجید، اور مقدس اوراق کے بوسیدہ و پرانا ہونے، یا ان میں اغلاط ہونے کی وجہ سے، ان سے انتفاع مشکل ہو، اور ان کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر آگ میں جلانے کی ضرورت پیش آئے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کی گنجائش اور خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ودیگر صحابۂ کرام وتابعین سے اس کا ثبوت پایا جاتا ہے، خاص طور پر جبکہ اس طرح کے مواد کو پاک وصاف پانی سے دھو کر مٹانا، نیز اس طرح کے مواد کو ایسی پاک وصاف جگہ دفن کرنا مشکل ہو، جہاں کسی کے پاؤں نہ پڑتے ہوں، جیسا کہ آج کل اس طرح کے کثیر مواد کو شہروں میں دفن کرنے کی پاک اور قابلِ احترام جگہیں میسر آنا مشکل ہے۔

خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافتِ راشدہ کے دور میں صحابۂ کرام کے اتفاقِ رائے سے مسلمانوں کو قرآن مجید کے ایک طرح کے نسخے پر جمع فرمایا تھا، اور اس نسخہ کے علاوہ جن لوگوں کے پاس اپنے اپنے نسخے تھے، جن میں باہم کچھ فرق پایا جاتا تھا، ان کو جلانے، مٹانے، اور دفن وغیرہ کرنے کا حکم فرمایا تھا، جس کا ذکر مستند ومعتبر احادیث وروایات میں آیا ہے۔

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت مقدس اور قرآنی اوراق کو بے ادبی و بے احترامی

وغیرہ سے بچانے کی خاطر جلا دینا بھی جائز ہے۔

اور اسی بناء پر جمہور فقہائے کرام یعنی مالکی، شافعی اور حنبلی فقہائے کرام کے نزدیک نا قابلِ انتفاع مقدس اور قرآنی اوراق کو بے ادبی سے بچانے کے لئے جلانا بھی بلا کراہت جائز ہے، اور اسی کے بعض محققینِ حنفیہ بھی قائل ہیں۔

لیکن بعض مشائخِ حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید اور دینی مضامین کے اوراق اور نسخوں کو بے ادبی سے بچانے کے لئے جلانا مکروہ ہے۔

اور اس کے بجائے ان کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاکیزہ جگہ میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہوتی ہو، مسلمان میت کی طرح، احتیاط کے ساتھ دفن کر دینا چاہیے، یا پاک وصاف پانی سے دھو کر نقوش کو مٹا دینا چاہیے، یا ایسی جگہ رکھ دینا چاہیے، جہاں بے وضو آدمی کا ہاتھ نہ پہنچے، اور نہ ہی ان اوراق کو گرد و غبار لگے، اور نہ کوئی گندگی پہنچے۔ [1]

لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ مشائخِ حنفیہ کے نزدیک نا قابلِ انتفاع قرآنی اوراق

---

[1] الأصل أن المصحف الصالح للقراء ة لا يحرق، لحرمته، وإذا أحرق امتهانا يكون كفرا عند جميع الفقهاء .

وهناك بعض المسائل الفرعية، منها :

قال الحنفية :المصحف إذا صار خلقا، وتعذر القراء ة منه، لا يحرق بالنار، بل يدفن، كالمسلم.

وذلك بأن يلف فى خرقة طاهرة ثم يدفن .وتكره إذابة درهم عليه آية، إلا إذا كسر، فحينئذ لا يكره إذابته، لتفرق الحروف، أو؛ لأن الباقى دون آية.

وقال المالكية :حرق المصحف الخلق إن كان على وجه صيانته فلا ضرر، بل ربما وجب .

وقال الشافعية :الخشبة المنقوش عليها قرآن فى حرقها أربعة أحوال :يكره حرقها لحاجة الطبخ مثلا، وإن قصد بحرقها إحرازها لم يكره، وإن لم يكن الحرق لحاجة، وإنما فعله عبثا فيحرم، وإن قصد الامتهان فظاهر أنه يكفر.

وذهب الحنابلة إلى جواز تحريق المصحف غير الصالح للقراء ة .

أما كتب الحديث والفقه وغيرها فقال المالكية :إن كان على وجه الاستخفاف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کوجلانے کے مکروہ ہونے کا قول ''کراہتِ تنزیہی'' پرمحمول ہے، کیونکہ جواز اور کراہت کے اقوال میں تطبیق اسی طرح بہتر طریقے پر ممکن ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ کراہتِ تنزیہی کا ارتکاب گناہ نہیں کہلاتا۔

نیز جس مسئلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہو، ان میں سے کسی کے قول پرعمل کرنے والے پرنکیر کرنا بھی درست نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ باحوالہ آگے آتا ہے۔

اور جب جلانے کے علاوہ ادب واحترام کی دوسری صورتیں میسر نہ ہوں، یا دوسری صورتوں کو اختیار کرنے سے بے ادبی وبے احترامی لازم آتی ہو، تو پھر بے ادبی وبے احترامی سے بچانے کی خاطر جلانے کے قول پرعمل کرنا متعین ہوجاتا ہے۔

آگے اس سلسلے میں چند احادیث وروایات اور عبارات وفتاویٰ جات نقل کیے جاتے ہیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإحراقها كفر مثل القرآن، وأيضا أسماء الله وأسماء الأنبياء المقرونة بما يدل على ذلك مثل " :عليه الصلاة والسلام "لا مطلق الأسماء .

وقال الحنفية :هذه الكتب إذا كان يتعذر الانتفاع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۱۲۳، ۱۲۴، مادة "احراق")

وقال الحنفية :الكتب التي لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي، ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كما هي، أو تدفن وهو أحسن كما في الأنبياء ، وكذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت عن الانتفاع بها.

قال ابن عابدين :وفي الذخيرة :المصحف إذا صار خلقا وتعذرت القراء ة منه لا يحرق بالنار، وإليه أشار محمد وبه نأخذ، ولا يكره دفنه، وينبغي أن يلف بخرقة طاهرة ويلحد له؛ لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير، إلا إذا جعل فوقه سقف، وإن شاء غسله بالماء ، أو وضعه في موضع طاهر لا تصل إليه يد محدث ولا غبار ولا قذر، تعظيما لكلام الله عز وجل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۱۹۲، مادة " كتاب ")

وَأَرْسَلَ إِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ، أَنْ يُّحْرَقَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ۴۹۸۷، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

ترجمہ: اور (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے) جو مصاحف لکھوائے، ان میں سے ایک ایک تمام علاقوں میں بھیج دیا اور حکم دے دیا کہ اس کے سوا جو قرآن (کسی کے پاس بھی) صحیفہ، یا مصحف میں ہے، اس کو جلا دیا جائے (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

وَبَعَثَ إِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا، وَأَمَرَ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْقُرْآنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُّمْحٰى أَوْ يُحْرَقَ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۵۰۶، كتاب السير)[1]

ترجمہ: اور (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے) لکھوائے ہوئے مصاحف میں سے ایک ایک نسخہ تمام علاقوں میں بھیج دیا، اور حکم دے دیا کہ اس نسخہ کے سوائے جو قرآنی صحیفہ یا مصحف (کسی کے پاس) ہو، اس کو مٹا دیا، یا جلا دیا جائے (ابن حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لکھوائے ہوئے نسخوں کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر نسخوں کے مٹانے، یا جلانے کا حکم فرمایا تھا، اور مذکورہ روایات میں "نسخوا" سے مراد وہ نسخے ہیں، جو انہوں نے لکھوائے تھے، نہ کہ منسوخ شدہ نسخے۔[2]

بعض دوسری روایات میں بھی خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے دوسرے

---

[1] قال شعيب الارنوؤط:
إسناده صحيح على شرطهما (حاشية صحيح ابن حبان)

[2] نسخوا سبعة مصاحف فأرسل بستةٍ إلى مكة، والشام، واليمن، والبحرين، والبصرة، والكوفة، وبقى واحدة بالمدينة (التَّحبير لإيضَاح مَعَانى التَّيسير للصنعانى، ج۲ص ۵۰۹، حرف التاء، كتاب: تأليف القرآن وترتيبه وجمعه)
(حتى إذا نسخوا) أى: كتبوا (مرقاة المفاتيح، ج۴، ص ۱۵۱۹، كتاب فضائل القرآن)

نسخوں کو مٹانے، یا جلانے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

جن کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت، قرآنی اور مقدس اوراق کو بے ادبی و بے احترامی وغیرہ سے بچانے کی خاطر جلا دینا جائز ہے۔

امام نووی کا حوالہ

صحیح مسلم کے عظیم شارح ومحدث امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] فكتبوا الصحف في المصاحف، فبعث إلى كل أفق بمصحف، وأمر بما سوى ذلك من القرآن في كل صحيفة أن تمحى أو تحرق(السنن الكبرى للبيهقي،رقم الحديث ۲۴۰۹، كتاب الصلاة، باب الدليل على أن ما جمعته مصاحف الصحابة – رضي الله عنهم – كله قرآن ، الخ)

عن أبي قلابة قال :لما كان في خلافة عثمان جعل المعلم يعلم قراء ة الرجل ، والمعلم يعلم قراء ة الرجل ، فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين قال أيوب :لا أعلمه إلا قال :حتى كفر بعضهم بقراء ة بعض ، فبلغ ذلك عثمان ، فقام خطيبا فقال : أنتم عندي تختلفون فيه فتلحنون ، فمن نأى عني من الأمصار أشد فيه اختلافا ، وأشد لحنا ، اجتمعوا يا أصحاب محمد واكتبوا للناس إماما قال أبو قلابة :فحدثني أنس بن مالك (قال أبو بكر :هذا مالك بن أنس) قال :كنت فيمن أملي عليهم فربما اختلفوا في الآية فيذكرون الرجل قد تلقاها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولعله أن يكون غائبا ، أو في بعض البوادي ، فيكتبون ما قبلها وما بعدها ، ويدعون موضعها حتى يجيء أو يرسل إليه ، فلما فرغ من المصحف كتب إلى أهل الأمصار :أني قد صنعت كذا محوت ما عندي فامحوا ما عندكم(المصاحف لابنِ ابی داوٗد، ص۹۵، ۹۶، جمع عثمان رحمة الله عليه المصاحف)

أنس بن مالك، أن حذيفة بن اليمان، قدم على عثمان بن عفان، وكان يغزو مع أهل العراق قبل أرمينية في غزوهم ذلك فيمن اجتمع من أهل العراق، وأهل الشام، فتنازعوا في القرآن حتى سمع حذيفة اختلافهم فيه ما زعره، فركب حذيفة حتى قدم على عثمان، فقال :يا أمير المؤمنين أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في القرآن اختلاف اليهود والنصارى في الكتب ؛ ففزع لذلك عثمان بن عفان، فأرسل إلى حفصة بنت عمر أن أرسلي إلي بالمصحف التي جمع فيها القرآن، فأرسلت إليه بها حفصة، فأمر عثمان زيد بن ثابت، وسعيد بن العاص، وعبد الله بن الزبير، وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام أن ينسخوها في المصاحف، وقال لهم :إذا اختلفتم أنت وزيد بن ثابت في عربية من عربية القرآن فاكتبوها بلسان قريش، فإن القرآن إنما نزل بلسانهم، ففعلوا حتى كتبت المصاحف، ثم رد عثمان المصحف إلى حفصة، وأرسل إلى كل جند من أجناد المسلمين بمصحف، وأمرهم أن يحرقوا كل مصحف يخالف المصحف الذي أرسل به، فذلك زمان حرقت المصاحف بالنار(مسند الشاميين،للطبرانی،رقم الحديث ۱۹۹۲، ج۴ص۱۵۶)

اَلسَّابِعَةُ عَشَرَ جَوَازُ إِحْرَاقِ وَرَقَةٍ فِيْهَا ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى لِمَصْلَحَةٍ كَمَا فَعَلَ عُثْمَانُ وَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِالْمَصَاحِفِ الَّتِيْ هِيَ غَيْرُ مُصْحَفِهِ الَّذِيْ أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلَيْهِ وَكَانَ ذٰلِكَ صِيَانَةً فَهِيَ حَاجَةٌ (شرح النووی علیٰ مسلم، ج۷ ا ص ۱۰۱، کتاب التوبة، باب حدیث توبة کعب بن مالک وصاحبیه)

ترجمہ: (حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے) سترھویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس ورقہ کے اندر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، اُسے کسی مصلحت سے جلانا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عثمان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کے اُن نسخوں کے ساتھ کیا تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اُس نسخہ کے علاوہ تھے، جس پر صحابۂ کرام کا اجماع ہوا تھا، اور یہ حفاظت کی غرض سے کیا تھا، پس یہ ایک ضرورت تھی (نووی)

علامہ ابنِ بطال کا حوالہ

علامہ ابنِ بطال، صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وفی أمر عثمان بتحريق الصحف والمصاحف حين جمع القرآن جواز تحريق الكتب التی فيها أسماء اللّٰه تعالٰی وأن ذلک إكرام لها، وصيانة من الوطء بالأقدام وطرحها فی ضياع من الأرض . وروى معمر، عن ابن طاوس، عن أبيه أنه كان يحرق الصحف إذا اجتمعت عنده الرسائل فيها بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، وحرق عروة بن الزبير كتب فقه كانت عنده يوم الحرة، وكره إبراهيم أن تحرق الصحف إذا كان فيها ذكر اللّٰه، وقول من حرقها أولى

بالصواب .وقد قال أبو بكر بن الطيب :جائز للإمام تحريق الصحف التى فيها القرآن إذا أداه الاجتهاد إلى ذلك (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج١٠، ص٢٢٦، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

ترجمہ: اورقرآن مجید کو جمع کرنے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید کے نسخوں کو جلانے کا حکم فرمانے سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے مبارک نام ہوتے ہیں، ان کو جلانا جائز ہے، اور یہ (یعنی جلانا، اہانت نہیں ہے، بلکہ) ان کتابوں کا اکرام ہے، اوران کے پیروں کے نیچے آنے اورزمین میں یونہی بے کار پھینکنے سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اورحضرت معمر نے ابنِ طاوس اورانہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ جب ان کے پاس مختلف خطوط و رسائل جمع ہو جاتے تھے، جن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی (لکھی) ہوتی تھی، تو وہ ان کو جلا دیا کرتے تھے، اور حضرت عروہ بن زبیر نے حرہ کے واقعہ کے موقع پر اپنے پاس موجود فقہ کی کتابوں کو جلا دیا تھا، اور ابراہیم نخعی نے کتابوں کے نسخوں کے جلانے کو مکروہ قرار دیا ہے، جب کہ ان میں اللہ کا نام ہو، اور جلانے کو جائز قرار دینے والوں کا قول درستگی کے زیادہ قریب ہے، اور ابو بکر بن طیب نے فرمایا کہ حاکم کے لئے ان نسخوں کا جلانا جائز ہے، جن میں قرآن مجید ہو، جب کہ اس کا اجتہاد اس کو مناسب سمجھے (شرح صحیح بخاری لابنِ بطال)

شمسُ الدین سفیری کا حوالہ

شمسُ الدین محمد بن عمر سفیری (المتوفیٰ:956ہجری) صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهل الحرق أولى أو الغسل بالماء ؟ قال بعضهم :الحرق أولى من الغسل، لأنها بعد الغسل قد تقع على الأرض، ولا يكره

الحرق إذا تعلق به غرض صحيح، كما إذا خاف أن توطأ تلك الورقة أو تستعمل في غير القراءة، فقد أحرق عثمان مصاحف، وكان فيها آيات وقرآن منسوخ ولم ينكر عليه.

قال الزركشي :نعم يكره الحرق لغير حاجة (شرح صحيح البخاری لشمس الدين السفيری، ج۲، ص ۲۴، كتاب بدء الوحی)

ترجمہ: اور کیا (ان مصاحف اور قرآنی نسخوں کو) جلانا افضل ہے، یا پانی سے دھونا؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دھونے کے بجائے جلانا زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ بعض اوقات وہ دھونے کے بعد زمین پر گرتا ہے (جس کی بے ادبی کا خدشہ ہوتا ہے) اور جلانا اُس صورت میں مکروہ نہیں، جب کہ اس سے کوئی صحیح غرض وابستہ ہو، مثلاً یہ خوف ہو کہ اس ورقہ کی پیروں تلے روند کر بے ادبی ہوگی، یا قرائت کے علاوہ کسی اور چیز (مثلاً ردّی) میں استعمال ہوگا (تو اس صورت میں جلانا مکروہ نہیں) کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی مصاحف کو جلایا تھا، جس میں آیات تھیں، اور قرآن کا منسوخ حصہ بھی تھا، اور اس پر (ان کے مبارک دور میں) نکیر نہیں کی گئی۔

اور زرکشی نے فرمایا کہ البتہ بلاضرورت جلانا مکروہ ہے (سفیری)

اس سے معلوم ہوا کہ بے ادبی سے بچانے کی غرض سے دھونے اور جلانے کے جواز کے ساتھ ساتھ ان میں سے افضل طریقہ کے متعلق اختلاف ہے۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جو طریقہ بھی حسبِ ضرورت اختیار کیا جائے، اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں۔

خاص طور پر جب جلانے کے علاوہ دوسرے ذرائع مشکل ہوں، تو جلانے کے جائز ہونے میں تامل، یا عدمِ جواز پر اصرار کرنا، بے جا غلو ہے۔

علامہ عینی حنفی اور علامہ بکری شافعی کا حوالہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی اور محمد علی بن محمد بن علان بکری شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

وجواز إحراق ورقة فيها ذكر اللّٰه إذا كان لمصلحة (عمدة القارى، ج١٨ ص٥٥، كتاب المغازى، فى حديث كعب بن مالك، باب غزوة تبوك، دليل الفالحين، ج ١ ص ١٤٠، باب التوبة)

ترجمہ: اور (حضرت کعب کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ) جس ورقہ میں اللہ کا ذکر ہو، اس کو جلانا جائز ہے، جبکہ کسی مصلحت سے ایسا کیا جائے (عمدۃ القاری، دلیل الفالحین)

اس سے معلوم ہوا کہ مقدس اوراق کا کسی مصلحت سے جلانا جائز ہے، اور مقدس اوراق کو بے ادبی سے بچانے کا مقصد اہم مصلحت میں داخل ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

علامہ ابنِ حجر ہیتمی اور عبدالحمید شروانی کا حوالہ

علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی فرماتے ہیں:

ويكره حرق ما كتب عليه إلا لغرض نحو صيانة ومنه تحريق عثمان رضى الله عنه للمصاحف والغسل أولى منه (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج ١، ص ١٥٥، كتاب احكام الطهارة، باب اسباب الحدث)

ترجمہ: اور اس چیز (یعنی تختی، کاغذ وغیرہ) کو جلانا مکروہ ہے، جس پر قرآن مجید لکھا ہوا ہو، مگر (بے ادبی وغیرہ سے) حفاظت وغیرہ کی غرض سے جلانا مکروہ نہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحف کو جلانا، اسی (حفاظت وغیرہ کے) قبیل سے تھا، اور جلانے کے مقابلہ میں دھودینا، زیادہ بہتر ہے (تحفۃ المحتاج)

مذکورہ عبارت کی شرح میں ''عبدالحمید شروانی'' فرماتے ہیں:

(قوله :والغسل أولى منه) أى إذا تيسر ولم يخش وقوع الغسالة على الأرض وإلا فالتحريق أولى بجيرمى عبارة البصرى.

قال الشيخ عز الدين وطريقه أن يغسله بالماء أو يحرقه بالنار قال بعضهم إن الإحراق أولى؛ لأن الغسالة قد تقع على الأرض (حاشية الشروانى،على تحفة المحتاج،ج ا،ص ۵۵ ا،كتاب الجنائز)

ترجمہ: مصنف کا یہ قول کہ (مقدس اوراق کو) جلانے کے مقابلہ میں دھونا بہتر ہے، یہ اس صورت میں ہے، جبکہ دھونا آسان ہو، اور دھلے ہوئے پانی کے زمین پر گرنے کا خوف نہ ہو، ورنہ جلا دینا اولیٰ و بہتر ہوگا، بجیرمی کی بصری کی عبارت اسی طرح ہے۔

شیخ عزالدین (بن عبدالسلام شافعی) نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو پانی سے دھودے، یا آگ میں جلا دے، بعض نے فرمایا کہ جلا دینا اولیٰ و بہتر ہے، کیونکہ دھلا ہوا پانی، بعض اوقات زمین پر گر جاتا ہے (حاشیۃ الشروانی)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے مقدس اور قرآنی اوراق کو دھونا اور جلانا دونوں طریقے جائز ہیں، اور ان میں سے افضل طریقہ میں اختلاف ہے، افضلیت اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ انسان کو ان میں سے کونسے طریقہ پر عمل کرنا ممکن، قابلِ عمل، یا سہل ہے۔

ظاہر ہے کہ بعض اوقات دھونا ممکن، یا سہل نہیں ہوتا، بالخصوص موجودہ دور میں جب پختہ کاغذ پر سیاہی سے لکھائی ہوتی ہے، جس کو مٹانا ممکن نہیں ہوتا، اور اس کے مقابلہ میں، جلا دینا ممکن اور سہل ہے، جس پر ہر شخص اپنے اپنے مقام پر بآسانی عمل کرسکتا ہے، اور افضلیت اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ کس طریقہ پر عمل کرنے سے بے ادبی سے زیادہ حفاظت پائی جاتی ہے۔

علامہ زکریا بن محمد انصاری اور علامہ رملی کا حوالہ

زکریا بن محمد انصاری سنیکی فرماتے ہیں:

(و) یکره (إحراق خشب نقش به) أی بالقرآن نعم إن قصد به صیانة القرآن فلا کراهة وعلیه یحمل تحریق عثمان رضی الله عنه المصاحف.

وقد قال ابن عبد السلام من وجد ورقة فیها البسملة ونحوها لا یجعلها فی شق ولا غیره لأنها قد تسقط فتوطأ وطریقه أن یغسلها بالماء أو یحرقها بالنار صیانة لاسم الله تعالی عن تعرضه للامتهان

(اسنی المطالب، ج ۱، ص ۶۲، کتاب الطهارة، باب الاحداث، فصل ما یحرم بالحدث)

ترجمہ: اور اس تختی (یا کاغذ وغیرہ) کا جلانا مکروہ ہے، جس پر قرآن مجید لکھا ہوا ہو، البتہ اگر اس سے قرآن کی (بے ادبی وغیرہ سے) حفاظت مقصود ہو، تو پھر مکروہ نہیں، اور اسی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحف کو جلانا محمول کیا جاتا ہے۔

اور (عزالدین) ابنِ عبدالسلام (شافعی) نے فرمایا کہ جس نے ایسا کاغذ پایا، جس میں بسم اللہ، یا اس جیسی کوئی چیز (مثلاً آیت، یا سورت) لکھی ہوئی ہے، تو اس کو کسی سوراخ وغیرہ میں نہ رکھے، کیونکہ وہ کاغذ بعض اوقات نیچے گر جاتا ہے، پھر پاؤں تلے آتا ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو پانی سے دھو دے، یا اس کو آگ میں جلا دے، اللہ تعالیٰ کے نامِ نامی (وکلامِ الٰہی) کو بے احترامی سے بچانے کے لیے (اسنی المطالب)

علامہ رملی، مذکورہ عبارت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

(قوله :صیانة لاسم الله تعالی عن تعرضه للامتهان) ، وقال

بعضهم :إن الإحراق أولى من الغسل لأن الغسالة قد تقع على الأرض (حاشية الرملي الكبير على اسنى المطالب، ج ا ،ص ٦٢،باب الأحداث،فصل ما يحرم بالحدث)

ترجمہ: مصنف کا یہ قول کہ ''اللہ تعالیٰ کے نامِ نامی کو بے احترامی سے بچانے کے لیے'' بعض نے فرمایا کہ جلا دینا بہتر ہے، دھونے کے مقابلہ میں، کیونکہ بعض اوقات دھلا ہوا پانی زمین پر گرتا ہے (حاشیۃُ الرملی)

مذکورہ عبارات سے بھی معلوم ہوا کہ جلا دینا بھی جائز ہے، اور دھو دینا بھی، ان میں سے حسبِ ضرورت وحسبِ سہولت، جس قول پر بھی عمل کیا جائے، گناہ نہیں۔

بلکہ اگر ادب واحترام کے ساتھ دھو کر مٹانا ممکن نہ ہو، یا اس میں بے ادبی کا احتمال ہو، تو پھر جلا دینا افضل ہے۔

اور اس کی دلیل خلیفۂ راشد، جامعِ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ آج کل کی پختہ چھپائی والی روشنائی کو کاغذ سے دھو کر مٹانا ممکن نہیں ہوتا، اور اسی وجہ سے جب مقدس تحریرات پر مشتمل اوراق اور مواد کو سمندر، یا دریا برد کیا جاتا ہے، تو عرصۂ دراز تک نہ اس کی روشنائی اور لکھائی ختم ہوتی، اور نہ ہی کاغذ وغیرہ پوری طرح سے تلف ہوتا، اور اس کے نتیجے میں وہ مواد اور اوراق، ہوا سے اڑ کر، یا پانی کے ذریعے تیر کر بے ادبی والے مقام پر پہنچتے ہیں، ایسی صورت میں بے ادبی سے بچانے کے لیے جلا دینا افضل ہوگا، خصوصاً جبکہ ادب واحترام کے ساتھ، اس قدر کثیر مواد کو پاک وصاف جگہ دفن کرنے کا میسر آنا بھی مشکل ہو رہا ہو۔ [1]

---

[1] قوله :(وعليه يحمل تحريق عثمان إلخ) وقد قال ابن عبد السلام :من وجد ورقة فيها البسملة ونحوها لا يجعلها فى شق ولا غيره؛ لأنها قد تسقط فتوطأ وطريقه أن يغسلها بالماء أو يحرقها بالنار صيانة لاسم الله تعالى عن تعرضه للامتهان شرح الروض، وإذا تيسر الغسل ولم يخش وقوع الغسالة على الأرض فهو أولى، وإلا فالتحريق أولى(حاشية البجيرمي على الخطيب، ج ا ،ص ٣٧٢، كتاب بيان أحكام الطهارة،فصل فى الحيض والنفاس والاستحاضة)

''تحفۃُ الاحوذی'' کا حوالہ

اہلِ حدیث مسلک کے مشہور عالم علامہ مبارکپوری (المتوفیٰ:1353ہجری) ''سنن الترمذی'' کی شرح ''تحفۃُ الاحوذی'' میں فرماتے ہیں:

قلت لو تأملت عرفت أن الاحتياط هو فی الإحراق دون الدفن ولهذا اختار عثمان رضی الله عنه ذلک (تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، ج۸ص ۲۱۴، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اگر آپ غور کریں گے، تو یہ بات پہچان لیں گے کہ احتیاط جلانے میں ہے، نہ کہ دفن کرنے میں، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلانے کے طریقہ کو اختیار فرمایا (تحفۃ الاحوذی)

مطلب یہ ہے کہ جلانے میں نقوش وحروف بالکل ختم ہوجاتے ہیں، اورآئندہ ان کی بے ادبی واہانت کی صورت باقی نہیں رہتی، اس لیے جلادینا بہتر اور احتیاط پر مبنی ہے۔

''مرعاۃُ المفاتیح'' کا حوالہ

اہلِ حدیث سلسلے کے ایک دوسرے عالم، ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام مبارکپوری (المتوفیٰ:1414ہجری) ''مشکاۃُ المصابیح'' کی شرح ''مرعاۃُ المفاتیح'' میں ''صاحبِ تحفۃُ الاحوذی'' کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: وإحراقه بقصد صيانته بالكلية لا امتهان فيه بوجه بل فيه دفع سائر صور الإهانة فهو الأولى بل المتعين، وأما القول بتعين الغسل ففساده ظاهر مع أنه لا يمكن فی الأوراق المطبوعة كما لا يخفى(مرعاة المفاتیح، ج۷ص ۳۳۰، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (مقدس وبوسیدہ اور نا قابلِ استعمال) قرآن (کے نسخوں) کو جلا دینا، جبکہ اس کی بالکلیہ حفاظت کے پیشِ نظر ہو، اس میں کسی حیثیت سے بھی اہانت و بے ادبی کا تصور نہیں پایا جاتا، بلکہ اس میں اہانت و بے ادبی کی تمام صورتوں سے حفاظت پائی جاتی ہے، لہٰذا یہی صورت بہتر، بلکہ (موجودہ دور میں) متعین ہے، جہاں تک دھو دینے کے متعین ہونے کا قول ہے، تو اس کا فساد ظاہر ہے، باوجودیکہ موجودہ دور کے مطبوعہ اوراق کا دھو دینا ممکن بھی نہیں ہے، جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں (مرعاۃ المفاتیح)

مطلب یہ ہے کہ جو لکھائی ایسی ہو کہ پانی وغیرہ سے مٹائی جاسکتی ہو، اس کو تو دھو کر مٹانا ممکن ہے، لیکن موجودہ دور میں کاغذ پر مطبوعہ، پختہ تحریر اور لکھائی کو دھو کر مٹانا ممکن نہیں (الّا یہ کہ کاغذ اور اوراق کا ہی گودا وغیرہ بنایا جائے، یا کاغذ کو ریزہ ریزہ کیا جائے) ایسی صورت میں جلا دینا سب سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں نقوش وحروف کا وجود ختم ہوجانے کی وجہ سے اہانت و بے ادبی کی تمام صورتوں کا بالکلیہ خاتمہ ہوجاتا ہے، اور جلا دینا ہر شخص کے لیے بآسانی ممکن بھی ہے کہ یہ کام اپنے مقام پر رہتے ہوئے ہر شخص بآسانی انجام دے سکتا ہے، اس صورت میں دوسرے لوگوں، یا کسی ادارہ کی مدد لینے، یا اوراق اور مواد کو کسی دوسری جگہ پہنچانے کی بھی ضرورت نہیں، برخلاف دفن کردینے، یا دوسری صورتوں کے کہ ان پر موجودہ زمانہ میں ہر شخص کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے عمل کرنا سہل، بلکہ ممکن نہیں۔

محمد بن محمد مختار شنقیطی کا حوالہ

محمد بن محمد مختار شنقیطی فرماتے ہیں:

حرق المصاحف يجوز إذا تلفت وخشي عليها الضرر، وهذا استنبطه طائفة من العلماء من فعل الصحابة رضوان الله عليهم،

فإن عثمان رضى الله عنه لما نسخ المصحف الإمام أمر بإحراق بقية المصاحف.

فدل هذا على أنه إذا وجد ضرر على القرآن كأن يكون فى موضع يمتهن فيه أو موضع يخشى أن يتطاير ورقه فيمتهن فيجوز حرقه

(شرح زاد المستقنع، لمحمد بن محمد المختار الشنقيطي، رقم الدرس ١٩١، ص١٣، دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، كتاب البيع، باب الحواله، حكم حرق أوراق القرآن إذا كان ممزقا)

ترجمہ: قرآن مجید کے نسخے جب تلف ہو جائیں، اور ان کے نقصان کا اندیشہ ہو، تو ان کو جلانا جائز ہے، علماء کی ایک جماعت نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل سے اس کی دلیل پکڑی ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ایک مرکزی نسخہ کو تحریر کرایا، تو قرآن مجید کے بقیہ نسخوں کو جلانے کا حکم فرمایا تھا۔

جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب قرآن کے متعلق کوئی ضرر لاحق ہو، مثلاً وہ ایسی جگہ میں ہو، جہاں اس کی بے اکرامی لازم آتی ہو، یا ایسی جگہ ہو کہ اس کے ورق اڑ کر بے اکرامی لازم آنے کا ڈر ہو، تو اس کو جلانا جائز ہے (شرح زاد المستقنع)

آج کل شہروں میں پائے جانے والے بوسیدہ اور ناقابلِ انتفاع اوراق اور مواد کی بڑی مقدار کو ادب و احترام کے ساتھ دفن کرنا، تو مشکل ہوتا ہے، اور دریا بُرد وغیرہ کرنے کی صورت میں اس کے اوراق اڑ کر، یا بہہ کر ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں ان کی بے اکرامی لازم آتی ہے، ایسی صورت میں ان کو بے اکرامی اور بے احترامی سے بچانے کے لیے جلانا جائز ہوگا۔

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' کا حوالہ

حکومتِ سعودیہ نے عرصۂ دراز سے چیدہ چیدہ اور بڑے اصحابِ علم حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کررکھی ہے، جس کا نام ''اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء'' ہے، اس کمیٹی میں سعودی عرب کے مفتیِ اعظم بھی شامل ہوتے ہیں۔

اس کمیٹی میں عموماً اہم اور جدید مسائل پر اجتماعی انداز میں غور وفکر کے بعد فیصلے اور فتاویٰ جاری کیے جاتے ہیں۔

اس کمیٹی نے نا قابلِ استعمال اور بوسیدہ قرآنی اور مقدس اوراق پر چند فیصلے اور فتوے جاری کیے ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' کے ایک سوال کے جواب میں ہے:

ما تمزق من المصاحف والكتب والأوراق التي بها آيات من القرآن يدفن بمكان طيب، بعيد عن ممر الناس وعن مرامي القاذورات، أو يحرق؛ صيانة له، ومحافظة عليه من الامتهان؛ لفعل عثمان رضي الله عنه.

وبالله التوفيق .وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو // عضو // نائب رئيس اللجنة // الرئيس

عبد الله بن قعود // عبد الله بن غديان // عبد الرزاق عفيفي // عبد العزيز بن عبد الله بن باز

(فتاوى اللجنة الدائمة، ج٤ص١٣٨، ١٣٩، التفسير، ماذا يُعمل بالمصحف المغلوط أو الممزق، كيفية التخلص من المصاحف المزقة، رقم الفتوىٰ ٢٦٦٠، الناشر: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء – الإدارة العامة للطبع – الرياض)

ترجمہ: قرآن مجید اور دینی کتابیں اور مقدس اوراق جن میں قرآن کی آیات ہوں، اور وہ پھٹ جائیں، تو ان کو ایسی پاک جگہ میں دفن کردیا جائے گا، جو لوگوں کی گزرگاہ سے دور ہو، اور گندگی ڈالی جانے والی جگہ سے بھی دور ہو، یا ان کو جلا دیا جائے گا، ان کی حفاظت کے لیے، اور ان کو اہانت و بے احترامی سے بچانے کے لیے، جس کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل ہے۔

وبالله التوفيق .وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

رکن	رکن	نائب رئيس اللجنة	رئیس
عبداللہ بن قعود	عبداللہ بن غدیان	عبدالرزاق عفیفی	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

(فتاویٰ اللجنة)

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' کا دوسرا حوالہ

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' کے ایک اور سوال کے جواب میں ہے:

ما تمزق من أوراق المصحف، وكذلك الكتب المحترمة مما فيه ذكر الله أو أحاديث المصطفى صلى الله عليه وسلم فلا حرج في دفنه في مكان طاهر، أو إحراقه.

وبالله التوفيق .وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو // نائب رئيس اللجنة // الرئيس

عبد الله بن غديان // عبد الرزاق عفيفى // عبد العزيز بن عبد الله بن باز

(فتاوى اللجنة الدائمة ، ج۴ص ۱۴۱، ۱۴۲، التفسير،ماذا يُعمل بالمصحف المغلوط أو الممزق، حرق المصاحف الممزق والكتب المحترمة البالية، رقم الفتوىٰ ۹۸۵۰، الناشر: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء – الإدارة العامة للطبع – الرياض)

ترجمہ: قرآن مجید کے جواوراق پھٹ جائیں، اوراسی طریقہ سے مقدس کتابیں، جن میں اللہ کا ذکر ہو، یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہوں، ان کو پاک جگہ میں دفن کرنے، یاان کوجلادینے میں کوئی حرج نہیں۔

وبالله التوفيق .وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم
اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

رئیس	نائب رئيس اللجنة	رکن
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	عبدالرزاق عفیفی	عبداللہ بن غدیان

(فتاویٰ اللجنة)

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' کا تیسرا حوالہ

سعودی عرب کی ''اللجنةُ الدائمة'' نے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

قرآن مجید کے جواوراق پرانے ہوجائیں، یا پھٹ جائیں، اوران سے انتفاع مشکل ہوجائے، یا ان میں کتابت وطباعت کی غلطیاں ہوں، جن کی اصلاح مشکل ہو، توان کو پاک صاف جگہ اور بےادبی سے محفوظ مقام پر دفن کرنا بھی جائز ہے، اوران کوجلادینا بھی جائز ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابۂ کرام کے تعامل سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اورجلانے پر صحابۂ کرام کی طرف سے کوئی نکیر نہیں ملتی۔ [1]

---

[1] إذا بليت أوراق المصحف وتمزقت من كثرة القرائة فيها مثلًا، أو أصبحت غير صالحة للانتفاع بها، أو عثر فيها على أغلاط من إهمال من كتبها أو طبعها ولم يمكن إصلاحها جاز دفنها بلا تحريق، وجاز تحريقها ثم دفنها بمكان بعيد عن القاذورات ومواطء الأقدام، صيانة لها من الامتهان، وحفظًا للقرآن من أن يحصل فيه لبس أو تحريف أو اختلاف بانتشار المصاحف التى طرأت عليها أغلاط فى كتابتها أو طباعتها، وقد ثبت فى باب جمع القرآن من [صحيح البخارى] أن عثمان بن عفان رضى الله عنه أمر أربعة من خيار قراء الصحابة بنسخ مصاحف من المصحف الذى كان قد جمع بأمر أبى بكر رضى الله عنهم، فلما فرغوا من ذلک أرسل عثمان إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سوى ذلک من القرآن فى كل صحيفة ومصحف أن يحرق، ولم ينكر عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیخ محمد بن صالح عثیمین کا حوالہ

سعودی عرب کے مشہور عالمِ دین شیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین (المتوفی: 1421ہجری) فرماتے ہیں:

فيها طريقتان :

الطريقة الأولى :أن يدفنها في مكان نظيف طاهر لا يتعرض للإهانة في المستقبل حسب ظن الفاعل.

الطريقة الثانية :أن يحرقها وإحراقها جائز لا بأس به فإن الصحابة رضي الله عنهم لما وحدوا المصاحف على حرف قريش في عهد عثمان رضي الله عنه أحرقوا ما سوى هذا الموحد وهذا دليل على جواز إحراق المصحف الذي لا يمكن الانتفاع به.

ولكني أرى إن أحرقها أن يدقها حتى تتفتت وتكون رماداً ذلك لأن المحروق من المطبوع تبقى فيه الحروف ظاهرة بعد إحراقه ولا تزول إلا بدقّه حتى يكون كالرماد.

فضيلة الشيخ: أما إذا مزقت؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلك أحد من الصحابة، إلا ما روى عن ابن مسعود ، لكنه إنما أنكر قصر الناس على المصحف الذي أرسل به عثمان إلى الآفاق، ولم ينكر التحريق.

وبالله التوفيق .وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو // نائب رئيس اللجنة // الرئيس //

عبد الله بن منيع // عبد الله بن غديان // عبد الرزاق عفيفي //

(فتاوى اللجنة الدائمة ، ج۴ص ۱۴۰، ۱۴۱ ،ماذا يُعمل بالمصحف المغلوط أو الممزق، احراق المصاحف الممزقة او التي فيها غلط، رقم الفتوىٰ ۱۷۶ ،الناشر: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء – الإدارة العامة للطبع – الرياض)

فأجاب رحمه الله تعالى: إذا مزقت تبقى هذه طريقة ثالثة لكنها صعبة لأن التمزيق لابد أن يأتي على جميع الكلمات والحروف وهذه صعبة إلا أن توجد آلة تمزق تمزيقاً دقيقاً جداً بحيث لا تبقى صورة الحرف فتكون هذه طريقة ثالثة وهي جائزة (فتاویٰ نور على الدرب للعثيمين، ج۵ ص ۲، علوم القرآن والتفسير، حرق المصحف)

ترجمہ: قرآنی اور مقدس اوراق کو (بے احترامی سے بچانے کے) دوطریقے ہیں، پہلاطریقہ یہ ہے کہ ان کو پاک صاف جگہ میں دفن کردیا جائے کہ دفن کرنے والے کے گمان کے مطابق آئندہ ان کی اہانت (وبے احترامی) کی نوبت نہ آسکے۔

دوسراطریقہ یہ ہے کہ ان کوجلادیا جائے، اوران کوجلانا بھی جائز ہے، جس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قریش کے مطابق مصاحف (یعنی قرآن مجید کے نسخوں) پر اتفاق کیا، تو انہوں نے اس اتفاقی نسخہ کے علاوہ (باقی نسخوں) کوجلادیا، جوکہ اس قرآن کے جلانے کے جائز ہونے کی دلیل ہے، جس سے انتفاع ممکن نہ رہے۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس کوجلا کر چورہ کردیا جائے، یہاں تک کہ وہ ریزہ ریزہ بن کر راکھ ہوجائے، کیونکہ جلانے کے بعد لکھے ہوئے کچھ حروف ظاہر ہوتے ہیں، جن کو چورہ کیے بغیر، جب تک کہ راکھ نہ ہوجائے، ان سے لکھائی کا اثر زائل نہیں ہوتا۔

شیخ سے سوال کیا گیا کہ اگراس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں، تو کیا حکم ہے؟

تو آپ نے جواب دیا کہ اگرایسا کردیا جائے، تو یہ تیسراطریقہ ہے، لیکن یہ طریقہ تھوڑا مشکل ہے، کیونکہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں یہ ضروری ہوگا کہ اس طرح باریک ٹکڑے اورریزہ ریزہ کیا جائے کہ تمام کلمات اورحروف ختم ہوجائیں، اوریہ

کام مشکل ہے۔

البتہ اگر کوئی آلہ ایسا موجود ہو، جو اِس طرح ریزہ ریزہ کردے کہ وہ باریک ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے، اور حروف کی شکل باقی نہ رہے، تو یہ طریقہ جائز ہوگا (فتاویٰ نورعلی الدرب)

اب ایسا آلہ ایجاد ہو چکا ہے، جس کو ''Paper Crushing Machine'' کہتے ہیں، یہ کاغذ کو باریک اور ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔

شیخ موصوف مذکور نے ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

''قرآن مجید کے نا قابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو جلانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، اس کی دلیل ہے، جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی مخالفت ثابت نہیں''۔ [1]

سعودی عرب کے مفتیِ اعظم شیخ ابنِ باز کا حوالہ

سعودی عرب کے مفتیِ اعظم شیخ ابنِ باز نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

''قرآن مجید جب اس طرح شہید ہوجائے کہ اس سے انتفاع نہ ہوسکے، تو اس کو بے ادبی سے بچانے کے لیے جلانا بھی جائز ہے، اور پاک صاف مقام میں دفن

---

[1] هل يجوز حرق أوراق ممزقة من القرآن أو فيها اسم الله عز وجل لأنني سمعت أن من يحرق ورقة يكوى بها يوم القيامة أرجو من الله التوفيق ومنكم الإجابة؟

فأجاب رحمه الله تعالى :تحريق أوراق المصحف إذا كان لا ينتفع بها جائز ولا حرج فيه، فإن عثمان رضي الله عنه لما وحّد المصاحف على لغة قريش أمر بإحراق ما عداها فأحرقت ولم يعلم له مخالف من الصحابة رضي الله عنهم، وكذلك أيضاً ما كان فيه اسم الله لا بأس بإحراقه إلا أنه حسب الأمر الواقع في المصاحف المقطوعة إذا أحرقت فإن لون الحروف يبقى بعد الإحراق، لون الحرف يبقى ظاهراً في الورقة بعد الإحراق، فلابد بعد إحراقها من أحد أمرين إما أن تدفن وإما أن تدق حتى تكون رماداً لئلا تبقى الحروف فيطير بها الهواء فتداس بالأقدام، وأما ما سمعه أن من أحرق ورقة كوي بها يوم القيامة فلا أصل له(فتاوى نور على الدرب ،ج٥،ص ٢، حرق المصحف، هل يجوز حرق أوراق ممزقة من القرآن أو فيها اسم الله عز وجل)

کر دینا بھی جائز ہے''۔ [1]

''فتاویٰ قطاع الإفتاء بالكويت'' کا حوالہ

''فتاوی قطاع الإفتاء بالكويت'' کی لجنة کا ایک فتویٰ درجِ ذیل ہے:

يجوز إتلاف أوراق المصاحف المستغنى عنها بكل من الطرق التالية:

1 ......الإحراق الذى يتحول به المصحف كله إلى رماد.

2 ......الدفن ويجب أن يكون فى مكان طاهر بعيد عن مواطن الأقدام .

3 ......التغريق بأن يوضع فى أكياس مثقلة ويلقى فى عرض البحر بعيداً عن الشاطىء.

4 ......المحو أو الغسل بالماء أوالمواد الكيماوية الطاهرة التى تزيل كل أثر للكتابة.

5 ......التقطيع وذلک عن طريق آلات التقطيع العادية المعروفة التى تحولها إلى مجرد حروف مقطعة لا يمكن جمع كلمات منها.

---

[1] حكم من حرق القرآن الكريم سهوا أو عمدا

س :ما جزاء من قام بحرق القرآن الكريم سهوا ولم يعرف إلا بعد ما مضى هذا الفعل؟

الجواب :ليس عليه شىء ما دام سهوا مثل أن يحرقه وهو لا يدرى أنه قرآن، وكذلک إذا حرقه عمدا لكونه متقطعا لا ينتفع به، حتى لا يمتهن، فلا بأس عليه ;لأن القرآن إذا تقطع وتمزق ولم ينتفع به يحرق أو يدفن فى محل طيب حتى لا يمتهن.

أما إذا حرقه كارها له، سابا له، مبغضا له، فهذا منكر عظيم وردة عن الإسلام .وهكذا لو قعد عليه، أو وطأ عليه برجله إهانة له، أو لطخه بالنجاسة، أو سبه وسب من تكلم به، فهذا كفر أكبر وردة عن الإسلام والعياذ بالله(فتاوى نور على الدرب لابنِ باز بعناية الطيار،ص ۸۴،۸۵، القرآن،حكم من حرق القرآن الكريم سهوا أو عمدا)

6...... تحويلها إلى عجينة بشرط أن يزول كل أثر للكتابة منها، ولا مانع من استعمال هذه العجينة فى الأغراض الصناعية المباحة.

ويشترط فى جميع هذه الطرق أن يقصد بها تكريم المصحف وصيانته من الامتهان، فإن قصد فاعله امتهان المصحف فإنه يكفر بذلك، كما يشترط فى الإتلاف تجنب كل ما يشعر بالإهانة والامتهان وأن يتولى العمل أناس مسلمون .والله أعلم(مجموعة الفتاوىٰ الشرعية،الصادرة عن قطاع الافتاء والبحوث الشرعية،مشمولة:فتاوى قطاع الإفتاء بالكويت، ج۵ ص ۲۱۹ ،كتاب الحظر والإباحة،باب الكتابة والأدب)

ترجمہ: جن مصاحف (یعنی قرآن مجید کے نسخوں) کی ضرورت نہ ہو، ان کے اوراق کودرجِ ذیل طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے تلف کرنا جائز ہے:

(1) اس طرح جلا دیا جائے کہ وہ مصحف (یعنی قرآن مجید) پوری طرح سے راکھ بن جائے۔

(2) اس کودفن کردیا جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ پاک جگہ میں دفن کیا جائے، جو پیروں کے روندے جانے والی جگہ سے دُور ہو۔

(3) پانی میں اس طرح ڈبو دیا جائے کہ بھاری تھیلے میں رکھ کر دریا کے اندر کنارے سے دُور ڈال دیا جائے (تا کہ وہ باہر نہ آئے)

(4) اس کی لکھائی کومٹا دیا جائے ، یا پانی کے ساتھ دھو دیا جائے، یا کیمیکل جیسے پاک مواد کے ساتھ اس طرح دھو دیا جائے کہ لکھائی کا اثر پوری طرح زائل ہوجائے۔

(5) اوراق کو کاٹ دیا جائے، ان آلات ومشینوں کے ذریعہ، جو آج کل رائج

ہیں، جن کے ذریعہ سے کاغذ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، اور تمام کلمات اور حروف ایک جگہ جمع نہیں رہتے۔

(6) ان اوراق کو گودا بنا دیا جائے، بشرطیکہ لکھائی کا اثر پوری طرح زائل ہو جائے، جس کے بعد اس گودے کو جائز اور مباح مصنوعات کے مقاصد میں استعمال کرنے میں کوئی مانع نہیں ہوگا۔

اور ان تمام طریقوں میں یہ شرط ہے کہ ان کے ذریعہ سے قرآن مجید کی تکریم اور اس کو بے ادبی و بے احترامی سے بچانا مقصود ہو۔

لیکن اگر اس طرح کا عمل کرنے والے کا مقصود قرآن مجید کی توہین کرنا ہو، تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، اور تلف کرنے کے سلسلہ میں یہ بھی شرط ہے کہ ان طریقوں سے اجتناب کیا جائے، جو اہانت اور توہین پر مشتمل ہوں، اور اس طریقۂ کار کو مسلمان افراد انجام دیں، واللہ أعلم (فتائی قطاع الافتاء)

ظاہر ہے کہ ہمارے پیشِ نظر بے ادبی سے بچانے کے لیے جلانا ہے، نعوذ باللہ تعالیٰ بے ادبی کے طور پر جلانا، ہر گز پیشِ نظر نہیں۔

''جامعةُ الأزهر و جامعةُ القاهرة'' کا حوالہ

''جريدة صدى البلد'' میں 04 دسمبر 2019ء کو، پرانے اور بوسیدہ قرآنی اوراق اور نسخوں کے متعلق تفصیلی حکم شائع ہوا، جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

''جامعہ قاہرۃ'' کے ''الفقه المقارن'' کے استاذ دکتور محمد نجیب عوضین نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کریم کے پرانے اور بوسیدہ نسخوں اور اوراق کو پھینک دینا، صحیح نہیں، فقہائے کرام نے قرآن مجید کو اہانت سے بچانے اور اس کی تکریم کی خاطر اس طرح کے نسخوں اور اوراق کو جلانے کا حکم فرمایا ہے، پھر

جلانے کے بعد اُس کے مواد کو دفن کر دینا بہتر ہے۔

اور ''جامعہ ازہر'' کے استاذ دکتور محمد سید سلطان نے فرمایا کہ اس طرح کے قرآنی نسخوں کے متعلق امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ان کو جلانا جائز ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی وجہ سے، پھر جلانے کے بعد اس کی راکھ کو سمندر، یا نہر میں ڈال دیا جائے، یا پاک جگہ میں گڑھا کھود کر، راکھ کو اس میں دفن کر دیا جائے۔

جو قرآنی نسخے، قرائت کے قابل نہ رہیں، اُن کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر جلانا، جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

اور دارُ الافتاء مصر کے مفتی شیخ محمد وسام نے فرمایا کہ جن اوراق پر قرآن کریم، یا احادیثِ مبارکہ لکھی ہوئی ہوں، جن میں متبرک الفاظ ہوں، اور ان کی بے ادبی کا ڈر ہو، تو اُن کو جلا دینا، یا پاؤں پڑنے والی جگہ سے دور جگہ میں دفن کر دینا، جائز ہے، اور اس میں کوئی ممانعت نہیں، کیونکہ یہ مقدس کلام ہے، جس کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر دفن کرنے، یا جلانے میں کوئی ممانعت کی بات نہیں پائی جاتی، اور قرآن مجید کی آیت، یا ورقہ کو زمین پر، یا گندی جگہ میں ڈالنا، جائز نہیں، اگر کوئی اہانت اور تحقیر کے طور پر اس عمل کا ارتکاب کرے، تو اس سے کفر لازم آ جاتا ہے۔

اور مصر کے سابق مفتی دکتور علی جمعہ نے فرمایا کہ جب قرآن مجید، قرائت کے قابل نہ رہے، تو جمہور علماء کے نزدیک اس کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر جلانا جائز ہے''۔ [1]

---

[1] حكم حرق المصاحف القديمة والممزقة؟

سؤال أجاب عنه الدكتور محمد نجيب عوضين، استاذ الفقة المقارن بجامعة القاهرة، وذلك خلال لقائه ببرنامج السائل والفقية المذاع عبر موجات إذاعة القران الكريم .

وأوضح قائلًا: أحيانا يكون هناك مصحف تكون أوراقه قد تقطعت أو تمزقت، فالقران الكريم مكرم ولا يصح رميه مع الورق الزائد في المنزل، وقد ذكر الفقهاء أن من باب التكريم وحفظ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جامعہ ازہر، مصر میں فقہ کے استاذ مفتی دکتور سعدالدین ہلالی کا ایک فتویٰ ، مورخہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القرأن الكريم من الإمتهان أن يقوم بحرق هذه النماذج التى أصابها تلف فى الأوراق وغير ذلک وهذا أولى ثم بعد حرقها يدفنها.

أما أن أقوم بحرق مصحف لا شء فيها و أوراقه سليمة فهذا نوع من الإيذاء يخرج الإنسان الى المعصية الشديدة .

هل يجوز حرق أوراق المصحف الممزقة؟

قال الدكتور محمد سيد سلطان، أستاذ بجامعة الأزهر، إن الإمام أحمد إبن حنبل رضى الله عنه سئل عن حكم حرق المصحف فقال أنه يجوز لأن سيدنا عثمان بن عفان رضى الله عنه أحرق جميع المصاحف بعد أن كتب المصحف العثمانى فقال يجب عليه أن يحرقها والرماد يوضع فى ماء البحر أو النهر أو يحفر له حفرة فى أرض طاهرة ويدفن الرماد فى مكان طاهر.

وأضاف "سلطان "، فى إجابته عن سؤال (هل يجوز حرق أوراق المصحف الممزقة؟)،أن المصحف الصالح للقرائة لا يحرق لحرمته، فإذا صار خَلِقًا غير صالح للقرائة فيه، فإنه يجوز حرقه صيانةً له عند جمهور العلماء.

وأشار إلى أنه إذا تعرض المصحف لبعض التلف والتمزق ، وكان بالإمكان إصلاحه وتجليده فهو أفضل وأحسن ، ومن أعمال البر التى يؤجر عليها الإنسان.

حكم حرق بعض ورق القرآن خشية التلف

قال الشيخ محمد وسام، أمين الفتوى بدار الإفتاء المصرية، إن من كانت لديه أوراق مكتوب عليها آيات من القرآن الكريم أو الأحاديث التى بها لفظ الجلالة، ويخشى أن تطأها الأقدام؛ فيجوز له حرقها أو دفنها فى مكان بعيد عن وطأة الأقدام.

وأضاف وسام، فى إجابته على سؤال ما حكم حرق بعض ورق القرآن خشية التلف؟، أنه لا مانع من حرق أوراق القرآن الكريم، لأن هذا كلام مقدس فإذا خيف عليه من الامتهان؛ فلا مانع من الدفن أو الحرق.

وأشار الى أنه لا يجوز أن تلقى أية ورقة من المصحف على الأرض، أو فى مكان قذر؛ ما دام فيها حرف من كلام الله تعالى، ولو حدث ذلک على سبيل الإهانة والاحتقار؛ يكون كفرًا.

حكم حرق أوراق المصحف القديمة

ورد سؤال للدكتور على جمعة مفتى الجمهورية السابق، من سائل يقول "ما حكم حرق الأوراق القرآنية القديمة."

أجاب "جمعة"، أن الأصل أن المصحف الصالح للقرائة لا يحرق لحرمته، فإذا صار خَلِقًا غير صالح للقرائة فيه، فإنه يجوز حرقه صيانةً له عند جمهور العلماء .

(جريدة"صدى البلد"الأربعاء /04ديسمبر/2019،هل يجوز حرق المصاحف القديمة والممزقة ؟)
(https://www.elbalad.news/4082528)

04 جولائی 2014ء کو ''الجريدة'' میں جو شائع ہوا، اس میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ:

''قرآن مجید کے اوراق جب پرانے ہوجائیں، یا پھٹ جائیں، یا انتفاع کے قابل نہ رہیں، یا ان میں اغلاط پائی جاتی ہوں، جن کی اصلاح ممکن نہ ہو، تو اُن کو جلائے بغیر دفن کرنا بھی جائز ہے، اور ان کو جلا کر محفوظ مقام پر دفن کرنا بھی جائز ہے، تاکہ وہ اہانت سے محفوظ ہوجائیں، اور ان کو جلانے میں کوئی حرج نہیں، جس کی تائید، خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

اور فقہائے کرام کا قرآنی اور مقدس اوراق کو مذکورہ مقصود کے لیے جلانے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے''۔ [1]

---

[1] حرق أوراق المصحف الممزق جائز

04-07-2014 | 00:01

السؤال :ما حكم حرق أوراق المصحف القديم التى لم تعد صالحة للقراء ة وكذلك الأوراق القديمة التى تحتوى على آيات من القرآن الكريم؟

المفتى :الدكتور سعدالدين الهلالى أستاذ الفقه بجامعة الأزهر.

الفتوى :إذا بَلِيَتْ أوُراق المصحف وتمزَّقَت مِن كثرة القراء ة فيها مثلاً، أو أصبحت غير صالحة للانتفاع بها، أو عثر فيها على أغلاط مِن إهمال مَن كَتبها أو طَبعها ولم يُمْكِن إصلاحها جاز دفنها بلا تحريق، وجاز تحريقها ثم دفنها بمكان بعيد عن القاذورات ومواطء الأقدام صيانة لها من الامتهان، وحفظًا للقرآن مِن أن يَحْصُل فيه لَبْس أو تحريف أو اخْتلاف بانتشار المصاحف التى طرأت عليها أغلاط فى كتابتها أو طباعتها، فالمصحف إذا كان لا ينتفع به جائز حرقه ولا حرج فى ذلک، فإن عثمان رضى الله عنه لما وحَّد المصاحف على لغة قريش أمر بإحراق ما عداها فأحرقت ولم يعلم له مخالف من الصحابة رضى الله عنهم، فقال الإمام على بن أبى طالب حين حَرَّق عثمان المصاحف: لو لم يَصْنَعه هو لَصَنَعْتُه، وقال مصعب بن سعد بن أبى وقاص :أدْرَكْت الناس مُتوافِرين حين حَرَّق عثمان المصاحف فأعجبهم ذلک، أو قال :لم يُنْكِر ذلک منهم أحَد، قال ابن كثير :وهذا إسناد صحيح، وكذلک أيضاً ما كان فيه اسم الله لا بأس بإحراقه إلا أنه حسب الأمر الواقع فى المصاحف المقطوعة إذا أحرقت فإن لون الحروف يبقى بعد الإحراق، لون الحرف يبقى ظاهراً فى الورقة بعد الإحراق، فلابد بعد إحراقها من أحد أمرين إما أن تدفن وإما أن تدق حتى تكون رماداً لئلا تبقى الحروف فيطير بها الهواء فتداس بالأقدام وأما ما يتردد فى كثير من الأحيان أن من أحرق ورقة كوى بها يوم القيامة فلا أصل له.

وقد اتفق الفقهاء على أنه يجوز إحراق أوراق المصحف أو غيرها من الأوراق التى تحتوى على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مطلب یہ ہے کہ تمام فقہائے کرام بے ادبی سے بچانے کی خاطر، جلانے کے جائز ہونے پر متفق ہیں، البتہ افضل وغیر افضل ہونے، یا مکروہ تنزیہی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، جس سے جائز ہونے میں اختلاف لازم نہیں آتا۔

شیخ فوزان کا حوالہ

عرب کے شیخ فوزان کے فتاویٰ میں ہے کہ:

''جب قرآن مجید بوسیدہ ہوجائے، یا پھٹ جائے، اوراس کی بے ادبی کا خوف ہو، اوراس سے انتفاع ممکن نہ رہے، تو اس کوجلانے، یا پاک جگہ میں دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ دونوں طریقے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہیں''۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آیات من القرآن الکریم صیانة لما قد یکون فیھا من آیة قرآنیة أو حدیث نبوی أو نحو ذلک مما یجب احترامه، ویجوز أیضاً إحراق أوراق المصحف صیانة لھا من الإھانة ومحافظة علی حرمتھا، ولک أیضاً أن تحفظھا من الإھانة بدفنھا فی أرض طیبة.

(https://www.aljarida.com/articles/1462363648254057000/)

[1] حکم تحریق المصحف إذا خشی علیه الامتھان:

السؤال :ھل یجوز حرق أوراق من المصحف الشریف إذا خیف علیھا الامتھان؟

الجواب :نعم إذا درس المصحف وتمزق وخشی علیه من الامتھان أصبح فی حالة لا یمکن الانتفاع به والقراء ة فیه، فلا بأس أن یحرق أو یُدفن فی أرض طاھرة؛ لأن کلاً من الأمرین فعله الصحابة -رضی اللہ عنھم -، فقد دفنوا المصاحف، وکذلک حرقوا المصاحف لما جمعوا الناس علی مصحف واحد، وھو مصحف عثمان -رضی اللہ عنه- وحرقوا ما عداه من بقیة المصاحف، فالمصحف إذا کان فی حالة لا یمکن الانتفاع به لتمزقه فإنه إما أن یدفن فی مکان طاھر وإما أن یحرق.

(المصدر:المنتقی من فتاوی الشیخ الفوزان(موسوعة الفتاوی،الخمیس 23ذو الحجة 1441 |)

(http://fatawapedia.com/)

’’اسلام آن لائن‘‘ کا حوالہ

وزارتِ اوقاف، قطر کی طرف سے ’’دوحۃ، قطر‘‘ میں واقع ’’اسلام آن لائن‘‘ (IslamOnline.net) نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

’’قرآنی بوسیدہ اوراق کو اہانت و بے ادبی سے محفوظ کرنے کے لیے جلانے میں کوئی ممانعت نہیں (خلیفۂ راشد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قرآنی نسخہ کے علاوہ دیگر قرآنی نسخوں کو جلانے کا حکم فرمایا تھا، جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔

اور قرآنی اوراق کو زمین پر، یا گندی جگہ میں پھینکنا جائز نہیں، جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا کوئی جملہ موجود ہو، اور اگر کوئی شخص یہ عمل اہانت اور تحقیر کے طور پر کرے، تو اس سے کفر لازم آجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی نے ’’الإتقان‘‘ میں فرمایا کہ قرآنی اوراق کو جب تلف کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو اُن کو پانی سے دھونا جائز ہے، اور اگر اُن کو آگ میں جلائے، تو بھی کوئی حرج نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی اوراق کو ضرورت کی وجہ سے جلادیا تھا، اور ان کے طرزِ عمل پر نکیر نہیں کی گئی تھی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پانی میں دھونے کے مقابلے میں جلادینا، بہتر ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے جلانے کو ادب کے خلاف کہا ہے، اور بعض نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور اس کے بجائے، دفن کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

تاہم جب قرآن کو بے ادبی سے محفوظ رکھنا مقصود ہو، اور تحقیر و اہانت کا قصد نہ ہو، تو یہ نیت اچھی شمار ہوتی ہے، اور اس مقصد کے لیے جلادینا، قرآنی بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا ایک آسان طریقہ ہے، اور اعمال کا

دار و مدار، نیتوں پر ہوتا ہے''۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ جب جلانے والے کا مقصد بے ادبی و بے احترامی نہ ہو، بلکہ اس سے بچانا مقصود ہو، تو یہ عمل بے ادبی و بے احترامی میں داخل نہیں، کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس کو بے ادبی قرار دینا درست نہیں۔

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری حنفی ''مشكاةُ المصابيح'' کی شرح ''مرقاةُ المفاتيح'' میں فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی ورق المصحف البالی إذا لم يبق فيه نفع أن

---

[1] هل يجوز حرق أوراق المصحف:

السؤال: بعض أوراق المصحف تآكلت فهل يجوز أن أتخلص منها بإحراقها أو برمُيها فى مكان غير نظيف؟.

الجواب: لا مانع من إحراق أوراق المصحف للمحافظة عليها من التعرض للإهانة، وقد أمر عثمان بن عفان ـ رضى الله عنه ـ بإحراق ما عدا مصحفه، من المصاحف التى كانت عند بعض الصحابة، وذلک من أجل المحافظة على القرآن ولم يُنكر عليه.

ولا يجوز أن تلقى أية ورقة من المصحف على الأرض أو فى مكان قذر ما دام فيها حرف من كلام الله تعالى، ولو حدث ذلک على سبيل الإهانة والاحتقار كان كفرًا.

جاء فى الإتقان للسيوطى ج 2ص 172 ما نصه: إذا احتيج إلى تعطيل بعض أوراق المصحف لبلاء ونحوه، فلا يجوز وضعها فى شق أو غيره؛ لأنه قد يسقط ويُوطأ ، ولا يجوز تمزيقها، لما فيه من تقطيع الحروف وتفرقة الكلم، وفى ذلک إزراء بالمكتوب، كذا قاله الحليمى .قال: وله غسلها بالماء، وإن أحرقها بالنار فلا بأس .أَحرَق عثمان مصاحف كان فيها آيات وقرائات منسوخة ولم يُنكُر عليه.

وذكر غيره أن الإحراق أوُلى من الغسل؛ لأن الغسالة قد تقع على الأرض .وجزَّم القاضى حسين فى تعليقه بامتناع الإحراق؛ لأنه خلاف الاحترام، والنووى جزم بالكراهة، وفى بعض كتب الحنفية أن المصحف إذا بَلِيَ لا يُحرَق، بل يُحفَر له فى الأرض ويُدفَن، وفيه وقفه، لتعرضه للوطء بالأقدام.

هذا ما قاله العلماء فى التخلص من أوراق المصحف التى تمزقت أو تآكلت، وقد يكون الإحراق أخف طريقة لذلک مع توفر النية الصالحة فى أن ذلک لصيانة القرآن وعدم احتقاره وتعريضه للإهانة، والأعمال بالنيات.

(https://fatwa.islamonline.net/2088)

الأولى هو الغسل، أو الإحراق؟ فقيل: الثانى لأنه يدفع سائر صور الامتهان، بخلاف الغسل فإنه تداس غسالته، وقيل الغسل وتصب الغسالة فى محل طاهر لأن الحرق فيه نوع إهانة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴،ص ۱۵۱۹، كتاب فضائل القرآن)

ترجمہ: اور علماء کا قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کے بارے میں جن کا نفع باقی نہ رہے، اختلاف ہے کہ بہتر ان کو دھو دینا ہے، یا جلا دینا ہے؟ پس ایک قول یہ ہے کہ جلا دینا بہتر ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے اہانت کی تمام صورتیں ختم ہوجاتی ہیں، بخلاف دھونے کے، کہ اس کے دھوئے ہوئے پانی کی بے احترامی ہوتی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ دھو دینا بہتر ہے، اور اس کے پانی کو پاک جگہ میں ڈال دیا جائے، کیونکہ جلانے میں (ظاہری طور پر) ایک طرح کی اہانت پائی جاتی ہے (مرقاۃ)

مذکورہ عبارت میں بھی قرآنی اور مقدس اوراق کو، جن سے انتفاع نہ ہوتا ہو، دھونے اور جلانے دونوں کا جواز مذکور ہے، اور ان دونوں میں سے کونسا طریقہ افضل ہے؟ اس میں بھی اختلاف کا ذکر ہے۔

اور جب جلانے کے افضل ہونے کا قول بھی موجود ہے، تو جلانے کو گناہ قرار دینا، بالخصوص جبکہ بے ادبی سے حفاظت کی دوسری صورتوں پر عمل مشکل ہو، یہ درست نہیں۔

''التاتار خانية''اور''السراجية'' کا حوالہ

فقہ حنفی کی کتاب ''الفتاویٰ التاتار خانية'' میں ہے کہ:

وفى السراجية: اذا صار المصحف خلقا ينبغى ان يلف فى خرقة طاهرة، ويدفن فى مكان طاهر او تحرق (الفتاوىٰ التاتارخانية، ج۱۸ ص ۶۹، كتاب الكراهية، الفصل فى المسجد والقبلة وغيرها)

ترجمہ: سراجیہ میں ہے کہ جب قرآن مجید پرانا ہو جائے، تو مناسب یہ ہے کہ اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے، یا جلا دیا جائے (ان میں سے ہر ایک صورت جائز ہے) (فتاویٰ تاتارخانیہ)

اور امام علی بن عثمان بن محمد سراج الدین آلوسی حنفی کے ''الفتاویٰ السراجیة'' میں ہے کہ:

اذا صار المصحف خلقا ينبغي ان يلف في خرقة طاهرة، ويدفن في مكان طاهر او يحرق او يغسل (الفتاویٰ السراجية، ص ۱۷، كتاب الكراهة والاستحسان، باب القرآن، مطبوعة: ايچ ايم سعيد كمپنى، كراتشى، الباكستان)

ترجمہ: جب قرآن مجید پرانا ہو جائے، تو مناسب یہ ہے کہ اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے، یا جلا دیا جائے، یا اُس کو پانی سے دھو دیا جائے (ان میں سے ہر ایک صورت مناسب ہے) (السراجیۃ)

فقہ حنفی کی مذکورہ عبارات سے بوسیدہ قرآن مجید کو ادب کے ساتھ پاک جگہ دفن کرنے، یا جلا دینے، یا کچی روشنائی ہونے کی صورت میں پانی وغیرہ سے دھو دینے کا جائز ہونا اور ان میں سے کسی بھی طریقہ میں اختیار کا ہونا معلوم ہوا۔

اور جب دفن کے لیے پاک صاف جگہ میسر نہ ہو، اور تحریر و لکھائی کے پختہ ہونے کی وجہ سے پانی سے دھونا بھی ممکن نہ ہو، تو پھر جلانے کے جائز، بلکہ متعین ہونے میں شبہ نہیں۔

لیکن افسوس کہ بعض اہلِ علم حضرات، اس صورت کو ناجائز قرار دے کر مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

''الدرُّالمختار'' اور ''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

حنفیہ کی کتاب ''الدرُّالمختار'' میں ہے:

المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم (الدرالمختار مع رد المحتار، ج ۱، ص ۱۷۷، کتاب الطهارة)

ترجمہ: قرآن مجید جب اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس میں قرائت نہ کی جاسکے، تو اس کو مسلمان شخص کی طرح دفن کردیا جائے گا (الدرُّالمختار)

اور ''الدرُّالمختار'' کی شرح ''ردُّ المحتار'' میں اس کی تشریح کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

اس کو پاک کپڑے میں رکھ کر ایسی غیراہانت والی جگہ، دفن کردیا جائے گا، جہاں سے لوگوں کا گزر نہ ہوتا ہو، اور ''الذخیرۃ'' میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ بغلی قبر بنائی جائے، سیدھا گڑھا نہ کھودا جائے، کیونکہ ایسی صورت میں اس پر مٹی ڈالنے کی نوبت آئے گی، جس میں ایک طرح کی تحقیر ہے، البتہ اس کے اوپر اس طرح سے چھت بنادی جائے کہ اس تک مٹی نہ پہنچے، تو یہ بہتر ہے۔ [1]

اور ''الدرالمختار'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

الكتب التى لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقى ولا بأس بأن تلقى فى ماء جار كما هى أو تدفن وهو أحسن كما فى الأنبياء (الدرالمختار مع رد المحتار، ج۶، ص ۴۲۲، کتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع)

---

[1] (قوله: يدفن) أى يجعل فى خرقة طاهرة ويدفن فى محل غير ممتهن لا يوطأ .وفى الذخيرة وينبغى أن يلحد له ولا يشق له؛ لأنه يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفى ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه فهو حسن أيضا اهـ .وأما غيره من الكتب فسيأتى فى الحظر والإباحة أنه يمحى عنها اسم الله تعالى وملائكته ورسله ويحرق الباقى ولا بأس بأن تلقى فى ماء جار كما هى أو تدفن وهو أحسن .اهـ. (قوله: كالمسلم) فإنه مكرم، وإذا مات وعدم نفعه يدفن وكذلك المصحف، فليس فى دفنه إهانة له، بل ذلك إكرام خوفا من الامتهان (ردالمحتار، ج ۱ ص۱۷۷، كتاب الطهارة، سنن الغسل)

ترجمہ: جن دینی کتب سے انتفاع نہ کیا جاسکے، اُن سے، اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا نام مٹا دیا جائے گا، اور باقی کو جلا دیا جائے گا، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اسی حالت میں رکھتے ہوئے، جاری (یعنی چلتے ہوئے) پانی میں ڈال دیا جائے، یا دفن کر دیا جائے، اور یہی (دفن کا طریقہ) بہتر طریقہ ہے، جیسا کہ انبیائے کرام کو دفن کیا جاتا ہے (الدرُّالمختار)

اور''ردُّ المحتار''میں مذکورہ عبارت کی شرح میں ہے:

یعنی أن الدفن لیس فیه إخلال بالتعظیم، لأن أفضل الناس یدفنون .

وفی الذخیرة :المصحف إذا صار خلقا وتعذر القراء ة منه لا یحرق بالنار إلیه أشار محمد وبه نأخذ.

ولا یکره دفنه، وینبغی أن یلف بخرقة طاهرة، ویلحد له لأنه لو شق ودفن یحتاج إلی إهالة التراب علیه، وفی ذلک نوع تحقیر إلا إذا جعل فوقه سقف، وإن شاء غسله بالماء .

أو وضعه فی موضع طاهر لا تصل إلیه ید محدث ولا غبار، ولا قذر تعظیما لکلام الله عز وجل اهـ (رد المحتار علی الدر المختار، ج٦، ص ۴۲۲، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

ترجمہ: دفن کرنے میں، تعظیم کی خلاف ورزی نہیں پائی جاتی، کیونکہ انبیاء واولیائے کرام کو، جو لوگوں میں افضل ہوتے ہیں، ان کو بھی دفن کیا جاتا ہے۔

اور ذخیرہ میں ہے کہ قرآن مجید کا نسخہ، جب پرانا ہو جائے، اور اس سے قرائت کرنا دشوار ہو جائے، تو آگ میں نہیں جلایا جائے گا، اسی کی طرف امام محمد نے اشارہ کیا ہے، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اوراس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو پاک کپڑے میں لپیٹا جائے، اور بغلی قبر بنائی جائے، کیونکہ اگر ویسے ہی سیدھا گڑھا کھود کر اس کو دفن کیا جائے گا، تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت پڑے گی، اور اس میں ایک طرح کی تحقیر لازم آتی ہے، لیکن اگر اس کے اوپر چھت بنادی جائے (یعنی اوپر لکڑی، یا پتھر وغیرہ کی سِل رکھ کر پھر مٹی ڈالی جائے، تو حرج نہیں)

اور اگر چاہے تو اس قرآن کو پانی سے دھودے۔

یا اس (قرآن مجید کے مطبوعہ ومکتوبہ نسخہ، یا اوراق) کو ایسی پاک جگہ رکھ دے، جہاں نہ تو بے وضو شخص کا ہاتھ پہنچے، اور نہ گرد وغبار پہنچے، اور نہ کوئی گندگی پہنچے، اللہ عزوجل کے کلام کی تعظیم کے لئے (رد المحتار)

فقہ حنفی کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے پرانا، بوسیدہ، یا نا قابلِ انتفاع ہونے کی صورت میں اس کو بے ادبی اور اہانت سے بچانے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

(1)......قرآن مجید اور مقدس مواد کے نا قابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو بے ادبی سے بچانے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ پاک وصاف جگہ دفن کردیا جائے، جہاں لوگوں کا گزر نہ ہوتا ہو، جس کا مناسب طریقہ وہی ہے، جو مسلمان کو دفن کرنے کا ہے کہ ان کو پاک کپڑے میں لپیٹا جائے، اور بغلی قبر بنائی جائے، کیونکہ اگر ویسے ہی سیدھا گڑھا کھود کر ان کو دفن کیا جائے گا، تو اوپر سے مٹی ڈالنے کی ضرورت پڑے گی، اور اس میں ایک طرح کی تحقیر لازم آئے گی، لیکن اگر اوپر چھت بنادی جائے، جیسا کہ مسلمان کو دفن کرنے کے وقت کیا جاتا ہے، تو حرج نہیں۔

(2)......قرآن مجید کے نا قابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو بے ادبی سے بچانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پاک پانی سے قرآنی حروف کو دھو کر مٹا دیا جائے اور وہ پانی

کسی پاک جگہ پر بہادیا جائے۔

(3)......قرآن مجید کے ناقابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو بے ادبی سے بچانے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کو پاک صاف جگہ رکھ دیا جائے، جہاں نہ تو بے وضو شخص کا ہاتھ پہنچے، نہ گرد و غبار پہنچے اور نہ کوئی گندگی پہنچے۔

(4)......امام محمد رحمہ اللہ کے اشارہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے ناقابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو آگ میں جلانا مناسب نہیں۔

اور جن کتابوں، یا اخبارات وغیرہ میں اللہ اور اس کے فرشتوں اور نبیوں وغیرہ کا نام ہو، اُن کو مٹا کر باقی مواد کو جلا دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ انتھیٰ۔

لیکن اس موقع پر یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ پانی سے دھونے، یا مٹانے کا مذکورہ طریقہ، دراصل خام اور کچی روشنائی سے متعلق ہے، جو پہلے زمانوں میں چمڑے، یا تختی وغیرہ پر ہوتی تھی، جس کو پانی کے ذریعے دھونے سے نقوش غائب ہوجاتے ہیں۔

برخلاف موجودہ دور کی کاغذ پر پختہ اور پکی روشنائی کے کہ اس کے نقوش کاغذ وغیرہ سے، عام طریقہ پر دھونے کے ذریعے غائب نہیں ہوتے۔

اور ہم یہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک، قرآنی اوراق کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر، جلانے کے مکروہ ہونے کے قول سے مراد ''مکروہ تنزیہی'' ہونا ہے، کیونکہ جب جلانے کا عمل، خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے انکار و نکیر بھی مروی نہیں، اور فقہ حنفی ہی کی بعض کتب میں اس کے جائز ہونے اور اس سے بڑھ کر افضل ہونے کی صراحت کی گئی ہے، تو ''مکروہ تنزیہی'' ہونا ہی متعین ہوگا، اور ''جواز'' اور ''کراہتِ تنزیہی'' دونوں میں تطبیق ممکن اور سہل ہوتی ہے، ان دونوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، اور جس فعل پر صحابۂ کرام سے نکیر مروی نہ ہو، اور اس سے بڑھ کر وہ فعل خلیفۂ راشد سے ثابت ہو، اس کو مکروہ تحریمی قرار دینا راجح نہیں، اس

طرح کے مسائل کی بے شمار مثالیں، فقہ حنفی کی کتب میں مذکور ہیں۔ [1]

اور جب محفوظ ومحترم جگہ دفن کرنے، اور پانی سے دھونے کی صورتوں پر عمل ممکن نہ ہو، بلکہ ان طریقوں پر عمل کرنے سے بے ادبی لازم آتی ہو، اور اسی حال میں اس مواد کو باقی رکھتے ہوئے ایسے مقام پر محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو کہ جہاں بے وضو شخص کا ہاتھ نہ پہنچے، اور نہ کوئی گندگی اور گرد وغبار پہنچے، تو بے ادبی سے بچانے کی خاطر جلا دینا، بلاشبہ جائز ہوگا۔

اور ایسی حالت میں جلانے کے ناجائز ہونے پر اصرار کرنا، دراصل بے ادبی وبے احترامی کی صورتوں کا راستہ کھولنا کہلائے گا، جیسا کہ عام مشاہدہ ہے کہ شہروں میں بڑے اور وسیع مواد کو دفن کرنے کے لیے پاک صاف، محفوظ جگہیں میسر نہیں، اور پانی میں ڈالنے سے ان کی بے ادبی کے امکانات ختم نہیں ہوتے، اور پختہ تحریر ولکھائی کو دھونا بھی ممکن نہیں۔

---

[1] كما تشمل المكروه تنزيها، وهو ما كان إلى الحل أقرب، بمعنى أنه لا يعاقب فاعله أصلا، لكن يثاب تاركه أدنى ثواب ، فيكون تركه أولى من فعله .ويرادف المكروه تنزيها (خلاف الأولى) وكثيرا ما يطلقونه أيضا.

فإذا ذكروا مكروها: فلا بد من النظر فى دليله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹ص ۱۴۴، مادة "بيع")

المكروه تنزيها: وهو ما كان تركه أولى من فعله، ويرادف خلاف الأولى(ردالمحتار، ج ا ص ۱۳۱، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

والظاهر أن خلاف الأولى أعم، فكل مكروه تنزيها خلاف الأولى ولا عكس لأن خلاف الأولى قد لا يكون مكروها حيث لا دليل خاص كترك صلاة الضحى .وبه يظهر أن كون ترك المستحب راجعا إلى خلاف الأولى لا يلزم منه أن يكون مكروها إلا بنهى خاص لأن الكراهة حكم شرعى فلا

بد له من دليل، والله تعالى أعلم (ردالمحتار، ج ا ص ۱۵۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

وليس كل ما هو خلاف الأولى مكروها تنزيها لأن الكراهة لا بد لها من دليل خاص كما قررناه مرارا(ردالمحتار، ج۲ص ۲۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ويمكن حمل الكراهة على التنزيهية وهى مرجع خلاف الأولى المفاد من كلمة لا بأس غالبا فلا مخالفة فافهم(ردالمتحار، ج۲ص ۱۶۹، كتاب الصلاة، باب العيدين)

قلت: الظاهر أن هذه الكراهة للتنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى إذ احتمال الغلط لا يصلح دليلا على كراهة التحريم اهـ(ردالمحتار، ج٦ص ۳۲۰، كتاب الأضحية)

یہی وجہ ہے کہ جن اہلِ علم حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مسئلہ میں اجتہاد اور غور وفکر کرنے کی توفیق حاصل ہوئی، انہوں نے اس نکتہ کو سمجھا، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

امدادُ الفتاویٰ کا حوالہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے فتاویٰ میں ہے کہ:

اس احراق (یعنی جلانے) میں اختلاف ہے، اس لئے (جلانے کے) فعل میں بھی گنجائش ہے، اور ترک، احوط (یعنی جلانے سے بچنا زیادہ احتیاط والا پہلو) ہے، اور تقدیر ترک (یعنی جلانے سے بچنے) پر یہ صورت سہل ہے کہ ان ردّیات کو جمع کرتے رہیں، جب معتد بہٖ ذخیرہ ہوجاوے، دفن کرادیں، اور احراق (یعنی جلانے) کی صورت میں اس کی خاکستر (یعنی راکھ) بنابر قاعدۂ قلبِ ماہیت کے (یعنی ماہیت بدل جانے کی بناء پر) واجبُ الاحترام تو نہیں ہے، لیکن اگر اس کو جداگانہ کسی ظرف (یعنی برتن وغیرہ) میں جلا کر اس خاکستر (یعنی راکھ) کو پانی میں گھول کر دریا میں بہادیا جاوے، تو اور بھی زیادہ **اقرب الی الادب** (یعنی ادب کے زیادہ قریب) ہے (امداد الفتاویٰ، ج۴ص۵۶، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت جلانے کی بھی گنجائش ہے، اور جلانے کے بعد اس کی راکھ کا قلبِ ماہیت کی وجہ سے اس درجہ کا احترام واجب نہیں رہتا، تاہم پھر بھی اگر کوئی مزید ادب ملحوظ رکھنے کے لئے اس کو دریا کے پاک صاف پانی میں بہادے، یا پاک زمین میں دفن کردے، تو اچھی بات ہے، لیکن ایسا نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وہ کوئی گناہ والا عمل نہیں۔

کفایتُ المفتی کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی کے فتاویٰ میں ہے کہ:

(قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو) محفوظ اور محتاط مقام میں دفن کردینا بھی جائز ہے، لیکن جلادینا آج کل زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ایسا محفوظ مقام دستیاب ہونا مشکل ہے کہ وہاں آدمی، یا جانور نہ پہنچ سکیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصاحف کوجلانا، اس کے جواز کی دلیل ہے (کفایت المفتی، ج۱، ص۱۲۷، کتاب العقائد، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مذکور فتوے سے معلوم ہوا کہ موجودہ زمانے میں جلادینا، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ بہتر ہے، اوراس کی وجہ پہلے ذکر کی جاچکی ہے، اور آگے بھی آتی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ کا حوالہ

مدرسہ مظاہرُ العلوم، سہارنپور، اور مدرسہ دارُالعلوم دیوبند، ہندوستان کے سابق مفتیِ اعظم محمود حسن گنگوہی کے فتاویٰ میں ایک سوال اوراس کا جواب، اس طرح مذکور ہے:

سوال:......قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کواگرکوئی جلادے، تاکہ بے حرمتی سے بچ جائے، تواس میں کوئی گناہ تونہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:......اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن پاک کپڑے میں لپیٹ کرمحفوظ جگہ دفن کرنا، اس سے بھی بہتر ہے۔فقط۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ أعلم.

حررہٗ العبد محمود عفااللہ عنہ، معین مفتی: مدرسہ مظاہرعلوم، سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ

صحیح: عبداللطیف، یکم ربیع الثانی ۵۷ھ

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۳ص۵۴۴، کتاب العلم، باب ما یتعلق بالقرآن الکریم، بعنوان ''قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا'' مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

ظاہر ہے کہ پاک کپڑے میں لپیٹ کر محفوظ جگہ دفن کرنا، اگر ممکن وسہل ہو، تو اس پر عمل کرنے سے کوئی مومن بھی گریز نہیں کرے گا، لیکن یہاں بحث اس بڑی تعداد ومقدار کے مواد سے متعلق ہے، جس کو اس طرح مذکورہ طریقہ پر دفن کرنا ممکن نہ ہو، اور پانی میں بہادینے، یا ڈال دینے سے بھی بے احترامی سے حفاظت نہ ہوسکتی ہو، ایسی صورت میں بے ادبی سے بچانے کے لیے جلانا، کیونکر جائز نہ ہوگا، اور بعض اہلِ علم حضرات کا مذکورہ اور اس جیسے فتاویٰ سے آنکھیں بند کرلینا، تعجب وحیرت کا باعث ہے۔

فتاویٰ عثمانی کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے فتاویٰ میں ہے:

فقہائے حنفیہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانے کے بجائے، یا تو کسی محفوظ جگہ پر دفن کردیا جائے، یا اگر وہ اوراق دُھل سکتے ہوں، تو حروف کو دھوکر، ان کا پانی کسی کنویں، یا ٹینکی وغیرہ میں شامل کردیا جائے۔

اور دفن کرنے کے لیے بھی بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان اوراق کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے۔

اگر یہ دونوں کام مشکل ہوں، تو اِن اوراق کو کسی دریا، سمندر، یا کنویں میں بھی ڈالا جاسکتا ہے۔............

اور بعض علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرکے، قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو نذرِ آتش کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔......

خلاصہ یہ کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے اوراق کو جلانے کے بجائے دفن کیا

جائے، لیکن چونکہ بعض علماء نے جلانے کی بھی اجازت دی ہے، اور اس کا مأخذ بھی ہے، اس لئے اگر کوئی نذرِ آتش کرے، تو اسے حرام کہنا بھی مشکل ہے۔

واللّٰہ سبحانہٗ اعلم۔

احقر محمد تقی عثمانی، عفی عنہ۔۱۰-۱۰-۱۳۹۷ھ

(فتاویٰ عثمانی، ج۱ص۱۹۴،۱۹۵، کتاب العلم والتاریخ والطب، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت جلانے میں بھی گناہ نہیں۔

اور اس کے گناہ نہ ہونے، بلکہ جائز ہونے کی تصریح، شافعی، حنبلی اور مالکی فقہائے کرام کے علاوہ، بعض حنفی فقہائے کرام نے بھی کی ہے، جیسا کہ گزرا۔

پس موجودہ حالات میں جبکہ اوراقِ مقدسہ کے کثیر اور وسیع مواد کو ادب واحترام والی جگہ میں مشائخِ حنفیہ کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق دفن کرنا، اور اس کی سیاہی کو دھو کر مٹانا ممکن نہ رہا، اور سمندر ودریا میں ڈالنے سے بے ادبی وبے احترامی سے حفاظت مشکل ہوگئی، تو بے ادبی وبے احترامی سے بچنے بچانے کی خاطر، جلادینا بلاشبہ جائز ہے۔

اور اس حالت میں ناجائز قرار دینے والے حضرات کا قول ضعیف، کمزور اور جمہور صحابہ وتابعین اور جمہور فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے خلاف اور غلط فہمی وتسامح پر مبنی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حوالہ

اور اس طرح کے اجتہادی واختلافی اقوال میں سے کسی قول پر عمل کرنے والے کو گناہگار، یا فاسق، فاجر، یا گستاخ اور بے ادب وغیرہ کہنا جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور ائمۂ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز

کر کے عمل کریں، تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، دونوں جانبیں معروف ہی کی فرد ہوتی ہیں، اس لیے وہاں "امر بالمعروف" اور "نھی عن المنکر" کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا، اور اپنے مسلکِ مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارکِ سنت ہونے کا الزام لگانا، یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امامِ حدیث حافظ ابنِ عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامعُ العلم" میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے، وہ اہلِ علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں، جن میں آج کل کے بہت سے علماء مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں، اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوجاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں، اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ، کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، ۶۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب، شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانبیں داخلِ معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان مسائلِ مجتہد فیہا میں "امر بالمعروف" اور "نھی عن المنکر" کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا، خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدمِ جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو،

جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، یا ایک دوسرے کو، یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو، یا اس کو ترکِ وظیفہ، یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطا وار مجرم کہنا جائز نہیں (جواہر الفقہ ، جلد اول، ص ۴۰۸، ۴۰۹، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''روکنے، ٹوکنے کا معاملہ صرف اُن مسائل میں ہوگا، جو اُمت میں مشہور ومعروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل، جن میں اُصولِ شرعیہ کے ماتحت مختلف رائیں ہوسکتی ہیں، ان میں روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۲، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مفتی صاحب موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ ''امر بالمعروف ونھی عن المنکر'' کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر، خود امرِ منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہلِ علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے، اجتہادی اختلاف، بشرطیکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیتِ مذکور ولا تفرّقوا کے خلاف اور مذموم نہیں۔

البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اور اس پر باہمی جنگ وجدل اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرزِ عمل بلاشبہ ولاتفرّقوا کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سنتِ سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اسلافِ امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۳، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مذکورہ عبارات اور حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے بوسیدہ وناقابلِ انتفاع نسخوں اور مقدس اوراق کو بے ادبی سے بچانے کے لیے جلانے کے عمل پر نکیر کرنا، اور اس عمل کے مرتکب کو بے ادب وگستاخ وغیرہ قرار دینا، طریقۂ سلف اور صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

خلاصۂ جواب

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

سوال میں ذکر شدہ صورت میں قرآن مجید کے بوسیدہ، نا قابلِ انتفاع اوراق اور نسخوں کو، اور اسی طرح دوسرے مقدس اوراق اور مواد کو بے ادبی و بے احترامی سے بچانے کی غرض سے ادب واحتیاط کے ساتھ کسی پاک صاف جگہ دفن کرنا، یا پاک وصاف پانی سے دھو کر نقوش کو مٹا دینا، یا ایسی جگہ رکھ دینا، جہاں بے وضو آدمی کا ہاتھ نہ پہنچے، اور نہ ہی اس کو گرد وغبار لگے، اور نہ کوئی گندگی پہنچے، جائز ہے۔

اور اگر مذکورہ صورتوں پر عمل مشکل ہو، اور جلانے کے علاوہ دوسری متبادل صورت میسر نہ ہو، تو اس کو احتیاط کے ساتھ جلا دینا بھی بلاشبہ جائز ہے، جس کے بعد مزید احتیاط کے طور پر اس کی راکھ کو پاک جگہ دفن کر دینا، یا پاک پانی میں بہا دینا بھی جائز ہے۔

اکثر اور جمہور فقہائے کرام، یعنی مالکی، شافعی اور حنبلی فقہائے کرام کے نزدیک نا قابلِ انتفاع مقدس اور قرآنی اوراق کو بے ادبی سے بچانے کے لئے جلانا بھی جائز ہے، اور اسی کے بعض محققینِ حنفیہ بھی قائل ہیں۔

اور بعض حنفیہ کی کتب میں جو اِس طرح کے مواد کو جلانا مکروہ لکھا گیا ہے، تو اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے مکروہ تنزیہی مراد ہے، جس کی خلاف ورزی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مکروہ ہونا بھی، اس صورت میں ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں ادب واحترام کے ساتھ پاک صاف جگہ میں دفن کرنے، یا اس طرح کے مواد کو پاک صاف پانی سے دھونے پر عمل ممکن ہو، اور جب اس پر عمل ممکن نہ ہو، یا سخت دشوار ہو، تو پھر بھی اس کو مکروہ قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح کے مواد کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔

لیکن اس صورت میں اس کی بے احترامی و بے ادبی کا ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس طرح کے مواد کو جو بہت بڑی مقدار میں ہوتا ہے، کسی نہ کسی جگہ رکھنا پڑے گا، جس کے لیے ادب واحترام والی پاک صاف جگہ کا میسر آنا ممکن نہ ہوگا۔

اور جو بعض علماء اس طرح کے مواد کو دفن کردینے پر ہی زور دیتے ہیں، یا پانی میں بہادینے، یا وزن وغیرہ باندھ کر دریا بُرد کردینے کی تجویز دیتے ہیں، وہ اس چیز کو نظرانداز کردیتے ہیں کہ اولاً تو اس طرح کے مواد کو دفن کردینے کے لیے پاک صاف جگہ کا میسر آنا ہی مشکل ہے، جہاں کوئی گندگی، اور کسی کے پاؤں نہ پڑیں، دوسرے دفن کردینے کے بعد اس مواد کا ادب واحترام باقی رکھنا بھی مشکل ہے، تیسرے اتنی بڑی مقدار کو اس طرح دفن کرنا، انتہائی دشوار ہے کہ اس پر مٹی نہ پڑے، اور دریابرد کرنے کی صورت میں اس مواد کے ہواؤں کے ذریعے اڑکر، یا پانی کے بہاؤ سے بے ادبی والے مقام پر پہنچنے کا بھی عام طور پر مشاہدہ ہے۔

لہٰذا موجودہ حالات میں اس طرح کی چیزوں پر زور دینا، اور بے ادبی و بے احترامی سے بچانے کے لیے ہر شخص کے لیے، ہر مقام پر رہتے ہوئے، جلانے کی سہل صورت کی اجازت نہ دینا، فقہی اصولوں کے مطابق نہیں۔

اور موجودہ دور کے بعض علماء کا بے ادبی و بے احترامی سے بچانے کی غرض ونیت سے جلانے کو بے ادبی قرار دینا، بالخصوص جبکہ متبادل صورتوں پر عمل ممکن نہ ہو، یا سخت مشکل ہو، تو یہ کم علمی اور غلط فہمی پر مبنی ہے، اور بے ادبی سے بچنے بچانے کی خاطر، جلانے والے کے خلاف عوامی ردِعمل کرنا، اور اس کو گستاخی و بے ادبی سمجھنا بھی، غلو پر مبنی ہے۔

اگر مذکورہ مقصد سے یہ عمل بے ادبی و بے حرمتی میں داخل ہوتا، تو خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اس طرزِ عمل کو کیوں اختیار فرماتے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر خاموشی کیوں اختیار فرماتے، اور جمہور فقہائے کرام، شافعی، مالکی، حنبلی اور بہت سے حنفی فقہائے کرام وعلمائے عظام، اس کو کیوں کر جائز قرار دیتے۔

کیا نعوذ باللہ تعالیٰ موجودہ دور کے ان علمائے کرام اور عوامُ الناس کا علم اور تقویٰ اور قرآن مجید کا ادب واحترام، مذکورہ حضرات وشخصیات سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح بے ادبی وبے احترامی براعمل ہے، اسی طرح ادب واحترام کے عنوان سے غلو وتشدد کا ارتکاب کرنا بھی برا ہے۔

اور موجودہ دور میں جبکہ اس طرح کے مواد کے لیے پاک صاف وسیع وعریض محفوظ مقام میسر نہیں، اور پاک صاف پانی سے حروف ونقوش کو مٹانا بھی ممکن نہیں، بلکہ بعض اوقات بے ادبی کا باعث ہے، تو ایسی صورت میں جلا کر ہمیشہ کے لیے بے ادبی سے بچالینے کی صورت ہی بہتر ہوسکتی ہے، جس کو بعض علمائے کرام ومفتیانِ عظام کا ناجائز قرار دینا، سخت تعجب خیز امر ہے۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَـہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان

02/محرم الحرام/1442ھ بمطابق 22/اگست/2020ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

علمی و تحقیقی رسائل

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں فوت
ہونے والے کے متعلق قبر کے فتنہ سے حفاظت کا بعض
احادیث وروایات میں ذکر پائے جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن
فوت ہونے والے مومن کی ایک درجہ میں فضیلت ثابت ہے ،خواہ وہ
فضیلت کسی بھی نوعیت کی ہو، یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہی کی ہو، اسی طرح
رمضان کا مہینہ بابرکت اور مبارک اوقات میں سے ہے، جس میں جہنم کے دروازے
بند رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اگر اس بابرکت وقت میں مومن یا کافر یا ہر دو قسم کے مُردوں سے
عذاب کو مرتفع یا ہلکا فرما دیتا ہو، تو یہ کوئی بعید نہیں، لیکن اس کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور
برزخ سے ہے، جو ہماری نظروں سے پردۂ غیب میں اور اوجھل ہے، اور اس کا شریعت کے
مضبوط دلائل سے ثبوت نہیں پایا جاتا، اس لئے جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینہ میں فوت ہونے
والے سے ہمیشہ کے لئے یا پورے ماہِ رمضان عذابِ قبر و برزخ سے محفوظ ہونے کا قطعی حکم
لگانے اور فیصلہ کرنے سے احتیاط برتنی چاہئے ، بالخصوص جن گناہوں اور بداعمالیوں پر آخرت
اور برزخ میں عذاب کا ذکر قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو، ان کو نظر انداز کر کے
اس طرح کا عقیدہ بنالینے سے سختی کے ساتھ بچنا چاہئے ، تاکہ لوگوں کو بداعمالیوں کے
ارتکاب میں جرأت نہ ہو۔ اور حتی الامکان قبر و برزخ کے عذاب سے حفاظت کے
لئے گناہوں سے اجتناب اور نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے ، نہ یہ کہ ان
چیزوں کو نظر انداز کر کے صرف جمعہ کے دن فوت ہونے کی تمنا اور
دعاء پر اکتفاء کیا جائے ، اور اسی کو مقصود بنالیا جائے۔

(صفحہ نمبر 314، 315)